اشرف السوانح

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کی مستند سوانح حیات

از۔ خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب

بی۔اے (علیگ)

مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی

قال صلی اللہ علیہ وسلم

اذا اٰخی الرجل الرجل فلیسأله عن اسمه واسم ابیه وممن هو فانه اوصل للمودة

رواہ الترمذی

چوں حدیث موصوف دال است بر مطلوبیت معرفت احوال مؤمن محبوب در استحکام تعلقات قلوب، و جماعتے از صلحاء وقت منصبغ بودند بہ محبت حضرت حکیم الامت مجدد الملت قطب الارشاد شیخ المشائخ مرشد العالم مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی چشتی صابری امدادی سلمہ اللہ علام الغیوب، بنا بر مصلحت مذکورہ رسالہ ملقب بلقب تاریخی سیرت اشرف زمانہ ۱۳۵۴ھ

مسمیٰ بہ

اشرف السوانح

حصۂ دوم

کہ مضاف ترکیبش مشیر ست بمضاف الیہ او

بقلم احقر عزیز الحسن و فقیر عبد الحق فرج اللہ عنہما الکروب و اماط عنہما العیوب و غفر لہما الذنوب

برعایت اختصار در سنہ ۱۳۵۴ھ نگاشتہ شد

باہتمام سید نور الحسن تھانوی

ناشر مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اشرف السوانح — جلد دوم

تالیف

خسرو بارگاہ اشرفیہ (خان بہادر) حضرت خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوبؒ
بی، اے (علیگ) سابق ڈپٹی کلکٹر، انسپکٹر آف اسکولز۔ (یوپی)

یکے از اکابر خلفاء

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہٗ

طباعت بار چہارم ——— جمادی الاولی ۱۴۰۷ھ
مطبوعہ ——— شیروانی آفسیٹ پرنٹرز - دہلی ۶
باہتمام ——— سید مظفر الاسلام تھانوی
ناشر ——— مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
قیمت ——— Rs 100.00 -/۴

ملنے کے پتے

۱- اشرفی کتب خانہ ۱۷۱۸ بخشی بازار الہ آباد (یوپی)۔
۲- کتب خانہ الفرقان ۳۱ - نیا گاؤں مغربی نظیر آباد۔ لکھنؤ یوپی۔
۳- کتب خانہ عزیزیہ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶۔
۴- عظیم بک ڈپو، دیوبند - ضلع سہارنپور۔
۵- مکتبہ فیض اشرف جلال آباد - ضلع مظفر نگر۔
۶- مکتبہ اشرفیہ ہردوئی -
۷- کتب خانہ امداد الغرباء محلہ مفتی سہارنپور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب چہاردہم ۱۴

"ارشاد و افاضۂ باطنی"

درفیض است نشیں از گشایش ناامید اینجا
برنگ دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا

میں سخت حیران ہوں کہ اس باب کو کیونکر شروع کروں اور کس طرح تکمیل کو پہونچاؤں اس حیرانی کے کئی سبب ہیں۔

اول تو یہ باب سارے بابوں سے زیادہ مہتم بالشان ہے کیونکہ جو مضمون اس باب میں لکھنا ہے یعنی "ارشاد و افاضۂ باطنی" وہ سوانح ہذا کی روح اور حضرت صاحب سوانح کا حاصل زندگی اور مقصد حیات ہے۔ لہٰذا نہایت اہتمام سے لکھے جانے کے قابل ہے جس کے لئے نہ مجھے کافی فرصت نہ جس کی مجھ جیسے کم علم لاابالی غفلت شعار و بدانتظام سست و سہل انگار شخص سے توقع۔

دوسرے کہ ایک ایسے محی الدین و مجدد الملت اور قطب الارشاد و حکیم الامت کے "ارشاد و افاضۂ باطنی" کا حال لکھنا جنہے صدیوں کی علمی و عملی غلطیوں کو طشت از بام کر کے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو راہِ صواب دکھائی ہو اور ہزاروں گم گشتگان طریقت کو شاہراہِ حقیقت پر ڈال کر واصل الی اللہ بنادیا ہو مجھ جیسے نادان و ناکارہ کے بس کا کام ہرگز نہیں لگجائے ع۔ بزند بدکوہ را ایک برگ کاہ

تیسرے اگر مجبور ہو کر یہ ارادہ کرتا ہوں کہ جو ارشادات حضرت والا سے سنے ہیں یا حضرت والا کی تحریرات میں نظر سے گذرے ہیں اور جو حالات و واقعات مسترشدین کے معلوم ہیں بس انھیں میں سے جو جو

بے تکلف یاد آتے چلے جائیں اُنکو اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بلا لحاظ کسی خاص ترتیب کے محض نقل کرتا چلا جاؤں تب بھی یہ حیرانی ہوتی ہے کہ کیا کیا لکھوں اور کہاں تک لکھوں بمصداق ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

کیونکہ اُس وقت بلا مبالغہ یہ منظر سامنے ہو جاتا ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اور حیرانی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ حضرت والا کے ارشاد و افاضۂ باطنی کی صدہا خصوصیات ایسی ہیں جنکو قلب تو خوب اچھی طرح محسوس کئے ہوئے ہے اور جنکے اثرات ذہن میں بھی بخوبی مرکوز و محفوظ ہیں لیکن اُنکے اظہار کے لئے الفاظ نہیں ملتے نہ الفاظ سے اُنکا دوسروں کو احساس کرایا جانا ممکن ہے۔ بمصداق اشعار ؎

گر مصورِ صورتِ آں دلستاں خواہد کشید	لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید
خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست	بسیار شیوہاست بتاں راکہ نام نیست

چنانچہ اس حیرانی نے مجھ کو بس حضرت مولانا رومی رہ کے اس شعر کا پُورا پُورا مصداق بنا رکھا ہے ؎

بر زباں قفل است و در دل رازہا لب خموش و دل پُر از آوازہا

بوجوہ تذکرہ بالا بخدا یہ جی چاہتا ہے کہ اس موضوع پر کچھ لکھنے کے بجائے اپنے آپ کو تو یہ خطاب کروں ؎

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم درکش حسن ایں قصۂ عشقت در دفتر نمی گنجد

اور ناظرین کرام سے یہ عرض کر دوں کہ ع دل من داند و من دانم و داند دل من ۔ اور باب ہذا میں صرف یہ ایک مختصر سا جملہ لکھ دوں "عیاں راچہ بیاں" کیونکہ حضرت والا کی شان ارشاد و افاضہ آج ماشاء اللہ تعالیٰ عالم آشکارا و اظہر من الشمس ہے جسکو دنیا جانے اور مانے ہوئے ہے کیونکہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کی تصانیف کثیرہ جو سر بسر ارشادات و افاضات ہی سے لبریز ہیں تمام بلاد و امصار میں شائع و ذائع ہیں اور حضرت والا کے مسترشدین و مستفیضین بھی کثیر تعداد میں شرقاً و غرباً پھیلے ہوئے ہیں اور اس شان خاص کا شیخ محقق آج کہیں نظر نہیں آتا جو ایک ناقابل انکار امر مشاہد ہے ۔ غرض میں ضرور اپنے اس اقتضاء طبعی پر عمل کرتا لیکن مجبوری یہ ہے کہ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو اس سوانح کا اصل موضوع ہی رہ جاتا ہے لہذا کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے گو ناتمام و ناکافی ہی سہی جیسا کہ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ حضرت مولانا حسام الدین رہ کو خطاب فرماتے ہیں۔

قدرِ تو بگذشت از درکِ عقول عقل در شرحِ شما شد بوالفضول

گرچہ عاجز آمد ایں عقل از بیاں — عاجزانہ جنبشے باید دراں
اِنَّ شیئاً کلّہ لا یدرکُ — اعلموا ان کلّہ لا یترکُ
گرچہ نتواں خورد طوفانِ سحاب — کے تواں کردن ترک خورد آب
آب دریا را اگر نتواں کشید — ہم بقدرِ تشنگی باید چشید

احقر نے اپنی ان مشکلات کو حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ بس آپ بیٹھ کر جو الٹا سیدھا سمجھ میں آئے اٹکل پچّو لکھنا شروع کر دیجئے پھر انشاء اللہ تعالیٰ خود بخود مضامین کی آمد شروع ہو جائے گی زیادہ کاوش اور غور و فکر نہ کیجئے۔ جب تک آپ دریا کو دور ہی سے دیکھ رہے ہیں بس اُسی وقت تک اُس کا عبور کرنا مشکل نظر آرہا ہے اور جب آپ خدا کا نام لیکر چل کھڑے ہوں گے اور بہ قصد عبور کنارہ پر پہونچیں گے تو آپ انشاء اللہ تعالیٰ دیکھیں گے کہ وہاں کشتی بھی ہے ملاح بھی ہے ہوا بھی موافق ہے۔ تلاطم بھی نہیں ہے غرض ساری آسانیاں موجود ہیں اور سارے موانع مرتفع ہیں۔

حضرت والا کی اس حوصلہ افزا بشارت نے میری ہمت ضعیف کو بڑی قوت بخشی اور اس ارشاد فیض بنیاد کو سنکر مجھ کو عین عالم یاس میں یہ قوی امید ہو گئی کہ اگر لکھنے بیٹھوں گا تو بعون اللہ تعالیٰ و ببرکت دعا و توجہ حضرت والا کچھ نہ کچھ لکھ ہی لوں گا لہٰذا توکلاً علی اللہ تعالیٰ اس موضوع پر بھی بُرا بھلا جیسا بھی ہو سکے اور تھوڑا بہت جتنا بھی چل سکے مضمون لکھنے کے لئے قلم اُٹھاتا ہوں اور اس دریائے ناپیدا کنار میں آنکھیں بند کر کے بلا پس و پیش یہ کہتا ہوا اپنے آپ کو ڈالتا ہوں ع دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مُرسٰہا۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور بیڑا پار لگائے۔

حالات و واقعات متعلق ارشاد و افاضۂ باطنی

پچھلے باب شرف بعیت و استفاضۂ باطنی کا اختتام حضرت والا کی حالت قبض و ہیبت کے اختتام کے ذکر پر کیا گیا ہے کیونکہ وہ حالت حضرت والا کے مجموعی حالات کے اعتبار سے گویا حضرت والا کے سلوک کی آخری گھاٹی تھی جس سے بعون اللہ تعالیٰ و بدعوات و توجہات بزرگاں پار ہو کر حضرت والا نے گویا استفاضۂ باطنی کے جملہ مراحل کو بہ تمام و کمال طے فرما لیا اور پھر بہمہ وجوہ کامل و مکمل ہو کر بتوفیق ایزدی نہایت آب و تاب اور جاہ و جلال کے ساتھ ہمہ تن افاضۂ باطنی میں مشغول ہو گئے۔ غرض حالت مذکورہ سے افاقہ ہو جانے کے بعد حضرت والا کا دور استفاضہ تو ختم ہوا اور دور افاضہ کا باقاعدہ آغاز ہوا جسکا منجانب اللہ یہ اثر ظہور پذیر ہوا کہ طالبین کثرت سے رجوع ہونے لگے اور خانقاہ میں ذاکرین کا ہجوم رہنے لگا اور حضرت

مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کی وہ تمنا پوری ہوئی جو حضرت ممدوح نے حضرت والا کی علمی خدمات کا حال سنکر ان الفاظ میں ظاہر فرمائی تھی کہ میں تو جب خوش ہوں گا جب کچھ اللہ اللہ کرنے والے بھی وہاں جمع ہونے لگیں گے

اُس زمانہ کا ایک خواب جو حضرت والا کے شاگرد رشید اور خلیفۂ خاص جناب مولانا حکیم محمد مصطفےٰ صاحب بجنوری سلمہم اللہ تعالےٰ نے دیکھا تھا رسالہ "اصدق الرؤیا" سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے (وہو ہذا)

"بندہ نے ایک خواب ۳۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو یعنی رجب ۱۳۱۹ھ میں جبکہ حضرت والا مدظلہ کے قیام خانقاہ کا ابتدائی زمانہ تھا بمقام مراد آباد دیکھا کہ حضرت والا مدظلہ خانقاہ تھانہ بھون میں جنوب کی طرف طلبہ کو درس دے رہے ہیں اور تہجد کا وقت ہے چاندنی کھلی ہوئی ہے عجیب سہانا وقت ہے اتنے میں صبح صادق ہوئی۔ طلبہ سبق ختم کر کے نماز کی تیاری کے لئے درسگاہ سے نکلے اُن کے منہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ بندہ نے عرض کیا ان حضرات کے لئے کوئی معجون مقوی کیوں نہ بنائی جاوے۔ حضرت والا نے فرمایا ان کے واسطے معجون مشائیں بنائی گئی ہے بس میری آنکھ کھل گئی۔ یہ خواب حضرت والا مدظلہ کو لکھا گیا تو یہ جواب آیا۔ مشفقم سلمہم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خواب بہت اچھا ہے یہ خوشبو علم اور ذکر کی ہے۔ جس میں بندگان خدا یہاں مشغول ہیں۔ مشائیں سے مراد سالکین ہیں۔ مشی اور سلوک کے معنی متقارب ہیں آپنے اپنے کو اُن میں شامل دیکھا آپ کیلئے بھی بشارت عظمیٰ ہے والسلام انتہیٰ بلفظہ۔

یہ خواب پینتیس ۳۵ سال کا عرصہ ہوا جب دیکھا گیا تھا، اور از راہ نوازش جناب حکیم صاحب نے خاص حضرت والا کے قلم مبارک کا لکھا ہوا اصل جواب بھی جس کی نقل اوپر اصدق الرؤیا سے کی گئی ہے پُرانے خطوط میں تلاش فرما کر مجھ کو عطا فرما دیا ہے جو اسوقت احقر کے سامنے موجود ہے۔ اس خواب کے سلسلہ میں ایک اور خواب جو احقر سے عرصہ دراز ہوا مشہور و معروف نعت گو جناب مولانا محسن کاکوری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ جناب مولانا انوار الحسن صاحب کاکوروی مدظلہم نے بمقام تھانہ بھون بیان فرمایا تھا یاد آگیا وہ چونکہ حضرت والا کی شان ارشاد وافاضہ باطنی کو جو باب ہذا کا موضوع ہے بخوبی ظاہر کرتا ہے اسلئے اسکو بھی اس جگہ محض تائیداً نقل کر دینا بے موقع نہو گا۔

مولانا ممدوح نے فرمایا کہ میں نے سفر حج میں بمقام مدینہ طیبہ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے متعلق ایک خواب دیکھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں مجھ کو حضرت مولانا سے کوئی خاص عقیدت بھی نہ تھی۔ البتہ ایک بڑا عالم سمجھتا تھا اور میرا خاندان بھی علماء اہل حق کا کچھ زیادہ معتقد نہ تھا، غرض حضرت مولانا کا مجھ کو مدینہ طیبہ میں کوئی بعید سے بعید بھی خیال نہ تھا۔ کہ ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چارپائی پر بیمار پڑے ہوئے ہیں اور حضرت مولانا تھانوی تیمارداری فرما رہے ہیں۔ اور ایک بزرگ

دُور بیٹھے ہوئے دکھائی دیے جنکے متعلق خواب ہی میں معلوم ہوا کہ یہ طبیب ہیں۔
مولانا ممدوح نے احقر سے یہ خواب بیان کر کے فرمایا کہ آنکھ کھلنے کے بعد میرے ذہن میں فوراً یہ تعبیر آئی کہ حضور تو کیا بیمار ہیں حضور کی اُمت بیمار ہے اور حضرت مولانا اسکی تیمارداری یعنی اصلاح فرمارہے ہیں لیکن وہ بزرگ طبیب جو دُور بیٹھے نظر آئے تھے وہ سمجھ میں نہ آئے کہ کون تھے۔ واپسی ہندوستان پر میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں یہ خواب لکھ کر بھیجا اور جتنی تعبیر میری سمجھ میں آئی تھی وہ بھی لکھدی اور یہ بھی لکھدیا کہ میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ بزرگ طبیب کون تھے جو دور بیٹھے ہوئے دکھائی دئیے۔ حضرت مولانا نے تحریر فرمایا کہ وہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں اور وہ چونکہ ابھی زماناً بعید ہیں اسلئے خواب میں مکاناً بعید دکھائے گئے۔
جناب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مدفیضہم کے بھی جو ایک نہایت ثقہ عالم اور حضرت والا کے مخصوص محبین و مجازین میں سے ہیں تین خواب جو خاص شان کے ہیں۔ اس مقام پر اصدق الرویا سے نقل کر دینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ چنانچہ خود مولانا ہی کے الفاظ میں اُن تینوں خوابوں کو نقل کیا جاتا ہے۔
(خواب نمبر ا احقر یعنی جناب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری ۱۲ منہ) جب اول بار حضرت والا کی خانقاہ شریف میں حاضر ہوا تو ۱۳۴۰ھ تھا جسکو تقریباً چودہ برس کا عرصہ ہوا۔ حاضر ہوتے ہی اول رات یا دوسری رات میں نے یہ خواب دیکھا کہ خانقاہ شریف کی مسجد کے صحن میں وسط کے قریب ایک قبر ہے جو پوری کھدی ہوئی نہیں ہے بلکہ اسکا صرف اوپر کا حصہ کھدا ہوا ہے اور وہ بھی پورا کھدا ہوا نہیں۔ تھوڑا ہی گہرا ہے اور اس قبر کے اوپر ایک مختصر سا خیمہ بھی نصب کیا ہوا ہے اُس قبر میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ العزیز لیٹے ہوئے ہیں اور بہت کمزور معلوم ہوتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رح نے پانی طلب فرمایا۔ تو پانی ایک نہایت ہی خوبصورت صراحی میں لایا گیا جس کی گردن اور ٹونٹی دونوں بہت بلند اور حسین تھیں اور وہ صراحی مٹی کی نہ تھی بلکہ کسی ایسے نفیس جوہر کی تھی کہ بہت ہی دلکش معلوم ہوتی تھی ایسی نفیس صراحی میں نے عمر بھر نہیں دیکھی۔ حضرت رح اُٹھ کر بیٹھ گئے اور چونکہ قبر کی گہرائی کم تھی اسلئے بیٹھنے کے بعد سر مبارک اور گردن مبارک باہر نظر آنے لگے۔ اُسوقت اعلیٰ حضرت حاجی صاحب رح بہت قوی معلوم ہونے لگے۔ پھر اعلیٰ حضرت رح نے پانی پیا۔ اُسوقت جو میں نے دیکھا تو قبر شریف کی مشرقی دیوار پر ایسے موٹے حروف میں جیسے کہ بازو موٹا ہوتا ہے یہ لکھا ہوا ہے سگِ دربارِ گیلاں شو چو خواہی قربِ ربانی لفظ گیلاں میں کسی قدر شبہہ ہے۔ غالب گمان تو یہی ہے کہ گیلاں تھا لیکن یہ بھی خیال ہے کہ شاید بجائے گیلاں کے لفظ الیشاں ہو۔ بہرصورت احقر کو خواب میں یہی معلوم ہوا کہ دربار سے حضرت والا دامت برکاتہم ہی کا دربار مُراد ہے اور اسی دربار کی ملازمت کا حکم ہو رہا ہے۔ پھر اسی خواب کے سلسلہ میں یہ بھی دیکھا کہ مسجد کے اندرونی حصہ سے حضرت

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہما باہر تشریف لارہے ہیں اور ایک دوسرے کی طرف اپنی اپنی گردن جھکا کر بطور سرگوشی کے چپکے چپکے آپس میں بحوالۂ حضرت والا مدظلہم العالی یہ ذکر کررہے ہیں کہ تحریک خلافت کے متعلق ان کی رائے نہایت صحیح ہے یعنی حضرت والا کی۔ پھر ان دونوں حضرات میں سے ایک صاحب تو مسجد کے اندر واپس تشریف لیگئے اور دوسرے صاحب باہر تشریف لیگئے۔

(خواب نمبر ۲) تین چار سال ہوئے احقر نے خانقاہ شریف کے حمام کی دیوار پر جو دھوئیں سے سیاہ ہورہی ہے بہت روشن حروف میں چونہ یا اور کسی نہایت سفید روشنائی سے یہ لکھا ہوا دیکھا کہ اس جگہ دلجوئی بھی ہوتی ہے اور دلشوئی بھی (ف) جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت والا کے طریق ارشاد و افاضہ کا کیسا جامع مانع خلاصہ کیسے لطیف عنوان سے منجانب اللہ اس خواب میں القاء فرما دیا گیا ہے۔

(خواب نمبر ۳) کچھ عرصہ ہوا احقر نے (یعنی جناب مولانا محمد حسن صاحب امرتسری نے ۱۲) خانقاہ شریف کی مسجد کے وسط میں بیت اللہ شریف اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کو دیکھا کہ دونوں بالکل قریب قریب ہیں اور بیت اللہ شریف غالباً حضرت والا کی سہ دری کی طرف ہے۔ لیکن روضۂ پاک بھی بیت اللہ شریف ہی کی شکل کا ہے یعنی اوپر گنبد نہیں ہے اور بیت اللہ شریف اور روضۂ پاک دونوں پر اسقدر سبز اور خوبصورت غلاف ہیں کہ دنیا میں انکی نظیر نہ ہوگی۔ اور دونوں پر شعاعیں اور انوار معلوم ہوتے ہیں حضرت والا بیت اللہ شریف کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اور اسقدر خوش ہیں کہ ایسا ہشاش بشاش میں نے حضرت والا کو کبھی نہیں دیکھا نیز ایک کھجور کی ٹہنی بطور جھاڑو کے دست مبارک میں لئے ہوئے ہیں جسکی ڈنڈی میں دستہ چھوڑکر اِدھر اُدھر شاخیں نکلی ہوئی ہیں۔ اور یہ ارادہ فرما رہے ہیں کہ بیت اللہ شریف اور روضۂ پاک کے گرداگرد جو غبار ہے اسکو دور فرمائیں۔ انتہی ملخصہ۔

حضرت والا کی شان ارشاد و افاضۂ باطنی کے متعلق اس قسم کے صدہا مبشرات ہیں جن میں سے بعض باب بشارات منامیہ میں بھی ملاحظہ سے گذرینگے۔ علاوہ مذکورۂ بالا مبشرات کے ایک بزرگ کا کشف بھی بہ مناسبت مقام یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

جناب مولوی حافظ جلیل احمد صاحب مدفیضہم رئیس علیگڈھ جو حضرت والا کے خلیفۂ مجاز ہیں اور آج کل حضرت والا کی خدمت میں مستقل طور پر قیام پذیر ہیں۔ جناب مولانا حافظ محمد عمر صاحب علیگڈھی رحمۃ اللہ علیہ سے جو بڑے صاحب احوال بزرگ اور حضرت والا کے خلیفۂ مجاز تھے روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار حافظ صاحب رات کی ریل سے تھانہ بھون حاضر ہوئے تو جب ریل خانقاہ کے محاذ سے گذری تو انہوں نے بیداری میں دیکھا کہ مسجد خانقاہ کے گنبد سے آسمان تک انوار کا ایک تار لگا ہوا ہے۔

یہ سب ضمنی بیان مقصود کی تائید میں تھا اور اصل مقصود جس کے لئے یہ باب موضوع ہے یہ ہے کہ بعد افاقہ حالت قبض وہیبت و تکمیل استفاضۂ باطنی حضرت والا کا دور افاضۂ باطنی نہایت آب و تاب اور جاہ و جلال کیساتھ شروع ہوا اور طالبین و ذاکرین کثرت سے رجوع ہونے لگے۔ اور حضرت والا کی جانب عوام و خواص سب کا میلان اسدرجہ بڑھا کہ دور و دراز سے حضرت والا کی طلبیاں نہ صرف وعظ کے لئے بلکہ محض زیارت کے لئے بھی ہونے لگیں جسکا مفصل حال باب مواعظ حسنہ میں گذر چکا ہے۔ سفر میں بھی کثرت سے ذاکرین ہمراہ رہتے اور ذکر کی دلکش اور روح پرور صداؤں سے سفر و حضر میں خانقاہ کا لطف رہتا جسکا خود احقر نے بھی بارہا مشاہدہ کیا ہے اور لطف اٹھایا ہے۔

نیز حضرت والا کا ہر وعظ گویا تصوف کا ایک مکمل درس ہوتا تھا جس سے مقصود اور طریق دونوں بالکل واضح ہو جاتے تھے اور عام طور سے قلوب میں طلب صادق پیدا ہو جاتی تھی۔

چنانچہ لوگ کثرت سے داخل سلسلہ ہونے کی درخواستیں کرتے لیکن حضرت والا سفر میں عموماً یہ فرما کر انکار فرما دیتے کہ میں یہ عملی تعلیم دینا چاہتا ہوں کہ سفری پیروں سے لوگ بچیں۔ اور صاف فرما دیتے کہ جو اعتقاد محض وعظ سنکر پیدا ہوا ہو وہ معتبر نہیں کیونکہ وعظ میں تو اچھی ہی اچھی باتیں کہی جاتی ہیں۔ ہاں اعتقاد وہ معتبر ہے جو روزمرہ کے افعال اور عادات دیکھنے کے بعد پیدا ہوا اور انکا کماحقہ مشاہدہ معتقد فیہ کے مستقل جائے قیام ہی پر ہو سکتا ہے۔ جسکو بیعت کا شوق ہو وہ میرے وطن آئے تاکہ جانبین کو ایک دوسرے کی جانچ کا اطمینان ہے موقع ملسکے نیز اس سے طلب کا بھی امتحان ہو جائیگا۔ غرض امر بیعت میں ہرگز عجلت نہ چاہیئے۔ یہ گاجر مولی کی بیع نہیں ہے کہ پیسہ ڈالا اور جھٹ خرید لی۔

سبحان اللہ کیا صدق و اخلاص ہے ورنہ رسمی پیر تو خود ہی سر ہوتے پھرتے ہیں بلکہ سفر ہی اس نیت سے کرتے ہیں کہ لوگوں کو پیری مریدی کے جال میں پھانسا جائے۔ اور سبحان اللہ کیسا صحیح معیار اعتقاد ہے اور حضرت مولانا رومی رح کے اس شعر کی کیسی اچھی عملی تعلیم ہے۔ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست	پس بہر دستے نباید داد دست

حضرت والا تو ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی میرے یہاں کی شرائط بیعت سنکر (جنکا مفصل ذکر انشاء اللہ تعالے بعد کو اپنے موقع پر آئے گا ۱۲ مؤلف) اور میرا طریق اصلاح دیکھ کر یہاں سے بے نیل مرام بھی چلا گیا تب بھی اسکو کم از کم یہ تو ضرور ہی معلوم ہو جائے گا کہ بیعت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ اسکے لئے بھی شرائط ہیں اور کسی رسمی پیر کے یہاں اگر اسکے خلاف معاملہ دیکھے گا۔ تو اسکی طرف سے دل میں کھٹک تو ضرور پیدا ہو جائیگی اور یہ معلوم ہو جانا خود ایک مرام عظیم ہے۔

ایسے موقعوں پر حضرت والا احقر کے ایک شعر کا یہ مصرعہ بھی اکثر پڑھ دیا کرتے ہیں ۔

ع میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

غرض حضرت والا کا عموماً سفر میں بیعت کرنے کا معمول نہ تھا لیکن مریضوں اور عورتوں کی درخواست بیعت کو منظور فرما لیتے تھے کیونکہ مریض تو مرض کی وجہ سے واجب الرحم ہوتے ہیں اور عورتیں اہل الرائے نہیں ہوتیں ۔ ان بیچاریوں کا اعتقاد بالکل سیدھا سادہ اور سچا ہوتا ہے ۔ ان دونوں کے بارہ میں جو حضرت والا سختی نہیں فرماتے اسکی تائید میں اکثر حضرت عارف شیرازی رح کا یہ شعر پڑھ دیا کرتے ہیں ۔

طالباں را چو طلب باشد و قوت نبود		گر تو بیداد کنی شرط مروت نبود	

اسی طرح علاوہ مریضوں اور عورتوں کے بھی جن طالبین کے بارہ میں قرائن حالیہ وغیرہ کی بناء پر خاص طور سے شرح صدر ہو جاتا تو اُن سے بھی انکار نہ فرماتے اسکا راز یہ ہے کہ حضرت والا کو اپنے نور بصیرت سے ہر طالب کی مناسبت و عدم مناسبت کا اکثر فوراً احساس ہو جاتا ہے جس کے صدہا حیرت انگیز واقعات رات دن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ بعضے شخص کو تو دل فوراً قبول کر لیتا ہے اور بعض کو نہیں ۔ اور اگر کوئی شخص مجھ سے اس کی وجہ پوچھنے لگے تو میں ہرگز نہ بتا سکوں ۔ یہاں تک کہ یہ بھی بارہا ہوتا ہے کہ ایک شخص بالکل رند صورت اور آزاد منش ہے نہ نماز کا نہ روزہ کا فاسق فاجر لیکن اسکی طرف خواہ مخواہ دل مائل ہونے لگتا ہے اور دوسرا ثقہ صورت نمازی وظیفجی سبھی کچھ لیکن اُسکی جانب دل باوجود بتکلف مائل کرنے کے بھی مائل نہیں ہوتا ! اب اسکو میں کیا کروں دل تو میرے بس میں نہیں اور بدون میلان قلب کے بیعت کر لینا خیانت ہے ۔ کیونکہ ایسی حالت میں اسکو مجھ سے کچھ نفع نہیں پہونچ سکتا ۔ اور گو اُسوقت تو میلان و عدم میلان قلب کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی لیکن اکثر یہی دیکھا گیا کہ بعد کے واقعات و حالات نے میری شہادت قلب کی جلد ہی تصدیق کر دی ۔

بات یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی کام لینا ہوتا ہے اسکو اس کام کی سمجھ بھی عطا فرما دیتے ہیں اس میں میرا کوئی کمال نہیں ۔ بعضے شخص کی طرف تو اُسکو دیکھتے ہی دل اتنا جھکتا ہے کہ بے اختیار یہ جی چاہنے لگتا ہے کہ وہ مجھ سے بیعت کی درخواست کرے چنانچہ پھر تھوڑے ہی دن بعد کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بیعت ہونے کے لئے خود ہی چلا آرہا ہے ۔ اور ایسے شخص سے میں انکار بھی نہیں کرتا ۔ بس درخواست سنتے ہی چپکے سے بیعت کر لیتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ بس اس سے کچھ نہ کہو چپکے سے بیعت کر لو اسکو تو اللہ میاں نے میرے پاس مُنہ مانگا بھیجا ہے ۔

احقر مؤلف نے بھی حضرت والا کی شہادت قلب کی صحت کے بہت سے واقعات خود مشاہدہ کئے ہیں بلکہ بعض ایسے موقعوں پر جہاں حضرت والا نے ترحم کا برتاؤ مناسب نہ سمجھا اور احقر نے محض ظاہری

حالات پر نظر کرکے ترحم کی درخواست کی یا خود نرم معاملہ کیا یا نرم رائے ظاہر کی اور بعد کو احقر کی رائے بالکل غلط اور درخواست بالکل بے محل ثابت ہوئی تو فرمایا کہ دیکھئے اب تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ میری ہی رائے صحیح تھی۔ اُمور تربیتیہ میں میری رائے میں کسی کو مزاحمت نہ کرنا چاہیئے۔ بس میں جسکے ساتھ جو معاملہ کردوں سب احباب کو یہی سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ شخص اُسی معاملہ کا اہل ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام میرے سپرد فرما رکھا ہے اسلئے وہی میری دستگیری فرماتے ہیں ورنہ میں کیا چیز ہوں۔

احقر کو تو بارہا کے مشاہدوں اور تجربوں کے بعد اس امر کا عین الیقین بلکہ قریب قریب حق الیقین کے ہو گیا ہے کہ حضرت والا کا جو معاملہ جس شخص کے ساتھ ہوتا ہے بالکل مناسب اور عین مصلحت ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض صورتوں میں ایک ہی شخص کے ساتھ مختلف اوقات میں مختلف قسم کا معاملہ بھی دیکھا گیا۔ اور وہ بھی نہایت دقت بالکل مناسب حال اور اصلاح کے لئے واقعی ضروری ثابت ہوا۔ چنانچہ اسکا تو احقر کو بارہا ذاتی تجربہ بھی ہو چکا ہے جس سے حیرت ہو ہو گئی اور حضرت والا کے صاحب کشف ہونے کا گمان غالب بدرجۂ یقین ہونے لگا جسکی حضرت والا بتاکید نفی فرمایا کرتے ہیں۔ بہرحال تائیدِ ایزدی اور صحت ذوق و وجدان اور حضرت والا کا حدیث اِتقوا فِراسۃَ المؤمنِ فاِنہ ینظر بنورِ اللّٰہ کا مصداق ہونا تو ان واقعات سے یقیناً ثابت ہوتا ہے اور یہ فضائل کشف سے بھی ہزارہا درجہ بڑھے ہوئے ہیں۔ اس پر احقر کو اپنا ایک شعر یاد آیا ؎

میں محوِ فکر ہوا جب سے بے نشاں کیلئے　　مشاہدہ کا ہے درجہ مرے گماں کے لئے

یہ سب مضامین استطراداً معرض بیان میں آگئے۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ گو حضرت والا کا عموماً سفر میں بیعت فرمانے کا معمول نہ تھا لیکن جہاں شرح صدر ہو جاتا اور باہم مناسبت متوقع ہوتی وہاں درخواست بیعت کو منظور بھی فرما لیتے تھے۔ چنانچہ خوش نصیبی سے انہیں مستثنیات میں اس احقر ناکارہ کی بھی درخواست بیعت تھی۔ جسکو الہ آباد کے سفر ۱۳۲۶ھ میں شرف قبولیت بخشا گیا جسکا واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اسکے ضمن میں امید ہے کہ بہت سے مضامین نافعہ مناسب باب ہذا معرض بیان میں آجائیں۔ اور چونکہ یہ داستان آپ بیتی ہوگی اسلئے ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ کی مصداق ہوگی۔ و ہو ہذا۔

بحمد اللہ احقر کو بہ برکت جناب والد صاحب مرحوم و مغفور (جو حضرت والا ہی کی معرفت حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز سے بذریعۂ خط بیعت ہوئے تھے اور جنہوں نے حسب ارشاد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت والا ہی سے تعلیم طریق حاصل کی تھی) باوجود انگریزی تعلیم میں مشغول ہونے کے دین سے لگاؤ تھا۔ اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والا کی بعض تصانیف بھی نظر سے گزری تھیں جنکے مطالعہ سے بیحد متاثر ہوا تھا اور حضرت والا کی تصانیف میں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی کشش اور برکت رکھی ہے کہ شوق مطالعہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور دین کی طلب دامنگیر

ہو کر حالت کی کایا پلٹ ہی ہوتی چلی جاتی ہے جسکے ہزارہا شاہد موجود ہیں۔

چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مجھ کو اور میرے خاص احباب کو حضرت والا کی تصانیف کا اتنا شوق بڑھا تھا کہ ایک کتب خانہ بھی کھول لیا گیا تھا جسکے خاص محرک مکرمی و مشفقی جناب منشی حقداد خانصاحب پنشنر معلم ٹوپاریاں تھے جو اب بفضلہ حضرت والا کے خلیفۂ مجاز اور بڑے مخلص اور صاحب خیر و برکت بزرگ ہیں۔ نیز ہم چند شخصوں نے ملکر ایک عریضہ بھی حضرت والا کی خدمت میں اس مضمون کا ارسال کیا تھا کہ ہم لوگوں کو حضرت ہی کی تصانیف سے معلوم ہوا ہے کہ جس سے محبت ہو اُسکو مطلع کر دینا چاہیئے تاکہ اُسکو بھی محبت ہو جائے اور دعا میں یاد رکھے اسلئے ہم لوگ حضرت کو مطلع کرتے ہیں کہ ہمیں آپ سے محبت ہے۔

یہ سب حالات حضرت والا کی زیارت حاصل ہونے سے قبل کے ہیں۔ اُسوقت احقر علیگڈھ کالج سے بی اے پاس کرنے کے بعد الہ آباد کالج میں قانون پڑھتا تھا اور ایل ایل بی کے درجہ میں داخل تھا۔ محلہ کٹرہ میں قیام تھا۔ اُسی دوران میں حضرت والا کا قریۂ تشریف آوری و وعظ ایک مطبوعہ اعلان سے معلوم ہوا جسکے دیکھتے ہی اشتیاق زیارت ایسا غالب ہوا کہ مدرسہ متعلق مسجد شیخ عبد اللہ میں جو بڑے اسٹیشن کے پاس ہے جہاں حضرت والا قیام پذیر تھے جلتی دوپہری میں دو ڈھائی میل کی مسافت طے کر کے پہونچا۔ حضرت والا اسوقت قیلولہ فرما رہے تھے اور احقر غایت عقیدت و اشتیاق سے دور کھڑا ہوا حضرت والا کو اُسی خوابیدہ حالت میں تاک جھانک رہا تھا۔ حضرت والا پشت کئے ہوئے آرام فرما رہے تھے اور سر مبارک کے نہایت خوبصورت چمکدار پٹے دار بال جو اُس زمانہ میں بالکل سیاہ تھے اپنی بہار دکھا رہے تھے نیز کوشش کرنے سے کچھ کچھ حصہ چہرۂ انور کا بھی ناتمام طور پر گاہ گاہ پیش نظر ہو جاتا تھا جو قوتِ متخیلہ اور حسن عقیدت سے مِل مِل کر مختلف دلربا شکلیں اختیار کر رہا تھا۔ کبھی کیسی صورت معلوم ہوتی تھی کبھی کیسی بار بار مشتاقانہ اور متجسسانہ نگاہیں ڈالتا تھا۔ لیکن صحیح اندازہ ہی نہ ہوپاتا تھا کہ حضرت والا در اصل ہیں کس شکل و شباہت کے۔

بہر صورت اُسوقت حضرت والا کچھ اس انداز سے محو خواب ناز تھے اور احقر اسدرجہ ذوق و شوق اور عقیدت و محبت سے محو نظارہ تھا کہ وہ سماں باوجود ۲۰ سال کی مدت طویلہ گذر جانے کے بھی آجتک متخیلہ میں بعینہٖ اور اسی کیف کے ساتھ محفوظ ہے اور اس ناتمام دیدار اول کی مست کر دینے والی کیفیتیں اب تک قلب میں نقش کالحجر ہیں۔ اور اُس زمانہ کی سادہ اور بالکل خالص عقیدت و محبت طبعی جس میں شائبہ بھی احتمالات عقلیہ کا نہ تھا ذہن میں تا ہنوز مستحضر ہے اور گو اسکے متعلق حضرت والا کی یہ تحقیق انیق سنکر عقلی تسلی ہو گئی ہے کہ آپ کی اسوقت کی جو حالت ہے وہ اُسوقت کی حالت سے اکمل و ادوم و افضل ہے کیونکہ عقلی احوال میں غالب اثر روح کا ہوتا ہے اور طبعی کیفیات میں نفس کا لیکن دل ہے کہ پھر بھی بار بار اُسی حالت کا خواہاں ہے۔ اور

اسی دور کا جو بیان ۔ اللہ اللہ کیا ذوق و شوق اور سادگی و خلوص کا زمانہ تھا اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ قدرت ہے دعا ہے کہ وہ عقلی اور طبعی دونوں ہی قسم کی کیفیتوں کو علیٰ وجہ الکمال قلب میں جمع فرمادے ۔ آمین ثم آمین وما ذالك علی اللہ بعزیز ۔

چنانچہ حضرت والا بھی یہی فرمایا کرتے ہیں کہ کیفیات طبعیہ حسنہ غیر اختیاریہ محمود تو ہیں مقصود نہیں لہذا دعا کا تو مضائقہ نہیں لیکن انکا منتظر رہنا خلاف اخلاص اور بوجہ مخل یکسوئی اور شاغل عن المقصود ہونے کے مضر ہے نیز یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ عقلی احوال بھی طبعی کیفیات سے بالکل خالی نہیں ہوتے ورنہ محض اقتضائے عقلی صدور اعمال کے لئے عادۃً کافی نہیں اسی طرح بالعکس ۔ البتہ ایک صورت میں عقلیت غالب ہوتی ہے اور طبعیت مغلوب دوسری میں برعکس ان لطیف حقائق طریق اور مفید مسائل سلوک کو استطراداً نقل کرنے کے بعد احقر پھر اپنے واقعہ بیعت کے بیان کی طرف عود کرتا ہے ۔

احقر کو حضرت والا کی بالمشافہ زیارت کیلئے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا کیونکہ نماز ظہر کا وقت جلدی ہی آگیا اور حضرت والا بیدار ہو کر وضو کے لئے تیامگاہ سے باہر تشریف لائے ۔ راستہ ہی میں احقر کو دوبدو زیارت نصیب ہوگئی حضرت والا حسب عادت شریف نیچی نگاہیں کئے اور مستانہ وار جھومتے اس شان سے تشریف لا رہے تھے کہ چہرہ مبارک تو نہایت شاہانہ مگر لباس فقیرانہ بالکل سادہ صرف کرتہ پاجامہ اور کرتہ کا بھی اوپر کا بٹن کھلا ہوا جواب بھی اکثر کھلا ہی رہتا ہے کاندھے پر رومال ۔ آنکھیں سرمگیں ۔ خمار آلود اور چونکہ سو کر تشریف لا رہے تھے لہذا قدرے مائل بسرخی اور بال بھی کسیقدر بکھرے ہوئے ۔ غرض عجب دلبرانہ شان تھی بس کسی کا یہ شعر بالکل حسب حال تھا اور ہو بہو صادق آرہا تھا ؎

قبا وا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید	بہ بیں ایں بے سروساماں چہ ساماں کردہ می آید

اور سرخی مائل آنکھیں تو بلا مبالغہ شاعرانہ گویا بزبان حال یہ کہہ رہی تھیں اور ایک دنیا گواہ ہے کہ بالکل سچ کہہ رہی تھیں ؎

ایں ست کہ خون خوردہ و دل بردہ بسے را	بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

احقر نے بڑھ کر سلام عرض کیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے ۔ حضرت والا نے نظر اٹھا کر نہایت لطف کے لہجہ میں سلام کا جواب مرحمت فرمایا اور اپنے نرم نرم اور کشادہ ہاتھوں سے مصافحہ فرما کر نہایت ہی مشفقانہ اور لطف آمیز لہجہ میں بہت ہی دلفریب اور پرلطف انداز سے فرمایا مزاج شریف وہ لہجہ اب تک کانوں میں گونج رہا ہے اور وہ انداز اب تک دل میں کھبا ہوا ہے اور وہ جگہ جہاں یہ زیارت اولیہ نصیب ہوئی تھی اب تک آنکھوں میں پھر رہی ہے ۔ اور نظر پراثر کی کیفیت برقیہ کا تو کچھ حال ہی نہ پوچھئے وہ تو بیان ہی میں نہیں آسکتی

بس یوں سمجھئے کہ میں بزبان حال گویا یہ اشعار پڑھ رہا تھا ؎

درون سینۂ من زخم بے نشاں زدۂ وز دیدہ فگندی بمن از ناز نگاہے	بہ حیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدۂ قربان نگاہِ تو شوم باز نگاہے

اور میرے نزدیک یہ مبالغہ شاعرانہ نہیں کیونکہ میں تو حضرت والا کی نظر توجہ کا اثر بفضلہ تعالیٰ ہر التفات میں روز اول سے لیکر اب تک برابر نہایت بیّن طور پر محسوس کرتا چلا آرہا ہوں۔ اور میں یہ بھی اُسی وثوق کے ساتھ ببانگ دُہل کہتا ہوں کہ جسکا جی چاہے اس اثر کا خود مشاہدہ کرلے جیسا کہ ہزاروں نے مشاہدہ کرلیا ہے۔
بمصداق اشعار ؎

عالم از نرگس تو بے مے و مینا سرشار من نیم تنہا گرفتار و اسیر زلف او	چشم بددور عجب ساغر بے مُل زدۂ بلکہ او دارد بہر موئے گرفتارِ دگر

اگر حسب ارشاد حضرت مولانا رومی رحمہ شرطیہ ہے کہ

مغز را خالی کن از انکار یار	تا کہ ریحاں یابی از گلزار یار
چوں گرفتی پیر ہین تسلیم شو	ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر رو
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن	گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن
دستِ او را حق چو دستِ خویش خواند	تا ید اللہ فوق ایدیہم براند
آنکہ از حق یابد او وحیٔ و خطاب	ہرچہ فرماید بود عین صواب
ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ	شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ
چوں گزیدی پیر نازک دل مباش	سست و ریزندہ چو آب و گل مباش
ور بہر زخمے تو پر کینہ شوی	پس کجا بے صیقل آئینہ شوی
چوں نداری طاقتِ سوزن زدن	از چنیں شیر ژیاں پس دم مزن
اے برادر صبر کن بر درد نیش	تا رہی از نیش نفس گبر خویش

اسی کو حضرت عطار رحمہ یوں فرماتے ہیں۔

در ارادت باش صادق اے فرید	تا بیابی گنج عرفاں را کلید
دامن رہبر بگیر اے راہ جو	ہرچہ داری کن نثار راہ او
پیر خود را حاکم مطلق شناس	تا براہ فقر گردی حق شناس
ہرچہ فرماید مطیع امر باش	طوطیائے دیدہ کن از خاک پاش

آنچہ میگوید سخن تو گوش باش	تا نہ گوید او بگو خاموش باش

پھر حسب اختلاف استعداد و مناسبت یا تو حضرت والا کی نظر توجہ کا اثر قلب میں فوراً محسوس ہونے لگے گا۔ ورنہ اپنی حالت ظاہری و باطنی میں یوماً فیوماً ترقیات درجات و تغیرات با برکات کا تو ضرور ہی مشاہدہ ہوتا چلا جائیگا یہاں تک کہ انشاء اللہ تعالیٰ بالآخر یہ اشعار اسکی زبان قال یا زبان حال پر جاری ہو جائینگے۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی	مرا با جانِ جاں ہمراز کردی
رہانیدی مرا از شرِ ہستی	چو پیمودی پیاپے جام مے را
حماك الله عن شرّ النوائب	جزاك الله فى الدّارين خيرا

اور کوئی تو اعتماد ہے جو حضرت والا نہایت زور و قوت کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ جو طالب اپنے کام میں باقاعدہ لگا ہوتا ہے اسکو ہر وقت اپنے اندر شیخ کی معنوی کرامتوں کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا رہتا ہے لہذا اسکو کبھی اپنے شیخ کی حسّی کرامتیں دیکھنے کی ہوس نہیں ہوتی اور اگر مدت طویلہ تک بھی ایسا مشاہدہ نہ ہو تو اسکو چاہیئے کہ کوئی دوسرا شیخ تلاش کرے کیونکہ یہ دلیل ہے اسکی کہ اسکو اس شیخ سے مناسبت نہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کی مجلس میں شیخ کے قلب کی طرف متوجہ رہے خواہ وہ کسی کام میں مشغول ہو۔ اور یہ تصور رکھے کہ اُسکے قلب سے میرے قلب میں انوار آرہے ہیں۔ ایک بار فرمایا کہ میں مجلس میں بیٹھنے والوں پر اتنا بوجھ بھی نہیں ڈالتا کہ کسی دُور بیٹھے ہوئے شخص کا پرچہ وغیرہ ایک دوسرے سے لیکر مجھ تک پہونچائیں یا میرا پرچہ اُن تک پہونچائیں اِلا العارض خاص کیونکہ بعض اس مذاق کے ہیں کہ وہ بالکل یکسوئی کے ساتھ فانی محض ہو کر یہاں بیٹھنا چاہتے ہیں اس سے اُنکی یکسوئی میں خلل پڑتا ہے اور انکے قلب پر بار ہوتا ہے اور مجھے وہ لوگ معلوم ہیں جنکا یہ مذاق ہے اور جو اس طرح مستغرق ہو کر بیٹھتے ہیں۔ پھر فرمایا مذاق تو میرا بھی یہی ہے کہ بس میں بھی اپنی ہی حالت میں محو و مستغرق رہوں اور خاموش بیٹھا رہوں لیکن کیا کروں اہل مجلس اور اہل ضرورت کی خاطر سے بولنا پڑتا ہے۔

ایک بار توجہ متعارف کے ذکر پر فرمایا کہ حلقۂ توجہ کی وہاں کیا ضرورت ہے جہاں ہر وقت توجہ ہی ہو چنانچہ واقعی حضرت والا کی توجہ حضرت حافظ رح کے اس شعر کی بالکل مصداق ہے۔

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است	زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ایک بار کسی سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ یہاں تو ملّاپن ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ درویشی کیا چیز ہے۔ طالب علم ہیں صاحب علم بھی نہیں بس قرآن و حدیث پر عمل کرنا بتاتے ہیں۔ پھر اسی میں جو کچھ کسی کو ملنا ہوتا ہے ملجاتا ہے اور الحمد للہ ایسا ملتا ہے کہ مالا عینٌ رأت ولا اذنٌ سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر مگر ظاہر میں کچھ نہیں

نہ ہُو حق ہے نہ وجد و حال ہے نہ کشف و کرامت ہے۔ اب میں گھر میں چھوٹی بچی کے کلے پکڑ کر توڑا کرتا ہوں اور اس سے بھی کہتا ہوں کہ میرے رخسارے چٹکی میں لیکر توڑے اب اسی کو دیکھ لیجئے۔ یہ کوئی حرکت درویشوں کی سی ہے۔ حج میں والد صاحب نے سمندر کی مچھلی خریدی۔ میں نے قیاس سے کہا کہ اسکے اندر نمک ہوگا۔ اس میں نمک ڈالیگا چنانچہ بلا نمک کے پکائی گئی۔ اور بہت ہی خوش ذائقہ پکی بلا نمک ڈالے ہی نہایت مناسب مقدار میں نمک موجود تھا۔ بس اسی طرح یہاں بھی نمک اوپر کا نہیں ہے۔ مگر اندر ہے اور وہ پکنے کے بعد کھلتا ہے اور کھانے والے ہی کو محسوس ہوتا ہے ع قدر ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی۔ جیسے آم کی مٹھاس کی حقیقت اُس شخص کو جسنے کبھی آم نہ کھایا ہو محض تقریرات و تشبیہات سے نہیں سمجھائی جا سکتی وہ تو آم کھانے ہی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

سُبحان اللہ کس لطیف عنوان سے حضرت والا نے اپنے طرق انیق کا جو عین طرق سنت ہے خلاصہ بیان فرما دیا جس سے ناظرین باتمکین نے حضرت والا کی قوت فیضان اور شان ارشاد و افاضہ بھی بخوبی معلوم فرمائی ہوگی جو اس باب کا موضوع اصلی ہے اور اجمالاً اسکا بھی اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کے یہاں سے کس درجہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ سُبحان اللہ یہی تو اصل درویشی ہے جو بالکل کتاب و سنت کے موافق ہے اور جسکے ہر زمانہ میں صوفیۂ محققین حامل و عامل و ناشر رہے ہیں لیکن جس شرح و بسط اور عموم و وضوح کے ساتھ اسکا شیوع اس زمانہ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت والا کے ذریعہ سے فرمایا ہے ویسا صدیوں سے نہ ہوا تھا چنانچہ حضرت والا کے بیشمار عجیب و غریب حقائق و معارف اور نہایت مفید و مؤثر طرق تربیت اور نہایت سہل و نافع معالجات امراض نفسانی جو بفضلہ تعالیٰ کثیر تعداد میں مدون و شایع ہو چکے ہیں اسپر شاہد عدل ہیں جن سے حضرت والا کا نہ صرف مجدد بلکہ بہت ممتاز مجدد اور نیز حکیم الامت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ و ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

یہ سب حضرت والا کی نظر راثر کی کیفیت بیان کرنے کے سلسلہ میں عرض کیا گیا اور اسی سلسلہ میں بعض واقعات بھی یاد آگئے ہیں جنکو بطور نمونہ مجملاً عرض کیا جاتا ہے۔

ضلع سیتاپور کے ایک صاحب نے گنوارو زبان میں حضرت والا کی آنکھوں کی یہ تعریف کی کہ بڑی مار ہیں یعنی قتالہ ہیں۔ خورجہ کے ایک صاحب نے کہا کہ عرصہ ہوا حضرت نے میری طرف ایک نگاہ کی تھی وہ ابتک کیل کی طرح دل میں گڑی ہوئی ہے۔ جناب صوفی سلیمان صاحب لاجپوری رح جو ملک گجرات کے بہت معمر اور مشہور صاحب سلسلہ شیخ تھے حضرت والا سے اتفاقاً برسر راہ محض سرسری ملاقات ہو جانے کے بعد ایک مسجد میں بیٹھے گھنٹوں روتے رہے۔ سبب پوچھا گیا تو حضرت والا کا نام لے کر فرمایا کہ نہ جانے آنکھوں سے کیا کر گئے۔ یہ واقعہ باب لقائے بزرگاں و دعائے بزرگاں میں مفصل بیان کیا جاچکا ہے۔ کانپور کے ایک وعظ میں

بھائی صاحب مرحوم ومغفور اتفاق سے حضرت والا کے بالکل مواجہ میں بیٹھے تھے لہٰذا دوران وعظ میں زیادہ تر وہی حضرت والا کے مخاطب رہے۔ میں نے دیکھا کہ بھائی صاحب برابر ٹکٹکی باندھے حضرت والا کی طرف دیکھتے ہوئے اور ہمہ تن گوش ہوکر وعظ سنتے رہے۔ میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ آج حضرت والا کی توجہ بھائی صاحب پر ہوگئی ہے انشاء اللہ تعالیٰ ضرور رنگ لائے گی۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا۔ بھائی صاحب پر اس درجہ اثر ہوا کہ حضرت والا سے رجوع کیا اور اسی روز سے باوجود بڑے عہدہ دار اور کار دنیا میں مشغول ہونے کے بہت دیندار اور تسبیح خواں ہوگئے اور کلمہ پڑھتے پڑھتے انتقال ہوا۔ وعظوں کے اثر کے بعض دیگر واقعات مواعظ حسنہ میں گذر چکے ہیں۔

ایک بار جناب مولانا مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی سلمہم اللہ تعالیٰ کو جو حضرت والا کے خلیفہ مجاز اور مدرسہ عالیہ دیوبند کے مدرس ہیں۔ میں نے خود حضرت والا کی مجلس میں دیکھا کہ حضرت والا کے قرب اور تخاطب سے متاثر ہوہو کر اچھل اچھل پڑتے تھے جس پر بعد مجلس احقر نے اُن کو اپنا ایک شعر سنایا جو حضرت والا ہی کی برق بار نگاہوں کی توصیف میں اور ایسے ہی تجربوں کی بناء پر عرض کیا گیا تھا وہ شعر یہ ہے ؎

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی — نظر کردہ برق بتاں ہو رہا ہے

احقر پر بھی شروع شروع میں اتنا اثر ہوتا تھا کہ بعض اوقات قلب پر بے اختیار ہاتھ رکھ لینے کی نوبت آجاتی تھی۔ اور بحمد اللہ اب بھی یک بیک غفلت دور ہوکر حضور مع اللہ کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے جس کو اگر بالقصد برقرار رکھا جائے تو رفتہ رفتہ نسبت مع اللہ کی دولت لازوال حاصل ہوجائے۔ اور میرا تو گمان غالب بدرجۂ یقین یہی ہے کہ شیخ کی صحبت میں جو برکت ہوتی ہے وہ اکثر اسی طرق سے کہ شیخ کی توجہ سے بلکہ بلاتوجہ بھی اسکی نسبت کا انعکاس مسترشدین کے قلوب پر ہوتا رہتا ہے جس سے غفلت دور ہوکر حضور مع اللہ کی کیفیت محسوس ہونے لگتی ہے جو دائمی ہوجاتی ہے کثرت ذکر ودوام طاعت کی جس سے اُس حضور میں یوماً فیوماً ترقی ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ بفضلہ تعالیٰ وبہ برکت شیخ نسبت راسخہ حاصل ہوجاتی ہے۔ جو ماحصل ہے سارے اذکار واشغال اور ریاضات ومجاہدات کا۔ لہٰذا مسترشدین کو اپنے قلوب کی ہر وقت نگرانی رکھنی چاہیئے۔ اور اگر وہ ایسا کرینگے تو ضرور اپنے اندر شیخ کی توجہ وبرکت کا اثر محسوس کرینگے پھر اُس اثر کو کثرت ذکر ودوام طاعت سے تقویت پہونچاتے رہیں یہاں تک کہ اس میں رسوخ ہوجائے۔

میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ میں بار بار غفلت اختیار کرتا ہوں لیکن حضرت والا کی توجہ کی برکت سے قلب بار بار خود متوجہ الی اللہ ہوہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی بیدار کردینے والا اندر بیٹھا ہوا اللہ تعالیٰ مجھے غفلت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں اُدھر سے تو کوئی کمی نہیں اپنی ہی کوتاہی ہے۔ اسپر حضرت والا کا ایک ملفوظ یاد آگیا

ایک بار احقر نے نہایت حسرت سے عرض کیا کہ حضرت جب میں خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تو قلب کی حالت بہت اچھی ہو جاتی ہے اور جب یہاں سے چلا جاتا ہوں تو رفتہ رفتہ پھر حالت خراب ہو جاتی ہے۔ فوراً نہایت لطف کے ساتھ تسلی فرمائی کہ پھر حرج ہی کیا ہے۔ آپ اپنے کپڑے میلے کر دیتے ہیں دھوبی انکو دھو دیتا ہے، آپ پھر میلے کر دیتے ہیں دھوبی اُن کو پھر دھو دیتا ہے۔

غرض حضرت والا کی نظر کیمیا اثر کے ہزارہا کارنامے ہیں جنکا خلاصہ بعنوان استعارہ یہ ہے کہ اُسنے ہزاروں سنگریزوں کو مبدّل بہ یاقوت کر دیا اور سیکڑوں پتھروں کو پارس بنا کر اس شعر کا مصداق بنا دیا ؎

آہن کہ بہ پارس آشنا شد　　　فی الحال بصورت طلا شد

حضرت والا کی نظر پراثر کی تاثیرات کو دیکھ کر احقر کا گمان بلکہ یقین تھا کہ حضرت والا نگاہ کرتے وقت ضرور یہ قصد فرماتے ہوں گے کہ دوسرے پر اثر پڑے اور قلبی کیفیات متعدی ہوں جبھی تو اتنا اثر ہوتا ہے۔ بلکہ یہ خیال تھا کہ طالبین کی طرف ہر وقت قلباً متوجہ رہتے ہونگے کیونکہ انکو اکثر اوقات حاضرانہ و نیز غائبانہ اپنے قلوب میں یک ایک بلا کسی ظاہری سبب کے کیفیات خاصہ محسوس ہوتی رہتی ہیں لیکن حضرت والا نے میرے اس خیال کی نہایت شد و مد کے ساتھ تغلیط فرمائی اور فرمایا کہ مجھے تو اپنے ہی فکر سے فرصت نہیں دوسروں کی طرف ہر وقت متوجہ رہنے کی مجھے کہاں توفیق۔ اور میں تو اس توجہ متعارف کو تکلف ہی سمجھتا ہوں اور اس کے خلاف تقریریں بھی کیا کرتا ہوں۔ اور اگر اس میں نفع رسانی کی نیت ہو تو میں اسکو جائز سمجھتا ہوں اور اسی بنا پر توجہ دینا بعض بزرگوں کا معمول بھی رہا ہے لیکن جس طریق سے رائج ہے وہ طریق سنت میں منقول نہیں۔ اور نہ مجھے باوجود جائز سمجھنے کے توجہ متعارف سے طبعی توحش ہے جیسے اوجھڑی سے کہ گو حلال ہے لیکن بعض طبیعتیں اسکو قبول نہیں کرتیں۔ مجھے تو اپنی توجہ کو سب طرف سے ہٹا کر ایک خاص شخص کی جانب جو مخلوق ہے ہمہ تن متوجہ ہو جانے میں غیرت آتی ہے کیونکہ یہ حق تو خاص اللہ تعالیٰ ہی کا ہے کہ سب طرف سے توجہ کو ہٹا کر بس اُسی ایک ذات واحد کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے۔ البتہ دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ تعلیم کرنا اور دل سے یہ چاہنا کہ طالبین کو نفع پہونچے اور اُنکی دینی حالت درست ہو جائے یہ توجہ کا ماثور طریق ہے۔ اور یہی حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور یہ نفع اور برکت میں بھی توجہ متعارف سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اسکے اثر کو بقا ہے بہ خلاف توجہ متعارف کے کہ اسکا اثر بس اسی وقت ہوتا ہے پھر کچھ نہیں جیسے تنور کے پاس جبتک بیٹھے رہئے بدن گرم رہتا ہے اور جب ذرا وہاں سے اُٹھے اور ٹھنڈی ہوا لگی بس بدن پھر وہی ٹھنڈے کا ٹھنڈا۔ اور جو توجہ کا مسنون طریق ہے اُسکے اثر کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کشتہ طلا یا سنکھیا مدبر استعمال کر کے اپنی حرارت غریزیہ کو بڑھا لیا ہو تو اگر وہ شملہ پہاڑ پر بھی چلا جائے تب بھی وہ حدت بدستور باقی رہیگی۔

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ بغیر قصداً توجہ کئے ہوئے اثر کیسے ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بعض قلوب ہی کے اندر تعدیہ کی صفت رکھی ہے جیسے کہ گو آفتاب کا یہ قصد نہیں ہوتا کہ اسکا نور دوسروں کو پہونچے لیکن پھر بھی اُسکا نور دوسروں کو پہونچتا ہی ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اُسکے اندر صفت ہی یہ رکھی ہے کہ جو شئے اسکے مقابل میں آجاتی ہے وہ منور ہو جاتی ہے۔ اھ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ یہ تو حضرت والا کا اور بھی زیادہ کمال ہے کہ بلا قصد ہی فیض پہونچتا ہے۔ جو حضرت والا کے نہایت قوی النسبت اور صاحب برکات اور مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہے حضرت والا کی اس نفی توجہ اور طالبین کے احساس اثرات توجہ پر بالکل یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بہ من بدور حشمت بسرت قسم کہ روزے زتو دیدہ ام ادائے کہ تو ہم ندیدہ باشی

اب حضرت والا کی اس تحقیق انیق کے بعد میں پھر اپنے واقعۂ بیعت کی طرف رجوع کرتا ہوں میں اول بار کی زیارت کا حال بیان کر رہا تھا۔ حضرت والا سے مصافحہ کرنے کے بعد احقر نے اپنا مختصر تعارف کرایا پھر حضرت والا نماز کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ پھر بعد نماز ظہر مجلس عام میں بیٹھ کر حاضرین کو اپنے مقالات حکمت سے بہرہ اندوز فرمانے لگے۔ مشتاقین جوق جوق آتے گئے اور شرف اندوز زیارت و مصافحہ ہو ہو کر بیٹھتے گئے یہاں تک کہ بہت بڑا مجمع ہو گیا۔ احقر غایت اشتیاق سے حضرت والا کے بالکل قریب بیٹھا۔ حضرت والا کی صحبت بابرکت اور مقالات حکمت کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ جو بات فرماتے دل میں اترتی اور ذہن میں جمتی چلی جاتی اور جب نظر فرماتے قلب میں ایک بجلی سی کوند جاتی۔ پھر تو ایسا جی لگا کہ اکثر وقت حضرت والا ہی کی خدمت میں گذارنے لگا۔ یہاں تک کہ رات کو بھی اکثر وہیں رہتا اور بلا بستر و تکیہ مسجد یا مدرسہ کے بوریئے پر پڑا رہتا۔ غرض حضرت والا کے ساتھ بیحد گرویدگی ہو گئی۔ اور گو اُسوقت حضرت والا نے غالباً صرف دو تین دن ہی الہ آباد میں قیام فرمایا کیونکہ آگے تشریف لیجانا تھا اور واپسی پر پھر کچھ قیام فرمانے کا وعدہ تھا۔ لیکن دو تین دن ہی خدمت میں حاضر رہنے کا اس درجہ اثر ہوا کہ حضرت والا کی ہر ادا گویا میرے اندر سرایت کر گئی یہاں تک کہ جب میں حضرت والا کی خدمت سے رخصت ہو کر کسی سے کلام کرتا یا حضرت والا کے ملفوظات جو کثرت سے یاد ہو گئے تھے احباب سے نقل کرتا تو بے اختیار حضرت والا کے لب و لہجہ سے ایک گونہ مشابہت پیدا ہو جاتی بلکہ اپنی چال ڈھال میں بھی مجھے حضرت والا ہی کا سا رنگ ڈھنگ محسوس ہوتا اس سے حضرت والا کے فیض صحبت کا قوی الاثر اور سریع النفوذ ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔ نیز حضرت والا کی شان محبوبیت اور اثر عام دیکھ دیکھ کر بے اختیار حضور اقدس سید المرسلین محبوب رب العالمین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین کا تصور بندھ جاتا ہے اور حضرت والا کی شان تحقیق اور قوت استدلال دیکھ دیکھ کر ۳

انگریزی دانوں ملحدوں اور غیر مذاہب والوں کے مقابلہ میں اسلام کی بڑی قوت محسوس ہوتی جس سے قلب کو بڑی تقویت ہوتی کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کے ہوتے ہوئے اسلام کی حقانیت پر کسی کو مجال دم زدن نہیں ہو سکتی جو الحمد للہ ایک امر واقعی ہے۔

اُسوقت سے یہ سب ابتدائی تاثرات اب تک قلب و دماغ میں نقش کالحجر ہیں جن کو بے کم و کاست عرض کر دیا گیا ہے اور جتنے بعد کے حالات ہیں وہ سب اسی اجمال کی تفصیلات ہیں۔ اسی دوران میں احقر نے جرأت کر کے اپنے لئے دعا کی درخواست کی تو فوراً ان الفاظ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا محب اور محبوب بنائے۔ اُسی وقت یا دوسرے کسی موقع پر بغایت شفقت و ذرہ نوازی یہ بھی فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں میرے قلب کو آپ سے ایک خاص تعلق ہے۔ اھ

احقر نے ایکبار یہ بھی عرض کیا کہ حضرت یہ دعا فرماویں کہ قلب میں معاصی کا میلان ہی نہ رہے۔ فرمایا دیوار ہو جانا کس کام کا۔ پھر دیوار کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کہ دیکھئے یہ دیوار ہے چوری یہ نہیں کرتی زنا یہ نہیں کرتی بڑی متقی ہے لیکن پھر بھی بیچاری دیوار کی دیوار ہی ہے کوئی ثواب ہی نہیں ملتا۔ انسان کا کمال تو یہی ہے کہ معاصی کا میلان ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو روکے رہے اور معاصی کا صدور نہ ہونے دے۔ اھ

پھر احقر نے عرض کیا کہ حضرت بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا ہے لیکن ہمت نہیں ہوتی کیونکہ اگر بیعت ہونے کے بعد پھر بھی گناہ ہوتے رہے تو ایسی بیعت سے کیا فائدہ اسلئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کر دیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں۔ احقر یہ سوچکر بہت مسرور ہوتا ہے کہ الحمد للہ امر بیعت میں احقر کا مذاق شروع ہی سے بالکل حضرت والا کے طریق انیق کے مطابق تھا۔ حضرت والا اُسوقت کھڑے ہو کر وضو فرما رہے تھے اور ایک مونڈیر پر پانی کا لوٹا رکھا ہوا تھا۔ احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ ایک دریا تھا اسکے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اُس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آ۔ اُس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے کہ میں تیرے پاس آسکوں تو بالکل پاک صاف شفاف میں بالکل نجس پلید ناپاک۔ دریا نے جواب دیا کہ تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں لگتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا تو بس پھر ہمیشہ کیلئے دُوری ہی رہی۔ ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے بلا پس و پیش میرے اندر کو د پڑ بس پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھیگی جو تیرے سر پر ہو کر گذر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل پاک صاف کر دے گی۔ اھ

بعد کو جب کسی موقع پر احقر نے غالباً اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جانے کی دعا چاہی تو حضرت والا نے

تین ہزار بار اسم ذات بعد نماز فجر خفیف جہر و ضرب کے ساتھ بایں تصور کہ قلب بھی ساتھ ساتھ شریک ذکر ہے پڑھنے کو بتادیا اور خود دو تین بار ادا کر کے طریق ذکر بھی سکھادیا۔ پھر حضرت والا الہ آباد سے آگے غالباً ضلع اعظم گڈھ کے سفر میں تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد حسب وعدہ واپسی میں پھر دو ایک روز کے لئے الہ آباد قیام فرمایا۔ احقر اس درمیان میں حضرت والا کے تلقین فرمودہ ذکر کو کرتا رہا جس سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی مجھے یاد ہے کہ واپسی پر حضرت والا سے میں نے تجویز کردہ ذکر کے ساتھ اپنی دلچسپی کا حال بیان کر کے یہ بھی عرض کیا کہ پہلے تو یہ کچھ محسوس نہ ہوتا تھا کہ پہلو میں قلب بھی کوئی چیز ہوتی ہے اب اسکا احساس ہونے لگا ہے حضرت والا نے جو ذکر اور مقدار ذکر اور وقت ذکر روز اول تجویز فرمادیا تھا وہ مجھ جیسے راحت طلب ضعیف الہمۃ اور لاابالی شخص کے اسقدر حسب مذاق اور مناسب حال اور موافق طبیعت ثابت ہوا کہ اسکے کسی جزو میں ادنیٰ تغیر بھی موجب اخلال و خلجان ہو جاتا ہے حضرت والا کی تجویزات اکثر ایسی ہی مناسب حال ثابت ہوتی ہیں، چنانچہ خود بھی اسکی تائید میں فرماتے تھے کہ ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب مرحوم لکھنوی کو میں نے فقط تلاوت قرآن کی کثرت تجویز کی تو وہ شگفتہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ تو آپ نے بالکل میرے مذاق کی چیز بتادی مجھے تو تلاوت سے بہت ہی دلچسپی ہے۔ اھ

اس واقعہ کو نقل فرما کر حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے انکی دلچسپی کی پوری خبر بھی نہیں تھی لیکن دل میں یہی آیا کہ ان کے لئے بجائے ذکر کے تلاوت مناسب ہو گی۔ اسی طرح ایک صاحب کے لئے میں نے کثرت نوافل تجویز کی تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ اھ

حضرت والا تلقین اوراد و اذکار میں ہمیشہ طالبین کی دلچسپی کا خاص لحاظ فرماتے ہیں کیونکہ جس ذکر سے دلچسپی ہوتی ہے اس پر مداومت بھی آسان ہوتی ہے اور اسکے دوران میں جمعیت و یکسوئی بھی رہتی ہے جو معین مقصود ہے۔

چنانچہ قبل تلقین اذکار طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت فرما لیتے ہیں۔ اور انہیں میں مناسب کمی بیشی فرما کر اوراد تجویز فرما دیتے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہی بیان فرماتے ہیں کہ پرانے معمولات سے چونکہ انس ہو جاتا ہے اسلئے انکے چھوڑنے کو بھی دل گوارا نہیں کرتا اور ان سے دلچسپی بھی زیادہ ہوتی ہے اسلئے میں بلا ضرورت ان کو نہیں چھوڑواتا نیز قدیم معمولات میں مداومت کی بدولت ایک خاص برکت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اھ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ پھر انہیں معمولات میں حضرت والا کے تجویز فرما دینے کے بعد ایسی کھلی ہوئی برکات محسوس ہونے لگتی ہیں کہ اس سے پہلے ان میں محسوس نہ ہوتی تھیں۔ یہ بین علامت ہے

حضرت والا کی مقبولیت و برکت اور قوت افاضہ کی و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

غرض احقر کو حضرت والا کی جانب اتنی کشش ہوئی کہ حضرت والا کے والیسی سے قبل قیام الہ آباد میں احقر نے بیعت کی درخواست کی حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے انکار نہیں لیکن آپ بیعت ہو کر کیوں خواہ مخواہ اپنی وقعت اور عظمت گھٹاتے ہیں۔ کیونکہ آپ کی جتنی عظمت اب میرے قلب میں ہے اتنی بیعت ہو جانے کے بعد تھوڑا ہی رہے گی۔ بہرحال جب حضرت والا واپس تشریف لے جانے لگے تو روانگی سے تھوڑی ہی دیر پہلے بعد مغرب احقر کو مع جناب مکرمی و مشفقی منشی خداداد خانصاحب سلمہم اللہ تعالے اور میزبان صاحب کے ایک ملازم کے بیعت فرمالیا۔

غالباً حضرت والا الہ آباد سے کانپور تشریف لے گئے تھے جہاں بعد کو احقر بھی پہونچگیا حضرت والا کو دیکھا کہ جامع مسجد محلہ ٹپکاپور کے ایک گوشہ میں مُراقب بیٹھے ہیں۔ چونکہ وہ ابتدائی جوش و خروش کا زمانہ تھا اسلئے حضرت والا کو مراقب دیکھ کر میں نے خود ہی یا احباب کو مخاطب کرکے کسی کا یہ شعر پڑھا ؎

نظر کو بھی سیکھے سر جھکائے بیٹھے ہیں	یہی تو ہیں جو مرا دل چرائے بیٹھے ہیں

چونکہ اس زمانہ میں مجھکو ملازمت کی تلاش تھی اور چند نئے عہدے انسپکٹری آبکاری کے قائم ہوئے تھے اسلئے احقر نے بھی درخواست بھیجدی تھی۔ اسی کے جواز یا عدم جواز کے متعلق احقر نے حضرت والا سے پوچھا تو فرمایا کہ پہلے یہ تحقیق کر لیجئے کہ کس کس چیز کی شراب بنتی ہے معلوم ہوا کہ گڑ مہوا وغیرہ کی بنتی ہے انگور یا چھوارہ کی نہیں بنتی۔ اسپر حضرت والا نے فرمایا کہ مجمل جواب تو آپ کے استفسار کا یہ ہے کہ آپ اس ملازمت کے حصول کی کوشش کریں۔ اور اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ میں نے کیوں کہا تو میرے پاس تھانہ بھون بذریعہ ڈاک یہ سوال لکھ کر بھیج دیجئے میں انشاء اللہ تعالے مفصل وجوہ تحریر کرکے بھیجدونگا۔ حضرت والا کو اگر بعض مجتہدین کے اقوال پر بھی کسی ملازمت کے جواز کی گنجایش ملتی ہے تو اس عام ابتلاء اور ضعف ہمم کے زمانہ میں اس گنجایش کی بناء پر اجازت دیدیتے ہیں کیونکہ تنگی معاش میں اس سے اشد دینی ضرر کا اندیشہ ہے۔

غرض میری درخواست ملازمت منظور ہو گئی اور میں بمقام شاہجہاں پور پندرہ دن کام سیکھنے کے لئے بھیجا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ والد صاحب مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے انہوں نے مجکو لکھ بھیجا کہ تم چھوڑ کر چلے آؤ۔ اور پھر ڈپٹی کلکٹری کے لئے کوشش کی جسمیں بفضلہ تعالیٰ حضرت والا ہی کی دعائی برکت سے کامیابی حاصل ہو گئی۔ لیکن چونکہ حضرت والا کے فیض سے ذکر و شغل کا چسکا لگ گیا تھا۔ امتحان کی کتابوں کے مطالعہ میں جی نہ لگتا تھا اور دنیا سے بے رغبتی ہو گئی تھی اسلئے تقرر

سکے بعد کے امتحانات جن پر مستقلی کا دار و مدار تھا نہ پاس کر سکا۔ یہاں تک کہ ایک زائد موقع مجھکو خاص طور پر دیا گیا۔ میں نے جب حضرت والا کو اپنی تشویش کی اطلاع دی اور لکھا کہ مجھے کامیابی کی امید نہیں کیونکہ پڑھنے میں میرا جی ہی نہیں لگتا تو حضرت والا نے نہایت ہمت افزا جواب مرحمت فرمایا۔ تحریر فرمایا کہ ہمت نہ ہاریے اور گو طبعاً ناگوار ہو لیکن دل کو بہ تکلف متوجہ کر کے امتحان کو پاس ہی کر لینے کی کوشش کیجئے اور پریشانی کو پاس نہ پھٹکنے دیجئے ع حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد۔

امتحان کو ضرور پاس کر لینا چاہیے تاکہ اہل دنیا کی نظر میں ذلت نہو۔ اس مردار دنیا کو حاصل کر لینے کے بعد چھوڑنا چاہیے۔ تارک الدنیا ہونا چاہیے نہ کہ متروک الدنیا اگر آپ امتحان پاس نہ کر سکے اور علحدہ کر دیے گئے تو آپ ڈپٹی کلکٹری کو کیا چھوڑیں گے خود ڈپٹی کلکٹری ہی آپ کو چھوڑ دیگی۔ حالانکہ ہونا چاہیے برعکس ۱ھ

حضرت والا کے اس ہمت افزا ارشاد سراپا رشاد کے بعد احقر نے امتحان کی تیاری کے لئے خاص طور سے چھٹی لی اور اپنے ایک عزیز ڈپٹی کلکٹر کے پاس پہاڑ پر جاکر امتحان کی تیاری بہ اعانت اُن عزیز کے شروع کر دی۔ لیکن پھر بھی کافی تیاری نہ ہو سکی۔ مگر حضرت والا کی تمنا تو اللہ تعالیٰ کو پوری کرنی ہی تھی اُسی سال سے یہ اجازت ہو گئی کہ کتابیں دیکھ دیکھ کر امتحان میں جوابات لکھ سکتے ہیں چنانچہ اس سے بحمد اللہ بڑی سہولت ہو گئی پھر بھی بعض مضامین میں جن میں کتابوں کا دیکھنا مفید نہ ہو سکتا تھا اندیشۂ ناکامیابی رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں لکھنؤ سے امتحان دیکر تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت والا سے یہ واقعہ عرض کیا کہ امتحان کے زمانہ میں بلکہ تیاریٔ امتحان کے زمانہ میں بھی مجھے اسقدر فکر دامنگیر رہی کہ پہاڑ کے اچھے اچھے مناظر سے جہاں رہ کر میں نے امتحان کی تیاری کی تھی اور لکھنؤ جیسے پُر رونق شہر سے جہاں امتحان دینے گیا تھا مطلق لطف نہ اٹھا سکا۔ جس دن امتحان سے فارغ ہوا ہوں اُسدن زمین و آسمان نظر پڑے اور معلوم ہوا کہ میں دنیا میں ہوں۔ یہ سنکر حضرت والا نے پہلے ایک آہ سرد بھری۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح اُن کو جنھیں آخرت کے امتحان کی فکر ہے زمین و آسمان نظر نہیں آتے۔

اُس وقت بظن غالب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا یہ خود اپنا ہی حال بیان فرما رہے ہیں پھر کسی نماز کے بعد حضرت والا غالباً مسجد ہی میں تھوڑی دیر کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گئے اور احقر پاؤں دبانے لگا۔ جب حضرت والا کی ذرا آنکھ لگ گئی تو میں کسی ضرورت سے اُٹھ آیا۔ حضرت والا نے فوراً احقر کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ میں نے ابھی ایک خواب دیکھا ہے اور گو پہلے سے کہنے میں کرکری ہونے کا اندیشہ ہے لیکن میں کیا اور میرا خواب ہی کیا۔ اسلئے کہے دیتا ہوں دیکھا تو بہت مفصل تھا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا

لیکن پورا یاد نہیں رہا۔ صرف اسکا خلاصہ یہ یاد رہ گیا ہے کہ کسی نے مجھ سے کہا کہ آپ (یعنی احقر) ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں پاس ہو گئے ہیں۔ اور گو ایک مضمون میں بہت مایوسی تھی لیکن پاس ہونیکے لائق نمبر اس میں بھی آگئے ہیں۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ مجھے پوری کامیابی ہوگئی اور حضرت والا کی تمنا اور دعا کی برکت سے میں مستقل ڈپٹی کلکٹر ہوگیا۔

اسی زمانہ میں میں نے بھی ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک سانپ کا چھوٹا سا بچہ میرے پاس ہو کر گذرا میں نے اسکو کسی چیز سے مار دیا وہ ایک ہی ضرب میں مر گیا پھر کوئی اور زہریلا جانور جو اس وقت یاد نہیں آتا دکھائی دیا وہ دو چوٹوں میں مر گیا۔ پھر ایک بچھو دکھائی دیا میں نے اسکو مارا تو وہ لنگڑا ہو گیا اور لنگڑاتا ہوا دیوار پر چڑھ گیا اور ایسا معلوم ہوا کہ میری رضائی پر آپڑا اور میں اندیشہ کر رہا ہوں کہ کہیں ڈنک نہ مار دے اسی اندیشہ میں آنکھ کھل گئی غالباً یہ وہی مضمون تھا جسکے متعلق حضرت والا نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس میں پاس ہونے سے مایوسی تھی لیکن اسمیں بھی کافی نمبر آگئے۔ حضرت والا نے اپنا خواب بیان کرکے یہ بھی فرمایا کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ پاس ہو جائیں پھر چھوڑنے نہ چھوڑنے کا اختیار ہوگا۔ ترک ملازمت کے لئے بارہا عرض کیا لیکن کبھی مشورہ نہیں دیا بلکہ اکثر یہ شعر پڑھ دیا ؎

چونکہ برمیخت ببندد بستہ باش	چوں کشاید چابک و برجستہ باش

آخر میں تبدیل محکمہ کا مشورہ دیا جسکا ذکر قریب ہی کی سطور میں آتا ہے۔ غالباً اسی زمانہ میں حضرت والا نے احقر کے کسی عریضہ کے جواب میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ فلاح دارین حاصل ہوگی۔ دل بھی گواہی دیتا ہے

غرض حضرت والا ہی کی دعا کی برکت سے میں عین مایوسی کے عالم میں مستقل ڈپٹی کلکٹر ہوگیا۔ پھر حضرت ہی کی دعا اور تمنا کی برکت سے کل سات برس اس عہدہ پر رہ کر اس سے باجازت حضرت والا دست بردار ہو گیا اور بحمد اللہ بجائے متروک الدنیا ہونے کے مفہوم کے تارک الدنیا ہونیکے ایک مصداق کا ظہور ہو گیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ بوجہ اسکے کہ اس عہدہ پر کراہت سے فیصلے خلاف قانون شریعت کرنے پڑتے تھے۔ اسلئے مجھے بہت تنگی پیش آتی تھی اور گو حضرت والا سے مسائل پوچھ پوچھ کر حتی الامکان خلاف شریعت مقدسہ فیصلے کرنے سے بچتا تھا لیکن پھر بھی کہاں تک بچ سکتا تھا بفحوائے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ	باز میگوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

احقر کے بار بار عہدہ ڈپٹی کلکٹری کے خلجانات گوناگون کے پیش کرنے اور شاکی ہونے پر حضرت والا نے احقر کو محکمہ تعلیم میں ملازمت کی کوشش کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ احقر نے بطور خود بھی حکام سے کہا

سنا اور باضابطہ بھی درخواست دیدی اور اس میں یہ بھی لکھ دیا کہ میں اپنی موجودہ تنخواہ سے کم پر بھی محکمۂ تعلیم میں جانے کے لئے تیار ہوں لیکن کامیابی نہ ہوئی اور صاف جواب مل گیا کہ تمہارے لائق کوئی عہدہ محکمۂ تعلیم میں خالی نہیں ہے۔ چنانچہ میں بالکل مایوس ہو گیا تین برس فتحپور میں ڈپٹی کلکٹر رہ کر جب زیارت حرمین شریفین کے لئے رخصت لی تو بعد واپسی کانپور میں تقرر ہوا۔ اتفاق سے بہ سبیل سفر حضرت والا کانپور تشریف لائے احقر نے محکمۂ تعلیم میں ملازمت ملنے سے مایوسی کا حال عرض کیا تو نہایت جزم کے ساتھ فرمایا کہ آپ ابھی مایوس نہ ہوں برابر کوشش جاری رکھیں میرا دل گواہی دیتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کوئی بہتر صورت ہو جائے گی۔ چنانچہ احقر نے پھر کوشش کی اور حکام سے صاف کہہ دیا کہ میں بہت کم تنخواہ پر بھی جانا منظور کر لوں گا۔

حضرت والا کی دعا اور شہادت قلب اور اعتماد علی اللہ کی برکت سے یہ صورت غیب سے ظہور پذیر ہوئی کہ مسلمانوں کیلئے خاص مدارس اردو کا کھولا جانا اور انکے لئے ہر کمشنری میں جداگانہ مسلمان ڈپٹی انسپکٹر مقرر کیا جانا گورنمنٹ سے منظور ہوا۔ چنانچہ احقر کو اس نئے عہدہ کی باضابطہ اطلاع دی گئی اور لکھا گیا کہ محکمۂ تعلیم میں تمکو یہ جگہ بمشاہرہ ڈیڑھ سو روپیہ دی جاسکتی ہے آیا منظور ہے یا نہیں۔ گو یہ تنخواہ اور سب کی تنخواہ سے جو اس عہدہ پر مقرر کئے گئے تھے۔ زیادہ تھی لیکن میری ڈپٹی کلکٹری کی تنخواہ سے بہت کم یعنی صرف نصف ہی تھی کیونکہ مجھے اسوقت تین سو روپیہ ماہوار مل رہے تھے۔ جب میں نے حضرت والا کو لکھا اور کمی تنخواہ کی وجہ سے کسیقدر تردد ظاہر کیا تو حضرت والا نے یہ تحریر فرمایا کہ مشورہ دینے کا تو میرا معمول نہیں ہے لیکن اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو میں تو ضرور قبول کر لینا چاہے اس سے بھی کم تنخواہ ہوتی اور اس موقع کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دیتا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر آپ کو تامل ہے تو پھر آیندہ کبھی موجودہ ملازمت کی خرابیوں کی شکایت مجھ سے نہ کیجئے گا۔ اس ارشاد کی برکت سے جو قدرے تامل تھا وہ بھی بفضلہ تعالیٰ جاتا رہا اور احقر نے نہایت خوشی اور ذوق و شوق کے ساتھ اس عہدہ کو منظور کر لیا اور اپنی خدمات محکمۂ تعلیم میں منتقل کرا لیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہاں بھی عہدہ اور تنخواہ دونوں کی رفتہ رفتہ ترقی ہو گئی جو بحمد اللہ اب تک جاری ہے۔

حضرت والا سے شرف بیعت حاصل ہونے کے بعد جلدی ہی مجھے عہدہ ڈپٹی کلکٹری حاصل ہو گیا تھا اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے حضرت والا سے یہ کہہ کہہ کر دعائے حصول ملازمت کرائی تھی کہ پھر انشاء اللہ تعالیٰ اطمینان سے ذکر و شغل کر سکونگا۔ یہ خبر نہ تھی کہ جس عہدہ کو حضرت والا سے دعائیں کرا کرا کر حاصل کیا جائے گا بعد کو حضرت والا ہی سے دعائیں کرا کرا کر اس سے پیچھا چھڑایا جائیگا۔

حضرت والا سے شرف بعیت حاصل ہونے کے بعد بفضلہ تعالیٰ وبرکت دعا و توجہ حضرت والادین کا اسقدر اہتمام پیدا ہوگیا تھا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ایک بار لکھنؤ جانے کا اتفاق ہوا اور چوک سے گذرا تو نگاہیں بالکل نیچی کئے ہوئے اور اپنے بازو کو چٹکی سے دبا دبا کر خوب زور زور سے نوچتا ہوا گذرا تا کہ بازاری عورتوں پر نظر نہ پڑے اور انکے گانے کی آواز کی طرف جو چاروں طرف سے آرہی تھی التفات نہ ہو اسی طرح ایک بار بمقام الہ آباد دیکہ پر جا رہا تھا کہ محرم کا ہنگامہ راستہ میں پڑا میں نے بڑے اہتمام سے ڈھول تاشوں کی آواز کی طرف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر یکہ کے پہیہ کی گھڑ گھڑ کی بے لطف آواز کو بہت غور سے کان لگا کر سننا شروع کر دیا اور نفس کو خطاب کر کے کہا کہ ان ڈھول تاشوں کی دل خوش کن آواز سے تو یہ پہیہ کی گھڑ گھڑ ہی اچھی کیونکہ اُسکا سننا معصیت ہے اور اسکا سننا معصیت نہیں۔

میں اپنی ڈپٹی کلکٹری کے دوروں میں سب اہلکاروں کو اسکی سخت تاکید کر دیا کرتا تھا کہ بازار کے نرخ سے سستی کوئی چیز ہرگز نہ خریدی جائے جیسا کہ عام دستور ہے اور جب لکڑی کی احتیاط مشکل نظر آئی کیونکہ عموماً دیہات میں لکڑی بقیمت نہیں ملتی تو حضرت والا سے دریافت کیا کہ کیا کیا جائے حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ حسن اتفاق سے اسوقت میرے پاس ایک واقفکار بیٹھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دیہات میں بھی لکڑی عموماً بڑھئی کے یہاں سے بقیمت مل جاتی ہے۔ دورہ میں متعدد مسلمان ہمراہی جن میں بعض ایسے بڈھے بھی تھے جنھوں نے عمر بھر کبھی نماز نہ پڑھی تھی بلکہ نماز سیکھی بھی نہ تھی پکے نمازی ہو گئے۔ اور کئی شخص جو داڑھی منڈاتے یا کٹاتے تھے داڑھیاں رکھ کر متقطع صورت ہو گئے۔ انکی خاطر کے لئے میں نے ان سے کہا اور دل سے کہا کہ آپ نے میرے کہنے سے خلاف عادت داڑھی رکھ لی ہے اگر آپ کہیں تو میں بھی خلاف عادت اپنا سر منڈوا دوں لیکن انھوں نے روک دیا۔ رشوت ستانی کو حتی الامکان بہت سختی کے ساتھ روکا گیا۔

مجھے خوب یاد ہے کہ کانپور میں میرے ایک پیشکار تھے جن کی پنشن ہونے والی تھی۔ وہ میرے ساتھ ظہر کی نماز کے لئے کچہری کی مسجد میں جایا کرتے تھے ایک دن میں نے اُن سے کہا کہ خانصاحب اب تو آپ کی پنشن ہی ہونیوالی ہے ظاہر ہے کہ بعد پنشن تو رشوت چھوٹے ہی گی اور اسوقت آپ توبہ بھی کرینگے لیکن اُسوقت کی توبہ مجبوری کی توبہ ہوگی اور محض زبانی توبہ ہوگی عملی توبہ نہ ہوگی۔ وہ توبہ تو عصمت بی بی از بے چادری کی مصداق ہوگی۔ اب آپ کی پنشن کے دن ہی کتنے رہ گئے ہیں چند ماہ ہی باقی ہیں۔ اگر آپ ابھی سے رشوت لینا چھوڑ دیں اور بالکل توبہ کر لیں تو آپ کو عملی توبہ نصیب ہو جائے۔ اس گفتگو کا اُن پر اتنا اثر ہوا کہ انھوں نے اُسی وقت مسجد ہی میں توبہ کی اور اُسی روز سے رشوت لینا قطعاً چھوڑ دیا اور پکے تائب ہو گئے جس سے سارے اہل معاملہ اور اہل عملہ کو حیرت ہونے لگی۔ بلکہ بعضوں نے تو یہ سمجھ کر کہ قلیل رقم ہونیکی وجہ سے

انکار کرتے رہے ہیں کثیر رقم پیش کی لیکن وہاں پھر بھی انکار ہی رہا۔ بعد کو وہ حضرت والا سے بیعت بھی ہو گئے۔ اور تادم آخر دینداری کی زندگی بسر کی۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

حضرت والا کی برکت سے احقر کے اندر باوجود بڑے عہدہ پر ہونے کے اتنی تواضع پیدا ہو گئی تھی کہ اپنے اردلی کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے میں بھی عار نہ آتی تھی۔ لیکن حضرت والا نے اُسکی اور میری دونوں کی مصلحت کی بنا پر اس سے مجکو منع فرمادیا جس سے حضرت والا کی اعلیٰ درجہ کی رعایت حفظ حدود ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بھی مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار ایک بہت ہی غریب شخص مسجد کی جماعت میں میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس کھڑا تھا اور میں اسکے پاس کھڑے ہونے سے یہ سوچ سوچ کر بہت ہی لذت محسوس کر رہا تھا کہ مساکین کا عند اللہ بڑا مرتبہ ہے اور ظاہری مال وعزت کوئی چیز نہیں ہے۔

غرض حضرت والا سے بیعت ہو جانے کی ایسی برکت ہوئی کہ بحمد اللہ تعالےٰ احقر کو دین کا خاص اہتمام ہو گیا اور ہر امر میں جائز ناجائز کا بہت خیال رہنے لگا۔ اور حضرت والا کی یہ برکت تو ایسی کھلی ہوئی ہے کہ حضرت والا کے اکثر و بیشتر منتسبین میں نہایت نمایاں طور پر مشاہد ہے بلکہ اسی صفت یعنی اہتمام تقویٰ ہی سے وہ عموماً پہچانے جاتے ہیں۔ چنانچہ فتحپور کا ایک بالکل اَن پڑھ معمار جب حضرت والا سے بیعت ہو گیا تو اسکو یہ فکر ہوئی کہ ٹھیکہ کی صورت میں جس رفتار سے کام کیا جاتا ہے اُسی رفتار سے امانی میں بھی ہونا چاہیے ایک صاحب نے جو حضرت والا سے بیعت بھی نہیں ہیں، مجھ سے میرے زمانۂ قیام فتحپور میں جسکو پچیس سال سے بھی زائد عرصہ ہو گیا اس معمار کا مذکورۂ بالا حال بیان کر کے فرمایا کہ حضرت مولانا کا یہ اثر تو ہمنے ضرور دیکھا کہ جسکو حضرت سے تعلق ہو جاتا ہے اسکو شریعت پر عمل کرنے کا بہت اہتمام ہو جاتا ہے اور جائز ناجائز کا بہت خیال رہنے لگتا ہے۔

ایک بار احقر کو مدرسہ عالیہ دیوبند میں بخدمت جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب مہتمم ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو وہاں جناب امیر شاہ خانصاحب رحمہ بھی مقیم تھے جو بہت معمر بزرگ اور بڑے بڑے حضرات اکابر کی زیارت کئے ہوئے اور صحبت اُٹھائے ہوئے تھے، احقر نے خانصاحب مرحوم سے لالٹین کے متعلق دریافت کیا کہ یہ مدرسہ کی تو نہیں ہے اپر انھوں نے دریافت فرمایا کہ کیا تم مولانا اشرف علی صاحب کے مرید ہو میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کہ میں نے ایسی باتوں کا خیال مولانا ہی کے مریدوں میں زیادہ دیکھا۔ اسلئے میں پہچان گیا تھا کہ تم مولانا کے مرید ہو۔ اھ

حضرت والا سے ایک راوی نے جسکا نام وغیرہ تو حضرت والا کو یاد نہیں رہا لیکن اسکو حضرت والا نے اُسوقت قابل اعتماد سمجھا تھا ایک مقدس اور مشہور اہل علم مدرس کا بھی اسی قسم کا قول نقل کیا۔ اُن

اہل علم نے اپنے مدرسہ کی مسجد میں ایک اجنبی طالب علم کو دیکھا کہ مسجد کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتے کرتے جب وہ وقت آگیا جو وہاں کے معمول کے موافق چراغ کے گل کر دینے کا وقت تھا تو اسنے فوراً اسکو گل کر دیا اور پھر اپنا ذاتی چراغ جلا کر مطالعہ کرنے لگا حالانکہ ایسی احتیاط کون کرتا ہے بالخصوص طلبہ جو مسجد کے تیل کو گویا اپنی ملک ہی سمجھتے ہیں یہ دیکھ کر مولانا نے حضرت والا کا اسم گرامی لے کر پاس والوں سے کہا کہ یہ شخص مولانا کا ملنے والا معلوم ہوتا ہے بعد کو تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ واقعی حضرت والا سے تعلق رکھنے والا تھا۔

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ طالبین کے اندر اہتمام دین اور فکر جائز وناجائز پیدا کر دینا ہی تو شیخ کی حقیقی کرامت اور اسکے صاحب فیض و برکت ہونے کی بین علامت ہے اور اسکا اصل فرض منصبی بھی یہی ہے اس امر کے ہزاروں شاہد ہیں کہ جس نے حضرت والا سے طریقہ کے ساتھ اپنی اصلاح کے لئے رجوع کیا اُس پر روز بروز حضرت والا کا رنگ جس کو صبغۃ اللہ کہنا زیبا ہے چڑھتا ہی چلا گیا اور رفتہ رفتہ اسکی بالکل کایا پلٹ ہی ہوگئی۔ احقر نے خود ایسوں کو دیکھا ہے جو پہلے بالکل خشک تھے لیکن دو چار بار ہی کی حاضری میں قلب کے اندر ایسا سوز و گداز پیدا ہوگیا کہ دم بدم آہیں بھرنا انکا شعار ہوگیا اور بالکل رنگ ہی بدل گیا۔ چونکہ حضرت والا خود سراپا سوز و گداز اور نسبت چشتیہ کے حامل ہیں اسلئے طالب صادق پر فوری اثر ہوتا ہے اور بلا مبالغہ یہ شعر صادق آنے لگتا ہے ؎

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد	واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد

چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ سلسلۂ چشتیہ تو بس بجلی کا تار ہے ذرا ہاتھ لگا یا نہیں کہ لپٹا نہیں۔ حضرت والا کے تعلق کی برکت سے اہتمام دین اور فکر جائز وناجائز پیدا ہو جانے کے متعلق خود حضرت والا کا ایک ارشاد یاد آیا جسنے ایک ایسے شیخ کا حال سنکر فرمایا تھا جو اپنے مریدوں سے ذکر تو ڈو ڈو گھنٹے خوب جہر اور ضرب کے ساتھ کراتے لیکن خلاف شرع وضع اور دیگر افعال منکرہ سے منع نہ کرتے۔ فرمایا کہ دو دو گھنٹے ضربیں لگا لینا کیا مشکل ہے۔ تھوڑی دیر محنت کر لی پھر دن بھر رات بھر آزاد۔ میرے یہاں تو وہ آئے جس کو رات دن اپنے نفس پر آرے چلانے ہوں۔ قدم قدم پر یہ فکر ہو کہ کونسا کام جائز ہے کونسا ناجائز۔

چنانچہ حضرت والا کی تمام تر روک ٹوک اور دار و گیر کا منشا اپنے منتسبین میں اسی فکر و اہتمام دین کا پیدا کر دینا ہے جو جڑ ہے جمیع اعمال حسنہ اور احوال محمودہ کی اور جسکو حضرت والا دھن اور دھیان سے تعبیر فرمایا کرتے ہیں اور اسکی طریق میں سخت ضرورت ظاہر فرمایا کرتے ہیں چنانچہ الحمد للہ یہ صفت حضرت والا کے اکثر منتسبین میں نمایاں طور پر موجود ہے نیز بغیر فہم سلیم حاصل کئے اور حقیقت طریق سمجھے حضرت والا کے سلسلہ میں کسی کا داخلہ ہی نہیں ہو سکتا

انھیں مجموعۂ حالات کو دیکھ کر احقر کا مدت سے یہ عقیدہ تھا کہ حضرت والا کا تو قریب قریب ہر منتسب بفضلہ تعالیٰ مقتدا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور لوگ اسکے افعال سے تمسک کرتے ہیں۔ اسکی حال ہی میں خود حضرت والا سے بھی تصدیق سُنکر مجھے خاص مسرت ہوئی۔

ایک ذی علم شیخ نے ایک طالب کے دماغی تخیلات کو جو صراحۃً فساد متخیلہ سے ناشی تھے واردات حقانی قرار دیدیا اور بجائے اسکے کہ اُس بیچارہ ناواقف طالب کو اس جہل سے نکالا جاتا اسکو اور یقین دلاکر جہل مرکب میں مبتلا کردیا گیا۔ اسپر احقر نے حضرت والا سے عرض کیا کہ بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کا تو ادنیٰ منتسب بھی ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہے وہ بھی ایسی غلطی ہرگز نہ کرتا جیسی اُن شیخ نے کی۔ اسپر حضرت والا نے فرمایا کہ واقعی اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ میرے یہاں حقیقت طریق سے کوئی ناواقف نہیں اور میرے کھرے پن کی بدولت ہے ورنہ میرے یہاں بھی خلط مبحث ہوجاتا۔ اب جتنے ہیں اپنر بفضلہ تعالیٰ اطمینان تو ہے۔ اور میرے نزدیک تو قریب قریب ہر شخص قابل اجازت ہے اور میں تو سب کو اجازت دے دیتا لیکن مصالح دینیہ کا مقتضا یہ ہے کہ صاحب اجازت میں کسی نہ کسی قسم کی کچھ ظاہری وجاہت بھی ہو دینی یا دنیوی مثلاً اہل علم ہو یا کسی معزز طبقہ کا ہو تاکہ اسکی طرف رجوع کرنے میں کسی کو عار نہ آئے اور طریق کی بے وقعتی نہ ہو۔ اھ

سُبحان اللہ حضرت والا کے یہاں کی ہر بات کیسی جچی تلی اور بالکل اُصول صحیحہ کے مطابق اور ہر پہلو سے مکمل ہوتی ہے۔ ایک مجدد اور حکیم الامتہ کی یہی شان ہونی چاہیئے تھی۔

ایک بار فرمایا کہ الحمدللہ میرے احباب میں ایسے ایسے موجود ہیں جو اصول اصلاح کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اور مشہور مشہور مشائخ سے بھی اچھی تربیت باطنی کرسکتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آجکل لوگ بس شہرت کی بناء پر معتقد ہوتے ہیں کمال کو کوئی نہیں دیکھتا طریق سے بہت ہی بیگانگی ہوگئی ہے ایک بار اپنے خلیفہ مجاز جناب حاجی شمشاد صاحب کے اہتمام تقوےٰ کے حالات سنکر بہت مسرت کے لہجہ میں برجستہ حضرت حافظ رح کا یہ مصرعہ پڑھا ع شمشاد خانہ پرورِ ما از کہ کمتر ست۔ جو نہایت ہی برمحل اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسی موقع کے لئے تصنیف کیا گیا تھا۔

غرض حضرت والا سے مشرف بہ بیعت ہوجانے کی برکت سے احقر کے اندر بھی بفضلہ تعالیٰ بہت زیادہ فکر جائز و ناجائز پیدا ہوگئی تھی جسکے بعض واقعات اوپر ذکر کیے گئے۔ اور حضرت والا کے ساتھ عشق و محبت کا تو وہ عالم تھا کہ اسکو سنکر ایک ناآشنائے محبت اور ناواقف طریق دیوانگی سے تعبیر کریگا اور ایک بے ذوق اور روکھا پھیکا شخص مضحکہ اُڑائے گا۔ لیکن میں بفحوائے ؎

گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں		مانمی خواہیم ننگ و نام را	

ان دونوں قسم کے لوگوں کی کچھ پروانہ کر کے اپنے اُن محبوب حالات کو بھی جو حضرت والا کی فرطِ محبت میں مجھ پر طاری ہوئے تھے اہلِ محبت اور اہلِ ذوق کی ضیافتِ طبع کے لئے ضرور عرض کروں گا۔ اور اگر کوئی ناآشنائے محبت ایسی محبت کو دیوانگی سے تعبیر کرے گا تو میں اُس سے یہ کہونگا ع اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد۔ اگر کوئی بے ذوق ایسی محبت پر مضحکہ اڑائے گا تو میں اسکو ترکی بہ ترکی یہ جواب دوں گا۔ ع چہ داند بوزنہ لذاتِ ادرک۔

اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد میں اپنے مذکورہ بالا محبوب حالاتِ محبت میں سے بھی بطور نمونہ بعض حالات کو بلحاظ کیفیت قدیمہ یہ اشعار پڑھتا ہوا بیان کرتا ہوں ؎

ما اگر قلاشِ وگر دیوانہ ایم		مستِ آں ساقی وآں پیمانہ ایم	
گفتگوئے عاشقاں در کارِ رب		جوششِ عشق است نے ترکِ ادب	

ایک بار عشق و محبت کے جوش میں حضرت والا سے بہت جھجکتے اور شرماتے ہوئے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت ایک بہت ہی بیہودہ خیال دل میں بار بار آتا ہے جسکو ظاہر کرتے ہوئے بھی نہایت شرم دامنگیر ہوتی ہے اور جرات نہیں پڑتی۔ حضرت والا اُسوقت نماز کے لئے اپنی سہ دری سے اٹھکر مسجد کے اندر تشریف لیجا رہے تھے۔ فرمایا کہئے کہئے احقر نے غایت شرم سے سر جھکائے ہوئے عرض کیا کہ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ کاش میں عورت ہوتا حضور کے نکاح میں۔ اس اظہارِ محبت پر حضرت والا غایت درجہ مسرور ہو کر بے اختیار ہنسنے لگے اور یہ فرماتے ہوئے مسجد کے اندر تشریف لیگئے "یہ آپ کی محبت ہے ثواب ملیگا۔ ثواب ملیگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ" اھ

حضرت والا اب تک اس واقعہ محبت کو بھولے نہیں اپنی مجلس شریف میں احقر کے اس محبت آمیز قول کو بہ لطف نقل فرما فرما کر مزا فرمایا کرتے ہیں کہ غنیمت ہے اسکے عکس کی خواہش نہیں کی۔ احقر کو اُس زمانہ میں حضرت والا کی محبت کا اسقدر جوش تھا کہ بس یہ جی چاہتا تھا کہ بغل میں حضرت والا کی کتابیں ہوں اور ہر کس و ناکس اہل و نااہل بلکہ در و دیوار شجر و حجر کفار و بہائم سب سے دیوانہ وار حضرت والا کا تذکرہ کرتا پھروں اور سب کو حضرت والا کی کتابیں سُناتا پھروں۔ چنانچہ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک بار عید الضحیٰ کے موقع پر قربانی کا بکرا مکان کے خالی حصہ میں بندھا ہوا تھا۔ اُسکے پاس جو تنہائی میں پہونچا تو بے اختیار جی چاہنے لگا کہ اسکے سامنے بیٹھکر حضرت والا کا تذکرہ کروں۔

ایک بار میں ذکر اللہ میں مشغول تھا کہ دفعۃً قلب کو بے اختیار حضرت والا کی جانب ایک پُر زور کشش

ہوتی جو شل برق اکثر محسوس ہوتی رہتی تھی اور ایک دم حضرت والا کا تصور نہایت شدومد کے ساتھ بندھ کر قلب میں حضرت والا کی محبت نہایت جوش وخروش کے ساتھ موجزن ہونے لگی - میں جس کمرہ میں اسوقت ذکر کر رہا تھا وہ بالاخانہ پر تھا - اور اسکے کیواڑ بند تھے - سامنے چھت تھی - چھت پر آہٹ سنکر میں نے کیواڑ کھولے تو دیکھا کہ بندر اُودھم مچا رہے ہیں - وہ کیواڑ کھلتے ہی بھاگے چونکہ میں اُسوقت حضرت والا کے جوش محبت میں مغلوب الحال ہو رہا تھا میں نے بے اختیار بندروں کی طرف خطاب کرکے کہا کہ ارے کہاں جاتے ہو حضرت کا ذکر تو سنتے جاؤ -

حضرت والا کے دنیادار رشتہ داروں سے بھی نہایت عقیدت کا برتاؤ کرتا تھا چنانچہ حضرت والا کے چھوٹے بھائی جناب منشی اکبر علی صاحب مرحوم ومغفور کے میں نے ہاتھ چومے حالانکہ اُسوقت انکی وضع قطع بھی خلاف ثقاہت تھی اور میرے اس فعل سے اُنھیں شرمندگی بھی ہوئی لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے پہلے حضرت والا سے اپنے اس اقتضاء طبعی کو ظاہر کرکے اجازت چاہی لیکن چونکہ حضرت والا کو دوسرے کے جذبات کی بہت ہی رعایت مدنظر رہتی ہے اسلئے فرمایا کہ اُنھیں خجلت ہوگی لہذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اُنھیں سے اجازت لے لیجائے - چنانچہ ایسا ہی کیا گیا - اور چونکہ مرحوم ومغفور بہت ہی بے تکلف طبیعت کے تھے اسلئے اُنھوں نے میرا اشتیاق دیکھکر دست بوسی کی اجازت دیدی اور فرمایا کہ اس میں میرا کیا بگڑتا ہے -

انکے چھوٹے صاحبزادہ میاں محمد علی سلمہٗ جو اُسوقت بالکل بچے تھے میرے ساتھ انگور کھانے میں شریک تھے - حضرت والا کے بھتیجے ہونے کی وجہ سے بغایت عقیدت میں اُنکے چوسے ہوئے انگوروں کے فضلہ کو چوسنے لگا جسپر وہ اپنی توتلی زبان میں بجائے ارے ارے کے اَنے اَنے کہنے لگے -

اُس زمانہ میں احقر حضرت والا کی خدمت میں جو عریضے لکھتا تھا وہ بھی عجیب عاشقانہ اور والہانہ شان کے ہوتے تھے اور حضرت والا کے جوابات بھی بڑے رنگین اور محبوبانہ انداز کے ہوتے تھے - مجھے خوب یاد ہے کہ ایک عریضہ کے اندر بجائے القاب وآداب کے میں نے فرط محبت میں حضرت والا کو صرف اس شعر سے خطاب کیا تھا ؎

جانِ من جانانِ من سلطانِ من	اے تو ئی اسلام من ایمان من

(یہ شعر مثنوی زیر وبم کا ہے جو حضرت والا کی طالب علمی کے زمانہ کی تصنیف ہے)

اس زمانہ میں احقر کے عریضے بہت ہی طول طویل ہوتے تھے جبکی میں نے حضرت والا سے ایک عریضہ میں معذرت طلب کی تو اسکے جواب میں سبحان اللہ کس درجہ شفقت اور کیسے پیارے اور رنگین

عنوان سے تحریر فرمایا کہ کہیں طولِ زلفِ محبوب بھی کسی کو ناگوار ہوتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ احقر کے بعض خطوط میں تو سوائے اشعار عارفین وعشاق کے اور کچھ نہ ہوتا لیکن اُن اشعار ہی سے حضرت والا میری حالت کو سمجھ جاتے اور جواب میں اُس حالت کے مناسب خود بھی کوئی شعر ہی تحریر فرما دیتے جس سے میری پوری تسلی ہو جاتی۔

احقر کے ایک عریضہ میں زیادہ تر غزلیات ہی تھیں جو احقر نے بحالت شدت ذوق و شوق تصنیف کی تھیں۔ جن سے پابندی معمولات میں باوجود عزم بالجزم کے سخت خلل واقع ہوگیا تھا جسکی شکایت بھی عریضہ میں عرض کیگئی تھی اسکا جواب حُسن العزیز جلد اول ملفوظ نمبر ۳۲ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے

غزلنامہ جو کہ کشف استعداد فطری کے اعتبار سے ازلنامہ ہے پہونچکر وجد و طرب میں لایا۔ خدا تعالےٰ آپ کے سب مقاصد پورے فرمادے خیر اضاعت وقت میں بھی اطاعت بخت کا مسئلہ حل ہوا کہ انسان تقدیر حق کے سامنے عاجز ہے کہ ارادہ تو کیا تھا ضبط اوقات کا اور ہوگیا خبط اوقات انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کا منکشف ہونا بھی ترقی کا زینہ ہوگا۔ علی سجاد صاحب کا بھی ماشاء اللہ تعالیٰ سجادہ رنگین ہونے لگا۔ آشفتہ و آشفتہ کن اشرف علی۔

الہ آباد کی زیارت اور حصول شرف بیعت کے کچھ عرصہ کے بعد احقر کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت والا کا ناوہ میں وعظ ہے۔ وہاں کوئی جلسہ تھا میں شوق زیارت میں اٹاوہ پہونچا وہاں میرے بھانجے ڈپٹی کلکٹر تھے جو بہت سمجھ دار مشہور ہیں۔ حضرت والا سے انکی کچھ گفتگو بھی نہیں ہوئی بجز معمولی تعارف وغیرہ کے لیکن حضرت والا نے اُنکے سمجھ دار ہونے کا فوراً ادراک فرمالیا اور احقر سے اُنکے متعلق اپنی رائے ظاہر فرمائی کہ سمجھ دار معلوم ہوتے ہیں۔ احقر کو تعجب ہوا کہ حضرت والا نے صرف تھوڑی ہی دیر کی سرسری ملاقات میں اُنکی وہی مخصوص صفت معلوم فرمالی جسکا علم دوسروں کو بہت عرصہ کے تجربوں کے بعد ہوا تھا اور یہ ملکہ ادراک ملکات وخصائل طبیعہ کا تو حضرت والا میں اسدرجہ ہے کہ شاید و باید۔ جسکا اظہار تربیت سالکین کے دوران میں ہزارہا مواقع پر آئے دن ہوتا رہتا ہے۔ اور یہی فراست خداداد دلیل ہے حضرت والا کے کامل العقل ہونے کی جو موروث ہے حضرت والا کے جد اعلیٰ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اور جو ظاہری سبب ہے حضرت والا کے اعلیٰ درجے کے حکیم الامت، قطب الارشاد اور امام الطریق ہونے کا۔ اور اصل سبب تو اللہ تعالےٰ کی عطا اور انکا فضل ہے بفحوائے ؎

داد او را قابلیت شرط نیست		بلکہ شرط قابلیت داد اوست	

یُؤتِی الحِکمَۃَ مَن یَّشَاءُ وَمَن یُّؤتَ الحِکمَۃَ فَقَد اُوتِیَ خَیراً کَثِیراً وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الاَلبَاب۔

یہ بارہا کا اور نہ صرف میرا بلکہ ہزارہا کا مشاہدہ ہے کہ حضرت والا کو دیکھتے ہی خالی الذہن کے قلب کے اندر حسن عقیدت پیدا ہو جاتی ہے اور بے اختیار کشش ہونے لگتی ہے جو علامت ہے محبوبیت عنداللہ کی۔ چنانچہ ایک موقع پر خود حضرت والا نے فرمایا کہ جس کسی سے میں ملتفت ہو کر دو باتیں کر لیتا ہوں وہ ایسا مسخر ہو جاتا ہے گویا اسکا دل مٹھی میں آگیا! ۱ھ

میرے بھانجے بھی جنکا ذکر اوپر کیا گیا حضرت والا کی زیارت اور گفتگو سے نیز حضرت والا کو بہ خشوع وخضوع نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر بہت متاثر ہوئے تھے اور مجھے خوب یاد ہے کہ انھوں نے اس اثر کی یہ توجیہ بھی کی تھی کہ چونکہ مجکو مولانا کے زبردست عالم ہونے کا پہلے سے علم ہے۔ اسلئے ممکن ہے کہ مجھ پر اسی وجہ سے اثر ہوتا ہو! اھ

وہیں اٹاوہ میں ایک میرے اور عزیز بھی موجود تھے۔ وہ بھی بالکل آزاد اور انگریزی رنگ میں سر سے پاؤں تک رنگے ہوئے تھے اُن پر بھی اتنا اثر ہوا کہ اُنھوں نے میرے ذریعہ سے اپنے نمازی ہو جانے کیلئے کوئی تعویذ حضرت والا سے طلب کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے تعویذ تو کوئی ایسا آتا نہیں کہ میں اسکے اندر ایک سپاہی مع ڈنڈے کے لپیٹ کر رکھدوں اور جب نماز کا وقت آیا کرے وہ فوراً ڈنڈا لیکر تعویذ کے اندر سے نکل کر زبردستی نماز پڑھوا دیا کرے۔ ہاں ترکیب ایسی بتا سکتا ہوں جس سے دو تین ہی دن میں پورے نمازی ہو جائیں۔ لیکن وہ ترکیب محض پوچھنے ہی پوچھنے کی نہیں ہے بلکہ عمل کرنیکی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک وقت کی نماز قضا ہو جائے تو ایک وقت کا فاقہ کریں اگر دو وقت کی قضا ہو تو دو وقت کا اور اگر تین وقت کی قضا ہو تو تین وقت کا۔ بس دو تین ہی فاقوں میں نفس ٹھیک ہو جائے گا اور نماز کی پوری پوری پابندی نصیب ہو جائیگی لیکن یہ صرف پوچھنے کی ترکیب نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی نے ہمت کر کے اس ترکیب پر عمل کر لیا اور برابر جاری رہا تو ممکن نہیں کہ دو تین روز ہی میں پکا نمازی نہ ہو جائے! اھ

پہلی بار کی الٰہ آباد والی زیارت کے اثر کو اس دوسری بار کی اٹاوہ والی زیارت نے پھر تازہ کر دیا اور شوق استفاضہ کو بہت زیادہ بڑھا دیا۔ حضرت والا کی بھی شفقت اتنی بڑھی کہ جب اٹاوہ سے وطن تشریف لیجانے لگے تو باوجود اپنی فطری اور مشہور زمانہ شان استغنار کے احقر کا شوق استفاضہ دیکھ کر بنہایت عنایت و بے تکلفی احقر سے فرمایا کہ کیا آپ تھانہ بھون نہ چلیں گے۔ لیکن چونکہ احقر صرف اٹاوہ تک کے سفر کیلئے تیار ہو کر حاضر ہوا تھا اسلئے ہمرکاب نہ ہو سکا۔ پھر غالباً قریب ہی زمانہ میں مدرسۂ عالیہ دیوبند کا بڑا جلسہ دستار بندی ہوا جسمیں حضرت والا بھی تشریف لائے اور احقر بھی حاضر ہوا۔ ہزارہا آدمیوں کا مجمع تھا اور سب سے زیادہ ہجوم حضرت والا ہی کے ساتھ رہتا تھا اور حضرت والا کی یہ صفت محبوبیت اور یہ شان مرجعیت خلق

اسقدر نمایاں ہے کہ محتاج بیان نہیں گو حضرت والا لوگوں کے بے ڈھنگے پن پر بہت اظہار خفگی فرماتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بار راستہ کے ہجوم اور بے موقع مصافحوں کی بھرمار سے تنگ آگر یہی فرمایا کہ اگر تم لوگ سیدھی طرح نہ مانو گے تو بس میں اب مارنا شروع کردونگا لیکن جو محبوبیت منجانب اللہ ہوتی ہے وہ کہیں ان ظاہری اسباب نفرت و وحشت سے زائل ہوتی ہے۔ لوگ تھے کہ پھر بھی پروانہ وار حضرت والا پر ٹوٹے ہی پڑتے تھے اور جدھر حضرت والا تشریف لیجاتے ایک جم غفیر ساتھ ساتھ ہوتا

چونکہ حضرت والا شدید بیماری سے اُٹھے تھے اسلئے اور بھی بوجہ غایت ضعف ہجوم اور بے ڈھنگے پن کا تحمل نہ تھا۔ بیماری کی وجہ سے تو شرکت جلسہ کی بھی توقع نہ رہی تھی لیکن حضرت والا نے بیماری ہی میں یہ خواب دیکھا کہ میں جلسہ میں اس حدیث پر وعظ کہہ رہا ہوں حب الدُّنیا راسُ کُلِّ خَطِیئۃ۔ اس سے حضرت والا کو امید ہوگئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں اچھا ہوجاؤنگا اور شریک جلسہ ہوسکوں گا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا کہ عین وقت پر حضرت والا کو خلاف توقع صحت ہوگئی۔ اور گو نقاہت بہت زیادہ تھی لیکن وعظ فرمایا اور حدیث مذکور ہی پر وعظ فرمایا جسکا مفصل حال باب مواعظ حسنہ میں گذر چکا ہے۔

احقر نے حضرت والا کی شان جلال کا اول بار اسی جلسہ میں مشاہدہ کیا تھا ورنہ اس سے پہلے تو مجکو حضرت والا کی صرف صفت جمال ہی کے مشاہدہ کا اتفاق ہوا تھا۔ اور میں نے معمولی حالات میں ہمیشہ حضرت والا کو سراپا رافت و رحمت اور مجسم خلق و مروّت ہی دیکھا تھا اور معمولی حالات میں تو بحمد اللہ تعالےٰ حضرت والا اب بھی سراپا جمال ہی جمال ہیں۔ لیکن جسکو اللہ تعالیٰ نے مصلح بناکر دنیا میں بھیجا ہو اسمیں اگر صفت جمال کے ساتھ بقدر ضرورت شان جلال بھی نہو تو وہ اپنا فرض منصبی کما حقہ ادا نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "الامر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللہ من الشروط" میں فرماتے ہیں۔

فلابد ان یکون عند الشیخ دین الانبیاء وتدبیر الاطباء وسیاسۃ الملوک وحینئذٍ یقال لہ الاستاذ۔ یعنی ضروری ہے کہ شیخ کو انبیاء علیہم السلام کا دین اور اطباء کی تدبیر اور بادشاہوں کی سیاست حاصل ہو اسوقت اسکو استاد کہا جاسکتا ہے۔ اھ

اللہ تعالےٰ نے ہمارے حضرت والا کو بھی بفضلہ ان تینوں اوصاف کا نمایاں طور پر جامع بنایا ہے فالحمد للہ علےٰ ذٰلک حمداً کثیراً و ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ غرض مصلح کے اندر سیاست یا بالفاظ دیگر شان جلال ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن اسکا ظہور جبھی ہوتا ہے جب اسکی ضرورت ہوتی ہے اور وہیں ہوتا ہے جہاں اُسکی حاجت ہوتی ہے اور بفحوائے آنچہ برماست از ماست

اسکا سبب جو طالب اصلاح کی اصلاح طلب حالت ہوتی ہے نہ کہ مصلح کی شدت جب ارشاد حضرت حافظ شیرازی بتغیر یسیر ؎

	برمن جفا ز نفس بد آمد وگرنہ یار	حاشا کہ رسم جور و طریق ستم نداشت	

اور چونکہ مصلح کی یہ شان جلال طالبین کے لئے موجب اصلاح حال ہوتی ہے اسلئے محمودیت اور کمال ہونے میں کسی طرح صفت جمال سے کم نہیں بلکہ بعض حالات میں باعتبار مآل اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اسکے ذریعہ سے طالب کا نفس پامال اور فنا کی دولت لازوال سے مالامال ہو جاتا ہے اسی کو حضرت حافظ شیرازی رح اسطرح فرماتے ہیں ؎

	جمالت معجز حسن است لیکن بر آں چشم سیہ صد آفریں باد	حدیث غمزہ ات سحر مبین ست کہ در عاشق کشی سحر آفرین است	

اور حضرت مولانا جامی رح یوں فرماتے ہیں ؎ جفائے تو کہ بسا خوشتر از وفائے من ست		ہمہ عنایت ولطف تو از برائے من است

چنانچہ حضرت والا کے اس سحر حلال کی افسوں کاریاں بیشمار ہیں اور حضرت والا کی اس شان جلال نے ایسے ایسے کارنمایاں کئے ہیں کہ سبحان اللہ۔ ہزاروں سرکشوں کے سر سے تکبر کا خناس نکالکر دماغ صحیح کر دیا اور فنا وعبدیت سے جو کہ حاصل تصوف ہے مشرف فرما دیا۔ ایک ایک ڈانٹ میں بڑے بڑے سخت امراض روحانی کا عمر بھر کے لئے استیصال کر دیا۔ جھڑک جھڑک کر بڑے بڑے غافلوں کو بیدار اور ہمیشہ کے لئے مکائد نفس سے ہوشیار کر دیا۔ اور بڑے بڑے بے فکروں میں فکر دین پیدا کر دی جسکی صدہا نظائر ہیں اور رات دن مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ بخوف تطویل اس جگہ صرف دو چار واقعات لکھے جاتے ہیں ممکن ہے کہ بعض بعد کو بھی کسی موقع پر معرض تحریر میں آجائیں

ایک شخص کو کفریہ وساوس نے عرصہ دراز سے سخت پریشان کر رکھا تھا وہ حضرت والا سے بار بار یہی شکایت کیا کرتا۔ ایک بار حضرت والا سے تنہائی میں اپنا حال عرض کرتے کرتے کہنے لگا کہ اجی اب تو یہاں تک جی میں آتا ہے کہ عیسائی ہو جاؤں۔ یہ سنتے ہی حضرت والا نے فوراً زور سے ایک تھپڑ رسید کیا اور دھکے دیکر پاس سے اٹھا دیا اور فرمایا کہ جا کم بخت جا اگر عیسائی ہونا چاہتا ہے تو تجھے رُکتا کون ہے جا اور ابھی جا کر عیسائی ہو جا منہ کالا کر۔ اسلام کو ایسے منحوس اور ناقدرے کی ہرگز ضرورت نہیں بلکہ اچھا ہے اسلام ایسے نااہلوں سے پاک ہو جائے۔ اگر عیسائی ہو جائیگا کسی کا کیا جائیگا آپ دوزخ میں جلیگا۔ اھ

بس جناب اس تھپڑ کا لگنا تھا کہ سارے وساوس کفریہ اُسی وقت کافور ہو گئے۔ اور ایسے دفع ہوئے کہ اس واقعہ کو پندرہ برس سے کم نہوئے ہونگے لیکن پھر کبھی آجتک خواب میں بھی ۵

نہیں آئے۔ اس تھپڑنے گویا مسہل کا کام کیا۔ سارا مادہ فاسدا یکدم نکلگیا۔

تھانہ بھون کے قریب ہی کے قصبہ کا ایک پابند صوم وصلوٰۃ شخص کسی برہمنی بیوہ پر مفتون ہوگیا جسکے پاس وہ دودھ کی خرید وفروخت کے بہانہ سے قصداً جایا کرتا اور بدنظری کیا کرتا۔ اس نے اپنے ایک دوست سے یہ راز ظاہر کیا اور کہا کہ میں اس بلا میں گرفتار ہوگیا ہوں کیسے چھٹکارا ہو۔ اُنھوں نے مشورہ دیا کہ تم تھانہ بھون جاکر حضرت والا کی خدمت میں عرض حال کرو۔ چنانچہ وہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک پرچہ پر اپنا حال لکھکر خود ہی پیش کیا جسمیں یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے اُس سے اسقدر محبت ہوگئی ہے کہ اگر وہ مجھے اپنا پیشاب بھی پلائے تو بلا کراہت پی لوں۔ حضرت والا نے اول حسب معمول نرمی کے ساتھ فرمایا کہ اُس سے بُعد اختیار کیا جائے اور اسکے پاس آنا جانا قطعاً چھوڑ دیا جائے۔ اسپر اُسنے کہا کہ میں تو اسکے یہاں قصداً جایا کرتا ہوں اسپر حضرت والا کو غصہ آگیا اور بے تحاشا ایک تھپڑ رسید کیا اور بہت زور سے ڈانٹ کر فرمایا کہ نالائق جب تو قصداً بدپرہیزی کرتا ہے تو مجھ سے علاج ہی پوچھنے کیوں آیا ہے۔ چولھے میں جا اپنے ہاتھوں کلہاڑی مارنے کا میں کیا علاج بتاؤں۔

وہ تھپڑ اسکے حق میں اکسیر ثابت ہوا۔ اسکو بے حد ندامت ہوئی اور نفس پر ایسا تازیانہ لگا کہ اس کی ساری شرارت جاتی رہی اور سیدھا ہوگیا اس عورت سے قلب میں نفرت پیدا ہوگئی اور آنا جانا بالکل بند ہوگیا بس ایک ہی تھپڑ میں ہوش درست ہوگئے اور خناس دماغ سے نکل گیا۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ بعد کو مجھے ندامت بھی ہوئی کہ خواہ مخواہ ایک اجنبی شخص کے تھپڑ ماردیا لیکن کیا کروں اُسوقت غایت غیرت دینیہ سے اضطراری طور پر ہاتھ اُٹھ ہی گیا۔ اور اسی میں اسکا بھلا ہوگیا۔ اھ

اس واقعہ کے ساتھ ہی حضرت والا ایک ایسا ہی دوسرا واقعہ بھی نقل فرمایا کرتے ہیں جسمیں بجائے سختی کرنے کے غیر معمولی طور پر نرمی کا معاملہ فرمایا گیا تھا اور وہاں نرمی ہی نافع ہوئی تھی۔ فرمایا کہ ایک نوجوان لڑکے کو اُسکے باپ اور چچا وغیرہ چند اشخاص میرے پاس لیکر آئے اور اُسکی شکایت کی کہ اس نے ایک بازاری عورت سے تعلق پیدا کرلیا ہے اور ساری جائداد کو تباہ کئے ڈالتا ہے۔ اسکو سمجھا دیجئے میں نے بجائے اسکے کہ اُسکے باپ اور چچا وغیرہ کے سامنے اسکو کچھ نصیحت کروں، یہ کیا کہ اسکا ہاتھ پکڑکر مسجد کے اندر لیگیا اور تنہائی میں بٹھکر اور اسکا ہمدرد اور ہمراز بنکر اس سے کہا کہ میاں یہ لوگ کیا جانیں کہ کسی کے دل کو کیا لگی ہوئی ہے بس اب تم مجھے صاف صاف بتادو کہ تم کو ایسی کیا مجبوری ہے کہ نہ تو تم کو اپنی عزت آبرو کا خیال ہے نہ اپنی جائداد کی تباہی کی پرواہے۔ اھ

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اسکے باپ اور چچا وغیرہ بھی مسجد میں آکر سننے لگے کہ دیکھیں کیا باتیں ہورہی

ہیں۔ میں نے انہیں ڈانٹا کہ یہ کیا واہیات حرکت ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ اب میں جانوں اور یہ جانیں تمہیں بیچ میں دخل دینے سے کیا مطلب۔ چنانچہ وہ لوگ اٹھکر چلے گئے۔ اس سے اس لڑکے کے دل میں میری اور بھی جگہ ہوگئی۔ اور میری طرف سے اسکو پورا اطمینان ہوگیا کہ یہ تو میرا واقعی خیرخواہ اور ہمدرد ہے جب اسکے باپ اور چچا وغیرہ میرے ڈانٹنے پر مسجد سے اٹھکر چلے گئے تو میں نے اس لڑکے سے پھر وہی سوال کیا کہ آخر تمہیں اس سے ایسی شدید محبت کیوں ہے مجھے اب تم صاف صاف بتادو اسنے کہا کہ اجی سچی بات یہ ہے کہ پہلے تو مجھے اس سے واقعی محبت تھی لیکن اب تو بس محض نباہنا ہی نباہنا رہ گیا ہے کیونکہ ایک بار پیران کلیر شریف میں اسنے حضرت مخدوم صاحب رح کے مزار پر مجھ سے یہ عہد لے لیا تھا کہ میں ہمیشہ اسکے ساتھ تعلقات قائم رکھونگا اور اسکو کبھی نہ چھوڑونگا۔ ہم دونوں کو دیکھکر وہاں کا ایک مجاور بھی آگیا اور اسنے خاص طریقہ سے ہم دونوں سے عہد لیا کہ کبھی ایک دوسرے سے منہ نہ موڑیں گے اب مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں نے اس سے قطع تعلق کیا تو میرے اوپر ضرور کوئی وبال آئے گا۔ کیونکہ میں ایک بزرگ کے مزار پر عہد کرچکا ہوں کہ ہمیشہ اسکے ساتھ تعلقات قائم رکھونگا۔ اھ

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرماکر حاضرین سے فرمایا کہ لوگ بھی عجیب ہیں شرم نہیں آتی بزرگوں کے مزارات پر اس قسم کی خرافات حرکتیں کرتے ہیں اور بزرگوں کو ایسے ایسے حرام عہد و پیمان کا گواہ بناتے ہیں اور مجاورین کی ان سے بدتر حالت ہے کہ معاصی کی تلقین کرتے ہیں استغفراللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور عجب نہیں کچھ اس تلقین کا معاوضہ بھی لے لیا ہو بلکہ ضرور لیا ہوگا کیونکہ انکا تو پیشہ یہی ہے۔

پھر فرمایا کہ میں نے اس لڑکے کی یہ تقریر سنکر اس سے کہا کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم مجھے اپنا خیرخواہ بھی سمجھتے ہو یا نہیں اسنے کہا بیشک۔ پھر میں نے کہا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا بھی سمجھتے ہو یا نہیں اس نے اسکا بھی اقرار کیا اور کہا کہ آپ ہی سچے نہ ہونگے تو اور کون سچا ہوگا۔ پھر میں نے کہا کہ میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ اگر تم اس عہد کو نہ توڑو گے تب تو وبال آئے گا اور اگر توڑو گے تو اسکی وجہ سے ہرگز کسی قسم کا وبال نہ آئے گا۔ ایسے عہد کا توڑنا ہی واجب ہے۔ البتہ چونکہ عہد کرلینے سے قسم ہوگئی ہے اسلئے قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا سو وہ کوئی ایسی بات نہیں آسانی کے ساتھ دیا جاسکتا ہے اسپر اس نے کہا کہ اجی مجھے تو بس یہی ڈر تھا کہ کہیں کوئی میرے اوپر وبال نہ آجائے اور اسی ڈر سے میں اسے نباہ بھی رہا تھا ورنہ اب محبت تو مجکو اس سے کچھ رہی نہیں۔ جب آپ اطمینان دلاتے ہیں کہ اسکو چھوڑ دینے سے مجھ پر کوئی وبال نہ آئے گا تو میں بس اب اسکو چھوڑ ہی دونگا۔ لیکن آپ مجھ کو صرف ایک بار اور اس کے پاس جانے کی اجازت دیدیجئے تاکہ میں اسکو اطلاع تو کر آؤں کہ بس اب مجھ کو تجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ

اجازت اسلئے چاہتا ہوں کہ اسکو میرا انتظار تو نہ رہے کیونکہ اُسکو انتظار میں رکھنا ایک قسم کی بے مروتی ہے نہ معلوم بیچاری کب تک میرے انتظار ہی انتظار میں رہے۔اھ

حضرت والا نے خیر اتنی بات کی اسکو مصلحت اجازت دیدی لیکن یہ کہدیا کہ دیکھو صرف اطلاع ہی کر کے چلے آنا خبردار جو کچھ اور گڑبڑ کی اسکا اُسنے وعدہ کر لیا اور اطمینان دلا دیا۔جب باپ اور چچا کے سامنے گفتگو ہوئی اور ان کو علم ہوا کہ اسنے ایک مرتبہ اور جانے کی اجازت لے لی ہے تو وہ کہنے لگے کہ اجی یہ اسکی بدمعاشی ہے یہ وہاں کا آنا جانا نہ چھوڑے گا۔حضرت والا نے انہیں ڈانٹ دیا کہ چپ رہو تم کیا جانو ہمیں اپر اطمینان ہے۔پھر حضرت والا نے اُس سے فرمایا کہ میاں جو زیور وغیرہ تمنے اسکو دیا ہے وہ بھی تو لیتے آنا لیکن اُسنے کہا کہ اجی اب تو جو دیدیا سو دیدیا اب دی ہوئی چیز کا کیا لینا مجھے تو یہ بے مُروتی معلوم ہوتی ہے۔اھ

اسپر حضرت والا نے اصرار نہیں فرمایا۔پھر وہ لوگ رخصت ہو گئے پھر کچھ دن بعد اسکا باپ حضرت والا کی خدمت میں پانچ روپے لے کر آیا اور کہا کہ مدرسہ میں ان روپیوں کی مٹھائی بانٹ دیجئے۔الحمد للہ آپ کی برکت سے میرے لڑکے نے اُس بازاری عورت سے بالکل قطع تعلق کر دیا اور جیسا کہ اُسنے آپ سے وعدہ کیا تھا بس ایک بار تو اسکے پاس قطع تعلق کی اطلاع کرنے گیا پھر نہیں گیا۔

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ اس موقع پر غیبی طور پر یہی جی میں آیا کہ اسکے ساتھ نرمی ہی مناسب ہے چنانچہ بفضلہ تعالیٰ نرمی ہی نافع ثابت ہوئی۔

ایک بار حضرت والا بسبیل سفر کرانہ میں تشریف رکھتے تھے ایک صاحب بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوئے اور کچھ مٹھائی بھی ہمراہ لائے لیکن بجائے خود لانے کے ایک اور شخص کے ہاتھ پر رکھوا کر لائے حضرت والا نے فوراً اُن کے اس فعل سے نیز ان کے مجموعہ طرز و انداز سے محسوس فرما لیا کہ اُن میں کبر کا مادہ ہے اور ایک طرح کی شان رکھتے ہیں۔حضرت والا نے انکی اس شان اور کبر کا علاج کرنا چاہا چنانچہ بجائے وہیں بیعت کر لینے کے اُن سے فرمایا کہ مجھے یہاں فرصت نہیں ملی۔مجھے فلاں صاحب کے یہاں جانا ہے وہاں شاید بیعت کر سکوں۔وہاں چلئے۔چنانچہ بیچاروں کو ہاتھ میں مٹھائی کا طباق لئے ہوئے حضرت والا کے ساتھ جانا پڑا کیونکہ مٹھائی تو بیعت ہی کے واسطے لائے تھے اُسے کیسے چھوڑ دیتے۔حضرت والا نے وہاں پہونچکر بھی یہی فرمایا کہ کیا کہوں یہاں بھی مجھے فرصت نہ ملی۔وہاں چلئے پھر تیسری جگہ بھی یہی کیا۔غرض اسی طرح حضرت والا ان کو تقریباً دو گھنٹہ تک مع مٹھائی کے طباق کے گھر گھر لئے پھرے اور قصداً بازار میں سے ہو ہو کر گذرتے تھے تاکہ انکے نفس کی خوب ذلت ہو اور شان کا خیال دل سے نکل جائے۔

جب حضرت والا نے اُن کو خوب پریشان کرلیا اور معلوم کرلیا کہ اپنے مرض پر متنبہ ہو گئے ہیں تب مرید کرلیا۔

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ تکبر کا اتنا بڑا مرض جو برسوں کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھی نہ جاتا اس تدبیر سے بفضلہ تعالیٰ دو ہی گھنٹے میں جاتا رہا۔ پھر فرمایا کہ الحمد للہ میرے یہاں تو ایسے ہی چٹکلوں میں علاج ہوتے ہیں اور اللہ میاں وقت پر ایسی ہی سہل سہل تدبیریں سوجھا دیتے ہیں۔ بزرگانِ سلف نے بھی ایسی ہی تدبیریں کی ہیں اھ

حضرت والا اپنے حقیقی بھانجے یعنی جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سلمہم اللہ تعالیٰ کے حقیقی بڑے بھائی جناب مولانا سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ مجکو انکے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی جسکو عشق کہہ سکتے ہیں۔ میں نے اُنھیں کے ساتھ سب سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا۔ پھر اس برتاؤ کی یہ برکت ہوئی کہ یا تو انکی یہ حالت تھی کہ نہایت شاندار لباس پہنتے تھے اور دماغ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ یوں کہا کرتے تھے کہ اگر نوکری ہو تو کم از کم ایک ہزار روپیہ ماہوار کی تو ہو یا پھر ایسے مٹے ایسے مٹے کہ فانی محض ہو گئے اور اپنے آپ کو چماروں اور بھنگیوں سے بھی زیادہ ذلیل و خوار سمجھنے لگے اور نہایت سادہ وضع میں رہنے لگے یہاں تک کہ انتقال کے بعد جو انکے کپڑے بغرض تقسیم ترکہ نکالے گئے تو ان کی سادگی دیکھ کر سب کو حیرت اور حسرت ہوتی تھی بلکہ حضرت والا نے فرمایا کہ خود مجکو بھی اُن کپڑوں کی حالت دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں رونا آتا تھا۔

احقر مؤلف نے بھی خود سفر و حضر میں حضرت والا کو مولانا مرحوم و مغفور کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ اور برسرِ مجمع سخت زجر و توبیخ کرتے دیکھا ہے۔ ایک بار بمقام الہ آباد ریل گاڑی میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے احقر ہانکنے والے کے برابر بیٹھنے لگا تو حضرت والا نے مولانا رح کو اندر سے بھیجکر وہاں بٹھایا اور احقر کو اندر بلالیا اور فرمایا کہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے۔ ان کی تو یہ مصلحت ہے کہ ان میں تواضع پیدا ہو اور آپ کی یہ مصلحت ہے کہ آپ میں ضرورت سے زیادہ تواضع پیدا ہو کر ترقی معکوس نہ ہونے لگے یعنی آپ کو یہ عجب نہ ہونے لگے کہ میں بھی کسقدر متواضع ہوں۔ اھ۔

اسی طرح احقر نے سُنا ہے کہ ایک بار جلسہ سہارنپور میں مولانا رح کا نہایت اعلیٰ درجہ کا وعظ ہوا جس سے سامعین بے حد متاثر ہوئے اور سب حاضرین جلسہ مولانا کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے حضرت والا نے بعد وعظ مولانا رح کو کسی معمولی بات پر برسرِ مجمع نہایت سختی کے ساتھ زجر و توبیخ فرمائی تاکہ اُن میں شائبہ بھی عُجب و پندار کا نہ پیدا ہونے پائے اور بعد کو خود حضرت والا نے بھی اپنے اس برتاؤ کی یہی مصلحت بیان فرمائی

جب حضرت والا امر تربیت میں خاص اپنے جگر گوشوں کی بھی رعایت نہیں فرماتے تو بھلا اور کسی کا تو کیا منہ ہے کہ اپنے لئے رعایت کا مطالبہ کرے بالخصوص جبکہ حسب ارشاد حضرت والا ایسی رعایت خیانت بھی ہو۔

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی سے اتنا دل کھلا ہوا نہ ہو یا کسی پر اتنا زور نہ ہو کہ بوقت ضرورت بغرض اصلاح اگر یہ نہ کہہ سکے کہ تم بڑے نالائق ہو تو کم از کم یہ تو کہہ سکے کہ تمہاری یہ حرکت بڑی نالائق ہے تو اسکو مرید ہی کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت والا نے اسی بنا پر بعض نوابوں اور فرمانرواؤں سے باوجود انکے اصرار شدید کے خصوصی تعلقات قائم کرنے سے عذر فرما دیا نیز اپنے اعزہ کو بھی عموماً مرید نہیں فرماتے۔ سوائے ایسی خاص صورتوں کے جن میں دل بالکل کھلا ہوا ہو۔ پہلے حضرت والا اسمیں توسع فرماتے تھے لیکن جب بعض صورتوں میں تنگیاں اور کلفتیں پیش آئیں یہاں تک کہ تربیت کو باقاعدہ شروع کر دینے کے بعد بھی چھوڑ دینا پڑا جو زیادہ موجب بے لطفی و بے برکتی ہوتا ہے تو اب حضرت والا نے اپنے اعزہ کو اپنی تربیت میں لینا ہی قریب قریب بالکل موقوف فرما دیا ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ اکثر حالات میں اعزہ کو بیعت کرنا بے نتیجہ ہے کیونکہ ان کو تو ہوتا ہے ناز اور اس تعلق میں سرتاسر ضرورت ہے نیاز کی میں غیر اعزہ کو تو نہایت آزادی کے ساتھ روک ٹوک کرتا ہوں اور خوب اچھی طرح ڈانٹ ڈپٹ لیتا ہوں یہاں تک کہ اگر کبھی کسی کے بارہ میں مصلحت اسی کو مقتضی ہوتی ہے کہ اسکو اپنے یہاں سے نکال دیا جائے تو میں اسکو بلا پس و پیش نکال باہر کرتا ہوں اور اگر اعزہ کے ساتھ اس قسم کے برتاؤ کی ضرورت پڑے تو اول تو تعلقات کی بنا پر اسکی ہمت ہی پڑنا مشکل ہے کیونکہ ادھر انکو بھی خصوصیت کی توقع ہوتی ہے اور ادھر خود مجھکو بھی خصوصیت برتنے کا طبعی تقاضا ہوتا ہے اور اگر طبعی اقتضا پر دینی مصلحت کو ترجیح دیجائے اور سختی ہی کا برتاؤ کیا جائے تو پھر ناگواری کا اثر واسطہ در واسطہ دور تک پہونچتا چلا جاتا ہے۔ اسلئے بعد تجربہ اسلم صورت یہی سمجھ میں آئی کہ اعزہ کی تربیت باطنی سے عذر ہی کر دیا جائے چنانچہ میں اب اکثر صورتوں میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ اھ

غرض جیسا کہ اوپر بحوالہ قول حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز عرض کیا گیا شیخ کامل کے اندر ملوک کی سی سیاست ہونا ضروری ہے کیونکہ عام طبائع کے اعتبار سے عادت اکثریہ یہی ہے کہ بدون سختی کے اصلاح نہیں ہوتی۔ اسی لئے اسکی ضرورت سب عقلاء کے نزدیک مسلم ہے اور ہر متمدن جماعت نے حسب ضرورت اپنے اپنے اصول سیاست مقرر کر رکھے ہیں بلکہ نظام عالم ہی اصول سیاست پر قائم ہے۔ جب امن ظاہری کے لئے سیاست ضروری ہے تو امن باطنی کے لئے تو بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگی کیونکہ فساد ظاہری کی اصلاح اتنی دشوار نہیں جتنی فساد باطنی کی۔ پھر تعجب ہے کہ رذائل نفس کے ازالہ کے لئے سیاست کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی

اور اگر کوئی مصلح بزرگان سلف کے طریق اصلاح کو زندہ کرے اور فطری اُصول پر طالبین اصلاح کی اصلاح کرے تو اُس پر ہر کس وناکس اعتراض کرنے کے لئے تیار رہے۔ حالانکہ معترضین خود بھی تو اپنے ماتحتوں کے ساتھ سیاست ہی کا برتاؤ کرتے ہیں وہاں بہلی مصلحتیں تراش لیجاتی ہیں بات یہ ہے کہ ؏ ہر کسے ناصح برائے دیگراں۔ عرب میں بھی مثل مشہور ہے کہ ہر شخص بس دو کسی کے غصہ کے وقت حلیم ہوتا ہے۔ ہم تو جب جانیں جب معترض صاحب نہ کبھی اپنے نوکروں کی کسی بے عنوانی پر خفا ہوں نہ کبھی اپنی اولاد کو کسی بے ڈھنگی بات پر تنبیہ کریں اور کوئی کتنا ہی ستائے جائے نہ اسکو روکیں نہ ٹوکیں نہ اظہار شکایت کریں بس چپکے حلیم بنے بیٹھے رہیں۔ اگر خود ایسا کرتے ہوتے تب تو خیر کچھ منہ بھی تھا اعتراض کرنے کا ورنہ شرمانا چاہیئے۔ اور اگر کوئی ایسا ہی حس ہو کہ اُسکو غصہ کی بات پر بھی غصہ نہ آتا ہو تو اسکے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی سُنئے جو حضرت الطبقات الکبریٰ مصنفہ حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کرتے ہیں۔ من استغضب فلم یغضب فھو حمار ومن استرضی فلم یرض فھو شیطان یعنی جسکو غصہ دلایا جائے (مراد یہ کہ اسکے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے جو فطرت سلیمہ کے اقتضاء سے غصہ کا موجب ہو) اور پھر بھی اسکو غصہ نہ آئے تو وہ حمار ہے اور جسکو راضی کیا جائے (یعنی اپنی کوتاہی کا تدارک کر کے اُس سے معافی چاہی جائے) اور وہ پھر بھی راضی نہو تو (چونکہ یہ علامت ہے غایت تکبر کی اسلئے) وہ شیطان ہے۔

یہ تو سیاست کی عام ضرورت اور عام مصلحت پر گفتگو تھی۔ باقی حسب ارشاد حضرت والا بعض خاص بزرگوں کے طبائع میں فطری طور پر حلم اتنا ہوتا ہے کہ وہ مصلحت پر غالب رہتا ہے اور غصہ کی بات پر بھی اُن کو باوجود ناگواری کے ہیجان نہیں ہوتا یہ فطری اختلاف طبائع سنت الہیۃ قدیمہ ہے جسمیں ہزاروں مصالح تکوینیہ وتشریعیہ مضمر ہیں۔ اور جو نہ صرف عام طبائع سے بلکہ اخص الخواص طبائع سے بھی متعلق ہے چنانچہ حدیث ذیل اسپر صراحۃً دال ہے جو التشرف جلد چہارم (حرف الفاء) سے مع حضرت والا کی توضیحات و توجیہات کے لفظ بہ لفظ نقل کی جاتی ہے۔

الحدیث فی السماء ملکان احدھما یامر بالشدۃ والآخر باللین وکلاھما مصیب احدھما جبرئیل والآخر میکائیل ونبیان احدھما یامر باللین والآخر بالشدۃ وکل مصیب ابراھیم ونوح ولی صاحبان احدھما یامر باللین والآخر بالشدۃ ابوبکر و عمر (طب) وابن عساکر عن ام سلمۃ (ض) لکن قال العزیزی باسناد صحیح اھ واللہ اعلم

ترجمہ:- آسمان میں دو فرشتے ہیں ان میں سے ایک سختی کی فرمائش کرتے ہیں اور دوسرے نرمی کی اور یہ فرمائش دونوں جگہ یا حقیقت ہے کہ منجانب اللہ جس خدمت پر مامور کئے جاتے ہیں اُسمیں اپنے اعوان کو

شدت یا نرمی کا امر فرماتے ہیں کیونکہ وہ خود وحی سے ایسی ہی خدمات پر مامور کئے جاتے ہیں جسمیں شدت یا نرمی بتقضائے حکمت ہوتی ہے اور یا یہ کنایہ ہے انکی طبائع کی فطری شدت ولین سے جسمیں انتقال ہوتا ہے معنی حقیقی ملزوم سے لازم کی طرف گو معنی حقیقیہ یعنی امر کا تحقق نہو جیسے طویل النجاد سے انتقال ہوتا ہے طول قامت کی طرف گو نجاد کا تحقق بھی نہ ہو) اور دونوں صواب پر ہیں (کیونکہ وہ مواقع اسی کے مناسب ہوتے ہیں) ان میں ایک جبرئیل علیہ السلام ہیں (جو اکثر نزول عذاب وغیرہ کے انتظام کے لئے مامور ہوتے ہیں) اور دوسرے میکائیل علیہ السلام ہیں (جو اکثر بارش وغیرہ کے اہتمام کے لئے مامور ہوتے ہیں) اور جیسے ان دو شانوں کے دو فرشتے ہیں اسی طرح ان ہی دو شان کے) دو نبی ہیں ایک نرمی کا امر فرماتے ہیں۔ دوسرے شدت کا (اسمیں بھی وہی دونوں احتمال ہیں) اور دونوں صواب پر ہیں (اسلئے کہ اگر وحی سے ایسا کرتے ہیں تو وحی کا صواب قطعی ہونا ظاہر ہے اور اگر اجتہاد سے ایسا کرتے ہیں تو جب تک اجتہاد سے وحی مانع نہو تو وہ اجتہاد بھی واجب العمل ہے) اور وہ (دو نبی) ابراہیم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام ہیں (کہ اول آمر باللین ہیں اور دوسرے آمر بالشدت) اور (ان ہی دو شان کے) میرے دو صحابی ہیں ایک نرمی کا امر کرتے ہیں اور دوسرے شدت کا (اور) وہ (دونوں) ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں۔ (جنکی نرمی و شدت معلوم و مشہور ہے **ف** حفنی نے فرمایا ہے کہ مقصود اس حدیث سے اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ دونوں انبیاء علیہم السلام و ملائکہ علیہم السلام کے اوصاف میں سے ایک ایک وصف کے ساتھ موصوف ہیں اور دونوں مصیب ہیں کیونکہ شدت اس موقع پر ہے جہاں لین مناسب نہیں اور لین ایسے موقع پر ہے کہ وہاں شدت مناسب نہیں۔ انتہی قول الحفنی۔

میں کہتا ہوں کہ ابھی مدلول حدیث کا صاف نہیں ہوا کیونکہ اصابت کی جو علت انہوں نے بیان کی ہے اسپر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ اس تقدیر پر پھر اختلاف شان کی کیا وجہ کیونکہ شدت کے موقع پر سب ہی کو شدت کی ضرورت ہے اور نرمی کے موقع پر سب ہی کو نرمی کی ضرورت ہے اسلئے میرے نزدیک تقریر مقام کی یہ ہے کہ اسمیں تو سب متفق ہیں کہ نرمی کے موقع پر نرمی کیجاوے اور شدت کے موقع پر شدت۔ مگر اختلاف اسمیں ہے کہ ایک ہی موقع میں اختلاف طبائع سے اسمیں اختلاف رائے ہو جاتا ہے کہ یہ موقع نرمی کا ہے یا شدت کا جیسے اسارائے بدر کا واقعہ ایک ہی واقعہ ہے مگر حضرت صدیقؓ و حضرت عمرؓ کی رائے فدیہ و قتل میں مختلف ہو گئی اور ایسا اختلاف محل اجتہاد میں ہو سکتا ہے تو شیخین کا اختلاف یقیناً اسی قسم کا ہو سکتا ہے باقی نبیین یا ملکین کا اختلاف اگر وہ بھی اجتہاد فرماتے ہوں تب تو یہ تقریر وہاں بھی جاری ہو سکتی ہے اور اگر وہ اجتہاد نہ فرماتے ہوں بلکہ انکا ہر اختلاف وحی سے سبب ہو تو تشبیہ کا مقصود مطلق اختلاف ہو گا خاص اختلاف نہو گا اور تقریر یہ ہو گی کہ شیخین کے ان اوصاف

پر اعتراض و شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ سنت الٰہیہ جاری ہے کہ مقبولین کا رنگ مختلف بنایا ہے سو اصحاب وحی کے رنگ کا اختلاف تو وحی کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے اور غیر اصحاب وحی کے رنگ کا اختلاف اجتہاد کے اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب وہ سوال باقی نہیں ہا اور یہاں سے اختلاف مذاق اولیار کے متعلق بڑا مسئلہ طے ہوا کہ اسی طرح اولیاء کے مزاج مختلف ہوتے ہیں اور اس اختلاف پر بعض نادان اعتراض کیا کرتے ہیں مثلاً یہ کہ کیسے بزرگ ہیں کہ فلاں امر ثقیل پر سختی نہیں کی یا کیسے بزرگ ہیں کہ فلاں امر خفیف پر سختی کرنے لگے اس حدیث سے اُن معترضین کی غلطی واضح ہوگئی جسکا حاصل یہ ہے کہ نیت سب کی اصلاح ہی ہے۔ آگے مزاج کے اختلاف سے رائے کا اختلاف ہو جاتا ہے ایک کے نزدیک نرمی طریقہ ہے اصلاح کا دوسرے کے نزدیک سختی طریقہ ہے اصلاح کا۔

مجکو اس مقام پر مولانا محمد علی مونگیری خلیفۂ مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہما کا مقولہ یاد آگیا فرماتے تھے کہ بعضے لوگ مولانا پر تیز مزاجی کا اعتراض کرتے تھے۔ یوں نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے اپنے بندوں کو مختلف المزاج پیدا کیا ہے پھر اُسکے بعد بعض کو مقبول بنا دیا تو مقبولیت کے بعد مزاج فطری تو نہیں بدلتا اسلئے بعض مقبولین نرم ہوتے ہیں بعض تیز ہوتے ہیں انتہی ما فی التشرف

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شدت علی الاطلاق مذموم نہیں بلکہ جو شدت بلا ضرورت و بلا مصلحت ہو وہ مذموم ہے۔ کیونکہ وہ تو بقول حضرت والا شدت نہیں قساوت ہے اور جو شدت بضرورت سیاست اور بمصلحت اصلاح ہو جسکا ذکر حدیث مذکور میں ہے وہ سراسر محمود ہے کیونکہ وہ تو بقول حضرت والا شدت نہیں حدّت ہے تشدد نہیں تسدد ہے درشتی نہیں درستی ہے۔ اھ

سُبحان اللہ کیسے کیسے لطیف شاعرانہ عنوانات سے حقیقت کا اظہار فرمایا ہے جس سے حضرت والا کی شان ادبیت اور شان تحقیق دونوں علی وجہ الکمال ظاہر و باہر ہیں۔ چونکہ حضرت والا بامر اللہ تعالیٰ فاروقی النسب ہیں اسلئے شدت محمودہ یعنی صفت سیاست میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماشاء اللہ تعالیٰ خلف الصدق ہیں اور ایک یہی صفت کیا حضرت والا میں تو دیگر اوصاف فاروقی بھی بفضلہ تعالیٰ بہت نمایاں طور پر موروثاً موجود و مشہود ہیں مثلاً فراست تیقظ۔ تدبر یعنی انجام اندیشی۔ دقّت نظر۔ اصابت رائے۔ استقلال۔ عدل۔ حق گوئی۔ حق پسندی۔ نگرانی نفس۔ خشیت۔ عبدیت۔ استقامت۔ جفاکشی۔ رعایت۔ شفقت۔ مروّت۔ محبت۔ سخاوت۔ شجاعت۔ ترحم۔ وغیرہ وغیرہ جنکا کچھ کچھ ذکر بطور نمونہ انشاء اللہ تعالیٰ باب فواضل میں آئیگا

غرض حضرت والا میں جو شدت ہے وہ محمود ہے مذموم ہرگز نہیں جیسا کہ بعض نادان سمجھتے ہیں کیونکہ مذموم تو جب ہو جب حضرت والا خدانخواستہ امر تربیت میں طالبین پر کوئی ایسا بار ڈالتے ہوں جسمیں

انکی کوئی مصلحت نہ ہو یا کوئی ایسے اُصول مقرر فرما رکھے ہوں جو اپنی ذات میں سخت ہوں حضرت والا کے تو جتنے اُصول ہیں وہ سب نہایت معقول اور فطرت سلیمہ کے مقتضا کے بالکل موافق ہیں جن پر عمل کرنا نہایت ہی سہل ہے۔ البتہ اُن اصُول کے حضرت والا خود بھی نہایت سختی کے ساتھ پابند ہیں اور دوسروں سے بھی اُنکی پابندی بہت سختی سے کراتے ہیں کیونکہ وہ سب اصول اصولِ صحیحہ ہیں اور عرصۂ دراز کے تجربوں کے بعد قائم کئے گئے ہیں اور ان میں جانبین کی بیشمار مصالح دینیہ و دنیویہ مضمر ہیں۔

غرض اُصول صحیحہ کی پابندی کو سختی کہنا سراسر زیادتی ہے کیونکہ حسب ارشاد حضرت والا جو قانون اپنی ذات میں تو سہل ہو مگر اسکی پابندی سختی سے کرائی جاتی ہو اسکو سخت نہیں کہا جاسکتا پھر تمثیلاً فرمایا کہ دیکھئے نماز کے سارے ارکان بہت ہی سہل سہل ہیں اور بحالت عذر تو اسمیں اور بھی سہولتیں اور گنجائشیں رکھدی گئی ہیں لیکن اسکی پابندی البتہ بہت سختی کے ساتھ کرائی جاتی ہے تو اس صورت میں حکم شریعت کو سخت نہیں کہا جائیگا بلکہ حکم عدولی کرنے والے ہی کو ملامت کی جائے گی۔ کہ ارے نالائق ادائے نماز میں اتنی تو سہولتیں رکھدی گئی ہیں اور پھر بھی تو کوتاہی کرتا ہے۔ اسی لئے ترک نماز پر آخرت کی بھی سخت سخت وعیدیں ہیں اور دنیا میں بھی سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ائمہ کے نزدیک تو تارک صلوٰۃ واجب القتل ہے۔ اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگر اُصول تو ہوں نرم لیکن اُنکی پابندی کرائی جائے سختی کے ساتھ تو یہ سختی نہیں بلکہ مضبوطی ہے جیسے ریشم کا رسّا نرم تو ایسا کہ چاہے اُسمیں گرہ لگالو لیکن ساتھ ہی مضبوط بھی اتنا کہ اگر اس سے ہاتھی کو بھی باندھ دیا جائے تو وہ بھی اسکو نہیں توڑ سکتا لہذا ریشم کے رسّے کو سخت نہ کہا جائیگا بلکہ مضبوط کہا جائیگا۔ البتہ لوہے کی زنجیر کو سخت کہا جائیگا کیونکہ لوہا اپنی ذات ہی میں سخت ہے۔ اگر زنجیر کسی کے پیروں میں ڈال دی جائے تو وہ پیروں ہی کو زخمی کردے بخلاف ریشم کے رسے کے کہ پابند رکھنے کی صفت میں تو وہ لوہے کی زنجیر سے بھی بڑھکر ہے لیکن اُس سے پاؤں زخمی نہیں ہوتے بلکہ بہت آرام میں رہتے ہیں اور اگر کوئی اپنے آپ کو بلا روک اسکا پابند رکھے اور خواہ مخواہ اسکی پابندی سے اپنے آپ کو نکالنے کی فضول جدوجہد نہ کرے تو کشاکشی کی وکھن تک بھی نہ ہو۔

اسیطرح اگر کوئی میرے یہاں آکر اصول صحیحہ کا پابند رہے تو اسکو کبھی کسی ناگواری کا موقع عمر بھر بھی میری طرف سے پیش نہ آئے۔ لوگ خود اصول صحیحہ کو توڑ توڑ کر اور بے اصول باتیں کرکر کے اپنے ہاتھوں مصیبت میں پڑتے ہیں جسکے وہ خود ذمہ دار ہیں نہ کہ میں یا میرے یہاں کے اصول کوئی یہاں رہ کر واقعات کو بنظر غور و انصاف دیکھے تو اسکو حقیقت منکشف ہوجائے۔ معترضین کا زیادہ حصہ اہل سماع ہیں اہل مشاہدہ نہیں مشاہدہ میں تو ہر واقعہ کی ترتیب سامنے ہوتی ہے اس سے حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ اور میں فقط دوسروں ہی

کو اصول صحیحہ کا پابند نہیں بناتا بلکہ اپنے آپ کو بھی تو پابند کرتا ہوں اور بہ تکلف یا بہ تصنع نہیں بلکہ اللہ کا شکر ہے کہ اصول صحیحہ کی پابندی میرا مقتضائے طبعی ہو گیا ہے۔ گو اسمیں کسی قدر مشقت بھی ہو اور گو اسکا تعلق میرے محکومین اور تابعین ہی سے ہو۔ کیونکہ اصول صحیحہ بہرحال قابل احترام ہیں۔ یہاں تک کہ اکثر اہل معاملہ کو میری رعایت اصول کا علم بھی نہیں ہوتا لیکن میرے قلب کو تو تسلی رہتی ہے کہ میں نے اصول صحیحہ کی رعایت کی کسی کو جتلانا تھوڑا ہی مقصود ہے۔

حکیم محمد ہاشم صاحب مرحوم کو مجھ سے بہت ہی تعلق تھا یہاں تک کہ آخر میں مجھ سے بیعت بھی ہو گئے تھے لیکن جب کبھی مجکو اپنا کوئی حال کہنا ہوتا تو گو بعض اوقات بوجہ ضعف تکلف بھی ہوتا لیکن خود انکے گھر جاکر اپنا حال کہتا۔ وہ بہت شرمندہ ہوتے لیکن میں کہدیتا کہ اسمیں شرمندگی کی کوئی بات نہیں جو محتاج ہو اسیکو محتاج الیہ کے پاس آنا چاہیئے نہ کہ برعکس۔ البتہ جب گھر میں کی نبض دکھانی ہوتی تو پھر بے تکلف انکو بلا لیتا کیونکہ وہ موقع مجبوری کا تھا۔ وہاں اصول صحیحہ کا یہی مقتضا تھا۔

مولوی شبیر علی سے بڑھکر میرا کس پر زور ہو گا ؟ میری اولاد میں بھتیجے ہیں اور بچپن سے میرے ہی پاس رہے ہیں لیکن میں انکی بھی اتنی رعایت کرتا ہوں کہ جب کبھی مجکو انسے کچھ کہنا ہوتا ہے تو ان کو اپنے پاس نہیں بلاتا کہ نہ معلوم کس ضروری کام میں مشغول ہوں بلکہ میں خود ہی اٹھکر انکے پاس جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ اگر وہ خود کسی کام سے میرے پاس آئے ہوئے ہوتے ہیں اور مجھے بھی ان سے کچھ کہنا ہوتا ہے تو میں اسوقت ان سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جب وہ اپنی جگہ واپس پہونچ جاتے ہیں تب انکے پاس جاکر جو بات کہنی ہوتی ہے کہتا ہوں تاکہ جب وہ میرے پاس کسی ضرورت سے آیا کریں تو آزادی سے آیا کریں۔ اسکا خطرہ بھی نہو کہ اگر میں وہاں جاؤنگا تو میرے ذمہ کوئی نہ کوئی کام لگادیا جائے گا۔

اسی طرح سہوًا چاہے کبھی خلاف ہو گیا ہو تو ہو گیا ہو لیکن مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی گھر میں کھانا کھاکر یہ کہا ہو کہ برتن اٹھالو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ برتن اٹھوالو۔ گو وہ محکوم ہیں لیکن ان کی حاکمیت کا جو انکو گھر میں اپنے محکومین پر حاصل ہے لحاظ رکھتا ہوں۔ کیونکہ محکومین کا بھی احترام چاہیئے۔ پھر چاہے وہ خود اٹھالیں یا کسی اور سے اٹھوالیں۔ میں نوکرانی سے بھی خود کسی کام کے لئے نہیں کہتا بلکہ میں تو گھر میں کہتا ہوں اور وہ نوکرانی سے کہتی ہیں کیونکہ نوکرانی براہ راست انھیں کی محکوم ہے۔ اسمیں بھی انکی حاکمیت کو محفوظ رکھتا ہوں نیز اجنبی عورت سے بلا ضرورت خطاب بھی ایک درجہ میں خلاف حیا ہے۔

نوکروں کو دو کام ایک ساتھ نہیں بتاتا۔ پہلے ایک بتاتا ہوں جب اس سے فراغت ہو جاتی ہے پھر دوسرا تاکہ ایک دم بار نہ پڑے اور یاد رکھنے کی زحمت نہ ہو یاد رکھنے کی زحمت کو خود برداشت کرتا ہوں انپر

بوجھ نہیں ڈالتا۔ اگر کوئی کام الجھن کا ہوتا ہے تو اُسمیں خود بھی شریک ہو جاتا ہوں تاکہ اُنھیں کچھ سہولت ہو جائے۔

اور اگر کوئی کام ابتداء ہی سے الجھن کا ہوتا ہے تو اول اپنے ہاتھ سے اُسکا اشکال رفع کر کے اور اسکو خود ترتیب دیکر مرتب صورت میں نوکروں کے سپرد کرتا ہوں تاکہ اسکا کرنا ان کو سہل ہو جائے۔ اسی طرح جس کسی سے کوئی کام لیتا ہوں مثلاً کوئی مضمون نقل کرانا ہو تو اُس مضمون کو اس طرح واضح صورت میں حوالہ کرتا ہوں کہ ناقل کو کسی طرح کی الجھن نہو۔ پارسلوں کے ذریعہ سے جو میں نے ہدایا بھیجنے کی ممانعت کر رکھی ہے اسکی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نوکروں کو پارسل لانے کی زحمت نہو۔

ملازموں کو بھی تنخواہ توقیر کے ساتھ دیتا ہوں۔ اُنکے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ پھینک کر نہیں دیتا جیسا کہ متکبرین کا شعار ہے۔

جب گھر کے لوگ نہیں ہوتے اور صبح کو ملازم کے ساتھ گھر سے باہر جانا ضروری ہوتا ہے تو ملازم کے بیدار ہونے کے بعد میں قصداً کسی کام میں مشغول ہو جاتا ہوں تاکہ وہ باطمینان اپنی ضروریات سے فارغ ہولے اور میرا تہیہ اور انتظار دیکھ کر اسکو عجلت نہو۔

ساتھ چلنے والے کے لئے اچھا راستہ چھوڑ دیتا ہوں۔ پہلے میں ہمیشہ سڑک کے کنارہ چلا کرتا تھا تاکہ دوسرے چلنے والوں کو تکلیف نہو لیکن جب سے حال ہی میں ایک بار پاؤں نالی میں چلا گیا تب سے احتیاطاً بیچ سڑک پر چلنے لگا ہوں۔

اگر اہل خصوصیت کو بھی اپنے کسی کام کے لئے کچھ لکھتا ہوں تو جوابی خط بھیجتا ہوں۔

کوئی کیسا ہی محبوب مہمان ہو اور اُسکے ٹھہرانے کو کتنا ہی جی چاہتا ہو کبھی اسکی مرضی کے خلاف اصرار نہیں کرتا اور جب جانے کو کہتا ہے تو نہایت فراخ دلی سے کہہ دیتا ہوں کہ جیسی مرضی ہو اور جسمیں راحت ہو۔

میرے چھوٹے گھر میں کے والد پیرجی ظفر احمد صاحب میرے ساتھ اپنے پیر کا سا برتاؤ کرتے ہیں لیکن میرے قلب میں انکی ویسی ہی عظمت ہے جیسی خسر کی ہونی چاہیئے اور جیسی اپنے بڑے خسر صاحب کی تھی۔ لیکن پیرجی صاحب کو اسکا علم بھی نہیں۔ نہ مجکو یہ اہتمام ہے کہ ان کو اسکا علم ہو۔ مجھے تو اپنی تسلی کرنی ہے کہ میں انکا حق عظمت ادا کر رہا ہوں۔ اُنپر کوئی احسان تھوڑا ہی رکھنا ہے۔

گھر کی جو چیز اُٹھاتا ہوں بعد فراغت اسکو وہیں جاکر رکھتا ہوں جہاں وہ رکھی تھی تاکہ جسنے رکھی ہے وہ پریشان نہو اور اسکو ڈھونڈھنا نہ پڑے۔

گھر میں رات کو سوتے وقت احتیاطاً لوٹہ میں پانی بھر کر رکھ لیتی ہیں۔ اگر کبھی مجھے پانی کے استعمال کرنے کی ضرورت پڑجاتی ہے تو میں پھر لوٹہ کو بھر کر اسی جگہ رکھدیتا ہوں تاکہ اگر ان کو ضرورت ہو تو لوٹہ بھرا ہوا ہی ملے دوبارہ انکو نہ بھرنا پڑے۔

غرض بہت سی جزئیات ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔

ایک غیر مقلد یہاں آئے تھے۔ انھوں نے یہاں سے جاکر ایک صاحب سے کہا کہ ہم لوگوں میں تو اتباع سنت کا فقط دعویٰ ہی دعویٰ ہے اتباع سنت تو ہمنے وہاں دیکھا۔ ایک کتاب کی ضرورت ہوئی تو خود اٹھ کر کتب خانہ سے لائے کسی سے کہا نہیں کرلے آؤ۔ اپنا کام خود کیا دوسرے کو تکلیف نہ دی۔ سبحان اللہ کیا اتباع سنت ہے۔ اور کتنی تواضع ہے کہ بلا تکلف خود اٹھ کرلے آئے اھ

انھیں اس معمولی سی بات پر بھی بڑا تعجب ہوا۔ غرض میں اصول صحیحہ کا صرف دوسروں ہی کو نہیں اپنے آپ کو بھی تو پابند کرتا ہوں۔ اسوجہ سے مجکو لوگوں کی بے ضابطگی پر اور بھی زیادہ ناگواری ہوتی ہے کہ میں تو اُن کی اتنی رعاتیں کروں اور وہ میرے ساتھ ایسی بفکری کا معاملہ کریں۔ اھ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حسن اتفاق سے حسن العزیز جلد اول میں جسمیں احقر ہی کے ضبط کردہ ملفوظات ہیں اسوقت ملفوظ نمبر ۱۴۴ نظر پڑا جو مناسب مقام ہذا ہے اسکو بھی یہاں نقل کیا جاتا ہے اس سے ناظرین باتمکین کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ حضرت والا صرف غیروں ہی سے نہیں بلکہ اپنے عزیزوں سے بھی نہایت سختی کے ساتھ اُصول صحیحہ کی پابندی کراتے ہیں۔

(نقل ملفوظ نمبر ۱۴۴۔ از حسن العزیز جلد اول) ایک بار احقر کے یہاں حضرت کی دعوت تھی۔ حضرت کے ایک عزیز نے نوکر سے پانی اسطرح مانگا کہ پانی لاؤ۔ حضرت نے فوراً تنبیہ فرمائی کہ میزبان کے نوکروں سے ایسے حاکمانہ لہجہ میں پانی نہیں مانگنا چاہیئے بلکہ اخلاق کے ساتھ کہنا چاہیے کہ ذرا پانی دیجیے گا۔ تھوڑا پانی عنایت کیجئے گا۔

ایک بار حضرت کے مردانہ کمرہ میں چند مہمان حضرت کے ساتھ کھانا کھانے کو پہونچے۔ وہاں حضرت کے ایک عزیز اپنے بچہ کو لئے چارپائی پر لیٹے تھے۔ حضرت نے ترش رو ہو کر فرمایا کہ یہ کیا بدتہذیبی کی بات ہے کہ چند بھلے آدمی تو نیچے بیٹھے ہوں اور تم چارپائی پر لیٹے رہو۔ (پھر فرمایا) کہ میں اپنے عزیزوں کو اپنے ساتھ خوب بہت بے تکلف رکھتا ہوں کیونکہ اُن کو میرے ساتھ بے تکلفی کے برتاؤ کرنے کا حق ہے لیکن مجھے یہ ہرگز گوارا نہیں ہوتا کہ میرے مہمانوں کے ساتھ بے تہذیبی کا برتاؤ کیا جاوے۔ اھ

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کی رعایتوں کے صدہا واقعات ہیں لیکن بخوف تطویل یہاں

انھیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

غرض یہ ایک حقیقت واقعیہ ہے کہ اگر حضرت والا کے یہاں کوئی اُصول صحیحہ کی پابندی کے ساتھ رہے تو وہ دیکھ لے جیسا کہ بہت سے حضرات نے دیکھ لیا ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ ایسی راحت اور آزادی کی زندگی کہیں میسر نہیں اور حضرت والا کی خانقاہ کو بالکل ان اشعار کا مصداق پائے۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد	کسے را با کسے کارے نباشد	
اگر فردوس بر روئے زمین است	ہمین ست و ہمین ست و ہمین است	

اور تجربہ طویلہ کی بنا پر ببانگ دہل کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی صاحب فہم سلیم حالات و واقعات کا بنظر غور و انصاف تتبع کریگا تو وہ انشاء اللہ تعالیٰ برسوں کے طویل مشاہدہ کے بعد بھی ایک واقعہ ایسا نہ پیش کر سکیگا جسمیں حضرت والا نے ابتداءً کوئی ناگوار برتاؤ فرمایا ہو۔ اذیت کی ابتداء ہمیشہ دوسرے ہی کی جانب سے ہوتی ہے۔ جسپر البادی اظلم صادق آتا ہے۔ اور چونکہ حضرت والا کی طبع مبارک فطری طور پر غایت درجہ لطیف اور بااصول ہے اسلئے بے ڈھنگی باتوں سے بیحد متاثر ہوتا ہے یہاں تک کہ اکثر فوراً تبخیر ہو کر درد سر عارض ہو جاتا ہے۔ حضرت والا بس اُس وقت اپنی اس اذیت کا اظہار فرما دیتے ہیں اور بوجہ فطری تیز مزاجی کے بلند آواز سے اظہار فرماتے ہیں جسکی مع شئیٍ ناشئٍ مظلوم کو اجازت بھی ہے بقولہ تعالیٰ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ اور یہ کوئی سختی نہیں۔ خود فرمایا کرتے ہیں کہ دوسرا تو چپکے سے سوئی چبھو دیتا ہے تو کوئی دیکھتا نہیں اور میں جو زور سے آہ کرتا ہوں تو اُسکو سب سنتے ہیں لہذا ظالم تو مظلوم سمجھا جاتا ہے اور مظلوم ظالم۔ میں تو بدنام ہو جاتا ہوں اور ستانے والے صاحب سُرخرو بنے بیٹھے رہتے ہیں اھ

حضرت والا اسکے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اندر حدت تو ہے مگر الحمد للہ شدت نہیں ہے بلکہ دوسروں کے جذبات کی تو میں اتنی رعایت رکھتا ہوں کہ دوسروں کی نظر بھی اُن دقائق رعایت تک نہ پہونچتی ہوگی۔ بفضلہ تعالیٰ دُور دُور تک کے احتمالاتِ اذیت پر بھی فوراً میری نظر پہونچ جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُنسے احتراز کی توفیق بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ اسی لئے مجھے وہ بھی غصہ آتا ہے کہ میں تو انکی اتنی رعایت کروں اور یہ میرے ساتھ ایسی بےفکری برتیں۔ اھ

ناظرین بنظر غور و انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ جو دوسروں کو ادنیٰ اذیت سے بھی بچانے کا اسقدر اہتمام بلیغ رکھتا ہو اسمیں شدت یعنی سختی بھی کہیں ہو سکتی ہے۔ اور جہاں حضرت والا کے اندر صفت سیاست موجود ہے۔ وہیں حضرت والا کا انتہا درجہ کا ترحم اور غایت درجہ کی شفقت و رقت قلب اور حد درجہ کا سوز و گداز طبیعت بھی تو معلوم و مشہود ہے جسکے چند واقعات حصہ اول میں استطراداً ذکر بھی کئے جا چکے ہیں۔ اور بعض باب فوضل

ہیں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ملاحظہ سے گذریں گے۔ تو ایسے قلب میں جسکے اندر اسقدر رقت اور لین ہو اُس میں خدانخواستہ شدت بمعنی قساوت کیونکر ہو سکتی ہے کیونکہ یہ اجتماع اجتماعِ ضدین ہوگا جو محال ہے۔

اسپر ایک عاقل کا قول یاد آتا ہے۔ ایک صاحب نے جو دہلی میں رہتے ہیں۔ جب حضرت والا کی سیاست مربیانہ کے حالات بعنوانِ شکایت سُننے تو اُنھوں نے ایک صاحب سے ایک بڑا گہرا پرمغز اور عاقلانہ سوال کیا کہ مولانا کا بچوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ بچوں کے ساتھ تو بہت ہی بے تکلف ہیں اور نہایت شفقت سے پیش آتے ہیں اور وہ بھی مولانا سے بہت ہی مانوس ہیں۔ اسپر اُن صاحب نے کہا کہ بس تو پھر وہ سخت نہیں ہیں کیونکہ جو سخت ہوتا ہے وہ بچوں کو بھی منہ نہیں لگاتا۔ اھ

اسپر احقر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ یاد آیا جو ایک صاحب احیاء العلوم سے نقل کرتے تھے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو کسی مقام کا عامل مقرر کر کے بھیجا اور ضروری ہدایات دیتے ہوئے کچھ دور تک اُنکے ہمراہ بھی تشریف لے گئے جیسا کہ آپ کا معمول تھا۔ راستہ میں حضرت عمرؓ کو بہت سے بچے آکر محبت سے لپٹ گئے اور آپ بھی بہت شفقت سے ان کو پیار کرنے لگے۔ اسپر ان عامل نے حیرت سے کہا کہ میں تو خاص اپنے بچوں کو بھی کبھی منہ نہیں لگاتا اور آپ نے غیروں کے بچوں کو بھی اتنا منہ لگا رکھا ہے۔ یہ سنکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُنسے فرمایا کہ بس تم واپس چلو تم عامل مقرر کیے جانے کے قابل نہیں کیونکہ جب تم کو اپنے خاص لڑکوں ہی کے اوپر شفقت نہیں تو تم رعایا کے اوپر کیا خاک شفقت کرو گے اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے اندر جو یہ شفقت علی الصغار کی صفت ہے یہ بھی اپنے جدِ اعلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے موروث ہے۔

غرض حضرت والا میں بفضلہ تعالیٰ شائبہ بھی شدتِ مذمومہ کا نہیں البتہ حِدت یعنی فطری تیز مزاجی ضرور ہے جسکی فضیلت ذیل کی حدیث سے ثابت ہے جو التشرف حصہ دوم سے مع ترجمہ نقل کیجاتی ہے۔

الحدیث۔ الحدۃ تعتری خیار امتی ھو فی مسند الحسن بن سفیان من جھۃ اللیث عن روید بن نافع قلت لابی منصور الفارسی یا ابا منصور لولا حدۃ فیك فقال مایسرنی بحدتی کذا وکذا وقد قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الحدۃ

حدیث۔ تیز مزاجی میری امت کے نیک لوگوں کو پیش آتی ہے۔ یہ حدیث حسن بن سفیان کی مسند میں لیث کی جہت سے منقول ہے وہ زوید بن نافع سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو منصور فارسی سے کہا کہ اگر تمھارے اندر تیز مزاجی نہوتی (تو خوب ہوتا) اُنھوں نے فرمایا مجکو اس تیزی کے بدلہ اتنا اتنا ملے تب بھی میرے لئے موجب مسرت نہو۔ رسول اللہ

نعتری نیار امتی (وسماہ بعضھم یزید بن ابی منصور وحکم علیہ بالصحبۃ) وفی بعض الروایات بلفظ لیس احد اولی بالحدۃ من صاحب القرآن لعز القرآن فی جوفہ ف ویوجد مثل ھذہ الحدۃ فی اھل اللّٰہ حقیقتھا الغیرۃ علی الحق وحقیقۃ اظہارھا ترک التکلف ۔ اھ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تیزی میری امت کے نیک لوگوں کو پیش آتی ہے (اور بعض نے انکا نام زید بن منصور کہا ہے اور ان کو صحابی کہا ہے) اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کوئی شخص تیزی کا مستحق قرآن والے سے زیادہ نہیں بوجہ عزت قرآن کے ف بعض اہل اللہ میں ایسی تیزی پائی جاتی ہے اور اسکی حقیقت حق پر غیرت ہے اور اسکے ظاہر کرنیکی حقیقت ترک تکلف ہے ۔ اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جسکو لوگ سختی سمجھتے ہیں جب میں اُسکے صریح صریح منافع رات دن دیکھ رہا ہوں اور جب بغیر اُسکے کام ہی نہیں چلتا تو پھر اسکو کیوں نہ اختیار کروں میں کیا کروں جب بلا سختی کے بُری بات کی بُرائی ذہن میں جمتی ہی نہیں۔ اور میری سختی تو جب سمجھی جاتی جب میں کسی سے زبردستی کہتا کہ تم مجھ سے اپنی اصلاح کراؤ۔ اور وہ مجھ سے اصلاح کرانے پر مجبور ہوتا میرے یہاں تو ہر شخص بالکل آزاد ہے ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو
دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

ہر شخص کو ہر وقت اختیار ہے کہ مجھ سے قطع تعلق کر کے جس سے مناسبت ہو اُس سے اصلاح کا تعلق پیدا کرے۔ بلکہ بفضلہ تعالیٰ مصلحت طالب کی یہ خاص رعایت صرف میرے ہی یہاں ہے کہ جسکے ساتھ مناسبت پیدا ہونیکی مجکو توقع نہیں رہتی میں اُس سے صاف کہہ دیتا ہوں کہ کسی دوسرے سے رجوع کرو اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ اگر کسی مصلح کا پتہ مجھ سے پوچھا جائیگا تو میں بتلا دونگا اور اگر اسپر وہ نام پوچھتا ہے تو میں بتلا بھی دیتا ہوں اس عین قطع تعلق کے وقت بھی اسکی اتنی رعایت کرتا ہوں کہ سارا بوجھ اُسپر نہیں ڈالتا اور میں جو عدم مناسبت کی صورت میں قطع تعلق کر دیتا ہوں اُسکی وجہ یہ ہے کہ بدون مناسبت کے شیخ سے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ ہے تو فحش مثال لیکن مثال تو محض توضیح کے لئے ہوتی ہے اسلئے نقل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں وہ یہ کہ طبیبوں کا اسپر اتفاق ہے کہ جبتک توافق ازالین نہو حمل نہیں قرار پاتا اگرچہ زوجین دونوں تندرست اور قوی ہوں۔ اسیطرح اگرچہ شیخ اور طالب دونوں صالح ہوں لیکن باہم توافق طبائع نہ ہو تو پھر تعلق ہی عبث ہے اور اسکا قطع کر دینا ہی مناسب ہے کیونکہ اجتماع بلا تناسب صرف غیر مفید بلکہ موجب تشویش جانبین ہوتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ کسی خاص شیخ سے عدم مناسبت طالب کے نقص ہی کی دلیل ہو کیونکہ طبائع فطرۃ مختلف ہوتی ہیں بعض کو کسی سے مناسبت ہوتی ہے بعض کو کسی سے لیکن ہر حال میں مدار نفع مناسبت ہی پر ہے۔ اسلئے یہ ہوسکتا ہے کہ مختلف الطبائع پیر اور مرید دونوں کی استعداد یں اپنی اپنی جگہ کامل ہوں اور

دونوں متقی ہوں لیکن پھر بھی بوجہ عدم تناسب طبائع انکا اجتماع موجب تشویش جانبین ہو جائے جیسے اسوڈا اور ٹاٹری (ٹارٹرک ایسڈ) جب تک الگ الگ ہیں دونوں نہایت سکون کی حالت میں ہیں اور جہاں دونوں کو ملایا گیا بس ایک گڑبڑ مچ گئی اور بجائے سکوت و سکون کے جوش و اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اسمیں نہ ٹاٹری کا قصور نہ سوڈے کا۔ عدم مناسبت اِسکا سبب ہے۔ لہذا دونوں کا الگ الگ رہنا ہی مناسب ہے۔

اسیطرح میں جو کسی طالب سے قطع تعلق کرتا ہوں تو اُسکے نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ باہم مناسبت نہ ہونے کی بنا پر۔ ورنہ درحقیقت تو میں اسکو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں کیونکہ اپنی حالت تو معلوم ہے جیسی ہے اور اسکے بارہ میں خبر نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ عنداللہ مقبول ہو اور اسی بنا پر میں ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اور قطع تعلق اسلئے کرتا ہوں کہ وہ دوسرے سے رجوع کر سکے کیونکہ عدم مناسبت کی وجہ سے اسکو مجھ سے تو نفع ہو نہیں سکتا پھر اور جگہ کے استفاضہ سے بھی اسکو کیوں محروم رکھا جائے اور افادہ و استفاضہ کے تعلق کو عدم مناسبت کی بنا پر ختم کر دینے کی تائید نص قطعی صریح سے ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرما دینا مصرح ہے هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ جسکی بنا محض عدم مناسبت ہی تھی نہ کہ کوئی معصیت۔ اسی بنا پر حضرت مولانا رومی رح فرماتے ہیں ؎

چوں گرفتی پیر ہین تسلیم شو	ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر رو	
صبر کن در کار خضر اے بے نفاق	تا نگوید خضر رو ہٰذا فراق	
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن	گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن	

بعضوں نے مجھ سے سوال کیا کہ شیخ کے ساتھ مناسبت ہونے نہ ہونے کی علامت کیا ہے تو میں نے اُنسے کہا کہ گو یہ ایک امر ذوقی ہے لیکن میں الفاظ میں اسکی تعبیر کئے دیتا ہوں۔ مناسبت کی علامت یہ ہے کہ شیخ کے کسی قول یا فعل پر اسکے (یعنی شیخ کے) خلاف طالب کے قلب میں کوئی اعتراض یا شبہہ جزم یا تردد (یعنی احتمال صحت جانبین کے ساتھ پیدا نہ ہو (خطرہ کا جسمیں جانب مخالف کے بطلان کا تیقن ہوتا ہے اعتبار نہیں) یہاں تک کہ اگر اُسکے کسی قول یا فعل کی تاویل بھی سمجھ میں نہ آئے (کیونکہ اول تاویل ہی کرنا چاہیئے) تب بھی دل میں اسکی طرف سے انکار پیدا نہ ہو بلکہ اپنے آپ کو یوں سمجھائے کہ آخر یہ بھی تو بشر ہی ہے۔ اگر اسکا کوئی قول یا فعل گناہ بھی ہو تب بھی کیا ہوا تو بہ سے یا محض فضل سے اسکی معافی ہو سکتی ہے۔ ف۔ سبحان اللہ تردد اور خطرہ میں کیا دقیق فرق بیان فرمایا ہے۔ اور تحدث بالنعمۃ کے طور پر

اس تحقیق کی خود بھی تحسین فرمائی اور فرمایا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وجدانیات کی تعبیر پر بھی قدرت عطا فرما دیتے ہیں ورنہ بڑے بڑے اہل علم اور صاحب فضل و کمال آج کل موجود ہیں ان سے تو کوئی تردد اور خطرہ کا فرق دریافت کر کے دیکھے جو کبھی بھی تسلی بخش جواب دے سکیں اھ

مضمون بالا کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ اگر شیخ کے خلاف اعتراضات اور شبہات پیدا ہوتے ہوں تو سمجھ لے کہ مجھ کو اُس سے مناسبت نہیں اور اسکو بلا اسکی دل آزاری کئے چھوڑ دے کیونکہ نفع کا مدار یکسوئی اور شیخ کے ساتھ حسن اعتقاد پر ہے اور یہ اعتراضات و شبہات کی صورت میں کہاں لہذا اسکو چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔ لیکن گستاخی عمر بھر نہ کرے کیونکہ اول اول راہ پر تو اُسی نے ڈالا ہے اور اس معنی کر وہ محسن ہے یہاں تک کہ اگر وہ ایسے امور کا بھی مرتکب ہو جو بظاہر خلاف سنت ہوں لیکن اُنمیں اجتہاد کی گنجایش ہو خواہ بعید ہی سہی پھر بھی گستاخی نہ کرے۔

غرض عدم مناسبت کی صورت میں بھی طالب کو اپنے ہی ساتھ اُلجھائے رکھنا کہ اپنی جماعت میں کمی نہ ہونے پائے میں اسکو خیانت سمجھتا ہوں۔ یہاں تک کہ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ کسی بزرگ سے بھی اُنکو مناسبت نہیں ہوئی اور نہ کسی سے مناسبت ہونے کی توقع رہی تو اُنکے لئے بھی میں نے ایک راہ نکالدی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ اسمیں کوئی طالب محروم نہیں رہ سکتا۔ میں نے کہا کہ بس تم ضروری احکام کا علم حاصل کرتے رہو خواہ مطالعہ سے خواہ اہل علم سے پوچھ پوچھ کر اور سیدھا سادہ نماز روزہ کرتے رہو اور جو امراض نفس تم کو اپنے اندر محسوس ہوں اُنکا علاج جہاں تک ہو سکے اپنی سمجھ کے موافق بطور خود کرتے رہو اور جو موٹے موٹے گناہ ہیں اُنسے بچتے رہو اور بقیہ سے استغفار کرتے رہو اور دعا بھی کرتے رہو کہ اے اللہ اُنکا بھی مجھے احساس ہونے لگے اور اُنکے معالجات بھی میری سمجھ میں آنے لگیں اور اگر مجھ میں سمجھنے کی استعداد نہ ہو تو بلا اسباب ہی محض اپنے فضل سے اُن عیوب کی اصلاح کر دے۔ بس یہ بھی نجات کے لئے بالکل کافی ہے اور نجات ہی مقصود ہے۔ اس سے زیادہ کے تم مکلف ہی نہیں۔ جب میرے یہاں اتنی آزادی ہے اور میرا طریق سختی کا یا نرمی کا جیسا کچھ بھی ہے وہ سب کو معلوم ہے تو پھر بھی جو شخص میرے پاس اگر اپنی اصلاح کرتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں سختی میں پڑتا ہے۔ جسکو یہ سختی گراں ہو وہ میرے پاس آوے ہی کیوں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بیوفا سہی	جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

آج ۴۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۰ھ ہی کی مجلس بعد الظہر کا اس مقام پر ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے ناظرین اندازہ فرمالیں گے کہ حضرت والا کے یہاں کس قسم کی سختی ہوتی ہے۔ ایک ادھیڑ عمر کے دیہاتی سفر

کر کے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ عرض کیا۔ دیہاتی ہونے کی وجہ سے انکی زبان ایسی تھی کہ سمجھ ہی میں نہ آتی تھی۔ نیز وہ اردو بھی اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ تمھاری بولی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ کسی اور کو راضی کر کے بلالاؤ اور جو کچھ کہنا ہو اسکے ذریعہ سے کہو۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آئے اور پھر عرض حال کرنے لگے حضرت والا نے فرمایا کہ کیا تم وہی ہو جن سے میں نے کہا تھا کہ کسی کے واسطہ سے گفتگو کرو۔ انھوں نے کہا جی ہاں لیکن مجھکو کوئی شخص ہی ایسا نہیں ملا جسکو میں اپنا واسطہ بناتا۔ فرمایا کہ پھر آکر مجھ سے یہی کہا ہوتا کہ مجھکو کوئی واسطہ بننے والا نہیں ملتا۔ نہ کہ باوجود ممانعت کے پھر آکر اپنا حال خود ہی کہنے بیٹھ گئے۔ کیا میری یہ تجویز کہ کسی کے واسطہ سے گفتگو کرو لغو تھی۔ کہا غلطی ہوئی۔ اسپر حضرت والا نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ دیکھئے اتنی موٹی بات میں بھی لوگ غلطی کرتے ہیں۔ جب گفتگو کے لئے واسطہ کی شرط تھی اور واسطہ ملا نہ تھا تو پہلے آکر یہی کہتے کہ کوئی واسطہ نہیں ملتا اسکا تو کچھ ذکر نہیں اور اپنا حال کہنا شروع کر دیا۔ بات یہ ہے کہ لوگ قوت فکریہ سے کام ہی نہیں لیتے ورنہ گنوار سے گنوار کے ذہن میں بھی یہی ترتیب آتی۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ قوت فکریہ ہی سے تو انسان انسان ہے۔ انسان اور حیوان میں بس یہی تو فرق ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے قوت فکریہ عطا فرمائی ہے اور حیوان کو نہیں انسان کو احتمالات سوجھتے ہیں اور حیوان کو نہیں۔ حکماء نے تو انسان کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ ایک حیوان ناطق ہے لیکن میرے نزدیک انسان کی یہ تعریف ہونی چاہیے کہ وہ ایک حیوان متفکر ہے۔

غرض جو انسان اپنی قوت فکریہ سے کام نہ لے اور احتمالات نہ سوچے وہ انسان نہیں حیوان بصورت انسان ہے جیسے بن مانس اور جل مانس ہوتے ہیں۔ ایسے ہی انسانوں کے متعلق حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر بصورت آدمی انساں بدے	احمد و بوجہل ہم یکساں شدے
ایں کہ می بینی خلاف آدم اند	نیستند آدم غلاف آدم اند

پھر انھیں دیہاتی کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب تو جب تم مجھ سے پہلے یہ کہو گے کہ کوئی واسطہ نہیں ملتا تب میں کچھ جواب دونگا۔ چنانچہ انھوں نے یہی عرض کیا۔ حضرت والا نے خلیفہ اعجاز صاحب کو جو مدرسہ خانقاہ میں معلم قرآن ہیں ایک صاحب کے ذریعہ سے بلوا کر فرمایا کہ ان سے پوچھو یہ کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے بواسطہ خلیفہ اعجاز صاحب عرض کیا کہ میں حضرت والا کی خدمت میں کچھ دن رہنے کے لئے اور باتیں سننے کے لئے آیا ہوں۔ فرمایا کہ پوری بات کہو کہ کون ہو کیا کام کرتے ہو۔ کہا پانی پت کے مدرسہ اشرفیہ میں قرآن شریف پڑھتا تھا۔ فرمایا قرآن شریف چھوڑ کر کیوں آئے وہ تو زیادہ ضروری ہے۔ کہا کہ میں یہاں قرآن شریف

بھی پڑھتا رہوں گا۔ فرمایا کس سے کہا فلاں صاحب سے جو پانی پت ہی کے پڑھے ہوئے ہیں فرمایا کہ اُن سے پوچھ بھی لیا ہے یا ان پر جبر کرکے اور دباؤ ڈال کر پڑھو گے کہا پوچھ لیا ہے۔ فرمایا ہمارے سامنے ان سے کہلواؤ چونکہ وہ صاحب بھی اُسوقت مجلس ہی میں حاضر تھے اسلئے اُنھوں نے حضرت والا کے سامنے وعدہ کرلیا پھر دریافت فرمایا کہ اچھا کتنے دن رہو گے کہا دو مہینہ فرمایا کھانے کے لئے خرچ بھی پاس ہے۔ کہا جی ہاں ہے فرمایا کہ اپنے استاد سے بھی اجازت لیکر آئے ہو ان کو ناراض کرکے تو نہیں آئے کہا کہ اُن سے اجازت لیکر آیا ہوں۔ فرمایا کہ ان کی اجازت کا خط اُن سے منگوا سکتے ہو کہا جی ہاں منگوا سکتا ہوں۔ فرمایا کہ کتنے دن میں جواب آجائے گا کہا چار دن میں فرمایا کہ اچھا چار دن کے بجائے میں تمھیں احتیاطاً آٹھ دن کی مہلت دیتا ہوں تاکہ تمھیں سہولت رہے۔ آج بدھ ہے آیندہ بدھ تک انکا خط اس مضمون کا کہ ہاں یہ میری اجازت سے گئے ہیں منگوا دو۔ اگر بدھ تک خط منگا کر نہ دکھایا تو بس پھر یہاں سے رخصت۔

جب یہ سب گفتگو ختم ہوگئی تو فرمایا کہ تمنے کچھ میری کتابیں بھی پڑھی ہیں کہا نہیں میں نے اُردو بالکل نہیں پڑھی نہ اُردو اچھی طرح سمجھتا ہوں صرف قرآن شریف پڑھ رہا ہوں فرمایا کہ جب تم اچھی طرح اُردو نہیں سمجھتے تو میری باتیں ہی کیا سمجھو گے۔ ابھی اس میں میرا تو کچھ حرج نہیں مجلس میں جہاں اور لوگ بیٹھتے ہیں تم بھی بیٹھے رہنا لیکن یہ خیال ہے کہ کہیں تم کوئی بات الٹی نہ سمجھ جاؤ کہا الٹی نہ سمجھونگا فرمایا کہ خیر مگر یہ وعدہ کرو کہ مجھ سے سنی ہوئی کوئی بات تم کسی شخص سے عمر بھر نہ کہو گے کہا بہت اچھا اھ

یہ سب گفتگو بواسطہ ہوئی۔ اثناءِ گفتگو میں حضرت والا حاضرین سے فرماتے جاتے تھے کہ یہ سوالات اسلئے کر رہا ہوں کہ اصلاح اور تربیت کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔ ہر طرح کی اصلاح ہو جائے اور ہر قسم کا جہل رفع ہو جائے یہ سوالات نہیں ہیں تعلیمات ہیں اور استاد کی اجازت اسلئے منگوائی ہے کہ اپنے افعال و اعمال میں آزاد نہ ہوں جو کام کریں اپنے بڑوں سے پوچھ پوچھ کر کیا کریں نیز اساتذہ کی عظمت بھی قلب میں پیدا ہو اھ پھر آخر میں فرمایا کہ لیجئے بس یہ میری سختی ہے۔ انتظام کو لوگ سختی سمجھتے ہیں اب یہ بتائیے کہ ان سوالات میں بھلا میرا کونسا نفع تھا انھیں کا دین تو سنوارا ہے البتہ ان کے ساتھ میرا دین بھی سنور گیا کیونکہ مجھے بھی اصلاح کا ثواب ملا۔ اھ

اسی ہفتہ کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے جو مستری کا کام کرتے ہیں اور جو بہت نیک ہیں اور جن کو حضرت والا سے پرانا تعلق ہے۔ حاضر خانقاہ ہو کر بذریعہ عریضہ عرض کیا کہ میں نے مواعظ کا بھی مطالعہ کیا رسالہ تبلیغ دین بھی دیکھا لیکن مجھے تو اپنے عیوب ہی نظر نہیں آتے۔ میں اس غرض سے کہ مجھے اپنے عیوب نظر آئیں حضرت کی خدمت میں رہنا بھی چاہتا ہوں لیکن بال بچوں کا نفقہ میرے ذمہ واجب ہے اور میں

مزدوری پیشہ آدمی ہوں اسلئے قیام کی بھی صورت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ اسپر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ میرے پاس رہنے سے تو کوئی زائد بات پیدا نہ ہوگی کیونکہ مجکو تو کسی کے عیوب کی تلاش نہیں اور تم کو اپنے عیوب نظر آتے نہیں تو ایسی حالت میں یہاں رہنا نہ رہنا برابر ہے۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ جب تمھیں اپنے عیوب نظر ہی نہیں آتے تو تم معذور ہو۔ بس دعا کیا کرو۔ اس تحریری جواب کے بعد جب صبح کی مجلس منعقد ہوئی تو حضرت والا نے سب کے سامنے ان کو اس کہنے پر کہ مجھے اپنے عیوب ہی نظر نہیں آتے جسکا منشا قرائن قویہ سے قلت فکر و اعجاب نفس معلوم ہوا۔ زبانی سخت زجر و توبیخ فرمائی اور ایسی ڈانٹ بتائی کہ ہوش درست ہو گئے۔ اور دماغ صحیح ہوگیا۔ پھر اسی سلسلہ میں حضرت والا بہت دیر تک اتنی موثر نافع اور پر جوش تقریر فرماتے رہے کہ صرف وہی صاحب نہیں بلکہ سارے حاضرین بیحد متاثر و مستفیض ہوئے۔ چونکہ وہ صاحب بہت نیک ہیں اسلئے اس سے قبل اُن پر کبھی کسی قسم کی ڈانٹ نہ پڑی تھی اور حضرت والا ہمیشہ اُن سے نرمی ہی کا برتاؤ فرماتے رہتے تھے افسوس ہے کہ اُس تقریر کے وقت نہ احقر موجود تھا نہ جناب حافظ جلیل احمد صاحب جو عرصہ سے مقیم خانقاہ ہیں اور بعض خاص خاص ملفوظات کو ضبط فرمالیا کرتے ہیں۔ جب جناب حافظ صاحب ممدوح اور احقر نے اکثر حاضرین خانقاہ سے اُس تقریر کی تعریف سنی تو ہم دونوں نے مختلف حضرات سے پوچھ پوچھ کر چند خاص خاص باتیں معلوم کرلیں۔ جنکا خلاصہ احقر عرض کرتا ہے۔

فرمایا کہ حیرت ہے تمھیں اپنے عیوب ہی نظر نہیں آتے حالانکہ واللہ اگر آدمی کی حس صحیح ہو تو گناہ تو گناہ اسکو اپنی طاعات بھی معاصی نظر آنے لگیں۔ پھر نہایت جوش کے ساتھ تین بار قسم کھاکر فرمایا کہ مجکو تو اپنی نماز اپنے روزے اور اپنے ہر عمل بلکہ اپنے ایمان تک میں شبہہ عدم خلوص کا رہتا ہے اور ہم لوگ تو کیا چیز ہیں حضرات صحابہ سے بڑھکر کون مخلص ہوگا۔ حدیث میں وارد ہے کہ اصحاب بدر میں سے ستّر حضرات ایسے تھے جن کو اپنے اوپر نفاق کا شبہہ تھا کہ کہیں ہم منافق تو نہیں۔

حضرات صحابہ کی تو یہ حالت اور ان حضرت کو اپنے اندر کوئی عیب ہی نظر نہیں آتا۔ کیا ٹھکانا ہے اس بے حسی کا۔ اسپر اُنھوں نے عرض کیا کہ یہ تو میں جانتا ہوں کہ میرے اندر عیب ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا ہیں۔

فرمایا سبحان اللہ اسکی تو ایسی مثال ہوئی کہ یہ تو معلوم ہے کہ میرے جسم میں درد ہو رہا ہے لیکن یہ پتہ نہیں کہ کہاں ہو رہا ہے اور کس قسم کا درد ہے آیا پیٹ کا درد ہے یا سر کا یا ہاتھ پاؤں کا۔ یہ کیا حماقت کی بات کہی۔ جسکو درد کا احساس ہو رہا ہوگا کیا اسکو یہ پتہ نہ چلیگا کہ کہاں ہو رہا ہے۔ یہ تو بےحسی سے بھی بڑھ کر ہے یہ بھی فرمایا کہ میں نے جو تمھارے رقعہ کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ جب تمھیں اپنے عیب ہی نظر نہیں آتے تو تم

معذور ہو یہ تو علی سبیل التسلیم محض ضابطہ کا جواب ہے۔ اھ

پھر اسکے متعلق بعد کو جامع اوراق سے فرمایا کہ اس ضابطہ کے جواب کی حقیقت قضیہ شرطیہ ہے جس کے صدق کے لئے مقدم و تالی کے درمیان علاقۂ لزوم کافی ہے مقدم کے وقوع پر موقوف نہیں حتی کہ ایک محال کو دوسرے محال کے لئے مستلزم کہنا صحیح ہے۔ اس ضابطہ کے جواب سے معذوری کا یا اسکی بناء کا تسلیم کرنا لازم نہیں آتا۔ اہل علم کے نزدیک یہ بالکل ظاہر مسئلہ ہے اھ

یہ بھی فرمایا کہ تم نے جو مجکو یہ لکھا ہے کہ میں نے مواعظ کا بھی مطالعہ کیا رسالہ تبلیغ دین بھی دیکھا لیکن پھر بھی اپنے عیب نظر نہیں آتے تو عیب کہیں محض مطالعہ سے نظر آیا کرتے ہیں زری کتابوں کے دیکھنے سے کیا ہوتا ہے جب تک کہ ان کتابوں کا اثر نہ لیا جائے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے پریس میں قرآن شریف بھی چھپتا ہے حدیث شریف بھی چھپتی ہے لیکن اسپر سوائے اسکے کہ محض نقوش مرتسم ہو جائیں معانی کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ اھ

مخاطب کے سوال پر یا از خود یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی کو اپنے اوپر مسلط کر لیا جائے کہ جو عیب دیکھے متنبہ کر دیا کرے تو یہ بھی کلیتہً کافی نہیں کیونکہ اکثر تو یہی ہے کہ اگر وہ محب ہوا تو اسکو عیب بھی ہنر نظر آئیں گے اور اگر معاند ہوا تو اسکو ہنر بھی عیب نظر آئینگے۔ آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اگر کسیکو اپنے افعال و احوال پر ناز ہو۔ اور ان میں کوئی نقص ہی نظر نہ آتا ہو تو ذرا یہ مراقبہ کر کے تو دیکھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں اور وہ میرے سارے افعال و احوال کو دیکھ رہے ہیں اور پھر یہ غور کرے کہ آیا میرے سارے افعال و احوال ایسے ہیں کہ ان کو بلا تردد اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جا سکتا ہے اُسوقت اسکو اپنے اعمال کی حقیقت نظر آجائیگی۔ واللہ جو پھر ایک عمل بھی ایسا نکل سکے جو دربار خداوندی میں پیش کئے جانے کے قابل ہو ایک نماز ہی کو دیکھ لیجئے کہ ہم لوگ اسکا کیا حق ادا کر رہے ہیں۔ اُس خشوع و خضوع کو تو جانے دیجئے جسمیں کچھ دشواری ہے۔ نہیں جس استحضار میں کوئی دشواری نہیں اُسمیں بھی تو ہم لوگ کوتاہی کرتے ہیں۔ اھ

غرض بہت دیر تک نہایت جوش و خروش کے ساتھ اسی مبحث پر تقریر فرماتے رہے اور مخاطب کو خوب ڈانٹتے رہے۔ آخر میں اُن سے فرما دیا کہ اب تمھیں نہ کبھی حالات کا خط لکھنے کی اجازت ہے نہ یہاں آنے کی۔ جب تک کہ تمھیں اپنے عیب نظر نہ آنے لگیں اور عیب بھی ایک دو نہیں بہت زیادہ تعداد میں۔ گو جب معالجہ چاہو گے تو میں ایک ہی ایک عیب کا علاج بتاؤنگا لیکن علاج شروع جب کرونگا جب اپنے بہت سے عیوب کی فہرست اور تفصیل لکھو گے۔ اس درمیان میں بس صرف دریافت

خیریت اور طلب دعا کے لئے خط لکھنے کی اجازت ہے۔ اور کسی تعلق کی اجازت نہیں اھ

یہ تقریر پر تاثیر قبل دوپہر ہوئی بعد دوپہر وہ صاحب رخصت ہو گئے۔ پھر وطن پہونچکر حضرت والا کی خدمت میں اُنھوں نے جو عریضہ لکھا وہ مع حضرت والا کے جواب باصواب کے ذیل میں تربیت السالک سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔ ناظرین اندازہ فرمائیں کہ حضرت والا کی ایک ہی ڈانٹ میں کیا سے کیا حالت ہو گئی اور کیسا مہلک مرض باطنی جسکو تپ دق کہنا چاہیئے کیونکہ دق کا مریض بھی اپنے آپ کو مریض نہیں سمجھتا ایک ہی نسخۂ تلخ میں جڑ سے جاتا رہا۔ یا تو اپنے اندر کوئی عیب ہی نظر نہ آتا تھا یا پھر ایسی آنکھیں کھلیں کہ عیب ہی عیب نظر آنے لگے۔ اور اپنے عیبوں کا ایسا یقین ہوا کہ بڑی سی بڑی قسم کھانے کے لئے طیار ہیں۔ یا تو اپنے قلب کو اشیاء نفیسہ سے لبریز ایک وارنش دار صندوقچی گمان کر رہے تھے یا پھر ایسی بصیرت حاصل ہو گئی کہ وہی قلب سر بسر گندگی سے لبریز نظر آنے لگا۔ آنکھوں پر جو سالہا سال سے چربی چھائی ہوئی تھی وہ سب ایک ہی آنچ میں پگھل گئی۔ اب اُنکا خط اور حضرت والا کا جواب ملاحظہ ہو۔

نقل خط مذکور مع جواب

حال۔ گذارش یہ ہے کہ جس روز سے میں تھانہ بھون سے آیا ہوں اُس روز سے برابر غور و فکر کے ساتھ ہر کام میں اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کر رہا ہوں اور جس مراقبہ کو جناب نے مجلس مبارک میں ذکر فرمایا تھا کہ یوں سوچے کہ یہ کام یا یہ بات حق تعالیٰ کے سامنے ہوں تو کر سکتا ہوں یا نہیں تو اس مراقبہ سے معلوم ہوا کہ میری جتنی باتیں اور کام ہیں سب بیکار ہیں۔ میری کوئی بات اور میرا کوئی کام اس قابل نہیں کہ باری تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاوے۔ پہلے سے جو اپنی غلطیاں نظر نہیں آتی تھیں تو اسکی وجہ محض بے پروائی اور بے توجہی تھی۔ اس تنبیہ کے قبل میں اپنے قلب کو مثل ایک ایسی صندوقچی کے سمجھتا تھا جسپر وارنش کیا ہوا ہو اور جسکے اندر عجیب عجیب اشیاء رکھی ہوں مگر جناب کی تنبیہ کے بعد جو اب اُس صندوقچی کو کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسکے اندر تو گوہ در گوہ ہو رہا ہے۔ لہذا احقر نے اپنے پہلے خیال سے کہ مجکو اپنا کوئی عیب نظر ہی نہیں آتا تھا۔ توبہ کی اور حضور کی تنبیہ کا یہ اثر ہوا کہ اب مجکو اپنے عیوب اسقدر صاف نظر آنے لگے ہیں کہ میں اپنے عیوب پر بڑی سے بڑی قسم کھا سکتا ہوں اب اسکی اجازت چاہتا ہوں کہ میں اپنے عیوب پیش کر کے اُنکے علاج دریافت کروں۔

تحقیق۔ مبارک ہو یہ گوہ خاکساری کی خاک سے ملکر کھاد کا کام دیگا اور ایسی اجناس پیدا ہونگی کہ روحانی غذا ہو جاوینگی۔ دعا کرتا ہوں اور عیوب پیش کرنے کی اجازت دیتا ہوں مگر ایک خط میں ایک بات

سے زیادہ نہ ہو۔ اھ

سُبحان اللہ کیا خوب جواب ارقام فرمایا ہے اور کس لطیف پیرایہ میں کثافت کو بھی مبدل بہ لطافت فرمادیا ہے اور محض مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً شاعری کو حقیقت بنادینا اور حقیقت کو بلا تبدیل حقیقت بلکہ بمزید توضیحِ حقیقت شاعری کے دلکش جامۂ زرنگار میں جلوہ گر فرمادینا یہ کمال حضرت والا ہی میں دیکھا جسکی صدہا نظائر ہیں جن سے حضرت والا کی تحریرات و تقریرات بھری پڑی ہیں ان کو بخوف تطویل نظر انداز کیا جاتا ہے ورنہ مضمون کہیں سے کہیں پہونچ جائیگا۔ البتہ صرف چند مختصر جملے جو وقتاً فوقتاً بطور لطائف فرمائے گئے ہیں نقل کئے دیتا ہوں کیونکہ پھر انکا موقع کہیں آسکے یا نہ آسکے۔

ایک طالب نے عبادت میں کسل اور سُستی ہونے کا علاج پُوچھا تحریر فرمایا کہ سُستی کا علاج چستی۔

ایک طالب نے غلبۂ خشیت میں لکھا کہ مجھے سخت خطرہ ہے تحریر فرمایا کہ یہ خطرہ تو بحرِ معرفت کا قطرہ ہے اللہ تعالےٰ اسکو بڑھا کر دریا کر دے۔ احقر نے ایک عریضہ میں کسی باطنی پریشانی کے سلسلہ میں لکھا تھا کہ سخت الجھن ہوتی ہے۔ تحریر فرمایا کہ یہ الجھن مقدمہ ہے سُلجھن کا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اھ ع چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بیں۔

فرمایا کہ یہ امر بسہولت یاد رکھنے کے لئے کہ شیخ کے ساتھ طالب کو کیا معاملہ رکھنا چاہیئے بس ان ہم قافیہ الفاظ کو یاد رکھے۔ اطلاع اور اتباع۔ اعتقاد اور انقیاد۔

یہ بھی اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے دُھن اور دھیان۔

ایک طالب نے شکایت کی کہ میں تو بالکل کورا رہ گیا فرمایا کورا ہونا بُرا نہیں کو رہونا بُرا ہے۔ بلا سے کُورا ہو مگر کور نہو۔

ایک بار فرمایا کہ اس طریق میں خود رائی نہ کرے بلکہ خود کو رائی کرے یعنی اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھے۔

ایک صاحب کو خیال ہو گیا تھا کہ وہ ابدال ہو گئے فرمایا کہ ہاں پہلے گوشت تھے اب دال ہو گئے۔

فرمایا کہ نئی تہذیب تہذیب نہیں تعذیب ہے۔ اور آجکل کی قومی ہمدردی ہمدردی نہیں ہمہ دردی ہے۔ شملہ کے سفر کے بعد وہاں کی برائیاں جو غالب ہیں بیان فرماکر فرمایا کہ ہم تو سُنا کرتے تھے کہ شملہ بمقدار علم ہوگا لیکن وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ شملہ بمقدار جہل ہے۔

ایک طالب کا خط فضول فضول مضامین اور استفسارات سے لبریز تھا۔ اور آخر میں لکھا تھا کہ مضمون طویل ہونیسے تکلیف ضرور ہوئی ہوگی معاف فرمائیں۔ حضرت والا نے اس انجربات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ طویل ہونیسے تو تکلیف نہیں ہوئی مگر لاطائل ہونے سے ہوئی۔

ایک صاحب سے تحریک خلافت کے متعلق گفتگو ہوئی حضرت والا نے فرمایا کہ بلا امیر المومنین کے کچھ نہیں ہوسکتا انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو امیر المومنین بناتے ہیں فرمایا کہ جب تک امیر المومنین میں قوت قاہرہ نہ ہو وہ امیر المومنین ہی نہیں۔ میں ایسا امیر المومنین نہیں ہونا چاہتا کہ آج تو امیر المومنین بنوں اور کل کو اسیر الکافرین ہو جاؤں۔

فرمایا کہ آجکل لوگوں کی مال پر تو نظر ہے مآل پر نظر نہیں۔

فرمایا کہ لوگ بعض اہل صنعت کافروں کو بڑا عاقل سمجھتے ہیں۔ کوئی کافر بھی کہیں عاقل ہوسکتا ہے؟ عاقل تو کیا ہوتے ہاں آکل خوب ہیں۔

فرمایا کہ درستی تو درشتی ہی سے ہوتی ہے۔

ایک بار کسی سے اظہار خفگی کے وقت فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں اور بشر بھی وہ جس میں با جارہ ہے فا کلمہ نہیں۔

فرمایا کہ آج کل کے اکثر مدعیان توکل کیا اہل توکل کیا اہل تاکل ہیں۔

ایک صاحب نے کسی بات کے نہ سمجھنے پر بطور معذرت عرض کیا کہ یہ میری جہالت ہے۔ حضرت والا نے اُنکی تسلی کے لئے فوراً فرمایا کہ جی نہیں جہالت کیوں ہوتی چہ حالت ہے یعنی کیسی اچھی حالت ہے

ایک خلاف شرع تحریک میں بڑے بڑے ذی وجاہت لوگ حضرت والا کی خدمت میں گفتگو کرنے کے لئے حاضر ہوئے جن کو ہر قسم کی دنیوی جاہ حاصل تھی۔ وہ لوگ حضرت والا کی ملاقات اور گفتگو سے بہت متاثر اور محظوظ ہوئے۔ جب وہ واپس جانے کے لئے اسٹیشن پر پہونچ گئے اسوقت حضرت والا بھی ٹہلتے ہوئے اسٹیشن پہونچے کیونکہ صرف دس منٹ کا راستہ ہے وہ لوگ بہت ہی شرمندہ ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ میں آپ صاحبان کے تشریف لانے کے وقت تو استقبال کے واسطے حاضر نہیں ہوا کہ اسوقت حاضری کا منشا رجاہ ہوتا اور اسوقت رخصت کرنے کے لئے حاضر ہونے کا منشا رچاہ ہے کیونکہ واقعی آپ حضرات کی محبت اور اخلاق نے میرے قلب کے اندر بھی آپ صاحبان کی محبت پیدا کر دی ہے۔ اور ساتھ اسلئے نہیں آیا کہ آپ صاحبان مجکو آنے ہی نہ دیتے۔

فرمایا کہ آجکل بعض طلبار کی دستار بندی تو ہو جاتی ہے لیکن اُن میں دس تار تو کیا ایک تار بھی علم و عقل کا نہیں ہوتا۔ ایک بار احقر نے حضرت والا کی خدمت میں بحوالہ بعض تحریرات عجیبہ حضرت والا یہ لکھا کہ اس زمانہ میں اگر کسی کی تحریر و تقریر پر دریا کو کوزہ میں بند کرنا صادق آسکتا ہے، تو وہ حضور کی جامع و مانع تحریر و تقریر ہے اسپر ارقام فرمایا کہ محبت کی عینک خوردبین کی خاصیت رکھتی ہے جس سے چھوٹی چیزیں

بھی بڑی نظر آنے لگتی ہیں۔ اسی کے حوالہ سے ایک بار زبانی ارشاد فرمایا کہ جسطرح ایک محبت کی خوردبین ہوتی ہے جس سے چھوٹا ہنر بھی بڑا نظر آتا ہے اسی طرح ایک نظر خوردہ بین بھی ہوتی ہے جس سے چھوٹا عیب بھی بڑا دکھائی دیتا ہے۔

منصب افتار کی ذمہ داریوں کا تذکرہ تھا۔ فرمایا کہ مفتی ہونا بھی قیمتی کا کام ہے مفتی کا نہیں۔ اھ

اس قسم کے لطیفے جو سراسر آئینۂ حقیقت ہیں حضرت والا کی زبان فیض ترجمان اور قلم ہدایت رقم سے بکثرت صادر ہوتے رہتے ہیں جن کے بارہ میں ایک دیندار فلسفی فاضل نے جو ایک مشہور ادیب بھی ہیں یہ رائے ظاہر کی کہ اگر ایسے ایسے لطائف ہی کو یکجا جمع کر لیا جائے تو وہ بھی بجائے خود ایک بڑا پر لطف اور نہایت نافع ذخیرۂ حقائق ہو جائے۔

چنانچہ ایک صاحب نے کچھ لطائف جمع بھی کئے تھے جنکا حضرت والا نے یہ نام بھی تجویز فرمادیا تھا الصناعات فی العبادات لیکن افسوس اسکی تکمیل ہی نہ ہوئی بلکہ جتنے جمع کئے گئے تھے انکا مسودہ بھی نہ معلوم محفوظ ہے یا نہیں

جسوقت حضرت والا کی خدمت میں مستری صاحب مذکور کا خط بالا پہونچا حضرت والا نے احقر کو حوالہ فرما کر فرمایا کہ لیجئے مستری جی کے ہوش درست ہو گئے۔ چونکہ نیک آدمی ہیں ان پر کبھی ڈانٹ ہی نہ پڑی تھی بس اسی وجہ سے اپنے آپ کو عیبوں سے بالکل بری ہی سمجھ لیا تھا۔

پھر فرمایا کہ ہر شخص اچھے برتاؤ کا متحمل نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ سختی نہ کرو بھلا کیسے سختی نہ کروں جب بلا سختی کے اصلاح ہی نہ ہو۔ اب دیکھ لیجئے۔ دس بارہ سال کی خوش اخلاقی نے تو ان کی کچھ بھی اصلاح نہ کی بلکہ اور دماغ سڑا دیا اور دس بارہ منٹ کی ڈانٹ نے پوری اصلاح کر دی۔ دماغ صحیح ہو گیا خناس نکلگیا۔ بھلا بلا ڈانٹ کے انکی اصلاح ممکن تھی ہرگز نہیں۔ اب لوگ اپنی آنکھیں پھوڑ کر دیکھیں کہ کیا یہ موقع نرمی اور رعایت سے پیش آنے کا تھا۔ اصلاح ہر جگہ کہیں نرمی سے ہوتی ہے؛ جس مرض میں مسہل کی ضرورت ہو کہیں اسکا علاج مفرحات سے ہو سکتا ہے۔ طالبین اصلاح کے ساتھ نرمی سے پیش آنیکا مشورہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ مسہل طلب مرض کا مفرحات سے علاج کرو۔ یا جس دنبل کے اندر مادۂ فاسد بھرا ہوا ہو اور آپریشن کی ضرورت ہو وہاں یہ کہا جائے کہ نہیں صرف اوپر ہی اوپر مرہم لگا دو چاہے پھر وہ مادۂ فاسد اندر ہی اندر پھیل کر سارے جسم کو سڑا دے۔ یہ تو گوارا لیکن یہ گوارا نہیں کہ ایک ہی نشتر میں سارا مادۂ فاسد نکال باہر کیا جائے۔

اسی مضمون کو ایک بار اس عنوان سے فرمایا تھا کہ طبیب کے پاس دو قسم کے لوگ آتے ہیں۔

ایک تو وہ جو محض ملاقات کے لئے آتے ہیں۔ اُن کو تو معزز جگہ بٹھایا جاتا ہے۔ دل خوش کن باتیں کی جاتی ہیں۔ شربت پلایا جاتا ہے۔ پان کھلایا جاتا ہے الائچی دی جاتی ہے عطر پیش کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو اپنا علاج کرانے آتے ہیں۔ ان کو مریضوں کی صف میں بٹھایا جاتا ہے ضرورت سے زیادہ بولنے نہیں دیا جاتا۔ کڑوی کڑوی دوائیں تجویز کی جاتی ہیں۔ اگر کوئی چون وچرا کرے تو مطب سے نکالدیا جاتا ہے۔ تو اگر کوئی مریض یہ ہوس کرے کہ میرے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ کیا جاوے جیسا ملاقاتی کیساتھ کیا جاتا ہے تو یہ اسکی حماقت ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اسکی وہ غرض تو نہ حاصل ہو گی جس غرض سے وہ طبیب کے پاس آیا ہے یعنی صحت۔ بلکہ اگر اسکو مرض تو ہو پیچش کا اور پلایا جاوے روزانہ شربت تو پیچش اور بھی بڑھ کر ہلاکت تک نوبت پہونچ جائے۔ اھ

اسی سلسلہ میں حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ سیاست کی اس طریق ہی میں کیا ہر جگہ ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ میاں جیون کا اپنے شاگردوں کو اور ماں باپ کا اپنی اولاد کو تادیب کے لئے مارنا پیٹنا اور حاکموں کا اپنے محکومین مجرمین کو سزائیں دینا اور محض فہمایش کو کافی نہ سمجھنا عام طور پر بلا نکیر معمول ہے۔ اھ

بعض واقعات سیاست کے مفید نتائج دکھا کر حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ دیکھئے اس سختی سے جہل دُور ہو گیا اگر عرفی اخلاق کو مصلحت پر غالب رکھا جائے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو بس ساری عمر جہل ہی میں مبتلا رہنے دیا جائے۔ اھ

اس قسم کے واقعات جیسے کہ بعضے اوپر عرض کئے گئے رات دن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں کہاں تک لکھے جائیں۔ احقر کے ذاتی علم میں بھی ایسے ایسے بہت سے واقعات ہیں جن میں حضرت والا کی سیاست نے طالبین کے بڑے بڑے مہلک امراض باطنہ فرمنہ کا آن کی آن میں استیصال کلی کر دیا چنانچہ ایک طالب کو جو حضرت والا سے خصوصیت رکھتے تھے بدنظری کا مرض لگ گیا اور وہ اسقدر مغلوب ہوئے کہ اس سے چھٹکارا ناممکن معلوم ہونے لگا۔ جب بطور خود کسی طرح اُس سے نجات نہ ہو سکی تو عین حالت یاس میں بذریعۂ عریضہ حضرت والا سے رجوع کیا حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ جتنے اس کے معالجات ہیں وہ تو آپ کو معلوم ہی تھے۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اور کون سی نئی تدبیر لکھی جائے۔ اسی انتظار میں کہ اللہ تعالیٰ کوئی نئی تدبیر قلب میں ڈالدیں کل جواب نہ لکھا۔ آج نماز فجر میں منجانب اللہ ایک تدبیر قلب میں وارد ہوئی چونکہ وہ آپ کو معلوم نہیں اسلئے لکھتا ہوں امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہو گی وہ یہ کہ جب ایسی کوتاہی ہو دو مہینہ تک میرے پاس خط بھیجنے کی اجازت نہیں اور ہر بار کی میعاد جداگانہ

شروع ہو گی مثلاً اگر ایک ہی دن میں چھ بار ایسی کوتاہی ہو گئی تو سال بھر تک خط وکتابت بند۔ غرض جب ایک کوتاہی کی میعاد سزا ختم ہولے گی اسکے بعد دوسری کوتاہی کی میعاد سزا شروع ہو گی اھ

بس اس ہدایت نامہ کا پہونچنا تھا کہ پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اور نظر بد سے بچنے کا اسدرجہ اہتمام پیدا ہو گیا کہ وہ صاحب ابروؤں کے اوپر اسطرح ہاتھ رکھکر چلنے کہ صرف زمین نظر آئے اور ہر وقت نگاہیں نیچی کئے رہتے اور اگر کبھی نظر اُٹھانے کی ضرورت پڑتی تو صرف اُتنی ہی آنکھیں کھولکر چلتے کہ پلکوں کے بیچ میں سے بس اتنا نظر آ جائے کہ کوئی آرہا ہے۔ یہ پتہ نہ چل سکے کہ آنے والا مرد ہے یا عورت تاکہ نظر بد کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ چونکہ خط وکتابت کی ممانعت بوجہ خصوصیت تعلق نہایت ہی شاق تھی اسلئے یہ تہیہ کر لیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کبھی ایک مرتبہ بھی اس سزا کی نوبت نہ آنے دیجائیگی۔ اور یہی حضرت والا کو بھی تحریر کر دیا۔ جسپر حضرت والا نے بہت اظہار مسرت فرمایا اور تحریر فرمایا کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی توقع تھی کہ اب اس کوتاہی کے ارتکاب کی ایک بار بھی نوبت نہ آئے گی اھ

چنانچہ بفضلہ تعالیٰ و برکت تجویز حضرت والا پہلے جس جرم کا ترک محال نظر آرہا تھا بعد کو اُسکا ارتکاب محال نظر آنے لگا اور اتنے بُرے اور بڑے مرض کا ایسا آسانی کے ساتھ استیصال کلی ہو گیا۔ حضرت والا نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ حد سے زیادہ اہتمام کی حاجت نہیں بس قصداً نظر نہ کرنا کافی ہے اھ

ایک طالب اصلاح نے جو کسی فعل شنیع میں مبتلا تھے اور جن پر تنبیہ کی گئی تھی حضرت والا کے طرز تربیت بطریق سیاست کے نافع ہونے کو بہت بے ساختہ اور پر لطف عنوان سے ظاہر کیا تھا۔ لکھا تھا کہ اب دل میں اس فعل کے کرنے کا خیال بھی نہیں گذرتا اور امید قوی ہے کہ آئندہ بھی "برکت جوتہ حضرت والا" یہ فعل سو ر کبھی صادر نہ ہو گا۔ اھ

اس قسم کے صدہا واقعات ومشاہدات ہیں اور اس نوع کی تصدیقات کے خطوط حضرت والا کی خدمت میں بکثرت آتے رہتے ہیں جن کے مضامین کو حضرت والا بلا اظہار نام حاضرین مجلس کو بھی سناتے رہتے ہیں اور ان خطوط سے اپنے طرز تربیت بطریق سیاست کی نافعیت پر استدلال فرماتے رہتے ہیں اور معترضین کے مُنہ بند کرتے رہتے ہیں۔

ان سب حالات وواقعات سے باصطلاح طالب مذکور حضرت والا کے جوتے کی برکات بخوبی ظاہر ہیں جسکو روشن دماغ کہنا زیبا ہے کیونکہ اسکی بدولت آن کی آن میں سر سے خناس نکلکر دماغ فوراً روشن ہو جاتا ہے اور سب شیطانی خیالات کافور ہو جاتے ہیں۔

حضرت والا کا یہ وصف بھی مثل دیگر اوصاف فاروقی کے حضرت والا کے جد اعلیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ہی سی مورث ہے جن کی آہٹ سے بھی شیطان بھاگتا تھا جیساکہ منقولۂ ذیل ارشادات حضور سرور کائنات علیہ الوف الصلوات والتحیات میں مصرح ہے۔

نمبر۱۔ عن انس رضہ الشیطان یفر من حس عمر رضہ (کنز العمال بحوالۂ دیلمی)

نمبر۲۔ عن عائشۃ رضہ اِنَّ الشیطانَ یفر من عمر ابن الخطاب رضہ (کنز العمال بحوالۂ تاریخ حاکم)

نمبر۳۔ انی لانظر الی شیاطینِ الجنّ والانسِ قد فروا من عمر رضہ۔

(مشکوٰۃ باب مناقب عمر رضہ)

نمبر۴۔ ان الشیطان لیخاف منك یا عمر رضہ (ایضاً)

نمبر۵۔ یا ابن الخطاب والذی نفسی بیدہ مالقیك الشیطان سالکاً فجاً قط الاسلك فجاً غیر فجك۔ (ایضاً)

لیکن ظاہر ہے کہ بفحوائے عربی مثل الحق مرٌ اور بمصداق اردو مثل سچی بات سعد اللہ کہیں سب کے من سے اُترے رہیں۔ ایسا حق گو مصلح باوجود جامع جمیع اسباب محبوبیت ہونے کے بھی سب کا بھلا ظاہر نہیں رہ سکتا اور ایسے مصلحین امت کی یہی سنت قدیمہ ہے چنانچہ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے بلا خوف لومۃ لائم علماء اور مشائخ سبھی کی غلطیاں ظاہر فرمائیں خصوص کتاب الغرور میں جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن پر کفر تک کے فتوے لگائے گئے اور اُنکی کتاب احیاء العلوم کو جلایا گیا۔ گو وضوح حق کے بعد اس بے ادبی کا یہ تدارک کیا گیا کہ جس کتاب کو جلایا گیا تھا اُسی کو پھر آب زر سے لکھوایا گیا۔ اھ

اس واقعہ کو نقل فرماکر حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ابھی تو اسوجہ سے کہ المعاصرۃ اُصلُ المنافرۃِ لوگوں کو میرے اس طرز تربیت سے وحشت ہے اور اسپر اعتراض ہے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ بعد کو اسکی قدر کریں گے اور سند میں پیش کیا کریں گے۔ میں نے اپنے اوپر بدنامی لیکر اوروں کے لئے راستہ صاف کردیا ہے۔ اھ

صفت سیاست کے اس خاصۂ مذکورہ کی تائید بھی ایک حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عمر رضہ ہی کے متعلق ہے اسکو بھی اس جگہ مع ترجمہ وشرح حضرت والا کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

عن علی رضہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحم اللہ عمر یقول الحق وان کان مرا ترکہ الحق ومالہ من صدیق۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب مناقب العشرۃ رضہ)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ رحمت (خاص) نازل فرمائے عمر رضہ پر وہ حق بات کہدیتے ہیں اگرچہ کسی کو (عقلاً یا کسیکو طبعاً) تلخ (و ناگوار) معلوم ہو (یعنی اُن میں یہ صفت ایک خاص درجہ میں غالب ہے اس درجہ کی

حق گوئی نے انکی یہ حالت کردی کہ انکا کوئی (اس درجہ کا) دوست نہیں رہا (جیسا تسامح و رعایت کی حالت میں ہوتا) ف ترجمہ کے درمیان درمیان توضیحات سے تین شبہے رفع ہوگئے ایک یہ کہ کیا دوسرے حضرات صحابہ رضہ میں یہ صفت حق گوئی کی نہ تھی دوسرا شبہہ یہ کہ کیا حضرت عمر رضہ کا کوئی دوست نہ تھا تیسرا شبہہ یہ کہ کیا اس مجمع خیر میں بھی حق بات کے تلخ سمجھنے والے موجود تھے اول کا جواب یہ ہے کہ اصل صفت سب صحابہ میں مشترک تھی لیکن یہ اختصاص غلبہ کے ایک خاص درجہ کے اعتبار سے ہے اور یہی توجیہہ ہے خاص خاص حضرات کے لئے خاص خاص فضائل کا حکم فرمانے کی اور اُس غلبہ کا مصداق یہ ہے کہ حق کے درجات متفاوت ہوتے ہیں۔ ایک درجہ یہ ہے کہ اسکا اظہار واجب ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ اولیٰ یا مباح ہوتا ہے سو پہلا درجہ تو سب صحابہ میں بلکہ سب اہل حق میں مشترک ہے اور دوسرے درجہ کے اعتبار سے بزرگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ بعض مروت یا تسامح کو مصلحت پر ترجیح دیکر سکوت فرماتے ہیں۔ بعض مصلحت کو مروت پر ترجیح دیکر کہہ ڈالتے ہیں پہلا درجہ غلبہ کا ہے دوسرا درجہ نفس اتصاف کا۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ دوستی کے ایک خاص درجہ کی نفی مقصود ہے یعنی اگر حضرت عمر رضہ مروت کو مصلحت پر غالب رکھکر طرح دیجاتے اُس حالت میں اُن کے جیسے دوست ہوتے ویسے اب نہیں رہے۔ تیسرے کا جواب یہ ہے کہ طبعی تلخی و ناگواری اور اُسکے مقتضا پر عمل نہونا یہ خیریت کے منافی نہیں۔ باقی ایسے لوگ بھی ہر زمانہ میں ہوتے ہیں جنکو عقلی تلخی بھی ہوتی ہے اگرچہ اُسوقت ایسے اقل قلیل تھے۔ میری ضمنی توضیحات میں ان سب کی طرف قریب بصراحت اشارات ہیں۔ انتہی بلفظہ الشریف۔

حضرت والا کے طرز سیاست کی ایک اور لطیف تائید یاد آئی جو مشفقی مولوی حمید حسن صاحب دیوبندی مدرس مدرسہ سعیدیہ جلال آباد نے ایک نادان معترض کے اس اعتراض کے جواب میں پیش کی تھی کہ خاکم بدہن خدانخواستہ حضرت والا میں اخلاق محمدی (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نہیں ہیں۔ مولوی صاحب ممدوح نے کیا خوب بات فرمائی کہ جناب آپ کو اخلاق محمدی (علے صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی فہرست بھی معلوم ہے یا آپ صرف خاص خاص اخلاق ہی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سمجھتے ہیں کوئی حدیث کی کتاب تو ذرا اُٹھا کر دیکھئے اُسمیں جہاں اور ابواب ہیں وہاں کتاب الحدود۔ کتاب القصاص کتاب التعزیرات بھی تو ہیں یہ بھی تو سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اخلاق ہیں۔ ضرورت کے مواقع پر سیاست کا استعمال اور جرائم کے ارتکاب پر سزاؤں کی تنفید یہ بھی تو اخلاق محمدی ہی میں داخل ہے (صلے اللہ علی صاحبہا)

ان سب تقریرات مذکورۂ بالا سے ناظرین تمکین نے اچھی طرح معلوم فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کا طرز اصلاح

بالکل فطرت سلیمہ اور سلف صالحین کی سنت قدیمہ کے موافق اور قرآن وحدیث کے مطابق ہے جسکی صریح صریح تائیدات اوپر بتفصیل گذر چکیں لیکن پھر بھی حضرت والا نے ہمیشہ اپنے نفس کے ساتھ سوء ظن ہی رکھا اور گو مواقع ضرورت ومصلحت میں سیاست کا استعمال فرماتے رہے لیکن ہر واقعہ کے بعد بار بار اظہار افسوس وندامت بھی حالاً وقالاً وعملاً فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ بعض مرتبہ تو اسی رنج وافسوس میں رات رات بھر نیند نہیں آئی۔ اور بعض مواقع پر احقر نے حضرت والا کو معافی مانگتے ہوئے اور بعض صورتوں میں مالی تدارک فرماتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ اور یہ تو ہمیشہ دیکھا بلکہ اسکا خود بھی ذاتی تجربہ کیا کہ حضرت والا کی خفگی مفتاح عنایات وتوجہات ودعوات خاصہ زائدہ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ خود مورد عتاب بھی حضرت والا کے بعد کے برتاؤ اور اپنی باطنی ترقیات وتاثرات سے بیّن طور پر محسوس کرنے لگتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کا عتاب بھی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ الوف الصلوات والتحیات کی اس دعا کا مصداق ہو جاتا ہے اللّٰھُمَّ اِنِّی اتخذُ عِندکَ عھداً لَنْ تخلفنیہ فانما انا بشرٌ فایما مؤمن آذیتہٗ اوشتمتہٗ اوجلدتہ اولعنتہ فاجعلھا لہ صلوٰۃً وزکوٰۃ وقربۃً تقربہ بھا الیک۔ اس موقع پر احقر کو اپنا ایک شعر یاد آتا ہے ؎

	منبع صد کرم ترا لطف بھرا عتاب تھا	سارے تعلقات کا وہی تو فتح باب تھا	

حضرت والا نے اپنے طرز تربیت کے متعلق بارہا فرمایا کہ یہ طرز میری طبیعت کے بالکل خلاف ہے اور مجھے بعد کو بڑی کلفت اور ندامت بھی ہوتی ہے اور رہ رہ کر سوچا کرتا ہوں کہ بجائے اسطرح کہنے کے اسطرح بھی کہہ سکتا تھا بجائے یوں سمجھانے کے یوں بھی سمجھا سکتا تھا بجائے اُس تجویز کے یہ تجویز بھی کر سکتا تھا۔ لیکن عین وقت پر مصلحت اصلاح کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ اور کوئی مصلحت پیش نظر رہتی ہی نہیں اور یہ جبھی تک ہے جب تک میں نے اپنے ذمہ اصلاح کی خدمت سمجھ رکھی ہے اور اگر کبھی اس سے قطع نظر کر لی تو پھر میں انشاء اللہ تعالیٰ خوش اخلاق بھی بنکر دکھلا دونگا۔ میرا اصلی مذاق تو یہی ہے کہ کسی سے کچھ تعرض ہی نہ کروں اور اپنے آپ کو سب سے یکسو رکھوں بقول احمد جام رحمہ ؎

	احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار	دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد	

اور بقول عارف شیرازی رحمہ ؎

	رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار	کار ملک ست آنکہ تدبیر وتحمل بایدش	

اسی سوء ظن بنفسہٖ کی وجہ سے حضرت والا نے معترضین کے مقابلہ میں بھی کبھی رد کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ انکے اعتراضوں پر بھی بالخصوص جہاں مظنہ نیک نیتی کا تھا اس نیت سے نظر فرمائی کہ

اگر ان اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابل قبول ہو تو اسکو قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

چنانچہ حضرت والا اسی لحاظ سے وقتاً فوقتاً اپنے طریق اصلاح پر نظرثانی بھی فرماتے رہتے ہیں جیسا کہ رسالہ "التبدیل من التشقیل الی التعدیل" سے واضح ہے جسکو حضرت والا نے ایک ناصح نادان کے معترضانہ خط سے متاثر ہو کر حال ہی میں تصنیف فرمایا ہے اور جسمیں اُس ترمیم کی تفصیل ہے جو حضرت والا نے اپنے طرز تربیت اور طریق اصلاح میں بلحاظ ناگواری طبائع تجویز فرمائی ہے اور جسکا ایک بہت مختصر مگر جامع مانع خلاصہ حضرت والا نے ایک دفتی پر خوشخط لکھوا کر اپنے سامنے رکھ لیا ہے تاکہ وہ پیش نظر رہے اور وقت پر ذہول نہ ہونے پائے اور اپنے تجویز کردہ دستور العمل پر عملدرآمد آسان ہو۔ اس سے اندازہ فرمایا جائے کہ حضرت والا کو قوانین ضروریہ پر عمل کرنے کا خود بھی کسقدر اہتمام ہے۔ رسالہ مذکورہ کو مع ضمیمہ کے اور ناصح صاحب کے بعد کے توبہ نامہ کو مع حضرت والا کے جواب باصواب ولاجواب کے انشاء اللہ تعالیٰ حسن العزیز سے قریب ہی کی سطور میں اپنے موقع پر نقل کیا جائیگا۔

پہلے تو معترض صاحب نے جوش انتقام میں مغلوب النفس ہو کر جو جی چاہا لکھ مارا اور ساتھ ہی اپنی نفسانیت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے خط میں اپنی خیر خواہی ومحبت وخلوص نیت کا یقین دلا دیا لیکن پھر جلدی ہی حضرت والا کی کتاب التکشف کے مطالعہ کی برکت سے منجانب اللہ انکی خود بخود آنکھیں کھلیں اور ایسے ہوش درست ہوئے کہ اُنھوں نے فوراً حضرت والا کی خدمت میں ایک توبہ نامہ ارسال کیا جو قریب ہی کی سطروں میں بالفاظہ نقل کیا جائے گا جسمیں اُنھوں نے صاف اور صریح لفظوں میں اپنے ان مفصلہ ذیل رذائل اور تاثرات کا اظہار واقرار کیا ہے۔ اپنی بدبختی وروسیاہی۔ گستاخی۔ بیباکی۔ جرأت اور نمک حرامی۔ اپنا تشدد۔ عناد۔ حرمان اور خسران دارین۔ اپنا مستحق زجر ہونا اور حضرت والا کا حق بجانب ہونا اپنا خواہ مخواہ کا مصلح بننا اور اپنے اس جرم کا ناقابل تلافی ہونا۔ پھر آخر میں اپنی ندامت وشرمساری کا اظہار اور عفو کی درخواست۔

اور ایک انھیں صاحب نے کیا بہت سے معترضین نے اسی طرح اپنے اعتراضات سے بعد کو رجوع کیا ہے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے جس سے الحق یعلو ولا یعلیٰ کا ظہور ہوا ہے

ان معترضین میں سے بعض نے تو حقیقت سمجھ کر رجوع کیا اور بعض جب اپنی گستاخی اور بد اعتقادی کی پاداش میں بفحوائے ع باشیر پنجہ کردی ودیدی سزائے خویش۔ منجانب اللہ مبتلائے آلام ومصائب ہوئے اور انکے قلب سے قرار وسکون ذوق وشوق انشراح وانبساط سارے آثار جمعیت غائب ہو گئے اور اسطرح وہ ظاہری وباطنی دونوں لحاظ سے بفحوائے ارشاد مولانا رومی رح

گر جدا بینی ز حق این خواجہ را	گم کنی ہم متن و ہم دیباجہ را

خاسر و خائب ہوئے تب مجبور ہو کر نادم و تائب ہوئے۔

ہر چند حضرت والا نے بغایت تواضع اپنے کو اس درجہ کا نہ سمجھ کر اور اس بنا پر بھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کوئی عادت مستمرہ تو ہے نہیں ہمیشہ ایسی صورتوں میں اپنے ستانے والوں کے ابتلاء کو اتفاق ہی پر محمول فرمایا اور انکے اس گمان کی کہ حضرت والا کی شان میں گستاخی کرنے کی وجہ سے انپر مصیبت آئی تغلیط ہی فرمائی۔ لیکن بفحوائے حدیث من عادیٰ لی ولیًا فقد آذنتہٗ للحرب اور بفحوائے ارشاد عارفین ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد	با دُرد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد تا دلِ صاحب دلے نامد بدرد

اہل اللہ کے دل دُکھانے اور اُن کو ستانے والوں کا اکثر یہی انجام ہوتا ہے کہ وہ مبتلائے آلام و مصائب ظاہری و باطنی کر دئے جاتے ہیں جسکا بعض اوقات خود ان کو بھی احساس ہونے لگتا ہے اور پھر ان میں سے بعض متنبہ ہو کر تائب بھی ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص تعلق ارادت قائم کر لینے کے بعد پھر گستاخی اور بے ادبی کرنا تو خاص طور سے زیادہ موجب وبال ہوتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس تعلق میں بعض اعتبارات سے معصیت اتنی مضر نہیں ہوتی جتنی بے ادبی مضر ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ معصیت کا تعلق تو اللہ تعالیٰ سے ہے اور چونکہ وہ تاثر و انفعال سے پاک ہیں اسلئے توبہ سے فوراً معافی ہو جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ویسا کا ویسا ہی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ بخلاف اسکے بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے اور وہ چونکہ بشر ہے اسلئے طالب کی بے ادبی سے اُسکے قلب میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے جو مانع ہو جاتی ہے تعدیۂ فیض سے اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اسکی خوب مثال دی تھی۔ فرمایا کہ اگر کسی چھت کی میزاب کے مخرج میں مٹی ٹھونس دی جائے تو جب آسمان سے پانی برسے گا تو گو وہ چھت پر تو نہایت صاف و شفاف حالت میں آئے گا لیکن جب میزاب میں ہو کر نیچے پہونچے گا تو بالکل گدلا اور میلا ہو کر۔ اسی طرح شیخ کے قلب پر جو ملاءِ اعلیٰ سے فیوض و انوار نازل ہوتے رہتے ہیں انکا تعدیہ ایسے طالب کے قلب پر جسنے شیخ کے قلب کو مکدر کر رکھا ہے مکدّر صورت ہی میں ہوتا ہے۔ جس سے اُس طالب کا قلب بجائے منور و مصفا ہونے کے تیرہ و مکدر ہوتا چلا جاتا ہے اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے شیخ کے قلب کو مکدّر کرنے اور مکدّر رکھنے کا طالب پر یہ وبال ہوتا ہے کہ اُسکو دنیا میں جمعیت قلب کبھی میسر نہیں ہوتی اور وہ عمر بھر پریشان ہی رہتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ

ضروری نہیں کہ ہر فعل موجب تکدر شیخ معصیت ہی ہو اسلئے ایسی صورت میں اس فعل سے براہ راست تو کوئی دینی ضرر نہیں پہونچتا لیکن وہ بواسطہ اکثر سبب ہو ہی جاتا ہے دینی ضرر کا بھی جسکی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ اول شیخ کے قلب کا تکدر سبب ہوتا ہے طالب کے انشراح قلبی کے زوال کا اور پھر یہ عدم انشراح اکثر سبب ہو جاتا ہے کوتاہی اعمال کا اور پھر یہ کوتاہی اعمال سبب ہو جاتی ہے دینی ضرر اور اُخروی وبال کا۔ گو عدم انشراح کی حالت میں بھی اگر وہ اپنے اختیار اور ہمت سے برابر کام لیتا رہے اور اعمال صالحہ کو بہ تکلف جاری رکھے تو پھر کوئی بھی دینی ضرر نہ پہونچے لیکن اکثر یہی ہوتا ہے کہ انشراح کے فوت ہو جانے سے اعمال میں بھی کوتاہیاں ہونے لگتی ہیں۔ اور اسطرح بواسطہ دینی ضرر کا بھی اکثر تحقق ہو ہی جاتا ہے کیونکہ جو داعیۂ عادیہ تھا یعنی انشراح وہ تو جاتا رہا اور بلا داعیہ اکثر کو عمل بہت دشوار ہوتا ہے۔ اھ

اسی سلسلہ میں حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ گو میں خود کوئی چیز نہیں لیکن جب کسی نے کسی شخص کو اپنا معتقد فیہ بنا لیا اور پھر بلا وجہ اُسکے ساتھ خلاف اعتقاد معاملہ کر کے اسکو مکدر کر دیا تو اس صورت میں بھی ویسی ہی مضرتیں پہونچیں گی جیسی کاملین و مقبولین کو مکدر کرنے سے پہونچتی ہیں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ یہ حضرت والا کی غایت تواضع ہے ورنہ آج حضرت والا کا مرکز رشد و ہدایت اور سرگروہ مشائخ وقت اور اشرف کاملین و مقبولین زمانہ ہونا روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے کیونکہ اس زمانہ میں اور کسی سے ایسا عام اور تام بلکہ اسکے لگ بھگ بھی فیض دینی ظاہری و باطنی مخلوق خدا کو نہیں پہونچ رہا جو ایک امر مشاہد اور ایک صریح اور ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اور کیوں نہو حسب ارشاد محققین (جسکی تصدیق مشاہدہ سے بھی ہوتی ہے) یہ عادت الٰہیہ قدیمہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک ایسا امام دنیا میں ضرور موجود رکھا جاتا ہے جس سے امتیاز حق و باطل ہوتا رہے اور چونکہ وہ بمصلحت ہدایت عباد مؤید من اللہ ہوتا ہے اسلئے اسکے منہ سے ہمیشہ حق بات ہی نکلتی ہے۔ نیز وہ ایسی مخصوص مقبولیت و محبوبیت عند اللہ سے مشرف فرمایا جاتا ہے کہ اہل عصر میں سے جو شخص اُسکا معتقد نہیں ہوتا وہ گو عاصی تو نہیں ہوتا مگر برکات خاصہ سے محروم رہتا ہے۔

چونکہ اس زمانہ میں ظاہرًا سوائے حضرت والا لمھم اللہ تعالیٰ کے اور کوئی بزرگ اس شان کا نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا لہٰذا بگمان غالب قریب بہ یقین حضرت والا ہی اس مذکورہ بالا سنت الٰہیہ قدیمہ کے فی زماننا مصداق معلوم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم باسرارہ واسرار اولیائہٖ۔

مذکورہ بالا ضمنی بیانات کے بعد اب حسب وعدہ حضرت والا کے رسالہ "التعدیل من التثقیل الی التعدیل" کو مع ضمیمہ کے اور معترض صاحب کے بعد کے توبہ نامہ کو مع حضرت والا کے جواب باصواب کے

مکتوبات حسن العزیز سے اصل الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے اور صاحبان ذوق تو اس تبدیل پر بصد حسرت یہ شعر پڑھیں گے ؎

بچہ امید تواں زیستن اکنوں احسن	فکر بید او ہم از خاطرِ جاناں برخاست

رسالۂ التبدیل من التثقیل الی التعدیل

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو ایک مقام سے ایک خط آیا جسمیں دل کھولکر میرے طریق اصلاح وتربیت پر مجکو سب وشتم کیا گیا اور طریق مروج کے اتباع کی فرمایش کیگئی ہرچند کہ اسکے قبل بھی ایسے خطوط متعدد بار آچکے ہیں مگر اس میں خیر خواہی کا دعوی نہیں کیا گیا تھا اسلئے ان کے معاندانہ لہجہ پر غلبۂ نظر کے سبب زیادہ قابل التفات نہیں سمجھا گیا۔ گو کسیقدر ان سے بھی متاثر ہو کر طرز عمل میں تغیر کیا گیا۔ نیز اپنی حالت پر ہمیشہ نظر تنقیدی کی عادت کو بھی اس تغیر میں خاص دخل ہے چنانچہ حسن العزیز کے حصۂ ملفوظات میں دورجدید کی سرخی کا مضمون جو کہ غرہ رمضان ۱۳۴۴ھ کا لکھا ہوا ہے اور ضمیمہ تتمۂ خامسہ میں طورجدید کی سرخی کا مضمون جو کہ الامداد بابتہ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ میں شایع ہوا ہے اس دعوی پر کافی دلیل ہے مگر اس اخیر خط میں باوجودیکہ وہ اپنے کاتب کے اصول وفروع طریق سے محض بیخبر ہونے پر قطعی شہادت دے رہا ہے لیکن اسمیں خیر خواہی ومحبت وخلوص نیت کا یقین بھی دلایا گیا ہے جسکی تکذیب کا مجکو کوئی حق نہیں اسلئے اسکی ناواقفی پر نظر نہ کر کے اور اسکے دشنامی لہجہ کو حافظ رح کے اس مصرعہ (ع بدم گفتی وخورسندم عفاک اللہ نکو گفتی) کے تحت میں داخل کر کے اور اسی کے ساتھ اپنے نفس کو بھی غوائل سے بری نہ پاکر خاص طور سے اسمیں نظر کی گئی اور نظر کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ میرے طرز موجود کی مثال اس علاج کی سی ہے جسمیں معالج صحت کے درجہ کاملہ کی تحصیل کے لئے اسباب مرض کے استیصال کا اہتمام کرتا ہے اور اسلئے ادویہ کی تلخی اور مریض کی ناگواری کی پروا نہ کر کے کامل النفع دوا تجویز کرتا ہے اور پرہیز میں بھی خفیف سے خفیف مضار سے بچانے کی سعی کرتا ہے۔ اور مریض کی ادنی کوتاہی اور بے پروائی پر اپنی ناراضی ظاہر کرتا ہے اور اگر لطف مفید نہیں ہوتا تو عنف کا استعمال کرتا ہے۔ اور کاتب خط کی مثال اس علاج کی سی ہے جسمیں معالج مریض کی ناتمام صحت پر قناعت کر کے دوا وہ تجویز کرے جسکو مریض خوشی سے گوارا کرلے اگرچہ مرض کا استیصال نہو صرف قدرے کمی ہو جاوے اگرچہ بعد چندے وہ پھر زور پکڑے یا اگر معتدبہ کمی بھی ہو گئی تھی لیکن استیصال نہ ہوا تھا اسلئے بعد چندے پھر عود کر آوے۔ اسی طرح اسکی بدپرہیزی میں بھی تسامح کرے کہ مہلک اشیاء سے تو روک ٹوک

کرتا رہے لیکن مرض وضعف اشیاء کی اجازت دیدے۔

یہ تو فرق کی تحقیق تھی طرز موجود اور اس کاتب ناصح کی تجویز میں۔ باقی ان دونوں کے نتیجہ میں جو فرق ہے وہ خود فرق مذکور سے ظاہر ہے کہ ایک میں نفع تام ہے گو مریضوں کی ناقدری و بے خبری سے عام نہ ہو اور دوسری تجویز میں نفع تام نہیں گو کم ہمت اور نادان مریضوں کے ہجوم سے صورۃً نفع عام متوہم ہو۔ پھر ان دونوں فرقوں کے بعد اسمیں غور کیا گیا کہ اب تک تو طرز اول ہی کو اسلئے راجح سمجھ کر اختیار کیا جارہا تھا کہ یہ طرز جس طرح اپنی غایت کے اعتبار سے راجح ہے اسی طرح اُصول طریق کی موافقت کے سبب بھی راجح ہے۔ چنانچہ ائمہ طریق کے واقعات معالجات سے تو (جو کتب فن میں ہزاروں کی تعداد میں منقول ہیں) صراحتہً بلا تامل اور کتاب وسنّت سے بعض میں قدرے تامل کے ساتھ اور اکثر میں بلا تامل یہ موافقت ثابت ہے جو جابجا میری تقریرات وتحریرات میں متفرقاً اور مسائل السلوک و تکشف و تشرف میں مجتمعاً مذکور ہے۔

بہرحال اسی رُجحان علمی وعلمی کی بناء پر اب تک یہ معمول تھا لیکن پھر بھی احتیاطاً اس خط کی بناء پر ایک دوسرے پہلو پر بھی نظر کیگئی وہ یہ کہ جن مریضوں کے نفع کیلئے یہ دوسرا اختیار کیا جارہا ہے جب وہی اسکو ثقیل سمجھتے ہیں تو ایسی حالت میں طبیب کا یہ اہتمام بلیغ بالکل انلزمکموھا وانتم لھا کٰرھون اور مدعی سُست گواہ چست کا مصداق ہے۔ جو کہ غیر ضروری ہے تو جانبین کی سہولت کے لئے عملاً اُس قدر پر اکتفا مناسب ہے جسکو مریض گوارا کر سکے اور جسقدر اُسمیں نقص ہے تعلیماً اُسپر تنبیہ کردیجاوے تا کہ ایک درجہ تک اسمیں تلبیس وخیانت سے بھی صیانت رہے عادتِ عامّہ کی بھی رعایت ہو جاوے آگے اپنے نفع نقصان کو وہ خود دیکھ لے۔ اس صورت میں اس طرز تربیت کی شان تبلیغ عام کی سی رہ جاویگی جسمیں مبلّغ کے متعلق ارشاد ہے۔ قُل یاایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا وما انا علیکم بوکیل۔ جیسا طرز سابق کی شان تادیب خاص کی سی تھی جسکے متعلق ارشاد ہے کلکم راعٍ وکلکم مسئولٌ عن رعیتہٖ الحدیث۔ اور چونکہ عدم التزام کی حالت میں جسکی علامت گرانی ہے احقر کو طالبین کے ساتھ راعی ورعیت کا سا تعلق نہیں اسلئے مجکو یہ دوسرا طرز اختیار کرنا بھی جائز ہے اور چونکہ اسوقت طالبین کا غالب مذاق یہی ہے اسلئے اب اس جائز کو اختیار کرلینے کا ارادہ کرلیا ہے۔ لوگ کڑوی دواؤں سے بچیں گے۔ میں مشقت اور مشقت کے صلہ میں گالیوں سے بچونگا۔ اگر کسی کو نفع کامل حاصل کرنا مطلوب ہوگا اسکے لئے اس نفع ناقص کے ساتھ میری کتابوں کا انضمام انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہو جاویگا۔ میں بلا ضرورت کیوں غم میں پڑا

بقول مشہور قاضی جی تم کیوں دُبلے کہنے لگے شہر کے اندیشہ سے۔

باقی اس طرز جدید کی جزئیات وخصوصیات کا انضباط جامع مانع عبارت میں متعسر و متعذر ہے البتہ اجمالی اشارہ ان عنوانات سے ہو سکتا ہے۔ تحمل۔ تامل۔ تجمل تعمل تجمل تمہل تسہل یہ تحریر اسی تبدیل کی اطلاع کے لئے ناظرین کے سامنے لائی گئی ہے۔ اور دو اعتبار سے اسکے دو لقب ہو سکتے ہیں۔ ایک اعتبار تو یہ ہے کہ میرے نزدیک طرز سابق تعدیل تھا اب اُس سے تنزل کر کے زیادہ تخفیف و تسہیل کی گئی۔ اس اعتبار سے تو اسکا لقب "التنزیل من التعدیل الی التسھیل" ہے اور ایک اعتبار یہ ہے کہ معترضین کے نزدیک وہ طرز سابق تشدد اور تثقیل تھا اور دوسرا طرز تعدیل ہے اس اعتبار سے اسکا لقب التبدیل من التثقیل الی التعدیل ہے اور چونکہ اس تبدیل میں مذاق عامۃ کی رعایت کی گئی ہے اسلئے التسمیہ میں بھی اُسی کی رعایت سے دونوں لقب کو تجویز کرتا ہوں چنانچہ سرنامہ پر آپ کو یہی ملیگا۔ واللہ ھو الھادی فی المقاصد والمبادی۔

اور ہر چند میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بعض معترضین یا نادان محبین اسپر بھی قناعت نہ کریں گے اس سے بھی تنزل کی رائے دیں گے۔ مگر میں اس سے اسلئے معذور ہوں کہ میرے نزدیک اس سے تنزل تربیت ہی کا کوئی درجہ نہیں بلکہ صاف ترک تربیت ہے۔ البتہ اگر کسی وقت حالات خاصّہ مقتضیۂ ترک تربیت رونما ہونگے جیسے خدا کرے فاعلین تربیت کا وجدان یا خدا نہ کرے قابلین تربیت کا فقدان اُسوقت اس ترک کو بھی جائز سمجھ کر اختیار کر لونگا اور یہ ترک عام ہے۔ باقی ترک خاص وہ عدم مناسبت کی صورت میں اب بھی کسی خاص شخص کے لئے تجویز کیا جا سکتا ہے۔

فی الاول للآیۃ ولتکن منکم اُمۃٌ یدعون الی الخیر الخ۔ وفی الثانی للحدیث اذا رأیت شحا مطاعا وھوی متبعا ودنیا موثرۃ واعجاب کل ذی رای برأیہ فعلیک بخاصۃ نفسک ودع امر العامۃ۔

ولیکن ھذا اخر الکلام واللہ المستعان۔ وعلیہ التکلان۔ فی کل مرام۔

ثالث جمادی الاول ۱۳۵۲ھ

ضمیمہ عملیہ

اس تبدیل کی حقیقت تو مشاہدہ پر موقوف ہے مگر رفع انتظار غائبین کے لئے مختصر تنقیح اسکی ماضی وحال کے تقابل کے طور پر بطور نمونہ کے پیش کیجاتی ہے۔

ماضی	حال
۱- اس احتمال سے کہ متوسط نقل مضمون میں تغیر وتبدل نہ کردے (گو بلا قصد ہی ہو) صاحب معاملہ سے خود خطاب کیا جاتا تھا جس سے بعض اوقات مخاطب مغلوب ہو جاتا تھا۔	۱- کسی متوسط کے ذریعہ سے اسکی غلطی پر تنبہ کیا جاتا ہے اور حتی الامکان واسطۂ خطاب ایسے شخص کو تجویز کیا جاتا ہے جسمیں احتمال تغیر مضمون کا نہو۔
۲- غلطی کے وجوہ خود بیان کئے جاتے تھے جو بصورت دعاوی ہوتے تھے اگرچہ بہ دلیل بیان کئے جاتے تھے مگر طبعًا دعویٰ کا اثر ابار عن القبول ہوتا ہے۔	۲- مقصود کے مبادی ومقدمات بدیہیہ مخاطب سے قبول کرا کے مقصود کو خود مخاطب سے تسلیم کرالیا جاتا ہے جسکا حاصل اقرار ہے طبعًا اسکا اثر قبول ہوتا ہے۔
۳- خطاب بلاواسطہ میں جب مخاطب بے اصول جواب دے تغیر میں زیادت ہو کر لہجہ تیز ہو جاتا تھا کم فہم مخاطب اسکو ناراضی سمجھ کر رنجیدہ ہو جاتا تھا۔	۳- اب توسط میں اسکی نوبت ہی نہیں آسکتی اسلئے بجائے رنجیدہ ہونے کے شرمندہ ہوتا ہے۔
۴- مکالمت کے ختم پر فیصلہ تجویز کر کے اس کو اطلاع کردی جاتی تھی جس کی صورت حکومت جیسی ہوتی تھی جو بعض اوقات اسکو ناگوار ہوتا تھا۔	۴- اب غلطی تسلیم کرا کر خود اس سے فیصلہ تجویز کرایا جاتا ہے اگر اسکا فیصلہ ناکافی ہوتا ہے اسکا غلط ہونا ظاہر کر کے دوسرے فیصلہ کیلئے کہا جاتا ہے اور اخیر فیصلہ کے بعد اکثر اپنی طرف سے اُسمیں تخفیف کردی جاتی ہے جسکو وہ غنیمت سمجھتا ہے اور خوشی سے قبول کرتا ہے۔
۵- چونکہ طبعًا بھی اور بضرورت ہجوم مشاغل بھی اور مخاطب کو کلفت انتظار سے بچانے کے لئے بھی فیصلہ فورًا نافذ کردیا جاتا تھا	۵- نظر ثانی کی مصلحت کو مصالح مذکورہ پر ترجیح دیکر نفاذ میں کسی قدر توقف کیا جاتا ہے۔

اور اسکے بعد بعض اوقات اسمیں نظر ثانی کی گنجائش محسوس ہوتی تھی۔			

اور باوجود اسکے اب بھی اپنی رائے پر نہ وثوق ہے نہ اپنے طرز عمل ماضی یا حال پر ناز ہے بشریت ہے جسکے باب میں خُلِقَ الانسان ضَعِیفًا اور خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ارشاد ہے جسکا حاصل علم وعمل کا نقص ہے اسلئے ہر حال میں گو نیت یہی ہے کہ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ مگر پھر بھی اس نیت کے متعلق یہی التجا ہے وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ۝ اور صیغۂ استغفار کے ساتھ یہ دعا ہے جو صالح علیہ السلام کے ارشاد سے ماخوذ ہے اَسْتَغْفِرُ رَبِّیْ ثُمَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ط

تنبیہ۔ یہ التزامات اکثری ہیں وللاکثر حکم الکل جسمیں کسی معارض قوی مصلحت سے یا ذہول سے استثنا ربھی ممکن الوقوع ہے۔ اسیطرح یہ سب مراتب توقع مناسبت تک ہیں ورنہ سنت خضریہ ھٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ معمول بہا ہے۔

نوٹ:۔ اسکے بعد ۱۱۔ جمادی الاخرٰی ۱۳۵۲ھ کو اُن ہی معترض صاحب کا توبہ نامہ آیا جسکو مع جواب نقل کیا جاتا ہے۔

نقل خط مکرم ومحترم حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ورضوانہ۔ کچھ عرصہ ہوا یہ بدبخت روسیاہ خدمت والا میں بے اجازت چلا گیا۔ آپ نے اس مستحق کو خوب جزر فرمائی سو آپ حق بجانب تھے میں نے یہاں آکر مصلح بنکر آپ کو خط لکھا کہ اتنا غصہ اور ہتک نہ چاہئے رسول اللہ کا ایسا سلوک نہ تھا اور بہت بے باکانہ الفاظ لکھے۔ سواب سن نکمرام نے آپ کی تصنیف تکشف سے متشددین اور معاندین کا بیان پڑھا ہے اور بہت نادم ہے اور شرمسار محروم۔ میں نے خسران دارین لینے میں بڑی جرأت کی۔ کیا آپ مجھے للہ گستاخی معاف فرماتے ہیں یا میرا جرم ناقابل تلافی ہے فاعف عنے

نقل جواب السلام علیکم۔ اگر معافی کے یہ معنے ہیں کہ قیامت میں مواخذہ نہ کروں دنیا میں بد دعا نہ کروں غیبت نہ کروں تو معاف ہے۔ چنانچہ میں نے کسی کو نام بھی نہیں بتلایا بلکہ بستی کا نام بھی نہیں بتلایا کہ کسی کے دل میں بغض نہ ہو جائے اور اگر یہ معنے ہیں کہ دوستوں کا سا تعلق رکھوں یا خط وکتابت یا ملاقات کی اجازت دوں تو معاف نہیں تاکہ پھر کسی پر ظلم نہ کرو۔

۱۲۔ ج ۲ ۱۳۵۲ھ

قابل غور

یہاں ایک امر اور قابل غور عرض ہے کہ باوجود ناگواری کے جو معترض کے گستاخانہ لہجہ اور بیہودہ اعتراضات سے پیدا ہوئی تھی حضرت والا نے اتنی رعایت فرمائی کہ نہ معترض کا خط کسی کو سنایا۔ بلکہ اسی وقت اُسے چاک فرما دیا جیسا کہ حضرت والا کا معمول ہے اور نہ معترض کا نام اور پتہ کسی کو بتایا بلکہ اس درجہ اہتمام کے ساتھ چھپایا کہ ڈاک خانہ کی مُہر کو بھی قلمزد فرما دیا اور اسطرح کہ کوئی پڑھ نہ سکے۔ اور احقر نے صوبہ کا نام دریافت کیا تو وہ بھی نہ بتایا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اُس صوبہ سے بھی کسی کو بغض نہو اور وہاں کے رہنے والے محبین کو شرمندگی بھی نہو۔

علاوہ بریں حضرت والا نے معترض کے توبہ نامہ کے جواب میں ایک مسئلہ دقیق کی تعلیم بھی فرمائی کہ معافی اور چیز ہے دل ملنا اور چیز ہے کیونکہ بشاشت قلب امر غیر اختیاری ہے جو بعض حالتوں میں فوت ہونے کے بعد پھر عمر بھر بھی پیدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت والا اسکی تائید میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو نقل فرمایا کرتے ہیں جو اس باب میں نص صریح ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ حضور سے زیادہ کسکا قلب منور و مطہر اور وسیع و عالی ہو سکتا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بھی حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اُنکے اسلام لانے کے بعد بھی بشاشت پیدا نہ ہوئی تو ہم لوگ تو چیز ہی کیا ہیں حالانکہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے جرم کی معافی اسلام لانے کے بعد یقیناً ہو چکی تھی۔ کیونکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الاسلام یھدم ما کان قبلہ لیکن اُس جرم کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ باوجود معافی ہو جانے کے بھی اُسکا اثر بشکل رنج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں موجود رہا کیونکہ قبل اسلام لانے کے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہایت بیدردی کے ساتھ غزوۂ اُحد میں شہید کیا تھا جسکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ پر نظر پڑتے ہی استحضار ہو جاتا تھا اور اُنکی طرف سے قلب مبارک میں انقباض پیدا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے صاف فرما دیا کہ هَل تَستَطِيعُ اَن تُغَيِّبَ وَجهَكَ عَنِّى اور وہ شام تشریف لے گئے اور پھر جیسی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک تھی کبھی اپنا چہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دکھایا۔ بمصداق ؎

اُرِیدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیدُ ھَجرِی	فَاَترُکُ مَا اُرِیدُ لِمَا یُرِیدُ

جسکا ترجمہ حضرت حافظ رح نے یوں فرمایا ہے ؎

میل من سوئے وصال و قصد او سوئے فراق	ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست

اس واقعہ کو بخاری شریف جلد ثانی غزوہ احد باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ قال وحشی فی حدیث طویل حتیٰ قدمت علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما رانی قال انت وحشی قلت نعم قال انت قتلت حمزۃ قلت قد کان من الامر ما بلغک قال فھل تستطیع ان تغیب وجھک عنی قال فخرجت الخ ف اس واقعہ کے چند ضروری اجزاء فتح الباری سے بھی نقل کیے جاتے ہیں۔ فی فتح الباری فی روایۃ ابن اسحٰق فلما فتح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکۃ ھربت الی الطائف، وایضاً فی روایۃ فلما خرج وفد الطائف لیسلموا تغمیت علی المذاھب فقلت الحق بالیمن او الشام او غیرھا وفی روایۃ الطیالسی فاردت الھرب الی الشام فقال لی رجل ویحک واللہ ما یاتی محمد ا(صلی اللہ علیہ وسلم) احد بشھادۃ الحق الا خلی عنہ قال فانطلقت فما شعر بی الا وانا قائم علی راسہ اشھد بشھادۃ الحق وایضاً فی الفتح وعند یونس بن بکیر فی المغازی عن ابن اسحٰق قال فقیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا وحشی فقال دعوۃ رجل واحد للاسلام احب الی من قتل الف کافر وعند الطبرانی فقال یا وحشی اخرج فقاتل فی سبیل اللہ کما کنت تصد عن سبیل اللہ (ج ۷)

اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معافی کے لئے بشاشت لازم نہیں۔

تنبیہ

حضرت والا کے اس طریق اصلاح بطرز سیاست کے متعلق ایک ضروری تنبیہ بھی قابل عرض اور قابل غور ہے وہ یہ کہ اس طریق خاص کے اختیار کرنے کا ہر شخص ہرگز اہل نہیں لہٰذا عام مصلحین اسکے اختیار کرنے کی ہرگز جرأت نہ کریں ورنہ وہ کورانہ تقلید کر کے اپنا بھی اور طالبین اصلاح کا بھی ناس کرینگے۔ یہ تو صرف اُن خاص الخاص حضرات ہی کا منصب ہے جو نفسانیت سے بالکل نکل چکے ہیں اور جو حدود کی حفاظت پر پورے قادر ہیں محض تقلید سے اس منصب خاص کی اہلیت نہیں پیدا ہو سکتی۔

کورانہ تقلید کرنے والوں کے لئے تو حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ کا یہ ارشاد ہے ؎

تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک خوں میخور	کہ صاحب دل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد

جسکی تفسیر میں حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

صاحبِ دل را ندارد آں زیاں	گر خورد او زہر قاتل را عیاں

آنکہ صحت یافت از پرہیز رست	طالب مسکین میان تپ درست
در تو نمرودی ست در آتش مرو	رفت خواہی اول ابراہیم شو
چوں نہ سباح نے دریائی	در میفگن خویش از خود رائی
او ز قعر بحر گوہر آورد	از زیاں ہا سود بر سر آورد
کاملے گر خاک گیرد زر شود	ناقص ار زر برد خاکستر شود
جہل آید پیش او دانش شود	جہل شد علمے کہ در ناقص رود
ہر چہ گیرد علتے علت شود	کفر گیرد کاملے ملت شود

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود گیر	گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
ہر دو گوں زنبور خوردند از محل	لیک شد زاں نیش وزاں دیگر عسل
ہر چہ مردم می کند بوزینہ ہم	آں کند کز مرد بیند دمبدم
او گماں بردہ کہ من کردم چو او	فرق را کے بیند آں استیزہ جو

اسی مضمون کو حضرت عارف شیرازی رح اسطرح فرماتے ہیں ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند	نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست	کلاہ داری و آئین سروری داند
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست	نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

غرض جو حضرت والا کی تقلید کرے وہ پہلے اپنے اندر حضرت والا کا سا سوء ظن بنفسہ بھی تو پیدا کرلے جسکی وجہ سے حضرت والا باوجود ہر طرح اہل ہونے کے اپنے اس طرز پر برابر نظر ثانی فرماتے رہتے ہیں پھر حضرت والا کی سی شفقت و رعایت اور حضرت والا کا سا ترحم و رفق بھی تو اپنے اندر دیکھ لے۔ جسکی وجہ سے حضرت والا کی ہر سیاست اہل کے لئے نافع اور موجب برکت ہی ثابت ہوتی ہے اور بجائے وحشت و نفرت کے حضرت والا کی جانب قلوب کو اور بھی زیادہ کشش ہوتی ہے اور طالبین کا ہجوم بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اسکے متعلق خود حضرت والا کا ایک ارشاد یاد آیا۔ ایک مولوی صاحب نے حضرت والا کی سیاست کے متعلق یہ آیت پڑھی وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ اور اس سے استدلال کیا کہ یہ سختی قابل ترک ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس آیت سے تو میری ہی تائید ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ میں فظ اور غلیظ القلب نہیں ہوں ورنہ انفضاض اسکے لئے لازم ہے اور یہاں یہ لازم یعنی انفضاض منتفی ہے

پس ملزوم یعنی فظاظت اور غلظت بھی منتفی ہوئی پس اسمیں تو میری ہی تائید ہو گئی۔ نیز حضرت والا کے اس طرز سیاست میں اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ خود فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میرے یہاں عرفی اخلاق ہوتے تو اسقدر ہجوم ہوتا کہ جو کچھ میں نے دینی خدمت کی ہے اور کر رہا ہوں وہ ہرگز ممکن نہ ہوتی۔ نیز اس ہر تو نگ میں آنے والوں کو کوئی موقع ہی خاص نفع حاصل کرنے کا نہ مل سکتا۔ نیز مخلصین و غیر مخلصین میں بالکل امتیاز نہ رہتا۔ خلط مبحث ہو جاتا۔ اب جتنے ہیں بفضلہ تعالیٰ وہ قابل اطمینان تو ہیں کیونکہ ایسا ویسا تو میرے یہاں ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

حضرت والا کی عین سیاست کے وقت بھی انتہا درجہ کی رعایت اور حفظ حدود کے صدہا واقعات ہیں جن میں سے اس جگہ صرف دو واقعے عرض کر کے اس مضمون کو جو طویل ہوتا چلا جا رہا ہے ختم کردونگا ایک واقعہ تو احقر کا دیکھا ہوا ہے اور ایک خود احقر پر گذرا ہوا ہے دیکھا ہوا واقعہ تو یہ ہے کہ ایکبار حضرت والا نے ایک نو وارد دیہاتی طالب کو اسکی کسی بے عنوانی پر بہت زور سے ڈانٹ کر اپنے پاس سے اُٹھا دیا وہ بیچارہ سمجھا کہ میں نکالدیا گیا اسلئے خانقاہ سے باہر جانے کے لئے پھاٹک کی طرف جانے لگا۔ حضرت والا نے پھر ڈانٹ کر فرمایا کہ اُدھر کہاں جاتا ہے مسجد کی طرف کیوں نہیں جاتا۔

احقر یہ شفقت دیکھ کر عش عش کرنے لگا کہ سبحان اللہ غصہ کے وقت بھی کسقدر رعایت ہے کہ ڈانٹ بھی رہے ہیں اور اپنے پاس سے اُٹھا بھی دیا ہے لیکن قطع تعلق نہیں کرتے اور خانقاہ سے نہیں جانے دیتے خود روک رہے ہیں لیکن اس شان کے ساتھ کہ سیاست میں بھی فرق نہ آنے پائے۔

اور دوسرا معاملہ جو خود احقر کے ساتھ ہوا وہ یہ ہے کہ ایک بار احقر کو کسی بے عنوانی پر ظہر کے بعد کی مجلس میں ڈانٹا تھا۔ عصر کی جماعت کے بعد لیکن مصلیوں کے منتشر ہونیکے قبل بہ غایت شفقت خاص طور سے احقر سے فرمایا کہ خواجہ صاحب میں ٹہلنے کے لئے جنگل جا رہا ہوں کیا آپ بھی ساتھ چلیں گے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں اس گفتگو کے بعد حضرت والا نے کچھ دیر توقف فرمایا اور خاموش بیٹھے رہے۔ اور مقتدی بھی صف باندھے بدستور بیٹھے رہے۔ پھر حضرت والا اُٹھے اور احقر کو ساتھ لیکر ٹہلنے تشریف لے گئے۔ راستہ میں احقر سے اس اظہار خصوصیت کا یہ منشا ظاہر فرمایا کہ جن لوگوں کے سامنے ڈانٹا گیا تھا اُن کے قلب میں جو بے وقعتی پیدا ہوئی ہو اُس کا تدارک ہو جائے۔ اور کچھ دیر توقف فرمانے کا یہ راز فرمایا کہ جب اس اظہار خصوصیت کا حاضرین پر اچھی طرح اثر ہو چکے تب اٹھوں ورنہ اگر میں وہ بات کہہ کر فوراً ہی اُٹھ بیٹھتا تو نہ کسیکو سوچنے کا موقع ملتا نہ اسکا استحضار اور اثر ہونے پاتا۔ اھ

سبحان اللہ اس واقعہ سے جذبات کی کتنی دقیق رعایت اور نفسیات میں حضرت والا کی کسقدر جبہ مہارت

ثابت ہوتی ہے۔

عود الی السابق

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ میں مدرسہ عالیہ دیوبند کے پچھلے بڑے جلسہ میں حضرت والا کی تشریف آوری اور اپنی حاضری کا حال عرض کر رہا تھا جس کے ضمن میں حضرت والا کی شان جلال کا ذکر استطراداً چھڑ گیا جس کا احقر کو اول بار مشاہدہ اسی جلسہ میں ہوا تھا۔ پھر اس ذکر کے سلسلہ میں بعض بزرگوں کے اندر جو فطری طور پر شان جلال ہوتی ہے استطراداً ہی اسکی تحقیق بھی شروع ہو گئی جس کی بابت کلام بہت طویل ہو گیا کیونکہ یہ مسئلہ بہت مہتم بالشان تھا اور چونکہ اسکے متعلق لوگ بہت غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اسلئے اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسکے سارے پہلوؤں پر مفصل گفتگو کیجائے۔ لہذا اس موضوع کے متعلق حضرت والا کی جو جو تقریرات بے تکلف یاد آسکیں اور جو جو تحریرات وقت پر بسہولت مہیا کی جا سکیں انکو احقر لکھتا چلا گیا یہاں تک کہ بعون اللہ تعالیٰ شدہ شدہ ایک بڑا ذخیرہ مجتمع ہو گیا جسکا پہلے سے نہ قصد تھا نہ گماں فالحمد للہ

چونکہ حضرت والا کی شان تحقیق و تدقیق بفضلہ تعالیٰ مسلّم طور پر اسدرجہ بڑھی ہوئی ہے کہ جس مسئلہ پر بھی بحث فرماتے ہیں بالخصوص جو باطنی امور کے متعلق ہو اُسپر ایسی جامع مانع تقریر فرماتے ہیں کہ اسکا کوئی پہلو نظرانداز نہیں ہونے پاتا اور پھر اُسکے متعلق کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہتی لہذا یہ ذخیرہ بفضلہ تعالیٰ بہت ہی نادر حقایق و دقائق سے مملو اور اس موضوع پر بالکل کافی ووافی وشافی ہے اور اسکے متعلق ہر اشکال کا رافع ہر اعتراض کا قاطع ہر غلط فہمی کا دافع اور ہر اشتباہ کا نافی ہے۔

گو اس استطرادی مضمون سے بیان سابق مؤخر ہو گیا لیکن الحمد للہ ایک دوسرا اہم مقصود حاصل ہو گیا جو اس باب ارشاد و افاضۂ باطنی سے بہ نسبت اُس مضمون کے جو بیان کیا جا رہا تھا تعلق بھی زیادہ رکھتا ہے۔

اب میں پھر بیان سابق یعنی تذکرۂ شرکت جلسۂ دیوبند کیطرف عود کرتا ہوں جلسہ ختم ہونیکے بعد احقر حضرت والا کے ہمراہ دیوبند سے تھانہ بھون حاضر ہوا اور یہ احقر کی تھانہ بھون میں سب سے پہلی حاضری تھی اور خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی زیارت کا سب سے پہلا موقع تھا۔ جسکا نظارہ ایک انگریزی پڑھے ہوئے اور کالجوں میں زندگی بسر کئے ہوئے اور تصویر کا صرف ایک ہی رُخ دیکھے ہوئے شخص کیلئے ایک بہت ہی عجیب وغریب اور پُرلطف وپُرکیف نظارہ تھا۔ جسکو دیکھئے ثقہ صورت متشرع لباس کوئی تلاوت کر رہا ہے کوئی نماز پڑھ رہا ہے کوئی ذکر میں مشغول ہے کوئی مراقبہ میں محو ہے۔ کوئی درس دے رہا ہے

کوئی تصنیف کر رہا ہے۔ کوئی مطالعہ کتب میں لگا ہوا ہے۔ بالخصوص پچھلی رات کو تو عجیب ہی سماں ہوتا تھا۔ دوران ذکر بس کوئی آہیں کھینچ رہا ہے کسی پر گریہ طاری ہے۔ کوئی بیتاب ہو ہو کر تڑپ رہا ہے۔ کوئی غایت ذوق و شوق میں ہاتھ پاؤں ٹیک رہا ہے۔ کوئی چیخ رہا ہے۔ کوئی کیف میں اشعار پڑھ رہا ہے کوئی رو رو کر دعائیں مانگ رہا ہے۔ اور لطف یہ کہ اندھیرے میں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں کہ کس پر کون سی کیفیت طاری ہے۔ غرض ہر ذاکر ریا سے مطمئن ہو کر اور خوب جی کھول کھول کر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ اور احقر بھی ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا مجلس ذکر کی اس مجموعی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور تمنائیں کر رہا تھا کہ کاش حضرت والا کی نظر توجہ مجھ بے کیف پر بھی ہو جائے اور میرے اندر بھی یہی کیفیات پیدا ہو جائیں۔ گویا بزبان حال یہ کہہ رہا تھا ؎

آنکہ جہاں را بہ نگہ زندہ کرد	کاش بما ہم نظرے داشتے

چنانچہ حضرت والا کا تصور کر کر کے گویا اپنے دولت خانہ ہی میں بیٹھے ہوئے سب خانقاہ والوں کو تڑپا رہے ہیں۔ اور اس منظر سے متاثر ہو ہو کر مجمع ذاکرین میں بیٹھا ہوا میں حسب حال اور مناسب موقع اشعار تصنیف کرتا رہا۔ اور حضرت والا کو خیال میں مخاطب بنا بنا کر نہایت کیف کے ساتھ ان اشعار کو پڑھتا رہا۔ ان اشعار میں سے دو شعر اب تک یاد ہیں جنکو اُس وقت کی کیفیت ظاہر کرنے کے لئے نقل کرتا ہوں ؎

اک وار ادھر بھی قاتل کرتے ہوں ہم بھی شامل	مقتل میں تیرے ہر سو بسمل تڑپ رہے ہیں
کبھی آکے تم بھی دیکھو سرِ قتل گہ تماشا	کہیں سر کٹے پڑے ہیں کہیں دل تڑپ رہے ہیں

غرض خانقاہ میں پہونچکر مجکو ایسا معلوم ہوا کہ میں کسی اور ہی دنیا میں پہونچگیا جسکو روحانی دنیا کہنا زیبا ہے۔ ذکر اللہ کی دلکش صدائیں قلب غافل کو بھی ذاکر بنا بنا دیتی تھیں بقول احقر ؎

دل اینجا میکند اللہ اللہ	کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ

اسپر اپنے ایک اہل حدیث عزیز کا جو اہل دل بھی تھے اور جو ایک بار احقر کے ہمراہ خانقاہ میں حاضر ہوئے تھے مقولہ یاد آیا کہ یہاں تو بڑا لطف ہے اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے ہر وقت اور ہر حال میں ذکر اور تلاوت ہی کی آوازیں کانوں میں پڑتی رہتی ہیں۔ میں تو جہاں چاہتا ہوں لیٹ جاتا ہوں اور پڑا ہوا سنا کرتا ہوں اور مزے لیا کرتا ہوں اور اسی کیف میں سو بھی جاتا ہوں۔ اور جب آنکھ کھلتی ہے تو پھر وہی دلکش صدائیں کانوں میں پڑنے لگتی ہیں یہاں تو بڑا مزا ہے۔ اھ

جلسہ دیوبند کے بعد بہت سے شرکاء جلسہ حضرت والا کے ہمراہ تھانہ بھون بھی حاضر ہوئے تھے حاضرین مجلس کی کثیر تعداد کو دیکھ کر حضرت والا نے فرمایا کہ یہاں بھی گویا ایک چھوٹی سی جلسی ہو گئی۔ مہمانوں کی

کثرت اور جگہ کی قلت کی وجہ سے حضرت والا کی نشست گاہ کی پشت پر جو سمت جنوب یعنی شمال رویہ حجرہ ہے وہ احقر کو ایک اور صاحب کی شرکت میں قیام کے لئے مرحمت فرمایا گیا تھا۔

احقر اسی حجرہ میں تھا اور مناجات مقبول کی منزل پڑھ رہا تھا کہ حضرت والا تشریف لاکر بیٹھ گئے اور مہمانوں کو حسب معمول مطلع فرمادیا کہ جسکا جی چاہے وہ آکر پاس بیٹھ سکتا ہے چنانچہ سب حاضر ہو گئے اور دونوں سہ دری بھر گئیں۔ چونکہ اُس زمانہ میں حضرت والا کی نشستگاہ حجرۂ مذکور کے دروازہ سے بالکل ملی ہوئی تھی اسلئے بوجہ حضرتِ والا کے اپنی نشست گاہ پر تشریف لاکر بیٹھ جانے کے احقر حجرہ سے نکلکر شریک مجلس نہ ہو سکا اور اندر ہی بیٹھا ہوا مناجات مقبول پڑھتا رہا۔ حضرت والا نہایت جوش وخروش کے ساتھ حاضرین مجلس کو ملفوظات سے بہرہ اندوز فرما رہے تھے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ افادات میں اس درجہ منہمک ہیں کہ کسی اور طرف مطلق توجہ ہی نہیں لیکن سینۂ مبارک میں جو عشق حقیقی کی آگ بھری ہوئی تھی اور قلب مطہر کو جو ہر وقت محبوب حقیقی کی لو لگی ہوئی تھی اسکا مجکو کسی قدر اندازہ اُس حالت سے ہوا جو اُسوقت بے اختیار احقر پر طاری ہوئی اور یہ میرا وجدان ہی جو دوسروں پر حجت نہیں ؎ نگہ ناز کی تاثیر مرا دل سمجھا ✦ شمع کے سوز کو پروانۂ محفل سمجھا

تفصیل اُس حالت کی یہ ہے کہ جب حضرت والا حاضرین مجلس سے نہایت شغف کے ساتھ باتیں فرما رہے تھے تو دوران گفتگو میں بار بار اس طرح سانس لے رہے تھے جیسے کوئی کسی کیفیت غریبہ کے غلبہ کے وقت سانس لیا کرتا ہے۔ یعنی سانس کو کسیقدر جھٹکا دے دیکر نتھنوں سے بار بار باہر کو نکال رہے تھے احقر کو جب حجرہ کے اندر مناجات مقبول پڑھتے پڑھتے اسطرف التفات ہوا تو معاً یہ محسوس ہوا کہ حضرت والا کے اسطرح سانس نکلنے کیوقت فوراً ایک آگ سی میرے سینہ کے اندر بھر جاتی ہے اور دل میں ایک سوزش سی پیدا ہونے لگتی ہے۔ چونکہ احقر فطرۃً بہت وہمی اور تنگی مزاج کا واقع ہوا ہے اسلئے کچھ دیر تک تو اس اثر کو محض خیالی سمجھتا رہا لیکن جب ہر بار یہی کیفیت پیدا ہوتے دیکھی تو یقین ہو گیا کہ جب حضرت والا کے قلب پُرسوز میں آتش عشقی زیادہ مشتعل ہونے لگتی ہے تو اسکی ظاہری سوزش کو سانس کے ذریعہ سے فرو کرنے لگتے ہیں بالخصوص جب بعض اوقات بیک وقت دو تین بار اسی طرح سانس کو نتھنوں سے باہر نکالتے تب تو احقر کے قلب میں بہت ہی جلن پیدا ہو جاتی اور ایسا معلوم ہونے لگتا کہ گویا قلب سے اسم ذات جہر وضرب کے ساتھ دمادم نکل رہا ہے۔

جب مجکو یہ کیفیت محسوس ہوئی تو میں سمجھا کہ یہ کوئی وقت خاص ہے جسمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے قلب پر بواسطۂ حضرت والا کوئی فیضان خاص ہو رہا ہے۔ لہذا میں ہمہ تن اُسی کیفیت کی جانب متوجہ ہو گیا اور مناجات مقبول کا پڑھنا بھی منقطع کر دیا پھر تو یہاں تک اثر بڑھا کہ غایت تاثر کی وجہ سے میں نے

بیٹھے بیٹھے اپنی کہنیاں زمین پر ٹیک دیں اور بے اختیار کراہنے کی سی آواز بھی نکلنے لگی لیکن میں ضبط سے کام لیتا رہا کیونکہ حضرت والا حجرہ کے دروازہ سے بالکل ملے ہوئے ہی تشریف فرما تھے۔ پھر بھی حضرت والا تک تھوڑی بہت آواز پہونچ ہی گئی۔ چنانچہ بعد کو فرماتے تھے کہ مجھے حیرت تھی کہ اسوقت حجرہ کے اندر کون ہے کوئی جن تو نہیں آگیا۔ اھ

احقر تو اسوقت قابو سے بھی باہر ہو جاتا لیکن خیریت یہ ہوئی کہ حُسن اتفاق سے حضرت والا نے بوجہ جگہ تنگ ہونے کے دستی پنکھا جھلنے والے صاحب کو حجرہ کے دروازہ کے اندر بٹھا دیا انکی وجہ سے بغرض اخفائے حال میں سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن پھر بھی قلب میں وہی کیفیت پیدا ہوتی رہی۔ بہت دیر کے بعد جب مجلس ختم ہوئی تو احقر بھی باہر نکلا۔ اسوقت حضرت والا نے متعجب ہو کر فرمایا کہ اچھا آپ اندر ہی بیٹھے رہے مجھے اندر سے کچھ آواز سی تو سنائی دی تھی لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے حیرت تھی کہ حجرہ تو خالی ہے پھر یہ آواز کیسی۔ کوئی جن تو نہیں آگیا۔ اھ

اُس زمانہ میں حضرت والا پر اسقدر سوز و گداز کا غلبہ تھا کہ اسکا ظاہر پر بھی اثر پڑتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار میں حضرت والا کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں کسی تنور کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔ باوجود اسکے کہ اسوقت ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی لیکن پیشانی پر پسینہ آجاتا تھا۔ یہاں تک کہ احقر نے حضرت والا سے بھی اشارۃً عرض کر دیا کہ ہوا تو چل رہی ہے پھر یہ گرمی کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ حضرت والا موقع بہ موقع لمبا سا سانس لے لے کر صمیم قلب سے لفظ اللہ بھی کہتے رہتے تھے جس سے اندرونی سوز و گداز کا پتہ چلتا تھا اور اُٹھتے بیٹھتے عجیب عجز و نیاز کے لہجہ میں "اے میرے مالک" بھی کہتے اور یہ دونوں معمول کم و بیش اب بھی جاری ہیں۔

اِسی پہلی حاضری خانقاہ میں ایک اور عجیب کیفیت بھی احقر پر طاری ہوئی وہ یہ کہ حضرت والا جس قسم کی بھی گفتگو کسی سے فرماتے یا جو بھی واقعہ بیان فرماتے خواہ کسی موضوع کے متعلق ہو دینی یا دنیوی اسکو میں من و عن خود اپنے ہی کسی نہ کسی حال باطنی پر منطبق پاتا اور ساتھ کے ساتھ اُسکے ہر ہر جزو کی توجیہ قریب اور وجہ انطباق بھی ذہن میں خود بخود بلا تکلف آتی چلی جاتی اور میں یہ سمجھتا کہ اِن سب حکایات و تقریرات میں حضرت والا کا روئے سخن میری ہی طرف ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو میرے لئے سراپا ہدایت ہی ہدایت بنا دیا تھا۔ مثلاً ایک بار حضرت والا تلاوت فرماتے ہوئے ریل کی پٹری پر صبح کی گشت کیلئے تشریف لئے جا رہے تھے اور احقر کو بھی غایت عنایت سے خموشی کے ساتھ ہمراہ چلنے کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ راستہ میں چند کالی بھجنگ بھینسیں ریلوے لین کو عبور کرتی ہوئی ملیں۔ اُنکو دیکھکر

حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ بھینسیں ایسی کریہ صورت ہوتی ہیں کہ اگر ان سے دودھ کی توقع نہ ہوتی تو انکو کبھی کوئی پالنا گوارا نہ کرتا۔ اھ

احقر کو ہجوم وساوس کی ہمیشہ شکایت رہتی ہے احقر یہ سمجھا کہ حضرت والا وساوس کے متعلق میری تسلی فرما رہے ہیں کہ اس طریق میں بھی ان بھینسوں کی طرح وساوس خطور کرتے ہیں جو بہت ناگوار اور مکروہ معلوم ہوتے ہیں لیکن چونکہ ان سے نفع باطنی حاصل ہوتا ہے اسلئے ان کو گوارا کیا جاتا ہے۔ غرض اسیطرح حضرت والا کے ہر قول کو میں اپنے کسی نہ کسی حال پر منطبق پاتا تھا اور خواہ کوئی مخاطب ہو میں سمجھتا تھا کہ حضرت والا درپردہ مجھی سے خطاب فرمارہے ہیں بفحوائے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں	گفتہ آید در حدیث دیگراں

بلکہ اسکا اتنا یقین ہوگیا تھا کہ اس قسم کی بعض باتوں کا جواب احقر بھی انھیں اشارات میں عرض کردیتا تھا اور بعض خود سمجھ لیتا تھا کہ حضرت والا بھی میرے اس اشارہ کو سمجھ گئے ہیں۔

جب احقر نے اپنا یہ سب حال حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا تو فرمایا کہ میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم اعتبار عطا فرمایا ہے۔ پھر علم اعتبار کی حقیقت بیان فرمائی کہ ایک شے سے دوسری شئے کی طرف بربنائے مناسبت ذہن کے منتقل ہوجانے کو علم اعتبار کہتے ہیں اور اسی کو علم تعبیر بھی کہتے ہیں جسکو اس علم سے مناسبت ہوتی ہے وہ معبر خواب ہوتا ہے کیونکہ خواب میں حقائق اکثر صور مثالیہ میں متمثل ہوتی ہیں۔ پھر ایک بزرگ کی حکایت بیان فرمائی کہ انھوں نے ایک ککڑیاں بیچنے والے کو جو یہ صدا لگاتے سنا کہ الخیار العشرۃ بدانق تو لفظ خیار سنکر انکا ذہن بجائے ککڑیوں کے خیار کے دوسرے معنی یعنی اچھے لوگوں کی طرف منتقل ہوگیا اور یہ کہہ کر کہ جب خیار کی اللہ تعالےٰ کے یہاں یہ قدر وقیمت ہے کہ ایک دانق میں دس دس تو ہم جیسے اشرار کا کیا حال ہوگا ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوکر گر گئے پھر فرمایا کہ بعض صوفیہ نے جو تفسیرات قرآنیہ لکھی ہیں وہ اسی قسم کی تعبیرات سے مملو ہیں۔ مثلاً سورۂ بقر میں بقر سے مراد نفس لیا ہے۔ اور غضب یہ ہوا کہ بعض جاہل صوفی اس قسم کی تفسیرات کو اصل تفسیر سمجھنے لگے جو انکی سخت غلطی ہے۔

غرض حضرت والا کی اس بشارت سے کہ احقر کو علم اعتبار عطا ہوا ہے مجکو بڑی مسرت ہوئی اور جب کچھ عرصے کے بعد یہ حالت فرو ہوگئی اور احقر نے اس فقدان پر اظہار حسرت کیا تو فرمایا کہ کچھ غم نہ کیجئے دیکھئے درخت پر پہلے جھوٹے پھول آتے ہیں جو جھڑ جاتے ہیں پھر سچے پھول آتے ہیں جن سے پھل پیدا ہوتے ہیں افسوس کی کوئی بات نہیں اس قسم کی تغیرات تو اس طریق میں لازم عادی ہیں۔ علم اعتبار کیا چیز ہے آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر دولتیں عطا ہونگی کچھ فکر نہ کیجئے۔ اھ

جب کچھ دن حضرت والا کی خدمت بابرکت سے بہرہ یاب و لطف اندوز ہو کر احقر رخصت ہونے لگا تو کچھ نقد ہدیہ پیش کرنے کیلئے اپنی اچکن کی اوپر والی جیب سے روپیہ نکالنے لگا لیکن چونکہ جیب تنگ تھی اسلئے روپیہ نکالنے میں تکلف ہوا اور کچھ دیر لگی۔ حضرت والا نے مزاحاً فرمایا کہ روپیہ نہیں نکلتا تو اچکن ہی اتار کر مجھے دیدے جائیے میں خود نکال لوں گا۔ اس پرلطف فقرہ نے احقر کے قلب سے اس کیفیت ہیبت و بستگی کو بالکل زایل کر دیا جو حضرت والا کی شان جلال کے مشاہدہ سے جسکا اتفاق احقر کو پہلی ہی بار ہوا تھا مرعوب ہو کر پیدا ہو گئی تھی۔ اور غالباً اسی کیفیت کو محسوس فرما کر حضرت والا نے یہ معاملہ بھی فرمایا تھا تاکہ چلتے وقت احقر کی طبیعت منشرح ہو جائے کیونکہ جذبات پر حضرت والا کی بہت نظر رہتی ہے۔ چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ رخصت کرتے وقت بہت بشاشت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ بجز ان مواقع کے جن میں سیاست کا مقتضا اسکے خلاف ہو۔ ایسے مواقع پر تو رخصت کے وقت بالقصد یاد دلا دیتے ہیں کہ دیکھو تم مجکو اپنی حرکتوں سے اذیت دیکر جارہے ہو اسکو یاد رکھنا تاکہ آیندہ کسیکو نہ ستاؤ۔ اھ

احقر غایت محبت سے وقت بیوقت حضرت والا کے ساتھ ہی لگا رہتا چنانچہ جب مکان تشریف لے جاتے اسوقت بھی ہمراہ ہو لیتا ایک مرتبہ اس پر تنبیہ فرمائی کہ آپ میں غلو بہت ہے اس تنبیہ سے بھی میں مرعوب رہنے لگا تھا۔

مشاہدۂ شان جلال کو میں نے اپنے عریضہ میں جسکا کچھ حصہ اب تک پرانے خطوط میں محفوظ ہے واپسی پر عجیب عاشقانہ رنگ سے لکھا تھا۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

"ابکی بار حضور کی صفتِ جمال اور شانِ جلال جو محض تربیت خدام کے لئے تھی دونوں سے مستفید ہوا ورنہ ابھی تک لاڈ ہی لاڈ میں پلا تھا۔ ؎

صفتِ جمال بھی ہے شانِ جلال بھی ہے		تری سادگی کے قرباں ترے بانکپن کے صدقے	

اگر احقر کی کوئی گستاخی ناگوار خاطر اقدس ہوئی ہو یا ہو تو للہ معاف فرمائیے گا کیونکہ نظن خود میں حضور کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ سادگی و محبت ناواقفیت و جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

رخصت کے وقت حضور کے شفقت بھرے الفاظ نے تمام گرانی جو حضور کی شانِ جلال نے پیدا کردی تھی قطعاً زائل کردی اور اب تک اسکا مزا لیتا ہوں اسوقت بیحد انبساط ہوا تھا اور اب بھی جب سوچ لیتا ہوں تو عجیب حظ حاصل ہوتا ہے" انتہیٰ بلفظہ

احقر پر جو کیفیت حجرہ میں بیٹھے بیٹھے طاری ہوئی تھی جسکی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے احقر نے اسکا بھی مفصل حال تھانہ بھون سے واپس آجانے پر بذریعہ عریضہ عرض کیا تھا کیونکہ بزمانۂ حاضری

تھانہ بھون زبانی عرض کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی تھی۔ اُس کیفیت کا حال لکھنے کے علاوہ احقر نے یہ بھی لکھا تھا کہ افسوس مجکو اپنے امراض باطنی کے اظہار کی بھی قابلیت نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود حضور پُرنور پر میرے امراض روشن فرمادیا کرے تاکہ حضور خود ہی ان کی اصلاح فرماتے رہیں۔ حضرت والا نے اس عریضہ کا جو جواب ارسال فرمایا تھا وہ ایسا پرکیف اور پُراثر اور رنگین تھا کہ اُسنے مجکو بیخود کردیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جسوقت وہ جواب مجکو ملا ہے میں اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ بیٹھا کھانا کھارہا تھا۔ اسکو دیکھتے ہی وہی کیفیت میرے قلب میں پھر عود کر آئی جو تھانہ بھون میں طاری ہوئی تھی۔ اور جسکے متعلق یہ جواب تھا اور جو مفقود ہوچکی تھی اور جسکے فقدان پر احقر نے اپنے عریضہ میں بہت اظہار حسرت کیا تھا اور استدعائے توجہ کے ساتھ آخر میں یہ شعر بھی غایت شوق میں خود تصنیف کرکے لکھا تھا۔

پھر حق پھر اک توجہ کی نظر کر دیجئے	عشق حق کی آگ سے سینہ مرا بھر دیجئے

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت والا کا کرامت نامہ دیکھتے ہی پھر ویسی ہی سوزش سینہ میں پیدا ہوگئی اور جب پڑھنا شروع کیا تب تو وہ عود شدہ کیفیت یہاں تک بڑھی کہ میں کھانا چھوڑ کر مکان کے بالاخانہ پر چلا گیا اور بھائی سے کہہ گیا کہ اوپر نہ آئیں۔ پھر اوپر پہونچکر تنہائی میں چارپائی پر پڑا ہوا خوب لوٹتا اور تڑپتا رہا۔ اس فرمدار جواب کو مزے لے لے کر اتنی مرتبہ پڑھا اور اتنے لوگوں کو سنایا کہ اُسکا اکثر حصہ بلفظہ یاد ہوگیا اور اب تک یاد ہے حالانکہ اسکو پچیس سال سے بھی زیادہ عرصہ ہوگیا ہے۔ اور جواب کا پرچہ گم بھی ہوگیا ہے گو خود احقر کے عریضہ کا کچھ حصہ اب تک محفوظ ہے جو ذوق و شوق کے مضامین سے لبریز ہے۔ جسنے بھی وہ جواب سُنا وہی تڑپ گیا اور اب بھی جسکو سُناتا ہوں عش عش کرنے لگتا ہے بالخصوص حضرت والا کے جوابات کے موجودہ طرز سے موازنہ کرنے کے بعد تو بہت ہی تعجب ہوتا ہے۔

بات یہ ہے کہ اُس زمانہ میں حضرت والا پر عاشقانہ رنگ کا بہت غلبہ تھا اور اب حکیمانہ رنگ غالب ہے جو انفع و اکمل ہے۔ چنانچہ خود حضرت والا نے بھی اس جواب کو ایک بار احقر سے سنکر فرمایا کہ اُس زمانہ میں میں خود بھی تو بہت بے چین تھا اور اب تو بالکل روکھا پھیکا ہوگیا ہوں اور پھر یہ مثال دی کہ بعض موسموں میں تو کھچڑی کم کھائی جاتی ہے چٹنی زیادہ مثلاً گرمیوں اور لو دھوپ کے زمانہ میں برخلاف اسکے سردیوں میں کھچڑی زیادہ کھائی جاتی ہے اور چٹنی صرف کبھی کبھی بس ایک دو انگلی چاٹ لی۔ گو کھچڑی چٹنی کے مقابلہ میں بالکل رُوکھی پھیکی ہوتی ہے لیکن جزو بدن وہی زیادہ ہوتی ہے۔ چٹنی تو محض ایک چاٹ کی چیز ہے اھ اسی مضمون کو ایک بار اور طرح بیان فرمایا تھا۔ صبح کی مشی کے لئے تلاوت فرماتے ہوئے تشریف لئے جارہے تھے احقر بھی ہمراہ تھا راستہ میں دو کھیت پڑے ایک تو پک چکا تھا اور ایک میں ابھی

پھول ہی آرہا تھا جو پک چکا تھا وہ تو بالکل خشک تھا اور دوسرا نہایت خوش منظر اور ہرا بھرا۔ فوراً فرمایا کہ متوسط اور منتہی میں بس ایسا ہی فرق ہوتا ہے جیسا اِن دو کھیتوں میں۔ گو دیکھنے میں تو یہ ہرا بھرا کھیت نہایت خوش منظر ہے لیکن ابھی وہ سوائے اسکے اور کسی کام کا نہیں کہ کاٹ کر بیلوں کو کھلا دیا جائے۔ بس جانوروں کا چارہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اور دوسرا گو دیکھنے میں تو بالکل سوکھا سا کھارو کھا پھیکا ہے لیکن اسمیں دانہ پڑ گیا ہے اور پک سوکھ کر بالکل تیار ہو گیا ہے جب چاہیں کاٹ کر اُس سے غلہ حاصل کر لیں جو انسان کا مدارِ حیات ہے اور جو کھیت کا اصل مقصود ہے۔ اھ

اسکی چند مثالیں باب شرف بیعت و استفاضۂ باطنی میں بھی گذر چکی ہیں جن کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

غرض حضرت والا کا وہ زمانہ بہت ہی جوش و خروش کا زمانہ تھا اسلئے اُس زمانہ کے جواباتِ خطوط بھی بہت رنگین اور پُرجوش ہوتے تھے۔ چنانچہ احقر کے عریضۂ مذکورہ کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔

آپ کا خط آیا حرفاً حرفاً پڑھا۔ بہت لذت آئی بس لکھنے والے کو لکھتے وقت کیا کچھ لذت آئی ہوگی۔

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا　　جب تو نے یہ مے ظالم شیشہ میں بھری ہوگی

یہ سب رنگیاں حضرت عشق طال بقاؤہٗ کی ہیں جن پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں نوشید و خروشید سب فال نیک ہے انشاء اللہ تعالیٰ اسیطرح ؎

تا دمِ آخر دمے آخر بود　　کہ عنایت با تو صاحب سر بود

آپ بیکار فکروں میں نہ پڑئے ؎

من غمِ تو میخورم تو غم مخور　　بر تو من مشفق ترم از صد پدر

کبھی طالب کی توجہ سے اُسکے قلب کو شیخ کے قلب سے اتصال ہو کر شیخ کے قلب کی کیفیات متعدی ہونے لگتی ہیں یہ جو حکایت آپ نے لکھی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔ اھ

حضرت والا کی اس تحقیق سے احقر کے اس گمان کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ جو مجھ پر اثر ہوا تھا وہ حضرت والا ہی کی کیفیات قلبیہ کا انعکاس تھا۔

حضرت والا نے جو اپنے جواب میں مذکورہ بالا شعر تحریر فرمایا تھا اس نے مجکو خاص طور سے کئی دن تک مست رکھا یہاں تک کہ اسی بحر و قافیہ میں خود میں نے بھی حسب حال کچھ اشعار تصنیف کر لئے تھے جنمیں سے یہ دو شعر اب تک یاد ہیں ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیے لاکھوں جنت میں ملیگا سب جسمیں جسے راحت ہو	اُس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی ہمکو تو پسند اپنی شوریدہ سری ہوگی

واقعی اُس زمانہ میں شورش و سوزش اسدرجہ محبوب تھی کہ جب بعض اوقات کچھ سکون سا محسوس ہونے لگتا تو یہ خیال ہوتا کہ کہیں مطلوب تک جلد رسائی نہ ہو جائے ورنہ پھر یہ شورشِ طلب کا لطف کہاں رہیگا۔ اُسوقت یہ خبر نہ تھی کہ ؎

اے برادر بے نہایت در گہیست نہ گردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا	ہر چہ بروے می رسی بروے مایست کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

چونکہ احقر ہمیشہ بغرض اصلاح اپنا کچا چٹھا اور خطرات و وساوس تک حضرت والا کے حضور میں عرض کرتا رہتا تھا جیسا کہ حضرت والا کا بھی حضرت حاجی صاحب رح کے ساتھ یہی طریق عمل خود حضرت والا ہی سے سُنا تھا۔ اسلئے میں نے اپنے اس بے تکے خیال کو بھی حضرت والا کی خدمت میں عرض کر دیا اسپر حضرت والا نے ہنسکر فرمایا کہ آپ کا بھی عجیب مذاق ہے۔ چونکہ یہ خیال ناشی تھا لذت اشتیاق سے نہ کہ نعوذ باللہ اعراض سے بقول کسی مغلوب الحال کے ؏ من لذتِ دردِ تو بہ درمان نفروشم" نیز محض خطرہ کے درجہ میں تھا اسلئے حضرت والا نے اسپر بجائے اظہار نفرت کے محض اظہار تعجب فرمایا۔

پہلی بار کی حاضری تھانہ بھون کے بعد تو پھر حاضری کا ایسا چسکا لگا کہ تھانہ بھون بقول شخصے گھر آنگن ہو گیا۔ چنانچہ میری واپسی کے بعد کے پہلے عریضہ میں جسکا آخری حصہ اب تک محفوظ ہے یہ جملہ بھی موجود ہے "حضور کی زیارت اور وہ بھی تھانہ بھون کی زیارت کو بے حد جی ترستا ہے طبیعت سیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر اللہ تعالیٰ جلد نصیب کرے آمین"۔ جب کوئی چھٹی پڑتی خواہ دو ہی دن کی ہوتی نہایت اشتیاق کیساتھ بتیابانہ بلکہ اکثر آخری شنبہ اور اتوار کی چھٹی میں فتحپور جیسے دور دراز مقام سے حاضر ہوتا۔ حالانکہ مشکل سے صرف بارہ گھنٹے ہی خدمت بابرکت میں قیام کے لئے ملتے اور بہت سے روپیہ کرایہ میں صرف ہو جاتے۔

ایک بار تو سہارنپور کے جلسہ میں جہاں حضرت والا بھی تشریف لیگئے تھے اور کچھ بیمار تھے صرف پانچ گھنٹے ہی قیام کے لئے ملے تھے کیونکہ صرف ایک دن یعنی اتوار ہی کی چھٹی تھی لیکن بفضلہ تعالیٰ اس قلیل قیام میں کثیر فیض لیکر آیا کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ احقر کو سب سے پہلے اُسی حاضری میں خاص قوت کے ساتھ حضور مع اللہ کی کیفیت قلب میں محسوس ہوئی تھی جو حضرت والا کی خاص توجہ کی برکت تھی کیونکہ احقر کے اتنے لمبے سفر اور اتنے مختصر قیام سے حضرت والا بہت متاثر ہوئے تھے۔

ہر حاضری میں مجھے حضرت والا کی توجہ کا اسقدر اثر محسوس ہوتا تھا کہ میں لوگوں سے یہ کہا کرتا تھا کہ

اگر پچاس روپیہ بھی خرچ ہو جائیں اور صرف اتنا موقع مل سکے کہ ایک نظر حضرت والا مجھے دیکھ لیں اور ایک نظر حضرت والا کو میں دیکھ لوں تب بھی میں اُس ایک نظر کے مقابلہ میں پچاس روپیہ کی کچھ بھی پروا نکروں بلکہ اسکو نہایت ارزاں اور بسا غنیمت سمجھوں بقول ؎

ایکہ یک دیدار تو دیدار ھا	اے نثارِ دید تو دینار ہا
جماوے چند وادم جاں خریدم	بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

چونکہ حضرت والا سے بارہا نہایت شد و مد کے ساتھ صحبت شیخ کے منافع سُنتا رہتا تھا اسلئے اگر کبھی نفس مزاحمت بھی کرتا تب بھی حسب ارشاد حضرت والا کہ نیک کاموں میں دل کے چاہنے نہ چاہنے پر مدار کار نہ رکھنا چاہیئے ہمت اور اختیار سے کام لینا چاہیئے ٹکٹ لیکر یہ کہتا ہوا اپنے آپ کو ریل گاڑی کے اندر داخل کر دیتا۔

ع "دل پہ قابو نہیں تن پر تو ہے قابو اپنا" جب عقلاً اسکا استحسان معلوم ہے پھر پس و پیش کی کوئی وجہ نہیں ٹکٹ خریدنا اختیار میں ہے ریل میں بیٹھ جانا اختیار میں ہے پھر چاہے نفس کچھ ہی کہتا رہے۔

نیز بارہا لمبی لمبی رخصتیں بلا تنخواہ اور نصف تنخواہ پر لے لے کر حاضر خانقاہ رہا اور اگر کبھی بوجہ فطری تلون اور امور دُنیا سے طبعی دلچسپی کے دل اُچاٹ ہونے لگتا تو امیر مینائی مرحوم کا یہ شعر پڑھ دیتا ؎

لاکھ اُبھارے وحشتِ دل کوئے جاناں سے امیر	میں نہ صحرا کی طرف جاؤں نہ گلشن کی طرف

نیز حضرت والا کی معیت میں لمبے لمبے سفر بھی کئے۔ کیونکہ علاوہ قلبی اشتیاق کے حضرت والا سے یہ بھی سُن چکا تھا کہ اگر موقع ملے تو طالب کو کبھی کبھی شیخ کے ساتھ سفر بھی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ سفر میں زیادہ معیت رہتی ہے اور مختلف قسم کے سابقے پڑتے ہیں جس سے دل کھل جاتا ہے اور مل جاتا ہے اور باہم مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور مناسبت ہی پر فیض کا دار و مدار ہے۔ نیز ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ معیت سفر اصلاح میں بھی بہت معین ہوتی ہے کیونکہ سفر میں شیخ کو طالب کے مختلف قسم کے حالات و معاملات کے مشاہدہ کا موقع ملتا ہے۔ جن پر وہ روک ٹوک کر سکتا ہے۔ یہ موقع حضر میں مستبعد ہے اسیطرح طالب کو بھی شیخ کے بعض ایسے معاملات سے سبق حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے جنکا اتفاق حضر میں نہیں ہوتا۔ اھ

حضرت والا کی معیتِ سفر تو بالخصوص علاوہ نہایت پر لطف ہونے کے نہایت ہی نافع ثابت ہوتی تھی کیونکہ اول تو حضرت والا کا ہر معاملہ سبق آموز ہوتا تھا اور خود بھی مواقع ضرورت میں بکثرت روک ٹوک فرماتے رہتے تھے جسکی کچھ تفصیل باب سفر میں عرض کیجا چکی ہے۔ غرض احقر کو حضرت والا کے اس ۲۸ سال کے تعلق میں الحمد للہ حضرت والا کے سفر و حضر کے ہزارہا قسم کے نہایت سبق آموز اور دلچسپ

حالات وواقعات ومعاملات دیکھنے اور ملفوظات وارشادات ونصائح سُننے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ جو احاطۂ بیان سے باہر ہیں۔ بالخصوص اُنکے تاثرات جو قلب میں موجود ہیں وہ تو کسی طرح بیان میں آ ہی نہیں سکتے بقول احقر ؎

زباں بے دل ہے اور دل بے زباں ہے ہائے مجبوری	بیاں میں کس طرح وہ آئے جو دل پر گذرتی ہے

تاہم بطور نمونہ چند مسلسل واقعات کو تو اوپر بیان کیا جاچکا ہے اور چند متفرق واقعات وملفوظات ومکتوبات کو جو بے تکلف یاد آتے چلے جائینگے بلا لحاظ اسکے کہ وہ دوسرے رسالوں میں قلمبند کئے جاچکے ہیں یا نہیں ذیل میں بعنوان واقعہ بیان کئے دیتا ہوں بفحوائے ؎

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را	تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را

واقعہ نمبر ۱

ایکبار کی حاضری میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک اہل علم ذاکر شاغل نے جو مقیم خانقاہ تھے اپنے کسی دوست کو اپنے حالات باطنی لکھ کر بذریعۂ ڈاک بھیجدئے اور لکھا کہ یہاں ایسے ایسے برکات حاصل ہو رہے ہیں تم بھی آکر حاصل کرو۔ اسکی حضرت والا کو اتفاق سے خبر ہوگئی۔ چونکہ حضرت والا کو طالبین کے اندر سے رذائل نفس کے ازالہ کا بیحد اہتمام رہتا ہے اور اصلاح نفس کو بمقابلۂ اذکار واشغال واجب التقدیم سمجھتے ہیں اسلئے ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے بعد ظہر وہ اتفاقاً حضرت والا کے پاس ہو کر گذرے تو اُسوقت سرسری طور پر چپکے سے تنبیہ فرمائی کہ تمہیں اپنے حالات باطنی جو اسرار ہیں دوسرے پر ظاہر کرتے ہوئے شرم نہ آئی جسمیں ایک گونہ دعویٰ بھی ہے۔ پھر بعد عصر اُنھوں نے بغرض عرض حال پرچہ دینا چاہا تو نہایت غصہ کے لہجہ میں جھڑک دیا اور لینے سے انکار فرمادیا۔ اور فرمایا کہ جناب ابتو آپ ماشاء اللہ کامل ہو گئے ہیں۔ میں کاملین کی اصلاح کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ اب آپ کسی اور جگہ تشریف لیجائیے میں آپ کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ پھر حضرت والا نے انکا اسباب نکلوا کر باہر رکھوا دیا اور خانقاہ سے نکلجانے کا حکم صادر فرمادیا۔ اسپر وہ صاحب ڈھاڑیں مار مار کر رونے لگے لیکن چونکہ حضرت والا باوجود انتہا درجہ رقیق القلب ہونے کے کبھی حسب ارشاد خود اپنی طبیعت کو عقل پر غالب نہیں آنے دیتے۔ لہذا باوجود ان کے رونے اور عرض معروض کرنے کے اپنے حکم اخراج کو جو سراسر مصلحت پر مبنی تھا نہیں بدلا۔ چونکہ نماز عصر کے بعد ہی یہ قصہ چھڑگیا تھا اسلئے سب مقتدی ابھی صف باندھے ہی بیٹھے تھے جسمیں احقر بھی شامل تھا۔ حضرت والا وہیں بیٹھے ہوئے دیر تک عبدیت و فنا کے مقصود اصلی ہونے پر نہایت ہی موثر اور پُر جوش تقریر فرماتے رہے۔ سب مقتدیوں پر ایک سکتہ کا عالم طاری تھا اور احقر کو تو اپنی ناکارگی و نااہلی کا اسدرجہ استحضار ہوا کہ

مارے شرم کے صف سے کسی قدر پیچھے کو ہٹ گیا کیونکہ اپنی گندی حالت پر نظر کر کے اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا کہ دینداروں کی صف میں بھی بیٹھ سکوں۔

اسی تقریر میں حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ لوگ کشف کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کوئی چیز نہیں کیونکہ اسکو قرب میں کچھ بھی دخل نہیں۔ بعضوں کو کشف سے نظری مناسبت ہوتی ہے۔ بعضوں کو نہیں جیسے بعضوں کی نظر پیدائشی طور پر دور میں ہوتی ہے بعضوں کی نزدیک میں۔ پھر مسجد کے سقاوہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فرض کیجئے ایک شخص کی نظر تو صرف سقاوہ ہی تک پہونچتی ہے اور ایک کی باہر سڑک تک تو کیا جسکی نظر سڑک تک پہونچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقرب ہو گیا۔ یہ تو محض نظر کی ایک قسم ہے اسکو قرب سے کیا علاقہ۔ اسیطرح طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ بعضوں کو کشف سے فطرۃً ہی مناسبت نہیں ہوتی وہ لاکھ ریاضت و مجاہدہ کریں انھیں عمر بھر بھی کشف نہیں ہوتا بھلا کشف کو بزرگی سے کیا تعلق۔ اصل چیز تو عبدیت ہے۔ واللہ اگر کسی کو لاکھ کشف ہوں اور وہ پھر اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے تو وہ محسوس کریگا کہ میرے قرب میں ذرہ برابر بھی ترقی نہیں ہوئی۔ برخلاف اسکے اگر دو چار مرتبہ بھی سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھکر اپنے وجدان کو دیکھے تو اسکو صاف محسوس ہوگا کہ کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب بڑھ گیا۔ اہل ذوق جب چاہیں اسکا تجربہ کرلیں۔ اھ

غرض دیر تک مضمون عبدیت ہی پر تقریر فرماتے رہے۔ احقر پر اُس تقریر کا یہ بھی ایک خاص اثر ہوا تھا کہ تمام وساوس جن کے ہجوم سے میں ہمیشہ نہایت سخت پریشان رہا کرتا تھا بالکلیہ مندفع ہو گئے۔ یہانتک کہ پھر سوچنے سے بھی نہیں آتے تھے۔ مجھے اُس فرمن مرض سے شفایاب ہو جانے کی اسدرجہ مسرت ہوئی جیسے عین حالت یاس میں دوبارہ زندگی حاصل ہو گئی ہو۔ یا گویا از سر نو ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہو جسپر اگر سلطنت بھی قبضہ میں ہوتی تو نثار کر دینے کو جی چاہتا تھا اور اسوقت نہایت ذوق و شوق کے ساتھ یہ مصرع ورد زبان تھا ع بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را۔

وساوس کے لئے مرض کا لفظ میں نے مجازاً استعمال کیا ورنہ حضرت والا تو ہجوم وساوس کو مرض ہی نہیں قرار دیتے کیونکہ مرض باطنی تو وہی ہوتا ہے جسمیں کوئی ضرر دینی ہو اور وساوس میں نص صریح لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا دینی ضرر مطلق نہیں۔ بلکہ اگر کوئی ہجوم وساوس کی یا محض میلان الی المعاصی بلا عمل و عزم عمل کی شکایت کرتا ہے تو سب سے پہلے یہی ضابطہ کا سوال فرماتے ہیں کہ اس میں دینی ضرر کیا ہے۔

الغرض احقر کو وساوس کی دیرینہ شکایت رفع ہو جانے سے بیحد مسرت ہوئی اور جسوقت حضرت والا مذکورہ بالا

تقریر فرما کر تشریف لیجانے لگے تو احقر نے مجملاً اس اثر کا حال عرض کیا جس پر مسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ جی ہاں نافع تقریر تھی۔ حضرت والا تو تشریف لے گئے لیکن احقر پر برابر وہی کیفیت طاری رہی جو حضرت والا کی تقریر دلپذیر سے پیدا ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ میں بعد مغرب حضرت والا کی سہ دری میں تنہا بیٹھا ہوا اُسی کیفیت میں سرشار حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی ایک مناجات کا یہ شعر نہایت مزے لے لے کر پڑھنے لگا ؎

تو کر بیخبر ساری خبروں سے مجکو	الٰہی رہوں اک خبردار تیرا

پھر تو حضوری حق کا اسقدر غلبہ ہوا کہ اُسکے سرور کیف نے مجکو بیخود کر دیا یہاں تک کہ میرے ہاتھ پاؤں بھی بے قابو ہو گئے۔ جب یہ کیفیت زیادہ بڑھی تو بے اختیار جی چاہا کہ حضرت والا کی خدمت میں پہونچکر قدموں پر لوٹنے لگوں۔ چنانچہ فوراً اٹھ کر حضرت والا کے دولت خانہ کی طرف چلا۔ چونکہ ہاتھ پاؤں بالکل بے قابو ہو رہے تھے اسلئے لڑکھڑاتا کانپتا اور دیواروں کا سہارا لے لے کر اپنے آپ کو گرنے سے سنبھالتا ہوا در دولت پر پہونچا۔ وہاں حضرت والا کے خادم دیرینہ بھائی نیاز خاں ملے۔ وہ میری حالت کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ پوچھا خیریت تو ہے۔ میں نے کراہتے ہوئے کہا کہ بھائی ذرا حضرت کو بلا دو۔ حضرت والا اندر تشریف فرما تھے۔ اُنھوں نے فوراً میری اس حالت کی اطلاع کی۔ حضرت والا اُسوقت اتفاق سے ڈھیلہ لئے ہوئے ٹہل ٹہل کر چھوٹا استنجا خشک فرما رہے تھے۔ میری حالتِ غیر سنکر گھبرائے ہوئے اُسی حال میں باہر تشریف لے آئے۔ اور پوچھا کہ خیریت تو ہے کیا حال ہے۔ احقر دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ حضرت نے تو آج مجکو بڑی دولت عطا فرما دی۔ میں تو پڑا لوٹ رہا تھا اور جوش مسرت میں خوشی کے آنسو بہا رہا تھا اور بار بار دیوانہ وار یہی عرض کر رہا تھا کہ حضرت نے تو میرے اوپر آج بڑا ہی احسان کیا۔ بڑے سخت مرض سے نجات بخشی۔ بڑی دولت عطا فرمائی۔ اسوقت مجکو پورا ہوش تھا نہ بالکل بیہوشی کچھ بین بین سی حالت تھی۔

حضرت والا کا ایک ہاتھ تو گھرا ہوا تھا صرف ایک ہاتھ خالی تھا اُس سے مجکو اُٹھایا اور بھائی نیاز خاں کی مدد سے مجکو لا کر ایک چارپائی پر جو قریب ہی بچھی ہوئی تھی لٹا دیا اور میرے قلب پر اپنا دست مبارک رکھ رکھ کر بار بار فرمانے لگے کہ ذرا دل کو سنبھالئے چونکہ میرے ہوش اچھی طرح بجا نہ تھے میں چارپائی پر پڑا ہوا حضرت والا ہی کے ہاتھوں سے اپنے مسرت کے آنسوؤں کو پونچھنے لگا۔ اور بے تکلف ہو ہو کر عرض کرنے لگا کہ آج تو حضرت کو بھی میری اس حالت پر بڑی خوشی ہو رہی ہو گی۔ حضرت والا نے نہایت مسرت کے ساتھ فرمایا کہ جی ہاں کیوں نہیں مجکو تو اپنے سب احباب کی خوشحالی سے مسرت ہوتی ہے پھر فرمایا کہ اس حالت کو اصطلاح صوفیہ میں بسط و انس کہتے ہیں جو قبض و ہیبت کے مقابل ہے۔ الحمدللہ جو حالات اور جگہ برسوں کے مجاہدوں میں بھی نہیں پیدا ہوتے ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کے یہاں بفضلہ تعالیٰ

ہفتوں میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ اھ

ف یہ حضرت والا کا غایت ادب وعقیدت اور انتہائی منّت شناسی واداۓ حق محبت ہے کہ اپنے سارے کمالات کو حضرت حاجی صاحبؒ ہی کیطرف منسوب فرماتے ہیں اور نہایت وثوق کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے تو اپنی حالت اچھی طرح معلوم ہے آخر حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے قبل بھی تو میں تحصیل علوم اور مدرسی کئے ہوئے تھا لیکن وہ باتیں جو حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کے بعد ذہن میں آنے لگیں وہ اس سے پہلے کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آتی تھیں لہذا یہ حضرت حاجی صاحبؒ کا فیض نہیں تو اور کیا ہے۔ اھ

اسی مضمون کے متعلق حضرت والا کا ایک اور نہایت کار آمد ملفوظ یاد آیا۔ کسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ تکمیل کے بعد بھی بقاۓ فیض کی شرط یہ ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ عمر بھر اعتقاد اور امتنان کا تعلق قائم رکھا جاۓ۔ ہاں تکمیل کے بعد تعلیم کی حاجت البتہ نہیں رہتی۔ اھ

اس استطرادی فائدہ کے بعد میں پھر بیان واقعہ کی طرف عود کرتا ہوں حضرت والا کی توجہ کی برکت سے جب کچھ دیر بعد اس کیفیت میں جسکا میں ذکر کر رہا ہوں کچھ افاقہ ہوا اور مجھے قدرے سکون ہو گیا تو میں اٹھکر ادب سے بیٹھ گیا پھر حضرت والا اندر تشریف لیگئے۔

احقر حضرت والا ہی کا مہمان تھا اور ایک صاحب اور بھی مہمان تھے ہم دونوں کے لئے اندر سے کھانا آیا جسمیں پلاؤ بھی تھا۔ گو احقر کو قدرے سکون ہو گیا تھا لیکن ابھی کیفیت بالکل فرو نہ ہوئی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں پلاؤ کو لقموں سے نہ کھا رہا تھا بلکہ مٹھی میں بھر بھر کر کھیل سا کرتا جاتا اور کھاتا جاتا تھا اور جوشِ مسرت میں دیوانہ وار قہقہے لگا رہا تھا۔ دوسرے مہمان صاحب کو میری اس حالت کی تو کچھ خبر بھی نہیں وہ میری اس حرکت پر اعتراض کرنے لگے۔ لیکن بھائی نیاز نے ان سے کہدیا کہ یہ اسوقت معذور ہیں انسے کچھ نہ کہیۓ انکی اسوقت حالت اور ہے اسپر مجکو یہ شعر یاد آتے ہیں ؎

ما اگر قلاشس وگر دیوانہ ایم	مستِ آں ساقی وآں پیمانہ ایم
کمن عیب درویش حیران ومست	کہ غرق است ازاں میزند پا و دست

یہ تو احقر کی حالت کا بیان ہوا۔ اب ان مولوی صاحب کا بھی حال سنئے جن کی بدولت حضرت والا کی وہ تقریر پر تاثیر سننے میں آئی تھی جسنے مجکو از خود رفتہ کردیا تھا۔

حضرت والا نے انکو تنبیہاً وتہدیداً خانقاہ سے نکال ہی دیا۔ پھر وہ جاکر کسی اور مسجد میں رہے تین چار دن تک سخت پریشانی اٹھائی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ واستغفار اور گریہ وزاری کرنے کے بعد انھوں نے

حضرت والا کی خدمت میں دوسرے کی معرفت طلب معافی کا پرچہ بھیجا - چونکہ ان کو کافی تنبیہ ہو چکی تھی اور قلب سے عجب وپندار بالکل نکل چکا تھا جس کا احساس حضرت والا کے قلب مطہر کو ہو گیا اس لئے حضرت والا نے معافی عطا فرما دی اور تحریر فرما دیا کہ اب میں آپ کی طرف سے اپنے قلب میں مطلق کدورت نہیں پاتا - جو وجداناً علامت ہے آپ کے قبول توبہ کی لہذا اب آپ کو پھر خانقاہ میں آجانے کی اجازت ہے چنانچہ وہ پھر حاضر خانقاہ ہو کر مشغول ذکر وشغل ہو گئے - وہ صاحب حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز سے بیعت تھے اور بعد وفات مولانا رح حضرت والا سے اصلاح کے طالب ہوئے تھے وہ صاحب خود احقر سے فرماتے تھے کہ مجکو ان تین چار دنوں میں بے انتہا نفع حاصل ہوئے پھر تو وہ بفضلہ تعالیٰ صاحب اجازت ہو کر تشریف لے گئے اور ملک بنگال میں اُنسے مخلوق کثیر کو فیض پہونچا پھر انتقال فرما گئے جسکو عرصہ دراز ہو گیا اللہ تعالیٰ بخشے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے -

صدہا بار کا تجربہ اور مشاہدہ ہے جسکی بعض نظائر اپنے موقع پر عرض بھی کیجا چکی ہیں کہ حضرت والا کی سیاست بس تنقیہ کا خاصہ رکھتی ہے جس سے ان کی ان میں کامل تصفیہ ہو جاتا ہے اور وہ سیاست بس اس آیت کی مصداق ہوتی ہے عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم جسکی تصدیق طالب کو بعد میں ہوتی ہے جب وہ اسکے نتائج نافعہ مشاہدہ کرتا ہے - ف - اس کل واقعہ سے حضرت والا کی شان ارشاد اور قوت افاضہ ظاہر وباہر ہے -

واقعہ نمبر ۲

ایک بار حضرت والا بعزم سفر ریلوے اسٹیشن تھانہ بھون پر ریل کے انتظار میں تشریف فرما تھے احقر بھی حاضر تھا کیونکہ حضرت والا کے ہمراہ سفر میں رہنے کا قصد تھا -

چونکہ حضرت والا حسب معمول احتیاطاً ریل کے وقت سے پہلے اسٹیشن پہونچ لئے تھے اسلئے کچھ دیر انتظار کرنا پڑا - اور چونکہ حسب عادت بہت سے حضرات حضرت والا کو رخصت کرنے اسٹیشن تک آئے تھے اسلئے حضرت والا سب کو اپنے ملفوظات سے مستفیض اور لطف اندوز فرما رہے تھے - چنانچہ ایک صاحب کا تذکرہ فرمایا جو قاری تھے اور حضرت والا کے مدرسہ میں مدرس تھے کہ وہ اکثر لٹھ کندھے پر رکھے ہوئے اور ایک پائینچہ پنڈلیوں تک چڑھائے ہوئے مدرسہ میں ٹہلا کرتے - میں نے جو انھیں ایک بار اس حال میں دیکھا تو میں نے کہا کہ ہاں قاری صاحب ذرا یہ مصرعہ بھی گنگناتے جایئے ع - ان دنوں جوش جنوں ہے ترے دیوانوں کو - اُسوقت حضرت والا نے نہ معلوم کس کیفیت سے متاثر ہو کر یہ مصرعہ پڑھا تھا کہ اسکو سنتے ہی بس میرے اندر بھی

ایک جوش جنوں ہی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ مجھے اسوقت پانی کی ضرورت تھی پانی لینے کے واسطے لوٹہ ہاتھ میں لئے چلا جارہا تھا اور اسی مصرعہ کو نہایت کیف کے ساتھ مزے لے لے کر گنگناتا جاتا تھا۔ واپسی تک یہی مصرعہ ورد زبان رہا۔

جب حضرت والا سے آنکھیں دو چار ہوئیں تو حالت کا ایسا غلبہ ہوا کہ میرے ہاتھ پاؤں قابو سے باہر ہونے لگے۔ اور میں گرنے کے قریب ہو ہوگیا۔ اسوقت مجکو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ اگر مجمع عام کے سامنے زمین پر گر گیا تو بڑی ہنسائی ہوگی۔ لہذا خاص اہتمام کے ساتھ بمشکل اپنے آپ کو سنبھالے رہا یہاں تک کہ ریل آگئی اور حضرت والا مع اپنے رفقاء کے ایک ڈبہ میں بیٹھ گئے۔ جناب حافظ عبد اللطیف صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور جناب حافظ عبد المجید صاحب تھانوی بھی رفیق سفر تھے۔ احقر مہتمم صاحب سے ملا ہوا بیٹھا تھا۔ ریل میں بیٹھ کر بھی حالت کا غلبہ بدستور باقی رہا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں بیٹھا ہوا بے قابو ہو ہو کر مہتمم صاحب کی طرف جھک جھک پڑتا تھا اور انکے اوپر گر گر پڑتا تھا۔ اور ڈر ڈر کر اپنے دل میں بلکہ چپکے چپکے زبان سے بھی کہہ رہا تھا کہ اگر یہ حالت بڑھی تو لوگ کیا کہیں گے۔ جب کسیطرح یہ حالت فرو نہ ہوئی تو اپنی جیب میں سے ایک مستعمل لفافہ نکالکر اسکو پھاڑ کر پشت کی طرف جہاں کچھ لکھا ہوا نہ تھا یہ شعر لکھ کر حضرت والا کی خدمت میں پیش کر دیا ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا	دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

کیونکہ یہ شعر اسوقت بالکل احقر کے حسب حال تھا۔ حضرت والا نے اس پرچہ کو پڑھ کر عجب انداز کے ساتھ فرمایا کہ کیا میں اسکو اپنے پاس تعویذ بنا کر رکھ لوں۔ اس پرلطف ارشاد سے اس کیفیت میں بجائے سکون ہونے کے اور ترقی ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد حافظ عبد المجید صاحب سے فرمایا کہ اچھا حافظ جی ذرا پنسل تو دیجئے۔ لاؤ خواجہ صاحب کو اس پرچہ کا جواب ہی لکھدوں پھر حافظ جی سے پنسل لیکر میرے شعر کے نیچے یہ شعر تحریر فرما دیا ؎

گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں	مانمی خواہیم ننگ و نام را

اور پھر میرا پرچہ مجکو واپس فرما دیا۔ مجھے حیرت ہوگئی کہ میں ہنسائی اور بدنامی ہی کا تو میں اندیشہ کر رہا تھا اور اسی کے متعلق حضرت والا نے جواب میں شعر تحریر فرما دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت والا کو میری اس کل حالت کا اچھی طرح احساس اور انکشاف ہوگیا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد حضرت والا کی توجہات کی برکت سے اور احقر کی جانب بار بار نظر فرمانے کے اثر سے مجکو الحمد للہ سکون ہوگیا بمصداق قول احقر ؎

جادو سا کیا یہ اے نگہ یار کر دیا	مجذوب سے بھی مست کو ہشیار کر دیا

ف۔ اس واقعہ سے بھی حضرت والا کی قوت افاضہ اور اس زمانہ کا غلبۂ ذوق و شوق اور جوش و خروش

ظاہر وباہر ہے۔

واقعہ نمبر ۳

حضرت والا طالب کی تسلی ایسے موثر اور دل پذیر عنوان سے فرماتے ہیں کہ عین یاس کی حالت میں بھی فوراً ڈھارس بندھ جاتی ہے اور تسلی محض الفاظ ہی کی نہیں ہوتی بلکہ تسلی کا جو مضمون یا بشارت تقریراً یا تحریراً ارشاد فرماتے ہیں اسکو سنتے ہی اور دیکھتے ہی مخاطب اپنے اندر حالاً بھی محسوس کرنے لگتا ہے اور حضرت مولانا رومی رو کے ارشاد ع وعدہا باشد حقیقی دلپذیر کا فوراً ہی ظہور اور مشاہدہ ہو جاتا ہے اس امر کا کہ حضرت والا کے یہاں طالبین کی بڑی تسلی ہوتی ہے موافقین اور مخالفین منتسبین اور غیر منتسبین سب کو اقرار ہے چنانچہ حال میں ایک اپنے ہی حضرات کے سلسلہ کے ایک شیخ نے اپنے کچھ اُلجھے ہوئے حالات ایک دوسرے ہم سلسلہ شیخ کے پاس استعلاجاً پہونچائے تو مؤخر الذکر شیخ نے باوجود حضرت والا سے بعض امور میں سخت اختلاف ہونے کے فرمایا کہ ایسے اُلجھے ہوئے حالات کا حل تو بس تھانہ بھون ہی میں ہو سکتا ہے۔ اھ

سچ ہے الفضل ما شهدت به الاعداء

دیگر

ایک اور شیخ کے مرید نے حال ہی میں حضرت والا کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ مجکو اپنے حالات عرض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے کیونکہ مجکو حضرت کے مواعظ پڑھ کر بہت تسلی ہوتی ہے بالخصوص وساوس تو محض حضور کے تصور ہی سے دفع ہو جاتے ہیں یہ بھی لکھا کہ گو مجھ کو اپنے شیخ سے عقیدت ہے لیکن حضور کی عقیدت غالب ہے اور یہ بھی لکھا کہ میری پریشانی کا سبب یہ ہے کہ میں نے بیعت میں عجلت کی۔ اھ۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا دیکھئے بیعت میں عجلت کرنے کے یہ نتائج ہیں اور میں جو بیعت میں عجلت سے منع کیا کرتا ہوں اور دیر کیا کرتا ہوں اسکی یہی وجہ ہے۔

حضرت والا کی خدمت میں دوسرے شیوخ کے مریدین کے اکثر اسی قسم کے خطوط آتے رہتے ہیں اور حضرت والا بضرورت اس شرط پر کہ اپنے پیر سے سوء ظن نہ رکھیں محض تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں۔

ایک انگریزی کے طالب علم کو دفعتہً منجانب اللہ مطلوب حقیقی کی ایسی طلب دامنگیر ہوئی کہ وہ انگریزی چھوڑ چھاڑ کر پیر کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے اُنکے قریب ایک بدعتی پیر تھے جو بہت مشہور تھے اُنسے جاکر

مشورہ لیا تو خدا کی شان کہ باوجود اختلاف مشرب اُنھوں نے بھی اُنکو حضرت والا ہی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا لیکن حضرت والا نے اُن صاحب کو دیوبند میں تحصیل علوم کرنے اور بغرض سہولت وہیں حضرت مولانا دیوبندی سے بیعت ہوجانیکا مشورہ دیدیا چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا ف واقعات مذکورہ میں اہل واقعات کے نام قصداً انہیں ظاہر کئے گئے تاکہ کسی کو ناگواری نہو اور صرف انھیں واقعات میں نہیں بلکہ اس رسالہ اشرف السوانح کے اکثر واقعات میں ایسا ہی کیا گیا ہے۔

اب اس مضمون تسلی کے متعلق احقر اپنے بھی چند خاص واقعات عرض کرتا ہے اور چونکہ وہ سب ایک ہی باب کے واقعات ہیں اسلئے اُن سب کو ایک واقعہ قرار دیکر واقعہ نمبر ۳ ہی کے ذیل میں مجتمعاً تحریر کئے دیتا ہے

ایک بار احقر نے نہایت حسرت کے ساتھ عرض کیا کہ حضرت جو کچھ صفائی باطن حضور کی صحبت بابرکت سے حاصل ہوتی ہے وہ حضرت سے جدا ہونے کے بعد مکروہات دنیا میں پھنسکر رفتہ رفتہ سب غت ربود ہو جاتی ہے یہ سنکر فوراً نہایت تسلی بخش لہجہ میں فرمایا کہ جی پھر مضائقہ ہی کیا ہے آپ اپنے کپڑے میلے کر ڈالتے ہیں دھوبی انکو دھو دیتا ہے۔ آپ پھر میلے کر ڈالتے ہیں دُھوبی پھر دھو دیتا ہے۔

دیگر

ایک بار میں نے عرض کیا کہ حضرت ایک تو معمولی مریض ہوتا ہے۔ کھانسی زکام یا جاڑہ بخار کا اور ایک مریض ہوتا ہے تپ دق کا۔ میں تپ دق کا مریض ہوں لہٰذا بہت زیادہ محتاج توجہ ہوں۔ فرمایا کہ مبارک ہو یہ تو علامت ہے نسبت باطنی کی کیونکہ نسبت باطنی بھی تپ دق کی طرح رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے اور کبھی زائل نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ جس کیفیت کو آپ مرض سمجھ رہے ہیں وہ مرض ہی ہے بعضے آثار مشترک ہوتے ہیں مرض میں اور حال محمود میں جیسے سرایت۔

دیگر

ایک بار عرض کیا کہ حضرت میرے قلب کی بھی عجیب ڈانواڈول حالت ہے فرمایا کہ اصلی قلب تو آپ ہی کا ہے کیونکہ قلب کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو ایک حالت پر نہ رہے منقلب ہوتا رہے۔

دیگر

ایک بار احقر نے اپنی کسی باطنی پریشانی کے متعلق لکھا کہ سخت اُلجھن میں ہوں تحریر فرمایا کہ یہ اُلجھن مقدمہ ہے سُلجھن کا ان مع العسر یسرا ع چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بیں۔ اھ

یہ جواب لطائف کے تذکرہ میں بھی اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔

دیگر

اسیطرح ایک عریضہ کے جواب میں جسمیں ظاہری و باطنی پریشانیوں کا حال عرض کیا گیا تھا تحریر فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ فلاح دارین حاصل ہوگی دل بھی گواہی دیتا ہے۔ یہ جواب بھی اوپر بسلسلہ واقعہ ترک ڈپٹی کلکٹری نقل کیا جاچکا ہے۔

دیگر

ایک مرتبہ احقر نے اپنے حالات کا عریضہ لکھا جسمیں یہ بھی عرض کیا تھا کہ حضور کے تذکرہ کا شوق اسدرجہ غالب ہے کہ جوش میں آکر بعض اوقات اوروں کے سامنے اپنے مخفی حالات کا بھی ضمناً ذکر کر ڈالتا ہوں حالانکہ مبتدی کے لئے اظہار اسرار بوجہ مضر ہونے کے ممنوع ہے۔ جواب تحریر فرمایا کہ سب حالات محمود ہیں صرف تلوین کا تمکین سے مبدل ہونا باقی ہے سوانشاء اللہ تعالیٰ اسیطرح ہو رہیگا۔ ہانڈی میں کیسے کیسے جوش اُٹھتے ہیں اور یہ سب علامات ہیں اُسکے قطع منازل کی تکمیل کی طرف پھر آخر میں خود کیسا سکون ہو جاتا ہے یہ اس کی سکینی حالت ہے۔

ع۔ کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور۔ خالی گانا بطور خود تنہائی میں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کچھ مضائقہ نہیں ع کہ نوشید و جوشید و مستی کنید کسی ناکارہ کے تذکرہ میں اگر اپنا اظہار حال ہو جاوے تو چونکہ مقصد نہیں اسلئے مذموم نہیں ع کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن۔

دیگر

ایک عریضہ میں احقر نے عدم انضباط اوقات کی شکایت لکھی۔ تحریر فرمایا کہ میں حالت موجودہ ہی میں آپ کو کامیابی کی بشارت دیتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہرگز محروم نہ رہیں گے میرے اس قول کی دلیل ہے

اندریں رہ می تراش و می خراش	تا دمے آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دم آخر بود	کہ عنایت با تو صاحب سر بود
کوئے نومیدی مرو کامیدہاست	سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

دیگر

اسیطرح ایک عریضہ میں احقر نے یہ شکایت لکھی تھی کہ انضباط اوقات کا پختہ عزم کرلیا تھا لیکن پھر ٹوٹ گیا اس مضمون کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ خیر اضاعت وقت میں بھی اطاعت بخت کا مسئلہ حل ہوا کہ انسان تقدیر حق کے سامنے عاجز ہے کہ ارادہ تو کیا تھا ضبط اوقات کا اور ہوگیا خبط اوقات انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کا منکشف ہونا بھی ترقی کا زینہ ہوگا ف اس عریضہ کا پورا جواب اپنی بیعت کے واقعات میں ضمناً نقل کیا جاچکا ہے

دیگر

ایک بار احقر نے عریضہ لکھا کہ اب کی بار کی حاضری میں حضرت والا کے فیض صحبت سے بفضلہ تعالیٰ قلب میں ایک ایسی اچھی کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ اُس قسم کی کیفیت اس سے پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی تھی لیکن افسوس کہ واپسی کے بعد کچھ دن باقی رہ کر رفتہ رفتہ بالکل زائل ہو گئی۔ اسپر ایک ایسی لطیف تحقیق تحریر فرمائی کہ جو ہمیشہ کے لئے گویا مشعل راہ ہو گئی اور اگر طالبین ہمیشہ اسکو اپنے پیش نظر رکھیں تو تقلبات طریق سے کبھی پریشان نہوں۔ تحریر فرمایا کہ کسی کیفیت کا طاری ہونا اور چندے جاری رہنا یہ بھی بسا غنیمت ہے ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل اور ایمان ہے۔ باقی سب میں آمد و رفت رہتی ہے اھ۔ اس جواب سے احقر کو بیحد نفع ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا باب حقیقت مفتوح ہو گیا۔

دیگر

احقر ہجوم وساوس سے بہت پریشان رہا کرتا تھا جن سے اپنے ایمان کے متعلق بھی تردد پیدا ہو گیا تھا بالآخر گھبرا کر ایک عریضہ میں اپنے سب وساوس تحریر کر دئے اور عرض کیا کہ اب حضرت والا ہی ایسے حالات میں تحریر فرمائیں کہ مجھ میں ایمان ہے یا نعوذ باللہ خدانخواستہ میں اس دولت سے محروم ہی ہوں۔ لیکن یہ ملحوظ خاطر رہے کہ یہ فیصلہ ایک مجدد اور قطب الارشاد کے یہاں سے ہوگا اگر وہاں سے بھی مایوسی ہوئی تو پھر میرا کہیں ٹھکانا نہیں بڑی جرأت کر کے توکلاً علی اللہ یہ سوال کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہی خیر رکھے اھ

اسپر حضرت والا نے ایمان کی بشارت دیکر یہ شعر تحریر فرمایا ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست	سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

احقر نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر میرے یہ ناگفتہ بہ حالات معلوم فرما کر حضور نے مجکو چھوڑ دیا اور نظر توجہ ہٹالی تو پھر یہ سمجھ لیجئے کہ سوائے جہنم کے میرا کہیں ٹھکانا نہ ہوگا۔ اسپر تحریر فرمایا کہ خدا نہ کرے توجہ کیوں ہٹانے لگا پھر یہ شعر تحریر فرمایا ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است	زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

دیگر

ایک بار احقر خدمت فیضدرجت سے رخصت ہوتے وقت بہت دلگیر ہونے لگا تو نہایت شفقت کے لہجہ میں فرمایا کہ دلگیر ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ الحمد للہ سرمایہ تسلی ہر وقت پاس ہے یعنی تعلق مع اللہ

دیگر

ایک بار احقر معتد بہ رخصت لیکر بغرض اصلاح حاضر خانقاہ ہوا تو آتے ہی ایک پرچہ پر اپنا تصنیف کردہ

یہ شعر لکھ کر پیش کیا ؎

نہیں کچھ اور خواہش آپ کے در پر میں لایا ہوں	مٹا دیجئے مٹا دیجئے یہاں مٹنے کو آیا ہوں

فوراً نہایت وثوق کے لہجہ میں فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ اھ

دیگر

ایک بار احقر نے اپنے بہت سے امراض باطنی لکھ کر پیش کئے اور اپنی اصلاح سے مایوسی ظاہر کی کہ ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ اور لکھا کہ اتنے سارے امراض سے کیونکر نجات ممکن ہے۔ تحریر فرمایا کہ کچھ بھی مشکل نہیں صرف دو چیزوں کا التزام کر لیجئے استحضار اور ہمت اھ

سبحان اللہ سبحان اللہ کیا مختصر اور جامع مانع گر تعلیم فرما دیا جو تمام اصطلاحات کو حادی ہے اور یہ وہ کلی ہے جسکے اندر اصلاح کی ہر چھوٹی سے چھوٹی جزئی داخل ہے جسکو تمام اصطلاحات کی گویا میزان الکل کہنا چاہیئے۔ احقر پر تو اس جواب کو پڑھ کر حال طاری ہوگیا تھا اور ان دو لفظوں کے متعلق اس کثرت سے مضامین کا ورود ہوا تھا کہ اگر اُسوقت لکھنے بیٹھ جاتا تو ایک رسالہ کا رسالہ تصنیف ہو جاتا اسکا ارادہ بھی ہوا لیکن افسوس تساہل نے پورا نہ ہونے دیا پھر وہ سب مضامین ہی ذہن سے نکل گئے۔ البتہ اُس گر کو سہولت استحضار کے لئے ایک شعر میں محفوظ کر لیا تھا جو اب تک یاد ہے۔ وہ یہ ہے ؎

بتایا ہے جو گر حضرت نے استحضار و ہمت کا	عجب یہ نسخۂ اکسیر ہے اصلاح اُمت کا

واقعی اگر اپنے عیوب کا استحضار رکھا جائے اور وقت پر ہمت سے کام لیا جائے تو کسی گناہ کا صدور ہی نہو۔ اور ہمت کے متعلق حضرت والا نے فرمایا ہے کہ جس ہمت کے بعد کامیابی نہو وہ ہمت ہی نہیں بلکہ ہمت کی محض نیت ہے ف۔ سبحان اللہ ہمت کی کیا نفیس اور قابل استحضار حقیقت ظاہر فرمائی ہے

دیگر

چونکہ احقر بہت ہی بے تکا اور بدانتظام واقع ہوا ہے اور ادھر حضرت والا نہایت درجہ منتظم بقول احقر

انکو ملی فرزانگی ہمکو ملی دیوانگی	مجذوب ہم وہ ہوشیار ایک اسطرف ایک اسطرف

اسلئے اس ناکارہ سے حضرت والا کو اکثر اذیت پہونچتی رہتی تھی اور اب بھی بکثرت پہونچتی رہتی ہے لہذا ایک بار احقر نے معذرت چاہی فوراً نہایت شفقت سے فرمایا کہ اگلی پچھلی سب کوتاہیاں معاف ہیں بیفکر رہیئے پھر یہ آیت پڑھی لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر۔ اللہ تعالیٰ مجھے فہم سلیم اور توفیق ادب عطا فرمائے تاکہ مجھ سے کبھی حضرت والا کو کسی قسم کی ایذا نہ پہونچے۔ آمین ثم آمین۔

مضمون تسلی کے متعلق استطراداً دیگر طالبین کے بھی بعض واقعات اس مقام پر عرض کئے جاتے ہیں۔

ایک صاحب نے لکھا کہ معمولات تو بفضلہ تعالیٰ جاری ہیں لیکن قلب میں فرحت نہیں پیدا ہوتی۔ تحریر فرمایا کہ خدا کا شکر کیجئے رحمت تو ہے فرحت نہیں ہے نہ سہی۔ فرحت تو محض اسکی ایک لونڈی ہے انشاء اللہ وہ بھی اپنی باری میں حاضر ہو جاوے گی۔ اھ حضرت والا کی برکت سے اس لطیف اور دلپذیر جواب کو پڑھتے ہی اُنکی طبیعت فوراً منشرح ہو گئی چنانچہ اُنھوں نے دوبارہ حضرت والا کو لکھا کہ حضرت والا کی دعا کی برکت سے الحمد للہ وہ لونڈی بھی حاضر ہو گئی ہے۔

اُن صاحب کے والد بزرگوار جو ریاست کدورہ کے دیوان رہ چکے تھے اور شاعر بھی تھے اور بہت اچھا ذوق ادب رکھتے تھے اس جواب پر عش عش کرنے لگے اور حیرت کرتے تھے کہ مولانا کو یہ نوابوں اور بیگمات کی اصطلاحیں کہاں سے معلوم ہو گئیں۔ فرحت عموماً لونڈیوں کا نام بھی ہوا کرتا ہے اور لونڈیوں کی باریاں بھی مقرر رہتی ہیں۔ احقر انکو حضرت والا کے مطبوعہ مواعظ بہت سنایا کرتا تھا۔ ایک دن فرمانے لگے کہ مولانا تو نثر میں شاعری کرتے ہیں۔

دیگر

ایک بار احقر نے حضرت والا کے حسن تعلیم اور مضمون تسلی کے تذکرہ میں حضرت والا سے عرض کیا کہ ایک مرتبہ احقر کی والدہ صاحبہ نے بواسطہ احقر حضور سے شکایت کی تھی کہ دوران ذکر میں ادھر اُدھر کے فضول فضول خیالات بہت پریشان کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بچپن تک کے واقعات بھی خواہ مخواہ یاد آنے لگتے ہیں تو حضور نے فرمایا تھا کہ ایسے خیالات کا کچھ غم نہ کریں بلکہ مباح خیالات کو غنیمت سمجھیں کیونکہ وہ وقایہ ہو جاتے ہیں معاصی کے خیالات کے۔ اگر اُنسے دل بالکل خالی ہو جائے تو پھر معاصی کے خیالات آنے لگیں۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کا غلبہ نصیب فرماویں گے تب یہ بھی جاتے رہیں گے۔

احقر سے اس واقعہ کا ذکر سنکر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ جو کچھ میں مباح خیالات یا وساوس کے متعلق کہا کرتا ہوں وہ سب اپنی ہی گذری کہا کرتا ہوں۔ استدلالی طور پر نہیں بلکہ اپنا مشاہدہ بیان کیا کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ سب حالتیں خود مجھ پر بھی گذر چکی ہیں ورنہ محض تحقیق کے طور پر کہتا تو مبتلا کو تسلی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ اُسوقت تو بڑی کلفتیں اُٹھائیں لیکن اب تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اُسنے مجکو سارے عقبات کی سیر کرادی۔ ایک مخالف سے ایک شخص نے باطن کے متعلق مشورہ لیا تو اُسنے میرا نام لیکر کہا کہ تسلی اگر چاہتے ہو تو وہاں جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تسلی دینے میں اُس شخص کو خاص مہارت عطا فرمائی ہے ویسے محض تحقیق کرنا چاہو تو جہاں چاہے جاؤ۔ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ سب حضرت حاجی صاحبؒ کا رنگ ہے۔ وہاں کی برابر کہیں تسلی دیکھی ہی نہیں۔ اور واقعی اس سے جسقدر سلوک طے ہوتا ہے کسی سے نہیں ہوتا کیونکہ اس سے حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق

پیدا ہو جاتا ہے اور محبت ہی اقرب طرق ہے۔ اسی لئے مجکو اسکا بڑا اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کی جائے اھ ف یہ واقعہ حسن العزیز جلد اول میں بھی مذکور ہے

دیگر

ایک صاحب سے جو وساوس سے سخت پریشان تھے مفصل مضامین تسلی بیان فرماکر آخر میں فرمایا کہ میاں بھلا جسکے سر پر اللہ ہو پھر اسکو کیا فکر شیطان اُسکا کیا بگاڑ سکتا ہے ع دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی تر است خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنّہ لیسَ لہٗ سلطانٌ علی الذین اٰمنوا وعلیٰ ربھم یتوکلون اھ

دیگر

ایک مخلص دیندار نے جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ العزیز سے بیعت ہیں مدرسہ دیوبند کے موجودہ فتنہ وفساد کے سلسلہ میں بعض علماء وممبران مدرسہ کے خلاف بدظنی کے وساوس پیدا ہونے کی بہت طویل داستان لکھی اور لکھا کہ چونکہ ان سب حضرات سے بوجہ خاص دیوبندی خیال اور سلسلۂ امدادیہ میں داخل ہونے کے پختہ عقیدت مندی ہے اسلئے کسی صاحب کی طرف بھی بدگمانی کا خیال نہیں ہو سکتا اور گو یہ سیہ کار اس قابل کہاں جو بزرگان دین کی رائے اور مصلحت میں دخل دے سکے لیکن میرا ناقص خیال جسطرف یقین کے ساتھ جھکتا ہے اسطرف سے ہٹنا دشوار ہو جاتا ہے لہذا مجبوری ہے اور سخت خلجان میں ہوں احقر کا اطمینان فرمایا جائے الخ

حضرت والا نے اسکا حسب ذیل بہت مختصر مگر نہایت تسلی بخش اور جامع مانع جواب ارقام فرمایا جو یہ ہے۔

آپ نے اپنے دین کی درستی کے لئے بہت محنت کی انشاء اللہ تعالیٰ اسکا اجر ملیگا چونکہ ہر مریض کیلئے جدا نسخہ نافع ہوتا ہے اسلئے جو نسخہ آپ کیلئے نافع ہے لکھتا ہوں وہ یہ کہ ع کار خود کن کار بیگانہ مکن۔ زبان وقلم وقلب سے سکوت رکھیں پریشانی پر صبر کریں نہ کسی کے معتقد رہیں نہ کسی سے بداعتقاد کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایذا دہ ہیں۔ قیامت میں اسکی پوچھ بھی آپ سے نہ ہوگی والسلام

دیگر

ایک صاحب نے غلبۂ خشیت میں لکھا کہ مجکو بڑا خطرہ ہے۔ تحریر فرمایا کہ یہ خطرہ تو بحر معرفت کا قطرہ ہے اللہ تعالیٰ اسکو بڑھا کر دریا کر دے۔ اھ

دیگر

ایک صاحب نے لکھا کہ کبھی قبض ہے کبھی بسط کبھی غم ہے کبھی خوشی عجیب حالت ہے۔ اھ

خط بہت طویل تھا لیکن حضرت والا نے صرف اسکے ایک گوشہ پر بہت ہی مختصر سا جواب لکھ کر بھیجدیا جسپر بلا مبالغہ دریا کو کوزہ میں بند کرنا صادق آتا ہے۔ تحریر فرمایا کہ مجموعی حالت قابل شکر ہے جسکے سب اجزاء ایک ہی

دریائے محبت کی موجیں جنکی حرکت بھی پُربہار اور سکون بھی موجب قرار۔ مبارک۔ اطمینان سے اپنے کام میں لگے رہئے میں بھی دعا میں مشغول ہوں۔ اھ

دیگر

ایک صاحب جائداد رئیس وساوس کفریہ میں مبتلا تھے! انھوں نے اپنا مفصل حال لکھ کر پیش کیا اور آخر میں عرض کیا کہ اگر حضور یہ اطمینان دلا دینگے کہ وجود باری تعالیٰ دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے تو مجھے بلا دلائل معلوم کئے ہی اطمینان ہو جائے گا۔ کیونکہ میں حضور کی عقل کا بیحد معتقد ہوں۔ اسپر حضرت والا نے غایت وثوق اور نہایت شد و مد کے ساتھ تحریر فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ کا وجود ایسے دلائل عقلیہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ بڑے سے بڑے فلسفی منکر کو بھی ساکت کیا جا سکتا ہے ذرا بھی گنجائش انکار نہیں! اھ

اس جواب کو پڑھتے ہی صاحب موصوف کی ساری پریشانی دفع ہو گئی اور یہاں تک مسرت کا جوش بڑھا کہ اس خوشی میں حضرت والا سے بیساختہ یہ اجازت طلب کی کہ میں اپنی سب جائداد حضور کے نام ہبہ کردوں لیکن حضرت والا بھلا اسکو کیوں قبول فرمانے لگے تھے۔

دیگر

کل ہی کی بات ہے یعنی ۲۵۔ رجب ۱۳۵۴ھ کو جمعہ کے بعد کی مجلس میں ایک بہت معتقد اور نہایت دیندار وکیل صاحب کے خط کے بعض فقرے اور اُن فقروں کے متعلق اپنے جوابات سُنائے۔ وہ وکیل صاحب حضرت والا کی خدمت میں بیس بائیس روز قیام کر کے حال ہی میں واپس گئے ہیں۔ اُنھوں نے لکھا کہ حضرت یہاں کی تو دنیا ہی بدلی ہوئی ہے۔ حضرت نے اسکا جواب ارقام فرمایا۔ کہ خیر الحمد للہ دین تو بدلا ہوا نہیں اھ

یہ بھی اُن وکیل صاحب نے لکھا کہ وہاں ہر بات میں انوار معلوم ہوتے تھے یہاں نہیں معلوم ہوتے تحریر فرمایا کہ وہ (یعنی عدم انوار) بھی خیر ہے ع کہ آب چشمۂ حیواں درون تاریکیست۔ اھ پھر اس جواب کے متعلق زبانی فرمایا کہ یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے کیونکہ ایسی حالت میں اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اسکو اجر زیادہ ملتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اخیر زمانہ میں دین کا سنبھالنا ایسا مشکل ہوگا جیسا چنگاری کو ہاتھ میں پکڑنا۔ اس زمانہ میں اگر کوئی ایک عمل نیک کریگا تو اسکو پچاس عاملوں کا ثواب ملیگا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ منا او منھم یعنی ہم میں کے پچاس یا ان میں کے پچاس ارشاد فرمایا منکم یعنی تم میں کے پچاس۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر اسوقت کوئی ایک نیک کام کرے اسکو پچاس ابو بکر رضہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ ہے باریکی اس تاریکی میں ف سبحان اللہ حضرت والا کے بھی

کیا پر لطف الفاظ ہوتے ہیں اور کیسے اعلیٰ معانی ہوتے ہیں۔ بس بالکل یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بہار عالم حُسنش دل وجاں تازہ میدارد	برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

اُن وکیل صاحب نے یہ بھی لکھا کہ وہاں سے آنے کے بعد ابھی تک طبیعت متوحش ہے اسکا جواب حضرت والا نے یہ ارقام فرمایا کہ یہ تو رحمت ہے اگر مانوس ہو جاتی تو یہ علامت تھی عدم احساس کی۔ اھ غرض نہایت تسلی بخش جوابات تحریر فرمائے جو حقیقت کے بھی بالکل مطابق تھے۔

دیگر

ایک طالب اصلاح نے کشاکش نفس کی شکایت کی تو نہایت شفقت کے ساتھ فرمایا کہ بھائی جب دو پہلوانوں میں کشتی ہوتی ہے تو یہ نہیں ہوتا کہ ایک تو زور لگائے جائے اور دوسرا اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہی ڈالدے اور اپنے مقابل کو خود موقع دیدے کہ وہ اُسکو آسانی سے پچھاڑ سکے۔ یہ تو نفس سے کشتی ہے اپنا سارا زور لگانا چاہیئے پھر اگر پُورا غلبہ نہ حاصل ہو تو کم از کم یہ تو ہو کہ کبھی تم نے اسکو پچھاڑ دیا کبھی اُسنے تم کو پچھاڑ دیا لیکن ہمت کسی حال میں نہ ہارنا چاہیئے پھر جب اللہ تعالٰے دیکھیں گے کہ یہ بیچارہ اپنا سا زور لگا رہا ہے تو غلبہ بھی عطا فرما دینگے۔ غرض ہمت نہ ہارنا چاہیئے اور مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

دیگر

ایک صاحب اجازت نے گھر پہنچکر عریضہ لکھا کہ وہ حالت قلب کی جو خانقاہ میں تھی وہ رخصت ہوتی جاتی ہے اسکے بقا کی اگر کوئی صورت ہو تو فرمائی جاوے۔ حضرت والا نے اسکا جواب تحریر فرمایا کہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے یُوں نہ فرماتے ولکن یا حنظلۃ ساعۃ وساعۃ اھ اُنھیں نے یہ بھی لکھا تھا کہ قلب کی حالت نہایت خراب ہے غفلت قلب میں گھر کر گئی دعا بھی اور علاج بھی فرمایا جاوے اسکا جواب تحریر فرمایا کہ العلاج بالضد وھو محل الاختیار والجد۔

دیگر

ایک صاحب نے لکھا کہ اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے اُدھیڑ بن کے اور کچھ نہیں۔ اسکا جواب ایسا جامع مانع تحریر فرمایا کہ جو عمر بھر کے لئے دستور العمل بنانے کے قابل ہے اور چونکہ وہ بہت مہتم بالشان مضمون ہے اسلئے احقر کی درخواست پر حضرت والا نے اسکا تسہیل الطریق نام بھی رکھ دیا ہے جسکو تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔

مکتوب ملقب بہ تسہیل الطّریق

خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اسکا تو علاج ہی نہیں باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں اختیاری میں ہمت سے کام لیں اگر کوتاہی ہو جاوے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

ف سُبحان اللہ سُبحان اللہ سُبحان اللہ سارا طریق اس مختصر سے جواب میں آگیا۔ دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے کوئی اس زریں دستور العمل کی قدر کام کرنے والوں سے پوچھے اور اُن سے جنکا اسپر عملدر آمد ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے طفیل سے اس ناکارہ کو بھی اسپر سختی کے ساتھ کاربند ہونے کی توفیق بخشے اور حضرت والا کے درجات اور علوم و معارف کو روز افزوں ترقی بخشے اور ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے آمین آمین آمین

دیگر

ایک صاحب نے جن کے شیخ حج کو گئے ہوئے تھے ہجوم وساوس سے پریشان ہو کر حضرت والا کی خدمت میں نہایت پر درد عریضہ لکھا۔ حضرت والا نے جواب میں ایسا تسلی بخش مضمون تحریر فرمایا کہ اسکو پڑھتے ہی اُن کے سارے وساوس دور ہو گئے اور ساری پریشانی کافور ہو گئی چنانچہ اُنھوں نے پھر دوسرا عریضہ ارسال خدمت کیا جو تبویب تربیت السالک باب ہشتم کے پہلے صفحہ کے حاشیہ سے لفظاً لفظاً نقل کیا جاتا ہے۔

"الحمد للہ اب نہ وساوس کا ہجوم ہے نہ اوہام وہ ہوا جس کا تلاطم قطعی طور سے نیست و نابود ہو گئے۔ حضور کا کس زبان سے اور کیسے شکریہ ادا کیا جاوے جو اس آڑے وقت میں اس ناچیز اور سراپا قصور کی دستگیری فرمائی گئی ہے۔ آقائے عالم ذات بابرکات کو باعث فیوض و خیرات ہمیشہ ہمیشہ تا قیام قیامت قائم رکھیں اور نظر توجہ و شفقت کی بیجانب بیچارہ مبذول آمین"

احقر جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ ایک انھیں صاحب کا کیا ہزاروں سرگشتگان طریق کا مشاہدہ ہے کہ حضرت والا سے رجوع کرتے ہی ساری حیرانی و پریشانی دور ہو جاتی ہے اور گویا منزل مقصود قریب ہی نظر آنے لگتی ہے اور یہ محض مضامین کا اثر نہیں بلکہ حضرت والا کی دعا و توجہ اور مقبولیت عند اللہ کی برکت ہے۔ ورنہ محض الفاظ میں اسقدر جبہ اثر کہاں بفحوائے ارشاد حضرت مولانا رومی رحمہ

گر نبودے نالۂ نے را اثر	نے جہاں را پُر نہ کردے از شکر

خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ گو میرے جواب بہت مختصر ہوتے ہیں لیکن مبتلا کے اسقدر حسب حال ہوتے ہیں کہ اگر کوئی میرا خط پہونچنے کے وقت وہاں موجود ہو تب مکتوب الیہ پران جوابوں کا اثر دیکھے۔ بعضے تو بالکل خود کشی

پر آمادہ ہو گئے تھے لیکن میرا خط پہونچتے ہی بفضلہ تعالیٰ اُنکی پُوری تسلی ہوگئی اور وہ اپنے اس ارادہ سے باز آ گئے

دیگر

حُسن اتفاق سے اسی وقت اسکی نظر میں ایک طالب کا خط اور حضرت والا کا جواب تسلی آباب تبویب تربیت السالک حصۂ ہشتم میں نظر سے گذرا جسکو مناسب موقع خیال کر کے یہاں نقل کیا جاتا ہے گو ضعیف سا احتمال ہے کہ بعض حضرت والا کا جواب باب شرفِ بعیت و استفاضۂ باطنی میں حضرت والا کی تحریرات متعلقۂ وساوس کے ضمن میں بھی نقل کیا جا چکا ہے لیکن ایسے مکررات سے اتنی طویل تصنیف میں بچنا مشکل ہے۔ بہر حال ایسے مفید مضامین کی تکرار بھی نفع سے خالی نہیں بلکہ زیادت نفع متصور ہے (اور تضاعف حظ میں گویا قند مکرر ہے) چنانچہ بلا قصد تشبیہ عرض ہے کہ قرآن مجید کے مکررات کا بھی یہی منشا ہے کہ تکرار موجب از دیاد استحضار ہو۔ لہٰذا ناظرین کرام سے باادب عرض ہے کہ اس تصنیف میں اگر کہیں شاذ و نادر مکررات نظر سے گذریں احقر کو معذور تصور فرمائیں۔ اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد وہ خط مع جواب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے وہو ہذا۔

(حال) علاوہ ازیں ایک مرض صعب کا نہایت شاکی ہوں حتی الوسع اسکے دفعیہ کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ مرض یہ ہے کہ بعض وقت وساوس و خطرات کا اپنے دل میں نشان بھی نہیں پاتا اور بعض وقت وساوس و خطرات کا اسقدر ہجوم ہوتا ہے اور وساوس و خطرات بھی وہ کہ شاید کسی دہریہ کو بھی نہ آتے ہوں اُسوقت دل چاہتا ہے کہ کسی ترکیب سے خودکشی کرلوں تاکہ خس کم جہاں پاک کا مصداق ہو جاوے۔ ایسے نالائق و نابکار کو دنیا میں رہنا ہی نہیں چاہیئے۔ اسلئے خدمت والا میں عرض پرداز ہوں کہ اسکے لئے خاص توجہ بذل فرماویں اور دعا سے امداد فرماویں۔

(تحقیق) دعا سے کیا عذر ہے مگر یہ حالت خود مذموم ہی نہیں جسکو ایسا مہتم بالشان سمجھا جاوے صحابہ رضٖ سے اکمل و افضل تو کسی کی حالت نہ تھی۔ حدیثوں میں مصرح ہے کہ انکو ایسے وساوس آتے تھے کہ وہ جلکر کوئلہ ہو جانا زیادہ محبوب سمجھتے تھے ان کو زبان پر لانے سے اور طبیب کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو ان کے صریح ایمان کی علامت قرار دیا۔ پس جو امر علامت ایمان ہو اوسپر اگر مسرت نہو تو غم کے بھی کوئی معنی نہیں والسلام

ف جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا جذبات انسانی کے ایسے ماہر اور امراض روحانی کے علاج میں ایسے حاذق ہیں کہ طالب مذکور کو جو اسدرجہ غم میں مبتلا تھے کہ خودکشی پر آمادہ تھے اسکا مشورہ نہیں دیا کہ اس حالت پر مسرور رہوں کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہوتی اور مشورہ مفید نہوتا۔ سُبحان اللہ حکیم الامۃ کی یہی شان ہونی چاہیئے۔

اسیطرح حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جب کسی کے یہاں کوئی موت ہو جاتی ہے اور وہاں ضرورت وعظ کی

سمجھتا ہوں تو معتد بہ زمانہ گذرنے کے بعد کہتا ہوں ورنہ تازہ تازہ غم میں اگر وعظ کہا جائے تو بالکل بیکار جائے اھ

دیگر

مضمون تسلی کے متعلق اتفاقاً ایک اور واقعہ بھی یاد آگیا گو وہ باطن کے متعلق نہیں لیکن اُسکا ذکر بھی اس جگہ بے موقع نہ ہوگا۔ احقر کی اہلیہ کا ایک ایسا آپریشن ہونے والا تھا جسمیں جان کا خطرہ تھا۔ اور ہم سب لوگ نہایت درجہ پریشان تھے۔ اُنھوں نے حضرت والا کو نہایت مایوسی کا عریضہ لکھوایا اور دعا کی درخواست کی عین آپریشن کے دن حضرت والا کا جواب پہونچا کہ دل وجان سے دعا کرتا ہوں انشاءاللہ تعالیٰ آپریشن کامیاب ہوگا اور انشاءاللہ تعالیٰ تم اچھی ہوکر یہاں آؤگی۔ اھ

اس بشارت نے ہم مردہ دلوں کو زندہ کردیا اور گویا ازسرنو حیات بخشی۔ اور پریشانی میں بہت کچھ کمی ہوگئی اور بجائے یاس کے امید غالب ہوگئی۔ مریضہ کو بھی بہت کچھ سکون ہوگیا اور ایک گونہ اطمینان کے ساتھ آپریشن کے کمرہ میں قدم رکھا۔ اس قسم کی پیشینگوئی کرنا حضرت والا کا معمول نہیں لیکن مریضہ کی تقویت ہمت کے لئے جسکی اُسوقت سخت ضرورت تھی احتمالاً اور توکلاً علی اللہ ایسا لکھ دیا چنانچہ بمصداق اُس حدیث قولی کے کہ میرے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ میرے اعتماد پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو میں ان کی قسم کو سچا کردوں۔

آپریشن نہایت کامیاب ہوا اور مریضہ بالکل اچھی ہوگئی اور پھر حضرت والا کی خدمت میں حاضری کا اتفاق بھی ہوا چنانچہ دو برس سے احقر کے ساتھ تھانہ بھون میں مقیم ہے فالحمد للہ۔ سچ ہے۔

ع می دہد یزداں مراد متقین

دیگر

ایک طالب کچھ دن کے لئے آکر مقیم خانقاہ ہوئے تھے۔ انھوں نے کبھی حضرت والا کو کسی گفتگو کے سلسلہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ ارشاد نقل فرماتے سُن لیا کہ ایسی ہجرت سے کہ جسم تو مکہ میں ہو اور دل ہندستان میں یہ اچھا ہے کہ جسم تو ہندوستان میں اور دل مکہ میں اسکو اُنھوں نے اپنے قیام خانقاہ کی حالت پر منطبق کیا تو یہ سوچ کر بہت پریشان ہوئے کہ مجکو تو بیوی بچے بہت یاد آتے ہیں اور خیال لگا رہتا ہے کہ آج سے گھر جانے کے اتنے دن باقی ہیں اس خیال لگے رہنے کی اُنھوں نے حضرت والا کو بذریعہ عریضہ اطلاع کی اور انا للہ کے ساتھ یہ لکھا کہ کیا اس خیال کی بنا پر بفحوائے ارشاد حضرت حاجی صاحبؒ میرا یہاں خانقاہ میں حاضر ہونا ہی اکارت گیا۔ حضرت والا نے نہایت تشفی بخش اور تحقیقی جواب ارقام فرمایا جو تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔

یہ یاد آنا اور خیال لگا رہنا امور طبعیہ اور عیال کے حقوق شرعیہ سے ہے اور محمود ہے جو مرتبہ مذموم ہے

وہ یہ ہے کہ ہجرت پر ایک گونہ تاسف ہو کہ میں سب کو چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ غرض تمنا اور چیز ہے جو مضر ہے اور شوق اور چیز ہے جو مضر نہیں۔ روزہ میں کھانے پینے کا شوق ہوتا ہے کہ کب وقت آویگا اور تمنا نہیں ہوتی کہ میں روزہ نہ رکھتا تو اچھا ہوتا"

ف سبحان اللہ کیا تحقیق و تدقیق ہے تمنا اور شوق میں کیا باریک فرق نکالا ہے یہاں فلاسفہ اور جنکو آجکل بڑا ماہر نفسیات سمجھا جاتا ہے اُنکا ذہن بھی نہیں پہونچ سکتا یہ حقائق حضرات حکماء امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ ہی پر منکشف ہوتے ہیں۔

دیگر

ایک طالب نے شدید میلان الی الغنا کی شکایت لکھی اور لکھا کہ کبھی کبھی کسی بانسری بجانے والے کو بلوا کر بانسری بھی سنی ہے ہدایت فرمائی جاوے اسکا جواب بھی تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔ جو لاجواب ہے ملاحظہ ہو:۔

کشش اور میلان کا بالکلیہ زائل ہو جانا تو عادۃً ممتنع ہے البتہ تدبیر سے اسمیں ایسا ضعف اور اضمحلال ہو جاتا ہے کہ مقاومت صعب نہیں رہتی اور وہ تدبیر صرف واحد میں منحصر ہے کہ عملاً اس کشش کے تقاضا کی مخالفت کیجاوے گو کلفت ہو اسکو برداشت کیا جاوے اسی سے کسیکو جلدی کسیکو دیر میں علی اختلاف الطبائع اس کشش میں ضعف و اضمحلال ہو جاتا ہے اور کف کے لئے قصد و ہمت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے مگر اس ضعف کے سبب اس قصد میں بسہولت کامیابی ہو جاتی ہے۔ اور اس سے زیادہ توقع رکھنا اُمنیہ محضہ ہے۔ الا ان یکون من الخوارق۔ اس اصل سے تمام نظریات میں کام لینے سے پریشانی ھباءً منثورا ہو جاتی ہے فتبصّر وتشکّر۔ ف۔ سبحان اللہ تمام نظریات کے متعلق جنسے ساری دنیا عاجز اور پریشان ہے اور لاکھ تدبیریں کرتے ہیں مگر کامیابی نہیں ہوتی کیسا جامع مانع بے نظیر اور سہل کلیہ ارشاد فرمایا ہے اور تعدیل کی کیسی نافع اور یگانہ تدبیر تعلیم فرمائی ہے۔

دیگر

احقر نے یہ بھی ہمیشہ تجربہ کیا جسکی تصدیق اپنے اور پیر بھائیوں سے بھی ہوئی کہ ادھر حضرت والا کو عریضہ لکھا نہیں اور اُدھر پریشانیوں میں کمی واقع ہونا شروع ہو گئی اور کرامت نامہ پہونچنے کے بعد تو بالکل ہی رفع ہو گئیں۔ بلکہ احقر کو تو اپنے گمان میں اکثر یہ بھی احساس ہو جاتا تھا کہ فلاں وقت حضرت والا کی خدمت میں عریضہ پہونچا کیونکہ اُسوقت حضرت والا کی توجہ کی برکت سے حضرت والا کی جانب ایک پر زور کشش محسوس ہونے لگتی تھی۔ اور اسکا تجربہ تو اب بھی بحالت قیام خانقاہ گاہ گاہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ اگر احقر کی عدم موجودگی مجلس میں

کبھی حضرت والا کو احقر سے کوئی کام ہوتا ہے تو حضرت والا کے یاد فرمانے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ احقر کے قلب میں دفعتہً اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ایک خاص کیفیت توجہ الی اللہ کی محسوس ہونے لگتی ہے جس سے میں اپنے گمان میں سمجھ لیتا ہوں کہ غالباً اسوقت حضرت والا مجھے یاد فرمارہے ہیں اور میری طرف متوجہ ہیں لیکن چونکہ یہ گمان یقین کے درجہ کا تو ہوتا نہیں اسلئے محض اس انجذاب کی بنا پر اپنا کام چھوڑ کر حاضر خدمت نہیں ہوتا۔

ابھی دو تین دن ہی کا واقعہ ہے۔ احقر نے حضرت والا سے ایک شعر جو احقر کو بالکل ناتمام یاد تھا پوچھا تھا اُسوقت حضرت والا نے اسکا صرف ایک یہ مصرعہ فرمایا ع گراز چشم دوری بدل حاضری۔ اور فرمایا کہ صرف یہی مصرعہ یاد ہے۔ پھر ظہر کے بعد کی مجلس کے وقت جبکہ احقر اپنے حجرہ میں جو حضرت والا کی نشستگاہ سے بہت فصل پر ہے بیٹھا اسی رسالہ اشرف السوانح کے کام میں مشغول تھا۔ حضرت والا نے ایک پرچہ پر پورا شعر لکھ کر احقر کے پاس بھیجا وہ پورا شعر یہ ہے ؎

سلام علیکم چو در خاطری		گراز چشم دوری بدل حاضری		

اُدھر تو حضرت والا اس شعر کو لکھ کر احقر کے پاس بھیج رہے تھے اور ادھر احقر کے قلب میں وہی انجذابی کیفیت جسکا اوپر ذکر کیا گیا اسقدر شدت کے ساتھ محسوس ہوئی کہ واقعی میرا قصد ہو گیا کہ اسی وقت حاضر خدمت ہو جاؤں کیونکہ مجکو غالب گمان ہو گیا کہ حضرت والا اسوقت احقر کو ضرور یاد فرمارہے ہیں لیکن چونکہ کام میں بہت مشغول تھا اسلئے اپنے گمان پر اعتماد نہ کر کے بیٹھا لکھتا رہا۔ جب پرچہ پہونچا تب اپنے گمان کا قریب بہ یقین ہونا معلوم ہوا۔ اور لطف یہ ہے کہ شعر مذکور کا مضمون بھی اسی قسم کا تھا اور اس حالت پر بالکل صادق آرہا تھا۔ اس سے اور بھی گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے حضرت والا کے قلب میں بھی لکھتے وقت اُسکے مضمون کا استحضار ہوا ہو اور اُسکا انعکاس احقر کے قلب پر بھی ہو گیا ہو۔ میں نے تو اس شعر کا یہ مطلب سمجھ کر بڑا لطف لیا کہ گویا حضرت والا خود اس احقر ناکارہ ہی کو اس شعر سے خطاب فرمارہے ہیں۔ کیونکہ میرے گمان میں اُسوقت حضرت والا احقر کو گویا واقعی یاد فرمارہے تھے

اسیطرح کچھ عرصہ ہوا ایک بار احقر اوپر ایک صاحب کے حجرہ میں تھا اسوقت بھی احقر کو ایسی ہی کشش محسوس ہوئی تو فوراً مجکو وہی گمان ہوا کہ غالباً حضرت والا احقر کو یاد فرمارہے ہیں۔ اور چونکہ اُسوقت احقر فارغ تھا اسلئے حاضر خدمت ہونے کے لئے فوراً نیچے اُترا تو دیکھا کہ واقعی حضرت والا ایک پرچہ ہاتھ میں لئے ہوئے اس انتظار میں تھے کہ کوئی ملے تو احقر کو طلب فرمائیں۔ اتنے میں میں خود ہی پہونچگیا۔ فرمایا کہ میں تو اسوقت آپ کو بلانے ہی والا تھا۔ احقر نے اپنی اس قلبی کشش کا حال عرض کیا تو حضرت والا تبسم فرمانے لگے۔ حضرت والا ایسے امور کو قابل التفات نہیں سمجھتے اور اکثر محض خیال کا اثر قرار دیا کرتے ہیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب

کبھی اس قسم کی کشش احقر کو محسوس ہوتی ہے ہمیشہ حضور مع اللہ کی صورت میں ہوتی ہے یعنی فوراً حضور مع اللہ کی کیفیت قوت کے ساتھ محسوس ہونے لگتی ہے جسکو میں حضرت والا کی توجہ قلبی کا اثر سمجھ کر یہ گمان کرنے لگتا ہوں کہ اسوقت حضرت والا احقر کی طرف متوجہ ہیں اور یاد فرما رہے ہیں۔

اس کشش کے متعلق مجھے اپنے پرانے زمانہ کے اثرات بھی اچھی طرح یاد ہیں۔ جب کبھی حضرت والا کا کوئی کرامت نامہ پہونچتا محض حضرت والا کی تحریر کے نقوش ہی کو دیکھ کر قلب میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی خواہ اُسوقت میں کسی شغل میں ہوتا چنانچہ ایک دفعہ عین سرکاری دربار کے موقع پر بھی اثر محسوس کرنا اب تک یاد ہے جب کبھی حاضری خدمت کے بعد رخصت ہو کر جاتا تو بفضلہ تعالیٰ و بتوجہات حضرت والا راستہ میں قلب کے اندر حضوری حق کی ایسی پُر لطف اور پر زور کیفیت محسوس ہوتی کہ جس سے راستہ بھر سرشار رہتا۔ یہاں تک کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار حضوری حق کا اتنا غلبہ ہوا کہ میں دیوانہ وار اپنے دونوں ہاتھوں سے بار بار مشتاقانہ اسطرح حلقہ باندھنے لگا جیسے کوئی اپنے محبوب سے بغلگیر ہو رہا ہو۔

ایکبار راستہ ہی میں حضرت حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کو پڑھتے پڑھتے بے اختیار ہو گیا اور ہچکیاں لے لیکر رونے لگا ؎

تو دستگیر شوائے خضر پے خجستہ کہ من	پیادہ میروم و ہمرہاں سوار آنند

ایک بار حضرت والا کی خدمت بابرکت میں ایک ماہ قیام کر کے رخصت ہوا تو قلب میں نہایت کیف لیکر رخصت ہوا جس سے متاثر ہو کر راستہ ہی میں بے اختیار کچھ اشعار بھی ہو گئے جنمیں سے بعض اب تک یاد ہیں جن کو اس غرض سے عرض کیا جاتا ہے کہ ناظرین کرام کو بھی اُس کیفیت کا کسیقدر اندازہ ہو جائے وہ اشعار یہ ہیں ؎

مجھ پہ یہ لطفِ فراواں میں تو اس قابل نہ تھا	تیری اس رحمت کے قرباں میں تو اس قابل نہ تھا
یہ تہی دستِ ازل بھی تیرے در سے اے کریم	لے چلا ہے بھر کے داماں میں تو اس قابل نہ تھا
ہے احد معبود اپنا اور نبی خیر الورےٰ	شیخ بھی ہے قطب دوراں میں تو اس قابل نہ تھا

جسطرح خدمت فیضدرجت سے رخصت ہونے کے بعد کی بعض کیفیات عرض کی گئیں اسی طرح جس ذوق و شوق کے ساتھ حاضری ہوتی تھی اُسکا بھی تھوڑا بہت ذکر مناسب مقام ہوگا۔

یہ تو عرض ہی کیا جا چکا ہے کہ کثیر اخراجات برداشت کر کر کے چند گھنٹوں کے قیام کی مہلت ملنے پر بھی دور دراز مقامات سے حاضر ہوا کرتا تھا نیز لمبی لمبی رخصتیں نصف تنخواہ اور بلا تنخواہ تک کی لے لے کر مہینوں بلکہ بعض مرتبہ برسوں خدمت بابرکت میں مقیم رہتا تھا چنانچہ اب بھی بعون اللہ تعالیٰ دو برس چار ماہ کی رخصت لیکر حاضر خدمت ہوں اور جب کبھی حاضر ہوا نہایت ذوق و شوق اور جوش و خروش کے ساتھ حاضر ہوا اور اکثر فرط مسرت میں حسب حال اشعار بھی بے اختیار کہنے لگتا تھا اور ہر حاضری گویا اس شعر کی مصداق ہوتی تھی ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ ‏ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

ایک بار بہت دن بعد حاضری کا اتفاق ہوا تھا اُس موقع پر بہت سے اشعار لکھے تھے جن میں سے چند اشعار بطور نمونہ حالت کے اندازہ کیلئے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں ؎

نہیں جانا ہوا ہے جانب میخانہ برسوں سے ‏ بھرا ہے دلمیں شوق نعرۂ مستانہ برسوں سے
کبھی کعبہ تھا دل اب تو یہ ہے بتخانہ برسوں سے ‏ ترستا ہوں تجھے اے جلوۂ جانانہ برسوں سے
ہے برگشتہ کسیکی نرگس مستانہ برسوں سے ‏ لئے پھرتا ہوں میں اپنا تہی پیمانہ برسوں سے
دل پُرشوق روز اُس بزم میں اسطرح جاتا ہے ‏ کہ دیکھی ہو نہ جیسے صورت جانانہ برسوں سے

ترک ڈپٹی کلکٹری سے قبل احقر نے لمبی رخصت بلا تنخواہ لیلی تھی اور قصد کر لیا تھا کہ جب تک محکمۂ تعلیم میں جگہ نہ ملیگی جسکی درخواست پیش کر رکھی تھی اُسوقت تک ملازمت پر نہ جاؤں گا۔ اس موقع پر بہت سے اشعار لکھے تھے مثلاً ؎

جو ہم ترک علائق کر کے کوئے یار میں آئے ‏ تو خارستاں سے گویا گلشن بے خار میں آئے
یکایک کھل گئیں آنکھیں جو بزم یار میں آئے ‏ اُٹھے پردے ہٹیں تاریکیاں انوار میں آئے
غزلخواں شادماں رقصاں گئے گریاں گئے خنداں ‏ عجب انداز سے ہم کوچۂ دلدار میں آئے
مقام وجد ہے اے دل مگر جائے ادب بھی ہے ‏ بڑے دربار میں پہونچے بڑی سرکار میں آئے
چھڑا کر جان اپنی بے طرح مجذوب بھاگا ہے ‏ خدا ہی ہے جو وہ اب لوٹ کر گھر بار میں آئے

اسی موقع پر حضرت والا سے یہ معلوم کر کے کہ احقر کے قیام کے لئے اُن دو حجروں میں سے ایک حجرہ مرحمت فرمایا گیا ہے جو خانقاہ کے پھاٹک کے اوپر ہیں اور جن میں سے دوسرا اُس زمانہ میں خود حضرت والا کے استعمال میں تھا تو غایت مسرت میں اسکے متعلق بھی کچھ اشعار لکھے جنمیں سے بعض عرض کئے جاتے ہیں ؎

قلب و جگر ہیں داغدار ایک اس طرف ایک اسطرف ‏ پہلو میں ہیں دو گلعذار ایک اس طرف ایک اسطرف
وہ نشر میں انوار کے ہم کسب میں انوار کے ‏ ہیں دہر و مہ مشغول کار ایک اسطرف ایک اسطرف
سیدھی نظر بھی ہے غضب ترچھی نظر بھی ہے ستم ‏ یہ تیغ دو رکھتی ہے دھار ایک اسطرف ایک اسطرف
وہ جارہے ہیں دیکھئے گا ہے ادھر گا ہے اُدھر ‏ چلتے ہوئے کرتے ہیں وار ایک اسطرف ایک اسطرف
ہمکو ملی دیوانگی اُن کو ملی فرزانگی ‏ مجذوب ہم وہ ہوشیار ایک اسطرف ایک اسطرف

غرض جب حاضر ہوتا نہایت ذوق و شوق کے ساتھ حاضر ہوتا اور راستہ بھر نہایت جوش و خروش کا عالم طاری رہتا چنانچہ ایک بار ریل میں چند ہم مذاق احباب کا ساتھ تھا جو پیر بھائی بھی تھے تو راستہ بھر

حضرت والا کے تصور میں نہایت کیف کے ساتھ اس شعر کو پڑھتا رہا ؎

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق | عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

چونکہ رفیق سفر اپنے ہی پیر بھائی تھے اور پرانے بے تکلف دوست بھی تھے اور پھر پُرسوز و گداز شاعر بھی تھے اسلئے کیف بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ ریل کے ڈبہ میں جسمیں سوائے ہم لوگوں کے اور فوجی نیپالیوں کے اور کوئی نہ تھا نیپالی لوگ ہم لوگوں کے اس کیف سے متاثر ہو کر خود بھی گانے بلکہ بعض ناچنے بھی لگے۔ انکی یہ حالت دیکھ کر ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ دیکھئے یہ لوگ بھی آپ کے جوش و خروش سے متاثر ہو گئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حاضر ہوتے ہوئے بھی اور رخصت ہوتے ہوئے بھی راستہ بھر نہایت کیف کا عالم طاری رہتا تھا لیکن حضرت والا کی خدمت اقدس میں پہونچکر سکون ہو جاتا تھا بمصداق شعر حضرت شیفتہ رح

ز پیش تو فرزانہ دیوانہ خیزد	بہ بزم تو دیوانہ عاقل نشیند

استفسار پر حضرت والا نے اسکی وجہ بھی ارشاد فرمائی کہ بُعد میں شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور قرب میں اُنس کا، شوق میں جوش و خروش ہوتا ہے اور انس میں سکون اھ

جامع عرض کرتا ہے کہ اس سکون کی وجہ سے بعض اوقات طالب غلطی سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں بالکل کورا ہو گیا چنانچہ ایک صاحب اجازت نے اپنے دوران قیام خانقاہ میں اپنے آپ کو کورا سمجھ کر اسکی شکایت لکھی اور حضرت حافظ رح کا یہ شعر بھی نہایت حسرت کے ساتھ لکھا ؎

شراب لعل و جائے امن و یار مہرباں ساقی	دلا کے بہ شود کارت اگر اکنوں نخواہد شد

حضرت والا نے انکی اس عنوان سے تسلی فرمائی کہ آفتاب کے سامنے چاند بے نور معلوم ہوتا ہے مگر در اصل وہ بے نور نہیں ہوتا بلکہ وہ آفتاب سے برابر کسب نور کرتا رہتا ہے البتہ آفتاب کے سامنے اسکو اپنا نور محسوس نہیں ہوتا۔ کورا ہو جانے پر حضرت والا کا ایک لطیفہ بھی یاد آ گیا جسکو لطائف میں بھی عرض کیا جا چکا ہے اور یہاں بھی بمناسبت مقام تجدید نشاط کے لئے عرض کیا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے شکایت کی کہ میں تو بالکل کورا ہو گیا یعنی کیفیات سے فرمایا کورا ہونا برا نہیں کُور ہونا بُرا ہے۔ بلا سے کورا ہو لیکن کور نہ ہو۔

احقر جس جوش و خروش کے عالم میں حاضر خدمت سراپا برکت ہوا کرتا تھا اور بفیض توجہات حضرت والا جس درجہ سکون و طمانینت اپنے قلب میں لیکر رخصت ہوتا تھا اسکا حال سطور بالا میں لکھتے وقت ان دونوں کیفیات کا گویا پھر علی التعاقب ورود ہوا جس سے متاثر ہو کر ببرکت انفاس حضرت والا محض اتفاق سے ان دو ہر کیفیات کے متعلق کچھ فارسی اشعار ہو گئے جنکو مناسب مقام سمجھ کر اور اس خیال سے کہ شاید طالبین کے لئے

نافع ہوں ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اتفاق کا لفظ میں نے اسلئے عرض کیا کہ بیشتر صرف حاضری کے متعلق ایک صاحب کیف کی ایک پُر کیف غزل کی طرف ذہن منتقل ہوا جسکا صرف ایک مصرعہ اور ایک شعر یاد رہ گیا تھا اسکو جو پڑھنا شروع کیا بالخصوص اس قصد سے کہ جس شعر کا صرف ایک مصرعہ یاد تھا اُسپر مصرعہ لگا دیا جائے تو پھر اُسی بحر و قافیہ میں اشعار کی آمد شروع ہو گئی یہاں تک کہ دونوں کیفیات کے متعلق دو بڑی بڑی غزلیں ۳۳-۳۳ اشعار کی تیار ہو گئیں۔ طبیعت تو بہت طرارے بھر رہی تھی لیکن میں نے بہ جبر ۳۳ کے مبارک عدد پر جو تسبیح فاطمی رضؓ کے اجزاء کا عدد ہے اپنے قلم کو روک دیا اور ہر دو قسم کے اشعار کو اسی عدد پر ختم کر دیا تاکہ اصل مقصود کے لکھنے میں زیادہ حرج واقع نہو۔

حاضری کے متعلق جو اشعار ہیں انکا عنوان "سفر تھانہ بھون" ہے اور رخصت کے متعلق جو اشعار ہیں۔ ان کا عنوان "واپسی از تھانہ بھون" ہے چونکہ سفر تھانہ بھون کے اشعار تلوین پر دلالت کرتے ہیں اور واپسی از تھانہ بھون کے اشعار تمکین پر اسلئے حضرت والا نے اس مجموعہ کا نام "تمکین بعد التلوین" تجویز فرمایا ہے جو نہایت ہی موزوں ہے۔ اب اشعار ملاحظہ ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تمکین بعد التلوین

سفر تھانہ بھون

بحالتِ تلوین

در ہوائے کوئے جاناں میروم (۱) ہمچو خس اُفتاں و خیزاں میروم
وہ چہ با شوقِ فراواں میروم (۲) مست و سرشار و غزلخواں میروم
گو دریدہ جیب و داماں میروم (۳) بیں مرا چوں گل چہ خنداں میروم
گو بایں حالِ پریشاں میروم (۴) سرخوش و شاداں و فرحاں میروم

سوئے آں رشکِ گلستاں میروم (۵) سر بصحرا پا بہ جولاں میروم

گو بیاباں در بیاباں میروم (۶) شادماں در بر گلستاں میروم

ہست گو اندیشۂ جاں میروم (۷) می روم ہاں می روم ہاں میروم

سر بکف آتش بداماں میروم (۸) در تلاشِ آبِ حیواں میروم

مست چوں ابرِ بہاراں میروم (۹) گاہ خنداں گاہ گریاں میروم

در عجب انوارِ عرفاں میروم (۱۰) بیخود و مبہوت و حیراں میروم

سوئے کعبہ می رود ہر زاہدے (۱۱) من بسوئے کعبۂ جاں میروم

می روم چوں مہر نے مثلِ قمر (۱۲) بر سرِ اعدا، نمایاں میروم

نزد آں کز وے شدہ تجدید دیں (۱۳) از پئے تجدید ایماں میروم

او حکیم الامت و من جاں بلب (۱۴) در حضورش بہر درماں میروم

آنکہ مے از ساقیِ کوثر بیافت (۱۵) پیش او اے میفروشاں میروم

کام و لب خشک و خم خالی بدوش (۱۶) بیں چہ پُر شوق و پُر ارماں میروم

کاسۂ در دست و زنبیلے ببر (۱۷) بے سر و ساماں بہ سلطاں میروم

گو منم یک بلبل بے بال و پر (۱۸) در ہوائے شوق پراں میروم

گو منم مورِ ضعیف و ناتواں (۱۹) بیں کہ بر تختِ سلیماں میروم

از وفورِ شوقِ او در دشتہا، (۲۰) تیز تر ہم از غزالاں میروم

بیں چساں پروانہ وار آتش بجاں (۲۱) سوئے آں شمعِ فروزاں میروم

چنگ و عود و مطرب و ساقی و خم (۲۲) با چگونہ ساز و ساماں میروم

جام در دست و صراحی در بغل (۲۳) در گروہِ پاکبازاں میروم

ہست روحم در عجب وجد و طرب (۲۴) وہ چہ شوق است اینکہ رقصاں میروم

آتشِ عشق افگنم در سینہا (۲۵) الحذر با سوزِ پنہاں میروم

گریۂ شوق است ایں از درد نیست (۲۶) دُر فشاں چوں ابرِ نیساں میروم

محو و مستغرق بیادِ جانِ جاں (۲۷) غافل از احباب و خویشاں میروم

چیست مال و زر چہ باشد خانماں (۲۸) من ز جاں ہم دست افشاں میروم

دارم از فضلِ خدا امیدہا (۲۹) گو بزیرِ چرخِ گرداں میروم

باز سودا شد منِ مجذوب را (۳۰) باز سوئے کوئے جاناں میروم
برلبِ مجذوب ایں ورد است و بس (۳۱) باز سوئے کوئے جاناں میروم
ہستم آں مجذوبِ دیوانہ کہ من (۳۲) با خودی دست و گریباں میروم
جذبِ دلبر کارہ فرما در دل است (۳۳) زاں من مجذوب زینساں میروم

واپسی از تھانہ بھون
(بحالت تمکین)

از درِ تو با چہ عنواں می روم (۱) خار در دل گل بداماں میروم
آمدہ بودم بتو چوں سائلے (۲) از درِ دولت چو سلطاں میروم
آمدہ بودم بتو بے برگ و بار (۳) سبز و شاداب و گل افشاں میروم
آمدہ بودم بتو بے مایۂ (۴) از درت با گنجِ پنہاں میروم
آمدہ بودم بتو ناکام عشق (۵) کامراں در عینِ حرماں میروم
آمدہ بودم بتو جویانِ یار (۶) یار در پہلو و جویاں میروم
آمدہ بودم بتو من با ہمہ (۷) بے ہمہ از راہ پنہاں میروم
آمدہ بودم بتو با صد تعب (۸) از رہِ نزدیک آساں میروم
آمدہ بودم بتو با صد ہجوم (۹) یا ہم از سایہ گریزاں میروم
آمدہ بودم بتو بت در بغل (۱۰) از درِ فیضت مسلماں میروم
آمدہ بودم بتو با جام و خم (۱۱) یا بایں تسبیح و قرآں میروم
آمدہ بودم بتو سوزاں چو برق (۱۲) یا خنک چوں ماہ تاباں میروم
آمدہ بودم بتو پا در ہوا (۱۳) صد سکون در دل خراماں میروم
آمدہ بودم بتو سودا بسر (۱۴) یار در دل سر بہ ساماں میروم
آمدہ بودم بتو نعرہ زناں (۱۵) دم بخود سر در گریباں میروم
آمدہ بودم بتو نالہ کناں (۱۶) مہر برلب دل بہ افغاں میروم

آمدہ بودم بتو در شوقِ دید	(۱۷)	از دو نورِ جلوہ حیراں میروم
آمدہ بودم بتو پروانہ وار	(۱۸)	سر بسر شمعِ شبستاں میروم
آمدہ بودم بتو ظلمت فشاں	(۱۹)	ضو فگن چوں مہرِ رخشاں میروم
آمدہ بودم بتو سرشار و مست	(۲۰)	محترز از مے پرستاں میروم
آمدہ بودم بتو با چنگ و عود	(۲۱)	خود سراپا ساز و الحاں میروم
آمدہ بودم بتو تر دامنے	(۲۲)	پاک باز و پاک داماں میروم
آمدہ بودم بتو نالان و زار	(۲۳)	خندہ زن بر نفس و شیطاں میروم
آمدہ بودم بتو سر بر فلک	(۲۴)	سر بسجدہ زیرِ فرماں میروم
آمدہ بودم بتو نازاں بہ علم	(۲۵)	با ہمہ دانی چو ناداں میروم
آمدہ بودم بتو در جہل غرق	(۲۶)	نکتہ چیں بر اہلِ یوناں میروم
آمدہ بودم بتو چوں وحشیاں	(۲۷)	یافتم تہذیبِ انساں میروم
آمدہ بودم بتو زاغاں شعار	(۲۸)	ہمنوائے عندلیباں میروم
آمدہ بودم بتو مثلِ زناں	(۲۹)	سر بکف مانندِ مرداں میروم
آمدہ بودم بتو من پا بہ گل	(۳۰)	العجب سروِ خراماں میروم
آمدہ بودم بتو من بدتریں	(۳۱)	بہتریں از صد ہزاراں میروم
گو بُدم مجذوبِ من ننگِ زماں	(۳۲)	شکر اشرف فخرِ دوراں میروم
شاکرم اے مدعی نے لاف زن	(۳۳)	ہاں نہ پنداری کہ نازاں میروم

یہاں تک جو تسلی کے متعلق واقعات عرض کئے گئے وہ ایسے تھے جن میں حضرت والا نے طالبین کی تسلی فرمائی تھی اب ایک واقعہ ایسا بھی عرض کیا جاتا ہے جسمیں حضرت والا نے خود اپنے آپ کو تسلی دی ہے۔ ایک سخت ناگوار واقعہ کے موقع پر فرمایا کہ الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حاکم اور حکیم ہونے کا مراقبہ قلب میں ایسا پختہ کر دیا ہے کہ بڑے سے بڑے حادثہ کے وقت بھی خواہ وہ ظاہر کے متعلق ہو یا باطن کے جسکو پریشانی کہتے ہیں وہ لاحق نہیں ہوتی۔ بس بفضلہ تعالیٰ یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی حاکم ہونے کی حیثیت سے تو انھیں پورا اختیار حاصل ہے کہ اپنی مخلوق میں جسوقت چاہیں اور جس قسم کا چاہیں تصرف فرمائیں ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی ہر قسم کے تصرف کا ہر وقت پورا اختیار اور حق حاصل ہے

کسی کو ذرا بھی مجال چون وچرا نہیں۔ اور حکیم ہونے کی بنا پر یہ اطمینان ہے کہ اُنکا جو بھی تصرف ہوگا وہ سراسر حکمت ہی ہوگا پھر پریشانی کی کوئی وجہ نہیں اھ ف سبحان اللہ کیا اعلیٰ درجہ کا مراقبہ ہے۔ اگر اس کو پختہ کرلیا جائے تو ظاہری یا باطنی کسی قسم کی بھی پریشانی لاحق نہ ہو۔

اب اسی برتبرک واقعہ پر احقر اس مضمون تسلی کو جو بلا قصد بڑھ گیا ختم کرتا ہے اور اپنے چند اور متفرق واقعات دوسرے مضامین کے متعلق عرض کرکے اپنی اس کیاس کہانی ہی کو ختم کردیگا اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ بعض ارشادات عامہ نیز تربیت باطن کے متعلق حضرت والا کے بعض طرق خاصہ کے قلمبند کرنے کی کوشش کریگا اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

واقعہ نمبر ۴

احقر اُن گناہوں کے باب میں جو محض خیال کے متعلق ہیں سخت خلجان میں رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے کو قریب قریب مردود ہی سمجھ لیا تھا۔ اور خیالات فاسدہ کے ہجوم نے زندگی تلخ کررکھی تھی۔ اور اپنی اصلاح سے قریب قریب مایوس ہی ہوچکا تھا کیونکہ خیال ایک ایسی چیز ہے کہ غیر محسوس طور پر نہایت سُرعت کیساتھ آن کی آن میں کہیں کا کہیں پہونچ جاتا ہے اور وقت پر پریشانی میں یہ امتیاز کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے کہ اُسکے حدوث یا بقار کا کون سا درجہ تو اختیاری ہے اور کون سا غیر اختیاری۔ نیز خیال کا دفعیہ بھی نہایت دشوار ہوتا ہے۔ غرض عملی گناہوں سے بچنا جنکا جوارح سے تعلق ہے اُن گناہوں کی نسبت کہیں زیادہ سہل ہے جنکا تعلق خیال سے ہے اول الذکر کی تشخیص بھی سہل علاج بھی آسان۔ ثانی الذکر کی بوجہ غیر مرئی اور محل غلط ہونے کے تشخیص بھی دشوار اور علاج بھی مشکل۔

حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی خدمت میں انتہائی پریشانی کی حالت میں عریضہ تحریر کیا گیا تو حضرت والا نے باوجود نہایت پیچیدہ حالت ہونے کے قلم برداشتہ ایسا اکسیر علاج تجویز فرمایا کہ جس مرض کو پہاڑ سمجھ لیا گیا تھا وہ ھباءً منثورا ہوگیا اور جو زندگی بالکل تلخ نظر آرہی تھی اُس خلجان کے دور ہوجانے سے بفضلہ تعالیٰ گویا ہمیشہ کے لئے خوشگوار نظر آنے لگی۔ کیونکہ ایسا سہل جامع اور کلی علاج تحریر فرمایا جس کو ہمیشہ کے لئے باآسانی دستور العمل بنایا جاسکتا ہے اور تمام خیالی گناہوں مثلاً۔ کبر عجب۔ سوء ظن خیالات شہوانی حسد کینہ۔ بغض وغیرہ وغیرہ سب سے بشرط استحضار نہایت سہولت کے ساتھ اپنے آپ کو بچایا جاسکتا ہے ارشاد فرمودہ علاج میں یہ بھی خوبی ہے کہ علاج بھی ہے اور اختیاری یا غیر اختیاری ہونے کا معیار تشخیص بھی۔ حضرت والا کی دعا و توجہ و برکت سے عریضہ کے جواب کو جسمیں علاج تحریر فرمایا گیا تھا پڑھتے ہی احقر

کے تخیلات ایسے زائل ہو گئے جیسے تھے ہی نہیں۔ اُمید قوی ہے کہ جسکو ذرا بھی طریق سے مناسبت ہوگی۔ وہ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ کلیّہ سے جو ذیل میں تربیت السالک سے نقل کیا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ اپنے جملہ امراض باطنیہ خیالیہ کا بسہولت علاج کر سکے گا۔ اس جواب باصواب کی نافعیت اور جامعیت پر نظر فرما کر حضرت والا نے اسکا ایک مستقل نام بھی تجویز فرما دیا ہے جو اسم بامسمّٰی ہے یعنی علاج الخیال احقر سے سنکر بہت سے طالبین نے انکی نقلیں لیں جس سے ان کی نافعیت اور ضرورت عامّہ ظاہر ہوتی ہے وہ جواب یہ ہے۔

اسکا تو سہل علاج یہ ہے کہ جب ایسے تخیلات کا ہجوم ہو اپنے قصد و اختیار سے کسی نیک خیال کیطرف فوراً متوجہ ہو جانا اور متوجہ رہنا چاہیئے۔ اسکے بعد بھی اگر تخیلات باقی رہیں یا سامنے آدیں اُنکا رہنا یا آنا یقیناً غیر اختیاری ہے کیونکہ مختلف قسم کے دو خیال ایک وقت میں اختیاراً جمع نہیں ہو سکتے۔ بس اشتباہ رفع ہو گیا اور اگر بلا اختیار اچھے خیال کی طرف توجہ کرنے میں ذہول ہو جاوے تو جب تنبہ ہو ذہول کا تدارک تو استغفار سے اور پھر اُسی تدبیر استحضار سے کام لیا جاوے۔

یہ طریق عمل اسقدر سہل ہے کہ اس سے سہل کوئی چیز ہی نہیں بس اسکو دستور العمل بنا کر بےفکر ہو جانا چاہیئے انتہیٰ بلفظہٖ

واقعہ نمبر ۵

احقر ایک بار سفر دہلی میں حضرت والا کے ہمرکاب تھا۔ ایک روز حسب معمول صبح کی مشی کے لئے تلاوت فرماتے ہوئے تشریف لے گئے۔ جو صاحبان ساتھ ہو۔ لئے تھے ان کو ساتھ چلنے سے ممانعت فرما دی کیونکہ جن لوگوں سے پوری طرح دل نہ کھلا ہوا ہو اُن کے ساتھ رہنے سے توجہ بٹتی ہے سب کے ہمراہ احقر بھی واپس جانے لگا تو مجکو بلا لیا۔ پھر راستہ میں فرمایا کہ ممانعت تو ان کے لئے تھی جن سے بے تکلفی نہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر ہر عورت یہ چاہنے لگے کہ میرے ساتھ بی بی کا سا تعلق رکھا جائے تو یہ اُسکی حماقت ہے۔

حضرت والا اسکے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے مدتوں میں اس غلطی میں رہا کہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے جس کی وجہ سے بہت تنگیاں اُٹھائیں لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ حقیقت منکشف فرما دی کہ اسکی ضرورت نہیں کیونکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معاملہ خصوصیت کا حضرات شیخین کیساتھ تھا وہ دوسرے حضرات صحابہ کے ساتھ نہ تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو اپنی مجلس شریف میں دیکھ دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے اور تبسم فرمایا کرتے تھے اور اسیطرح وہ دونوں حضرات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور تبسم فرماتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ واجبات میں یکساں برتاؤ ضروری ہے مستحبات میں نہیں۔ اھ

واقعہ نمبر ۶

احقر کو آج تک اپنا وہ زمانہ ذوق وشوق کا یاد ہے جبکہ احقر ایک بار نہایت کیف کے ساتھ حضرت والا کو دیکھ دیکھ کر یہ مصرعہ دیر تک پڑھتا رہا ع "او درمن ومن درو سے چوں بو بہ گلاب اندر" اور نہایت قوت کے ساتھ ہر بار یہ تصور بندھ جاتا تھا کہ گویا حضرت والا سرتاسر میرے اندر سما گئے ہیں اور میں سرتاسر حضرت والا کے اندر سما گیا ہوں جس سے دیر تک بہت ہی لطف اندوز ہوتا رہا۔ اسپر حضرت والا کا ملفوظ یاد آیا کہ اگر بے اختیار تصور شیخ بندھ جائے تو مضائقہ نہیں بلکہ نافع ہے ورنہ حق تعالیٰ ہی کا تصور رکھے کیونکہ وہی مطلوب ومقصود اصلی ہے حضرت حاجی صاحب رح کی یہی تعلیم تھی۔ اھ

واقعہ نمبر ۷

ایک بار حضرت والا کے ہمراہ احقر بھی صبح کی مشی میں موجود تھا۔ راستہ میں دائیں بائیں دو کھیت ایسے ملے جنمیں سے ایک تو پک کر بالکل خشک ہوگیا تھا اور دوسرے میں ابھی پھول ہی آرہا تھا اور وہ نہایت ہرا بھرا خوش منظر اور پُر بہار تھا۔ حضرت والا کے تو دل میں بس ایک ہی چیز بسی ہوئی ہے اور وہی ہر وقت ہر حال میں پیش نظر رہتی ہے اور ادنیٰ مناسبت سے اُسی کی طرف ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اُن دونوں کھیتوں کو ملاحظہ فرماتے ہی احقر سے فرمایا کہ دیکھئے بس یہی فرق متوسط اور منتہی کی حالتوں میں ہوتا ہے جو ان دو کھیتوں میں ہے۔ متوسط کی حالت تو اس ہرے بھرے کھیت کی سی ہے جو دیکھنے میں تو نہایت خوش منظر ہے لیکن حالت موجودہ میں وہ سوائے اسکے اور کسی کام کا نہیں کہ بس کاٹ کر بیلوں کو کھلا دیا جائے۔ صرف مویشیوں کا چارہ ہے اور بس برخلاف اسکے یہ گیہوں کا کھیت جو پک کر خشک ہوگیا ہے دیکھنے میں تو بالکل بے رونق روکھا پھیکا سوکھا ساکھا ہے لیکن اسمیں دانہ پڑا ہوا اور غلہ بھرا ہوا ہے جو کاشت کا اصلی مقصود ہے جب چاہو اس سے غلہ حاصل کرلو اور غذا کے کام میں لے آؤ۔ غرض ایک تو محض مویشیوں کا چارہ ہے اور دوسرا انسان کی غذا۔ اسیطرح متوسط میں محض کیفیات ہی کیفیات ہوتی ہیں جو عام نظر میں بہت باوقعت ہوتی ہیں اور بزرگی کی علامات میں سے سمجھی جاتی ہیں۔ برخلاف اسکے منتہی گو کیفیات سے بظاہر بالکل خالی نظر آتا ہے۔ لیکن وہ اصلی دولت سے مالامال ہوتا ہے۔ اھ۔

ف سبحان اللہ کیسی منطبق مثال ہے۔ اس واقعہ کا اجمالی ذکر اوپر بھی ضمناً آچکا ہے۔

واقعہ نمبر ۸

ایک بار احقر کی موجودگی میں جانمازوں کے منقش ہونے کی مذمت فرمارہے تھے کہ نقش ونگار سے نماز میں دل بٹتا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں تو بھولدار کپڑے بھی پسند نہیں کرتا گو میں خود اسمیں مبتلا ہوں لیکن الحمدللہ میں اپنے ابتلار کی وجہ سے اسکو اچھا نہیں بتلاتا۔ پھر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پھولدار چادر ہدیۃً آئی آپ نے نماز کے بعد اس شخص سے دوسری سادہ چادر منگوائی اور اسکو علیحدہ کردیا اور فرمایا کہ قریب تھا کہ اسکے نقش ونگار سے قلب کو مشغول کرلیتے جب نبی کو مشغولی کا احتمال ہوا تو آج ہم میں ایسا کون ہے جو یہ دعوی کرسکے کہ ہمارا قلب نقش ونگار میں مشغول نہیں ہوسکتا۔ پھر فرمایا کہ کپڑوں پر تو نقش ونگار کیا پسند ہوتے جو محققین ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ قلب بھی بے نقش ونگار ہونا چاہیئے۔ اور قلب کے نقش ونگار وہ ہیں جنکا نام مواجید واحوال ہے۔ قلب ان سب قصّوں سے علی الاطلاق خالی ہونا چاہیئے۔ بس عبدیت محضہ خالصہ ہونا چاہیئے پھر فرمایا کہ مبتدیوں کو مواجید واحوال سے بہت رغبت ہوتی ہے اور محققین کو انسے نفرت ہوتی ہے۔ لیکن یہ خود ایک حال ہے بیان کرنے سے تھوڑا ہی سمجھ میں آسکتا ہے بلا خود پیش آئے یہ سمجھ میں نہیں آسکتا پھر فرمایا کہ مولانا رح مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

دل کہ او بستہ غم وخندیدن است	تو بگو کے لائق آں دیدن است
عاشقی زیں ہر دو حالت برتر است	ایں نہ آں عشق است کز نشک وتر است

ان اشعار پر فرمایا کہ مولانا رح کا ارشاد اپنی تائید میں یاد آگیا اس سے جی خوش ہوا کیونکہ ظاہر میں یہ ایک نئی سی بات معلوم ہوتی ہے جو میں کہہ رہا تھا لیکن اب ثابت ہوگیا کہ یہ نئی بات نہیں ہے بلکہ پرانے محققین کے ارشاد سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

ایک بار احقر کو بھی حضرت والا نے میرے ایک عریضۂ حالات کے جواب میں یہی اشعار تحریر فرمائے تھے اور ان کے علاوہ یہ بھی شعر تھا ؎

باغ سبز عشق کو بے منتہا است	جز غم وشادی درو بس میوہ ہا است

احقر نے اس موقع پر حضرت والا کو یہ شعر بھی یاد دلا دیا اور عرض کیا کہ حضرت والا نے ان اشعار کو احقر کے عریضہ کے جواب میں بھی تحریر فرمایا تھا اسپر حضرت والا نے تبسم فرماکر فرمایا کہ آپ کے پاس یہ شیر ہیں پھر بھی آپ بھیڑیوں سے ڈرتے ہیں۔ یہ اسلئے فرمایا کہ احقر اکثر حضرت والا سے ہجوم وساوس کی شکایت کرتا رہتا تھا۔

ف یہ واقعہ حسن العزیز جلد اول میں بھی مذکور ہے جو احقر ہی کے قلمبند کئے ہوئے ملفوظات کا مجموعہ ہے

واقعہ نمبر ۹

ایک بار احقر سے یا عام گفت گو کے سلسلہ میں فرمایا کہ ذکر کے وقت ثمرات کا منتظر نہ رہے نہ کوئی کیفیت یا حالت اپنے لئے ذہن میں تجویز کرے بس اپنی تجویز کو مطلق دخل ہی نہ دے۔ سارے احوال کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ پھر جو اسکے حق میں بہتر اور اسکی استعداد کے مناسب ہوگا وہ خود عطا فرما دینگے ع "کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند" بس ذکر کے وقت معتدل توجہ ذکر کی طرف یا اگر آسانی سے ہو سکے تو مذکور کی طرف کافی ہے اور معتدل کی قید اسواسطے لگائی گئی کہ توجہ میں زیادہ مبالغہ کرنے سے قلب و دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں جس سے پھر ضروری توجہ میں بھی خلل پڑنے لگتا ہے۔ اسکے متعلق ایک اور بات بھی بہت ضروری ہے وہ یہ کہ طبیعت میں ثمرات کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے کیونکہ اس سے علاوہ تشویش کے جو مخل جمعیت ہے اور جمعیت ہی اس طریق میں مدار نفع ہے بعض اوقات یاس تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ مجھے خود اسکا تجربہ ہو چکا ہے۔ میری طبیعت میں فطری طور پر تقاضا اور جلدی بہت ہے اور یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت ہے ورنہ مجھ سے اتنی خدمت دین کی نہ ہو سکتی۔ اسی تقاضا اور عجلت کی وجہ سے یہاں تک پریشانی کی نوبت پہونچی تھی کہ مجھ کو خودکشی تک کے وساوس آنے لگے تھے۔ بس ہر وقت طبیعت میں یہی تقاضا رہتا تھا کہ جو کچھ حاصل ہونا ہے جلد حاصل ہو جائے دیر کیوں ہو رہی ہے اھ

واقعہ نمبر ۱۰

ایک بار بہ سلسلہ گفتگو احقر کی موجودگی میں فرمایا کہ میں تو بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو بہ نسبت عزائم پر عمل کرنے کے اصلح سمجھتا ہوں کیونکہ جو شخص ہمیشہ عزائم پر عمل کرتا ہے اُسکو ہمیشہ اپنے عمل پر نظر ہوتی ہے اور جو کچھ عطا ہوتا ہے اسکو بمقابلہ اپنے عمل کے کم سمجھتا ہے۔ اسکے دل میں یہ شکایت پیدا ہوتی ہے کہ دیکھو میں اتنے دن سے ایسی مشقت زہد و تقویٰ کی اٹھا رہا ہوں اور اتنا عرصہ ذکر و شغل کرتے ہو گیا اور اب تک کچھ بھی نصیب نہ ہوا یہ کسقدر گندہ خیال ہے۔ برخلاف اسکے جو بعض دفعہ رخصتوں پر بھی عمل رکھتا ہے اسکو اپنے عمل پر نظر کبھی ہو ہی نہیں سکتی وہ اپنے ذکر و شغل کو بھی یوں ہی گپڑ سپڑ سمجھتا ہے۔ اُسکو جو کچھ بھی عطا ہوتا ہے اُسے بمقابلہ اپنے عمل کے ہمیشہ زیادہ سمجھتا ہے۔ اور درصورت عدم ورود کیفیات وغیرہ کے بھی اُسکو کبھی شکایت نہیں پیدا ہو سکتی کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں عمل ہی کیا کر رہا ہوں جو ثمرات کا مستحق ہوں اور سابق الذکر شخص ہمیشہ ثمرات عظیمہ کا منتظر رہتا ہے اور درصورت عدم عطا اسکو شکایت پیدا ہوتی ہے۔ بہرحال رخصت پر عمل کرنے والے کی نظر

میں ہمیشہ حق تعالیٰ کی عطاؤں کا پلہ بمقابلہ خود اُسکے اعمال کے بھاری رہتا ہے جس سے اُسکو طبعًا حق تعالیٰ کیساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔

بات یہ ہے کہ ہمارے قلوب بالخصوص اس زمانہ میں ایسے ضعیف ہیں کہ بلا مشاہدہ، رحمت کے حق تعالیٰ سے محبت کا تعلق پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ تقریر عام طور سے تو کہنے کے قابل بھی نہ تھی کیونکہ لوگ عمل میں سست ہو جائیں گے لیکن چونکہ اسکے عدم اظہار میں اُس سے زیادہ اندیشہ ضرر تھا اسلئے کہدی گئی اور پھر جب یہ ظاہر کر دیا گیا کہ یہ تقریر عام طور سے کہنے کے قابل نہیں ہے تو اس سے معلوم بھی ہو گیا کہ اس مضمون میں غلط فہمی کا اندیشہ ہے گویا یہ تنبیہ ہے کہ اگر غلط فہمی ہونے لگے تو کسی محقق سے رجوع کرے از خود کوئی غلط معنی نہ سمجھ لے چنانچہ غلط فہمی ہی کے دفعیہ کے لئے میں نے شروع میں یہ قید لگائی تھی کہ میں صرف بعض احوال میں رخصت پر عمل کرنے کو اصلح سمجھتا ہوں باقی فی نفسہٖ عزائم پر عمل کرنا ہی افضل ہے جیسا کہ ظاہر ہے

اسی گفتگو کے سلسلہ میں ایک اہل علم نے سوال کیا کہ زہد کی تو بڑی فضیلت ہے۔ فرمایا کہ زہد ترک لذات کا نام نہیں بلکہ محض تقلیل لذات زہد کے لئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہو کہ رات دن اسی کی فکر رہے کہ یہ چیز پکنی چاہیئے وہ چیز منگانی چاہیئے کہیں کے چاول اچھے ہیں تو وہاں سے چاول آ رہے ہیں کہیں کی بالائی مشہور ہے تو کہہ رہے ہیں کہ بھائی وہاں سے بالائی لیتے آنا نفیس نفیس کپڑوں اور کھانے ہی کی فکر میں لگے رہنا البتہ یہ زہد کے منافی ہے۔ ورنہ اگر بلا تکلف اور بلا اہتمام خاص کے لذات میسر آجائیں تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہیئے۔ اسیطرح بہت کم کھانا بھی زہد نہیں ہے نہ یہ مقصود ہے۔ کیونکہ ہمارے کم کھانے سے نعوذ باللہ کوئی خدا تعالیٰ کے خزانہ میں تو فیر تھوڑا ہی جمع ہو جائے گی یہ تھوڑا ہی سمجھا جائیگا کہ بڑے خیر خواہ سرکار ہیں۔ پوری تنخواہ بھی نہیں لیتے۔ وہاں ان باتوں کی کیا پرواہ ہے۔ لیکن ہاں اتنا بھی نہ کھاوے کہ پیٹ میں درد ہو جاوے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب کا تو یہ مذاق تھا کہ نفس کو خوب آرام سے رکھے لیکن اُس سے کام بھی خوب لے۔ میرا تو یہ خیال ہے ع کہ مزدور خوشدل کند کار بیش۔ جسدن معلوم ہوتا ہے کہ آج اچھی چیز پکی ہے اُس دن کام کرتے وقت یہ خوشی رہتی ہے کہ فارغ ہو کر اچھی چیز کھانیکو ملیگی۔ نفس کیواسطے کوئی اُبھارنے والی چیز ضرور ہونی چاہیئے۔ حضرت حاجی صاحب رح نے ایکروز فرمایا کہ میاں اشرف علی پانی ہمیشہ ٹھنڈا پینا چاہیئے کہ ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے ورنہ گرم پانی پی کر زبان تو الحمد للہ کہیگی لیکن دل شریک نہو گا۔

واقعہ نمبر ۱۱

ایک بار حضرت والا مسجد کے سقاوہ سے گرم پانی لینے کے لئے خود تشریف لے گئے کیونکہ حضرت والا کسی

ایسے شخص سے کوئی کام نہیں لیتے جس سے دل کھلا ہوا نہو۔ اور اسوقت کوئی ایسا شخص موجود نہ تھا نہ جب سقاوہ کا ڈھکن کھولا تو اندر سے نہایت لطیف بھاپ نکلی جو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ اور ساتھ ہی نیچے سے ایندھن کا دھواں بھی اُٹھا جس نے آنکھوں میں سوزش پیدا کردی۔ بعد کو اس واقعہ کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہی فرق متوسط اور منتہی کی کیفیات میں ہوتا ہے۔ کیفیات سے خالی تو منتہی بھی نہیں ہوتا لیکن اُسکی کیفیات میں نہایت لطافت ہوتی ہے جیسے بھاپ میں اور لطافت اسلئے ہوتی ہے کہ وہ روحانیت سے ناشی ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے متوسط کی کیفیات میں شورش اور سوزش ہوتی ہے لطافت نہیں ہوتی جیسے دھوئیں میں کیونکہ وہ نفسانیت بمعنی طبیعت نہ بالمعنی العرفی سے ناشی ہوتی ہیں۔

واقعہ نمبر ۱۲

ایک بار ہوا بالکل بند تھی اور سخت حبس ہو رہا تھا پسینے چل رہے تھے۔ بعد نماز فرض خدام چاروں طرف کھڑے ہو کر حضرت والا کو پنکھا جھلنے لگے اور چونکہ حضرت والا کو سنتیں پڑھنی تھیں حضرت والا بھی پسینہ خشک کرنے کے لئے تھوڑی دیر کھڑے رہے کیونکہ نماز پڑھنے کی حالت میں تو حضرت والا کسی کو پنکھا جھلنے ہی نہیں دیتے جس کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں بھی مخدومیت کی شان بنانا حضرت والا کو غلبۂ عبدیت کے اثر سے طبعاً سخت گراں ہوتا ہے غرض سب لوگ پنکھا جھل ہی رہے تھے کہ استنے میں دفعتہً ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا آیا اور روح کو تر و تازہ کر گیا۔ حضرت والا نے فوراً پنکھے رکوا دئے اور فرمایا کہ سبحان اللہ اس قدرتی ہوا کے ایک جھونکے نے جو فرحت بخشی وہ استنے پنکھوں میں بھی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ واقعی ہزار پنکھے ایک طرف اور قدرتی ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا ایک طرف۔

پھر فرمایا کہ بس اسیطرح ہزار ریاضات و مجاہدات سے بھی وہ بات پیدا نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کیجانب سے ایک جذبہ میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ہزار ریاضات و مجاہدات ایک طرف اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک جذبۂ غیبی ایک طرف۔ اھ

ف۔ بس احقر حضرت والا کے اسی جذب خداوندی کے مضمون پر اپنی اس طویل داستان کو ختم کرتا ہے ورنہ احقر کے سنے اور دیکھے ہوئے تو ہزارہا ملفوظات و واقعات ہیں کہانتک بیان کئے جائیں اگر مزید شوق ہو تو حسن العزیز جلد اوّل ملاحظہ فرمالی جائے جسمیں احقر نے اپنے سنے ہوئے ملفوظات اور دیکھے ہوئے واقعات کی ایک معتد بہ مقدار قلم بند کرلی ہے۔

تنبیہ ضروری

احقر نے جو اپنے واقعات و حالات باب ہذا میں عرض کئے ہیں اُن سے صرف حضرت والا ہی کی قوت فیضان اور شان ارشاد کا ظاہر کرنا مقصود تھا کیونکہ اگر واقعات کے ضمن میں اور پھر وہ بھی خود کاتب سوانح کے واقعات کے ضمن میں حضرت صاحب سوانح کے حالات وارشادات تعلیمیہ بیان کئے جائیں تو وہ ادوم وادمع فی النفس اور مقنع ہوتے ہیں۔ غرض یہ احقر کے واقعات محض حضرت مولانا رومی رح کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرّ دلبراں	گفتہ آید در حدیث دیگراں

ورنہ اپنے ذاتی حالات کا لکھنا میرے لئے واقعی سخت موجب خجلت تھا بلکہ اب بھی ہے یہاں تک کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ ان سب حالات کو حذف کر دیا جائے لیکن اب جبکہ مسودہ مبیضہ کی صورت میں بھی آچکا ہے ایسا کرنا نہایت دشوار ہے نیز اتنا وقت بھی نہیں کہ جو مضامین ان حالات کے ضمن میں حضرت والا کے متعلق معرض تحریر میں آچکے ہیں اُن کو از سر نو لکھا جائے لہذا ناظرین کرام سے استدعا ہے کہ مقصود اصلی یعنی حضرت والا کے حالات مبارکہ کو پیش نظر رکھیں اور اس ناکارہ کے ناگفتہ بہ حالات سے قطع نظر فرماویں اور میری اصلاح حال اور حصول مقصود کے لئے حسبتہً للہ دعا فرمائیں۔

اب آخر میں احقر تائیداً حضرت والا کا وہ جملہ نقل کرتا ہے جو خود حضرت والا نے احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جسکی پوری نقل اوپر گذر چکی ہے۔ وہ جملہ یہ ہے کہ اگر کسی ناکارہ (یعنے خود حضرت والا) کے تذکرہ میں اپنا اظہار حال ہو جائے تو چونکہ بقصد نہیں اسلئے مذموم نہیں۔ اھ

غرض حضرت والا کے تذکرہ میں خود اپنے بھی حالات کے اظہار کی احقر کو بہت بڑی اجازت ملی ہوئی ہے۔

بعض ارشادات و افاضات حکمت آیات حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ

از تربیۃ السالک رقم زدہ حضرت ممدوح بقلم فیض رقم خود)

اب حسب وعدہ حضرت حکیم الامت کے بعض ارشادات وافاضات حکمت آیات تربیت السالک مطبوعہ و غیر مطبوعہ سے نقل کئے جاتے ہیں اور وہ خاص حضرت والا کے قلم فیض رقم کے تحریر فرمائے ہوئے ہیں۔ تربیت السالک حضرت حکیم الامت کے مطب روحانی کے تیر بہدف معالجات امراض نفسانی کا مجموعہ ہے

جسکو ایک مکمل قرآباد دین تصوف کہنا زیبا ہے۔ اسمیں صدہا طالبین اصلاح کے خطوط مع حضرت والا کے جوابات کے درج ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ برابر جاری ہے اللّٰھم زد فزد ثم زد فزد اسمیں سے سو مختلف احوال باطنی کے متعلق ارشادات کیفما اتفق طور پر منتخب کر کے ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں اور چونکہ یہ مجموعہ سر بسر حکمت سے لبریز ہے اسلئے بمناسبت صد پند لقمان انکو صد پند اشرف سے ملقب کیا جاتا ہے۔ ہر چند ایک جداگانہ موضوع کے متعلق ہے اور بعض نمبروں میں ایک ہی موضوع کے متعلق متعدد ارشادات بھی مناسبت کی بنا پر بمصلحت توضیح شامل کر دیئے گئے ہیں۔ بخوف تطویل طالبین کے خطوط کا تو محض خلاصہ بطور روایت بالمعنی کے درج کیا گیا ہے لیکن اس طور پر کہ انکا حاصل بجنسہ محفوظ رکھا گیا ہے اور حضرت والا کے ارشادات کو بالفاظہا نقل کیا گیا ہے کیونکہ یہاں پر زیادہ تر انھیں کا قلمبند کرنا مقصود تھا۔

تربیت السالک تمام تر عجیب و غریب حقائق باطنی سے لبریز ہے جسکو بلا مبالغہ ایک گنجینۂ جواہرات کہا جاسکتا ہے۔ احقر نے بخوف تطویل بہت قلم روک کر اور اپنے دل کو مار کر صرف سو کے عدد پر اکتفا کیا ورنہ جس ارشاد پر بھی نظر پڑتی تھی بس یہی جی چاہتا تھا کہ اسکو بھی اپنے انتخاب میں شامل کر لوں اور یہ شعر ہو بہو صادق آرہا تھا ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

جن صاحبوں کو مزید ارشادات کے مطالعہ کا شوق ہو وہ اصل تربیت السالک کو ملاحظہ فرمائیں دوران انتخاب میں بنظر اصلاح جب احقر منتخب کردہ ارشادات کو حضرت والا کے سامنے پڑھتا تو نہ صرف حاضرین مجلس بلکہ خود حضرت والا بھی متاثر ہو ہو جاتے اور بے اختیار فرماتے کہ بھلا یہ مضامین میں اپنی معلومات سے لکھ سکتا تھا ہرگز نہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ طالبین کی اصلاح کیلئے میرے قلم سے بوقت ضرورت ایسے مضامین نافعہ لکھوا دیئے۔ چنانچہ اسوقت جب میں سوالات کو سنتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ انکا جواب کیا ہونا چاہئے تو بالکل سمجھ میں نہیں آتا اور پھر سوال کو سنکر تحیر ہوتا ہے کہ ایسے مشکل سوال کا کیا جواب دیا ہوگا اور جب جواب سنتا ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ کیا یہ میرا ہی لکھا ہوا جواب ہے کیونکہ ایسے جوابات واقعی میری معلومات سے کہیں زیادہ بالاتر ہیں۔ اگر یہ جوابات میری معلومات کا نتیجہ ہوتے تو میری معلومات تو اسوقت بھی وہی ہیں۔ اسوقت کیوں جوابات ذہن میں نہیں آتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی تائید تھی ورنہ میری کیا حقیقت ہے کہ میں ایسے جوابات لکھ سکوں۔

یہ بھی تحدثاً بالنعمۃ نہ کہ فخراً ارشاد فرمایا کہ اگر انھیں سوالات کو دوسرے حضرات اہل طریق کی خدمت میں پیش کر کے جوابات حاصل کئے جائیں تب ان جوابات کی قدر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فن کے تمام

تمام ضروری مسائل کی تحقیق و تدوین کئی صدی تک کے لئے ہوگئی ہے اور ایسی تعمیم کے ساتھ کئی صدی سے نہ ہوئی تھی۔ یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور بڑے میاں یعنی (حضرت حاجی صاحب رح) کی برکت ہے اھ

اس ضروری تمہید کے بعد ارشادات منتخبہ کا مذکورۂ بالا مجموعہ ملقب بہ صد پند اشرف پیش کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق وھو خیر رفیق۔

صد پند اشرف

(یعنی بعض ارشادات وافاضات حکمت آیات حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ منتخب از تربیت السالک

(۱) ایک طالب نے لکھا کہ میری تمنا ہے کہ شبہہ نہ آئیں تحریر فرمایا کہ گو یہ تمنا کرنا کہ بخار نہ آئے۔ اھ۔ اس سے پہلے یہ تحریر فرما چکے تھے کہ بلا اختیار شبہ آنا خدا اور رسول کو سچا سمجھنے کے منافی نہیں اھ

(۲) ایک طالب نے لکھا کہ مجکو موت سے بہت وحشت و نفرت ہے حالانکہ وہی ذریعہ ہے خدا تعالےٰ سے ملاقات کا اور صوفیائے کرام کے نزدیک تو موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز ہی نہیں تحریر فرمایا کہ یہ غلط ہے بعض مسلم بزرگوں کو میں نے موت سے ایسا ہی ڈرتا ہوا دیکھا ہے۔ منشاء اسکا ضعف قلب ہے جو بالکل مذموم نہیں اھ۔ انھیں طالب نے یہ بھی پوچھا کہ صوفیائے کرام نے کیا ذرائع حاصل کئے جن کی وجہ سے اُن کو موت سے نفرت یعنی کراہت بالکل جاتی رہی۔ جواب تحریر فرمایا کہ ان کی قوت قلب ہے یا قوت وارد اور دونوں غیر مطلوب ہیں محض موہوب ہیں اھ۔

(۳) ایک طالب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ بدعتی سے نفرت کبر نہیں البتہ اگر وہ توبہ کرلے اور پھر بھی اُس سے نفرت رہے یہ کبر ہے ورنہ بغض فی اللہ ہے اھ

(۴) ایک طالب نے کلام مجید کی تلاوت کے فضائل دیکھ کر چاہا کہ سوائے تلاوت کے اور سب وظائف واوراد ترک کردوں۔ تحریر فرمایا کہ یہ بھی خبر ہے کہ کسی چیز کی طرف زیادہ کشش اسی وقت ہوتی ہے جب دوسری چیزیں بھی ہوں ورنہ اُس سے طبیعت اکتا جاتی ہے ع گر نیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور۔ اسکی بڑی دلیل یہ ہے کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔ اھ

(۵) ایک خلیفۂ خاص نے دریافت فرمایا کہ حصول نسبت کے آثار غیر متخلفہ کیا ہیں نیز زوال کبر کے بھی آثار غیر متخلفہ پوچھے تھے۔ تحریر فرمایا کہ یہ سب امور ظنیہ ہیں جیسی صحت بدنیہ ظنی ہے مگر اتباع ہی کو اس باب میں مثل یقین کہا جاتا ہے سو امر اول میں آثار دوام اطاعت و مشابہت اعمال اختیاریہ بہ امور طبعیہ و شذوذ مخالفت اور بعد مخالفت اتفاقیہ قلق شدید و تدارک بلیغ اور غلبہ ذکر لسانی و قلبی یعنی استحضار۔ اور امر ثانی میں اصل وجدان ہے معالج کا اور آثار سے

اسکی تائید ہو جاتی ہے یعنی واقعات کبر کا عدم صدور و غلبہ آثار شکستگی و ندامت شدیدہ بر صدور افعال موہمہ کبر۔ اھ

(۶) ایک طالب نے لکھا کہ زبان پر ذکر اللہ ہے اور اندر خاک بھی اثر نہیں بفضلہ تعالیٰ اعمال میں تو فرق نہیں آتا مگر ظاہر ہوتا ہے کہ دل محبت سے خالی ہے اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ کونسی محبت سے دل خالی ہے اعتقادی و عقلی سے یا انفعالی اور طبعی سے اگر شق ثانی ہے تو مضر نہیں اگر شق اول ہے تو اُس میں خالی ہونے کا افسوس نہیں ہوا کرتا آپ کو افسوس کیوں ہے یہ افسوس خود دلیل ہے کہ آپ اُس سے خالی نہیں اھ۔ اُنھیں طالب نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہ تو یقینی ہے کہ حالت جیسی چاہیئے ویسی بالکل نہیں ہے اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ وہ دن ماتم کا ہوگا جس دن یہ سمجھو گے کہ جیسی حالت چاہیئے تھی ویسی ہوگئی کیونکہ اُس درگاہ میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اپنی حالت کے متعلق یہی فیصلہ کرتے ہیں کہ جیسی حالت چاہیئے تھی ویسی نہیں ہے ماعبدناک حق عبادتک کا حال ہوتا ہے۔ اھ

(۷) ایک طالب نے لکھا کہ نظر بد کے تقاضہ کے وقت بندہ دل کو یہ بھی تسلی دیتا ہے کہ جس گناہ سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو اسکو کرنے سے کیا حاصل۔ تحریر فرمایا کہ نہایت نافع اور موثر مراقبہ ہے۔ اھ

(۸) ایک طالب نے لکھا کہ چلتے پھرتے اگر کسی لڑکے یا عورت پر نظر پڑ جاتی ہے تو بندہ فوراً نظر کو ہٹا لیتا ہے اب دریافت کرنا یہ ہے کہ نظر اول معصیت کا سبب ہے یا نہیں اھ حضرت والا نے ذیل کا جواب تحریر فرمایا۔ اُس نظر اول میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر حدوث میں قصد نہو تو اُسکے ابقاء میں قصد ہوتا ہے یا نہیں اگر ابقاء میں بھی قصد نہو تو اُس نظر سے جو صورت ذہن میں پیدا ہوتی ہے اسکے ابقاء یا اُس سے التذاذ میں قصد ہوتا ہے یا نہیں۔ اھ

اُنھوں نے یہ بھی لکھا کہ نظر ہٹانے کے بعد اسکی صورت ذہن میں ایک قسم کی تصویر ہو جاتی ہے مگر بعض وقت اُس صورت کو ذہن میں آتے ہی فوراً دفع کرنا یاد نہیں رہتا اھ۔ اسپر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ یاد رکھنے کا اہتمام ضروری ہے اگر ویسے یاد نہ رہے تو ایک پرچہ پر اُس کی وعید لکھ کر وہ پرچہ اپنے کلائی یا بازو پر باندھ لیا جائے اھ

(۹) ایک طالب نے حضرت والا کے اس استفسار پر کہ جھوٹ اختیار سے بولتے ہو یا بالاضطرار یہ لکھا کہ یہ جھوٹ بولنا ہے تو اختیاری لیکن کثرت انہماک سے اضطراری جیسا ہو چکا ہے حضرت اسکا علاج فرمائیں اھ اسپر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ جب ہمت و اختیار سے چھوڑ دو گے اور بہ تکلف اسکی عادت کر لو گے تو اسیطرح عدم صدور اضطراری جیسا ہو جائیگا یہی علاج ہے۔ اھ

(۱۰) ایک صاحب فضلا ایک دوسرے شیخ سے مرید ہیں ان کو بسلسلہ انگریزی ترجمۂ قرآن مجید معاندین کے اعتراضات کے جواب دینے کے لئے معاندین کی کتابیں پڑھنے میں مشغولی رہتی ہے۔ اُنھوں نے حضرت والا کو لکھا کہ ایک معاملہ اپنے قلب کا عرض کرتا ہوں جس زمانہ میں کتب تصوف کا مطالعہ زیادہ رہتا ہے خصوصاً مثنوی

کلید مثنوی (یعنی شرح مثنوی مصنفہ حضرت والا) احیاء العلوم وغیرہ کا اس زمانہ میں قلب میں ایک خاص انشراح محسوس ہوتا ہے اور طبیعت میں لینت و رقت اور خواب بڑے بڑے پاکیزہ نظر آنے لگتے ہیں۔ اب جب سے انگریزی ترجمہ قرآن میں اور معاندین کے اعتراضات کے جواب میں مشغولی ہے اس حالت میں نمایاں کمی پاتا ہوں۔ اب کتب تصوف کا مطالعہ بالکل ترک ہے اور بجائے اسکے ہزار ہا ہزار صفحات عقائد مشرکین و معاندین اسلام کے پڑھ رہا ہوں کہیں یہ ظلمت و قساوت اسیکا نتیجہ تو نہیں اھ

حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اس تفاوت کا یہی سبب ہے مگر اسکی حقیقت قساوت یا ظلمت نہیں کیونکہ حقیقی قساوت یا ظلمت ہمیشہ اعتقادی ہوتی ہے اور یہ کیفیت اور اثر طبعی ہے۔ جیسا ایک انقباض اور تکدر، گوہ کھانے سے ہو یہ مشابہ ہے حقیقی قساوت و ظلمت کے اور ایک انقباض ہاتھ یا پاؤں میں نجاست لگ جانے سے ہو یہ مشابہ ہے اس کیفیت واثر زیر بحث کے۔ اور ظاہر ہے کہ گوہ کھانا بوجہ معصیت ہونے کے مضر باطن ہوتا ہے اور نجاست بدن کو لگ جانا مضر باطن نہیں ہوتا بلکہ اگر بقصد تطہیر اپنے جسد کے یا غیر کے جسد کے ہاتھ لگانا پڑے تو بوجہ طاعت ہونیکے باطن کو زیادہ نافع ہوگا۔ اور اسمیں جو طبعی کدورت و کلفت ہوئی ہے وہ بوجہ مجاہدہ ہونے کے موجب اجر و قرب ہوگا اور اسکے بعد جو مٹی سے صابون سے رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھویا جاویگا۔ پہلے سے زیادہ پاک صاف ہو جائیگا آپ ماشاء اللہ تطہیر میں مشغول ہیں آپ کی طہارت اور نورانیت میں اضافہ ہو رہا ہے البتہ ساتھ کے ساتھ صابون بھی استعمال میں رہے تو بہتر ہے یعنی کسیقدر مطالعہ تصوف و ذکر اللہ۔

(۱۱) ایک طالب نے شکایت لکھی کہ ناظرہ قرآن شریف ایک پارہ بھی پڑھنا مشکل معلوم ہوتا ہے بلکہ اکثر ناغہ ہو جاتا ہے اور دیگر اذکار اور زبانی قرآن شریف دن بھر پڑھا کرے تو کوئی گرانی نہیں ہوتی اھ۔

اسپر حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اگر قرآن حفظ نہیں تو نفس پر جبر کر کے زیادہ پڑھنا چاہئے اور برابر اسکا تصور رکھنا چاہیئے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں نامۂ اعمال میں ساتھ ساتھ درج ہو رہی ہیں اور ایسی دولت اور کس چیز سے نصیب ہو سکتی ہے۔ اور یہ تصور ہے بھی امر واقعی کا کیونکہ حدیث میں یہ مضمون تصریحاً موجود ہے اسکے ساتھ ہی یہ مراقبہ بھی رکھنا چاہیئے کہ حروف قرآن کی زیارت پر ثواب ملتا ہے اس مجموعی تصور سے وہ گرانی کم ہو جائیگی اور رفتہ رفتہ ناظرہ زیادہ تلاوت کرنا آسان ہو جائیگا اور اگر قرآن آپ کو حفظ ہے اور زبانی بھی صحیح یاد ہے تو پھر حفظ پڑھنے سے بھی ثواب جو کہ اصل مقصود ہے حاصل ہے زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں۔ اھ

(۱۲) ایک طالب نے لکھا کہ ان دنوں میری عجیب کیفیت ہے ہر وقت جی چاہتا ہے کہ بس اللہ اللہ کرتا رہوں

سوائے ذکر اسم ذات کے کسی چیز میں جی نہیں لگتا۔ حدیہ ہے کہ درس حدیث و تلاوت قرآن میں بھی جیسے پہلے جی لگتا تھا اب ویسا نہیں لگتا اھ۔

حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا:۔

ابتدار میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسا بچہ کو ہر وقت دودھ ہی مرغوب ہوتا ہے پھر ہر وقت پر اس کے مناسب اشیاء مرغوب ہونے لگتی ہے اھ

ف از جامع اوراق ۔ ایک اور طالب کو اسی قسم کی شکایت پر یہ تحریر فرمایا تھا کہ ابتدار میں ایسا ہی ہوتا ہے بعض کو انتہا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور اکثر اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ ذکر میں ایک گونہ بساطت ہے اور قرآن و حدیث میں ایک گونہ ترکیب ہے اور بساطت یکسوئی سے اقرب ہے اور ترکیب بوجہ اختلاف اجزار تشویش سے قریب ہے۔

(۱۳) ایک طالب نے جو حاضر خانقاہ ہوئے تھے لکھا کہ فی الحال کبر نہیں معلوم ہوتا۔ دو چار باتیں حضرت بتلادیں تاکہ امتحان کروں کہ کبر باقی ہے یا جاتا رہا اھ

اسپر تحریر فرمایا کہ دو چار جزئیات امتحان کے لئے کافی نہیں بعض طبائع کی خاصیت یہ ہے کہ بعض معاملات میں کبر پیدا نہیں ہوتا بعض میں ہوتا ہے اسلئے اس امتحان کی فکر میں نہ پڑئیے اگر کسی خاص واقعہ میں شبہ پیش آویگا اسکی اطلاع کر کے مشورہ مناسب ہوگا اھ

اُنھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت کی محبت کا غلبہ بہت ہی نماز میں بھی اکثر خیال ہوتا ہے اور کبھی کبھی خشوع کے لئے خیال کر لیتا ہوں اھ۔ اسپر تحریر فرمایا کہ نماز میں قصداً نہ کیا جاوے اھ اُنھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ جانے کو جی نہیں چاہتا مگر مدرسہ کی وجہ سے کل جانے کا ارادہ ہے اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ بعض بُعد قرب سے زیادہ نافع ہوتا ہے اھ۔ اُنھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت کا خوف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ بولنے کی ہمت نہیں ہوتی اھ۔ تحریر فرمایا کہ اسکا منشا محبت مشوب بہ عظمت ہے جو طریق میں نہایت نافع ہے اھ

(۱۴) ایک طالب نے لکھا کہ بدنظری سے نفرت اپنے اندر نہیں پاتا نفس کو روکنے میں مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اھ تحریر فرمایا کہ نفرت مامور بہ ہے یا رغبت کے تقتضار پر عمل نہ کرنا۔ اھ

(۱۵) ایک صاحب اجازت نے لکھا کہ اگر کوئی میرے پاس بعیت ہونے کو آتا ہے تو بے حد شرم آتی ہے کہ یہ تو مجھ سے ہر طرح اچھا ہے میں اسکو کیا بعیت کروں اھ۔ تحریر فرمایا کہ مُرید کر لیا کریں تاکہ یہ تواضع اور زیادہ بڑھے۔ اھ

(۱۶) ایک صاحب نے جو ایک دوسرے شیخ سے بیعت ہیں لکھا کہ دین اور دنیا دونوں قسم کے معاملات میں بعض دفعہ سخت مزاجی کا ظہور نہایت شدت سے ہوتا ہے اور طبیعت بے قابو ہو جاتی ہے اھ۔ تحریر فرمایا کہ استحضار و عمل بتکلف کا تکرار یہی علاج ہے اس سے عادت ہو جائیگی ۔اھ

انھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نماز وغیرہ کے بارہ میں جب بار بار کہنے سے بھی لوگ نہیں مانتے اور غصہ آتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ غالبًا یہ غصہ اپنے نفس کے لئے ہے کہ میرا کہا ان لوگوں نے کیوں نہیں مانا۔اھ اسپر تحریر فرمایا کہ اسکا امتحان سہل ہے ٹٹول کر دیکھا جاوے کہ اگر دوسرے واعظ کے ساتھ یہی معاملہ کریں تب بھی اتنی ہی یا اسکے قریب قریب ناگواری ہوتی ہے یا نہیں اھ

(۱۷) ایک طالب نے لکھا کہ مجھے اصلاح کا طریق نہیں معلوم ۔طریق اصلاح تجویز فرماویں۔اھ۔ تحریر فرمایا کہ طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے نفس کا ایک ایک عیب ظاہر کرو اور مجھ سے اسکا علاج پوچھو اور میں جو بتلاؤں اسپر عمل کرو اور عمل کرکے اطلاع دو۔اھ

(۱۸) ایک طالب نے لکھا کہ نماز و تلاوت میں طبیعت پر جبر کرنا پڑتا ہے۔کوئی شاہراہ عمل ایسا تجویز فرمادیجیے کہ یہ جبر مبدل بمسرت و آسانی ہو جاوے اھ۔ تحریر فرمایا کہ اسکی کوئی تدبیر نہیں یہ امر نہ شیخ کے اختیار میں ہے۔ نہ طالب کے اھ

اسی طرح ایک بی، اے پاس طالب نے لکھا کہ نماز کو ضروری سمجھتا ہوں لیکن طبیعت ادھر نہیں آتی اور اگر آتی بھی ہے تو نماز میں کوئی لطف نہیں آتا اھ۔ پہلی بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ طبیعت کا آنا ضروری ہے یا لانا اھ اور دوسری بات کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ لطف ضروری ہے یا عمل اھ

اسیطرح ایک طالب نے لکھا کہ معمولات میں سرور نہیں پیدا ہوتا۔ تحریر فرمایا کہ سرور مقصود ہے یا حضور اور حضور بھی اختیاری یا غیر اختیاری اھ

(۱۹) ایک طالب نے عُجب کی چند مثالیں لکھ کر علاج پوچھا۔ تحریر فرمایا کہ اگر استحضار نعم کے ساتھ اس کا استحضار بھی کر لیا جاوے کہ یہ نعمتیں میرے استحقاق کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہیہ ہیں وہ اگر چاہیں ابھی سلب کر لیں اور یہ انکی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اسکا استحضار کر لیا جاوے کہ اگرچہ یہ لوگ اِن خاص فضیلتوں سے خالی ہوں لیکن ممکن ہے کہ ان کو ایسی فضیلتیں دیگئی ہوں کہ ہمکو انکی خبر نہو اور انکی وجہ سے انکا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سُرور رہیگا وہ عُجب نہوگا یا تو فرحت طبعی ہوگی جو مذموم نہیں اور یا شکر ہوگا جب منعم کے احسان کا بھی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا اھ۔

(۲۰) ایک استفسار کے جواب میں حضرت والا نے رذائل کے علاج میں رسوخ پیدا ہو جانے کی علامت یہ تحریر فرمائی کہ جب غفلت و ذہول نہ ہو اور ہمت میں تکلف نہ ہو یہی رسوخ ہے۔ اھ

اور ایک استفسار کے جواب میں جو بزبان فارسی تھا حصول رسوخ کا طریقہ یہ تحریر فرمایا۔ تکرار و استحضار و اعتیاد و دوام و تدارک وقت کوتاہی بمعاقبت نفس بنوعے عبادت خاصہ مالیہ یا بدنیہ مثل انفاق چہار آنہ کہ بر نفس قدرے شاق باشد یا ادائے نوافل بمقدار معتد بہ کہ بر نفس قدرے گراں باشد و علامت رسوخ آنست کہ ملکہ میسر شود کہ در صدور تکلف نباشد اھ

(۲۱) ایک طالب نے لکھا کہ قبل بیعت حضرت سے محبت تھی مگر رعب معلوم ہوتا تھا اور اب بعد بیعت محبت تو الحمد للہ بہت ہے مگر رعب مطلق نہیں معلوم ہوتا ہے اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ مبارک حالت ہے وہ پہلی حالت بھی مبارک تھی۔ اس طریق میں جو حالت غیر اختیاری پیش آوے خیر محض ہے اور اسمیں بیحد مصالح و منافع ہوتے ہیں جو اسوقت تو سمجھ میں نہیں آتے مگر آگے چلکر ایک وقت میں سب خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں اھ

(۲۲) ایک مبتدی طالب نے نماز میں خطرات آنے کی شکایت لکھ کر اسکی تدبیر پوچھی۔ جواب تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے کلمات و اذکار کی طرف توجہ رکھنا چاہئے پھر اگر آویں مضر نہیں اگر وہ توجہ ہٹ جائے تجدید کیجاوے اور اس توجہ کے ہٹ جانے پر افسوس نہ کرنا چاہیے اھ

(۲۳) ایک طالب نے لکھا کہ حضور کے ساتھ غلبۂ محبت کا آج کل یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے مجھمیں سوائے آپ کی محبت کے اور کوئی محبت نہیں ہے اور نہ کسی دیگر شخص کا خیال ہے آپ کو بحیثیت اپنے شیخ کے صاف لکھنا زیادہ بہتر ہوگا یعنی ان دنوں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی کم محسوس کرتا ہوں اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ شبہ صحیح نہیں حق تعالیٰ کی محبت میں شان عقلیت غالب ہوتی ہے اور اپنے مجانس کی محبت میں شان طبعیت غالب ہوتی ہے اور سرسری نظر میں محبت عقلی محبت طبعی کے سامنے ضعیف و مضمحل معلوم ہوتی ہے اس سے وہ شبہ ہو جاتا ہے حالانکہ امر بالعکس ہے چنانچہ اگر اسی محبوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی معاملہ قولی یا فعلی صادر ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہو جاوے جس سے ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی محبوبیت غالب ہے اھ

(۲۴) ایک نظر بد کے مریض کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بجز ہمت کے کوئی علاج نہیں اھ

(۲۵) ایک طالب کو اپنے ایک شاگرد سے نفسانی محبت ہو گئی انہوں نے لکھا کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ سلسلہ تعلیم باقی رہے اور کیفیت نفسانیہ منعدم ہو جائے تو ارشاد فرمایا جاوے اھ۔ تحریر فرمایا کہ مجکو ایسی ترکیب نہیں آتی کہ سـ

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٴ	باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

(۲۶) ایک طالب نے لکھا کہ میں لوگوں کے اصرار سے لمبی سورتیں پڑھتا ہوں۔ کبھی کبھی بعد نماز جی خوش ہوتا ہے کہ قرآن مجید بہت اچھا پڑھا دل میں یہ سوچ لیتا ہوں کہ یہ میرا کمال نہیں محض انعام الٰہی ہے کیا یہ اصلاح نفس کے لئے ٹھیک ہے اھ۔ تحریر فرمایا کہ مسنون سورتوں میں جو چھوٹی ہوں وہ پڑھا کرو اور بہت جوش سے مت پڑھا کرو یہ عملی اصلاح ہے اور لفظی اصلاح کافی نہیں اھ

(۲۷) ایک بیوہ نے لکھا کہ شوہر مرحوم کے غم کی وجہ سے باوجود ڈیڑھ سال گذر جانے کے اسقدر تڑپ ہے کہ ہر چند قلب کو راجع الی اللہ کرتی ہوں لیکن یکسوئی نہیں پیدا ہوتی۔ میری قلبی خواہش یہ ہے کہ حقیقی صبر و رضا کے ساتھ محبوب حقیقی رب العزت کی یاد میں دلجمعی سے عبادت میں گزار دوں اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ برخورداری سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی باطنی بھی ظاہری تو جانتی ہو باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہو مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا سکون و دلجمعی اختیار میں نہیں وہ مطلوب نہوگا اھ

(۲۸) ایک طالب کے استفسار پر غیبت کا یہ علاج تحریر فرمایا (نمبر۱) استحضار عقوبت وقت غیبت۔ (نمبر۲) تامل قبل تکلم (نمبر۳) معافی چاہنا بعد صدور غیبت (نمبر۴) کچھ جرمانہ اپنے اوپر نقد کا یا نوافل کا۔ اھ

کچھ دن بعد پھر انہیں صاحب نے لکھا کہ ابھی یہ علاج پوری طرح راسخ نہیں ہوا۔ تحریر فرمایا کہ بتدریج راسخ ہوجائیگا لگا رہنا چاہئے۔ اھ

(۲۹) حضرت والا کے ایک صاحب اجازت کو لوگوں نے زبردستی میونسپلٹی کا ممبر تجویز کردیا۔ انہیں سخت وحشت ہوئی۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ اپنے پیر و مرشد سے پوچھ لو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت اقدس کچھ تحریر فرمادیں تاکہ گلو خلاصی ہو اس پر حضرت والا نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہو تعلق مع الخلق بلاضرورت سراسر مضرت ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ ادائے حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہوجائے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق یہ تجربہ ہے اور یک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا۔ ہمسے اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی رح حضرت شاہ شجاع رح کرمانی کے واقعات معلوم ہیں اور حضرات خلفائے راشدین رض پر اپنے کو قیاس نکیا جائے

ع۔ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔

(۳۰) ایک طالب نے اپنے تقلبات لکھے تھے۔ تحریر فرمایا کہ دل سے دعا ہے اور حالات کے انقلاب کے متعلق اکابر کی یہ تحقیق ہے ؎

در بزم عیش یک دو قدح نوش کن برو
یعنی طمع مدار وصال دوام را

(۳۱) ایک طالب نے حُسن کے دیکھنے کا مرض لکھا تھا۔ حسب معمول استفسار فرمایا کہ حسن کا دیکھنا اختیاری ہے

یا غیر اختیاری - اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ بندہ کا دیکھنا اختیاری ہے مگر اس سے بچنے کے لئے استعمال اختیار دشوار معلوم ہوتا ہے - تنبیہاً تحریر فرمایا کہ کیا دشوار ہے کیا نفس کے روکنے سے کوئی بیماری ہو جاتی ہے یا سانس گھٹنے لگتا ہے یا اور کوئی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی ہے اھ -

(۳۲) ایک طالب نے لکھا کہ جی چاہتا ہے کہ گاؤں کو بیچکر کاشتکاری دوسروں کے سپرد کرکے اور قطع تعلق کر کے اپنی اوقات کو عمل کے لئے مقصور کروں - تحریر فرمایا کہ کیا گاؤں اور زمین اور کاشت وغیرہ عمل سے مانع ہیں اھ -

اُنھوں نے یہ بھی لکھا کہ والدہ صاحبہ مخالف ہیں لیکن جناب شیخ سعدیؒ کے قول " تعلق حجاب ست " کو اختیار کروں اور والدہ صاحبہ کی رائے کے خلاف کروں - اسپر تحریر فرمایا کہ پھر اس آیت کے کیا معنی ہیں - ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لھم ازواجاً وذریۃ - خلاصہ یہ ہے کہ کیا اس سے ہر تعلق اور ہر حالت میں مراد ہے جو کام کرو سمجھ کر کرو - اھ

(۳۳) ایک طالب نے لکھا کہ مروّت مجکو بہت ہے جس سے بعض دفعہ خلاف شرع کام بھی سرزد ہو جاتے ہیں محض اس خیال سے کہ دوسرے کا دل نہ دُکھے انکار اسقدر دشوار معلوم ہوتا ہے کہ پسینہ آجاتا ہے - اھ جواب تحریر فرمایا کہ دشوار ہونے سے غیر اختیاری ہونا لازم نہیں آتا - جہاں مروّت کرنا خلاف شرع نہ ہو اُس مروّت پر عمل جائز ہے اور جہاں خلاف شرع ہو - وہاں جائز نہیں گو دشواری اور تکلیف ہو اُس تکلیف کو برداشت کرو اس کے سوا کوئی علاج نہیں اھ -

(۳۴) ایک طالب کے خط کے مختلف اجزاء مع حضرت والا کے جوابات کے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں کیونکہ اُس سے بہت سے فوائد مستفاد ہوتے ہیں -

(حال) تا بعدار معمولات ادا کئے جاتا ہے مگر قلب کی حالت بدستور ہے -

(تحقیق) کیا یہ نعمت نہیں کہ دو وقت روٹی ملے اور صحت وقوت بجا الہا رہے گو اس میں ترقی نہ ہو -

(حال) کوئی خاص حالت ایسی نہیں ہے جس کو حضور میں عرض کروں -

(تحقیق) یہ حالت بھی تو قابل اطلاع کے تھی چنانچہ اطلاع پر ایک مفید بات معلوم ہو گئی مگر اُس کا یاد رکھنا شرط ہے

(حال) نہ اپنے کو اس قابل پاتا ہوں کہ کچھ عرض معروض کر سکوں -

(تحقیق) ناقابلی کا اعتقاد اس طریق میں یہی قابلی ہے -

(حال) اس راہ سلوک میں اپنے کو ہیچ محض سمجھتا ہوں -

(تحقیق) مبارک سمجھنا ہے -

(حال) جو کچھ معمولات ادا کرتا ہوں محض عادۃً ادا کرتا ہوں - ۱۷

(تحقیق) کیا اچھے کام کی عادت نعمت نہیں۔

(حال) کچھ تو سونے والوں کی وجہ سے اور کچھ رفع تکان کے سبب سے چند روز سے بجائے جہر کے خفی کر لیا کرتا ہوں کوئی حرج تو نہیں۔

(تحقیق) بلکہ افضل وانفع ہے۔

(حال) اب میرا وقت اخیر آ پہونچا اب تک اپنے کو محض کورا سمجھتا ہوں۔

(تحقیق) مگر کورا تو نہیں۔

(حال) بغیر حاضری حضور کے اور کوئی صورت کامیابی کی نظر نہیں آتی۔

(تحقیق) اطلاع بھی صورت کامیابی کی ہے۔ اھ

(۳۵) ایک طالب نے لکھا کہ حضور والا کے ارشاد کے موافق بدنظر اور بدخیال کو اختیار سے چھوڑ دیا۔ لیکن دل کی کمزوری کی وجہ سے ہمیشہ ثابت قدم رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ اپنی طرف سے ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ سے دعائے استقامۃ کرتے رہو۔ اھ اسی خط میں خواہش نفسانی سے نجات پانے کا علاج بھی پوچھا تھا۔ تحریر فرمایا کہ اکل کو حرام غذا سے توبہ کر کے دعا کرانا کہ بھوک ہی سے نجات ہو جاوے۔ اھ

(۳۶) ایک طالب نے شکایت لکھی کہ بوجہ گرمی کی شدت کے نماز وغیرہ میں پہلا سا خشوع وخضوع نہیں ہوتا جواب تحریر فرمایا کہ معذوری ہے۔

(۳۷) ایک صاحب اجازت نے اپنے مفصل حالات لکھے جن میں یہ حال بھی تھا کہ اب اللہ میاں کا خیال بالکل بے کیف دل میں آتا ہے اور اس سے اسقدر انشراح قلب میں ہوتا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ میری اعمالی کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے یہ انعامات الٰہی اور حضور کے فیوض نامتناہی میرے شامل حال ہو سکتے ہیں یا میرے نفس نے یہ خیالات تراشے ہیں۔ اس کا جواب تحریر فرمایا کہ قلب میں دونوں احتمالوں کا جمع ہونا یہی بڑی دولت ہے جس کا حاصل الایمان بین الخوف والرجاء ہے مبارک ہو۔ اھ

(۳۸) ایک طالب نے لکھا کہ میری والدہ ہر بات پر طعن وتشنیع کرتی ہیں جس پر میں غصہ کرنے لگتا ہوں اور جھگڑنے لگتا ہوں علاج مرحمت فرمادیں۔ تحریر فرمایا کہ علاج یہ ہے کہ جواب مت دیا کرو باہر چلے جایا کرو۔ اھ

(۳۹) ایک مبتدی طالب نے لکھا کہ حضور سے دور رہوں اذکار صحیح طریقہ سے کیونکر کروں۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق صحیح ہے۔ اھ

انہیں صاحب نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرمادیں کہ مجھے دوایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرادیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اس کی حاجت نہیں۔ یہ قیود غیر مقصود ہیں۔ مقصود صرف ذکر ہے۔ اگر کوئی نہایت موزوں

رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں تو اصل مقصود منزل پر پہونچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہے آگے رہی موزونیت اُس میں اور مصالح زائدہ ہیں جن پر منزل کی رسائی موقوف نہیں۔ اھ۔

انھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ صحیح طریقہ اذکار کا معلوم ہو جائے تاکہ اُن کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوں تحریر فرمایا کہ ثمرات کی روح اجر و قرب ہے اھ۔

اُنھوں نے لطائف ستہ کی کوشش کرنے کا بھی حال لکھا تھا۔ حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں اھ

(۴۰) ایک طالب نے لکھا کہ ضعف قلب کی وجہ سے تہجد اور ذکر میں عجیب عجیب واہیات خیالات کا ہجوم ہوتا ہے کہ کہیں شیطان کسی شکل میں میرے سامنے نہ آجائے کوئی جن آکر میرے ساتھ نماز نہ پڑھنے لگے۔ حضرت والا جواب تحریر فرمایا کہ ایسی حالت میں اپنے شیخ کا تصور ان پریشان خیالات کا دافع ہو جاتا ہے مگر شیخ کو حاضر ناظر نہ سمجھے۔ اھ

(۴۱) ایک طالب نے کبر کے متعلق لکھا کہ فدوی ایک مرتبہ قرابت منڈی میں گیا ہوا تھا اور وہاں مجکو خرید و فروخت کی ضرورت نہیں پڑا کرتی۔ وہاں گوشت کی دوکان پر جانے کی ضرورت ہوتی تھی مگر نہیں گیا تھا اور گونہ حجاب محسوس کیا تھا۔ جواب تحریر فرمایا کہ حجاب اور چیز ہے اور کبر اور چیز ہے۔ حجاب کی حقیقت خجلت ہے جس کا سبب مخالفت عادت ہے۔ حتیٰ کہ اگر اُس شخص کی تعظیم کا سامان عادت کے خلاف کیا جاوے اُس سے بھی شرماوے۔ مثلاً کوئی ہاتھی پر بٹھلا کر دس بیس سوار جلو میں کر کے جلوس نکالے اھ۔ اسپر اُن صاحب نے لکھا کہ بظاہر تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور شرم آئے گی لیکن مجکو اپنے نفس پر ذرہ برابر اعتماد نہیں ہے اس لئے احتمال ہے کہ شرم نہ معلوم ہو اگرچہ احقر اسپر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتا اھ۔ اسپر جواب تحریر فرمایا کہ جب تک اس کے خلاف دلیل نہ ہو یہ ظاہر اور غالب ہی معتبر ہے اور اگر علاج میں مبالغہ کو دل چاہے تو ایسے کام کرو جو شرع کے خلاف نہ ہوں مگر وضع کے خلاف ہوں اور عرفاً موجب ذلت ہوں۔ اھ۔

(۴۲) ایک طالب علم نے جو زیر تربیت ہیں کچھ حوادث سے پریشانیاں اور کچھ بدنظری کی شکایت لکھکر دعا اور اصلاح کی آسان صورت کی درخواست کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ ہر شئے حسین کے دیکھنے کو طبیعت میں اسقدر تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ باوجود نیچی نظر کر لینے کے پھر نظر اُٹھ جاتی ہے حالانکہ حضرت والا کے فرمان کے بموجب عذاب دوزخ وغیرہ کو سوچتا ہوں لیکن طبیعت کچھ ایسی مجبور رہوتی ہے جس کا ذکر کتنا دشوار اور شاق نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دل کے اندر سے کوئی پکڑ کر دل کو اُبھار رہا ہے اس فعل بد سے نہایت ہی مجبور ہو گیا ہوں اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔

حرفاً حرفاً پڑھا۔ غیر اختیاری مصائب پر تو اجر ملتا ہے اُنکے ازالہ کی دعا بھی کرتا ہوں لیکن مصائب اختیاریہ

یعنی معاصی پر نہ اجر ملتا ہے اور نہ اُسکے ازالہ کی دعا ہوسکتی ہے کیونکہ اُس کا ازالہ تو خود عبد کا فعل ہے اُس دعا کی تو یہ مثال ہے کہ اے اللہ فلانا شخص فلاں کھانا کھانے لگے فلاں کھانا نہ کھاوے اس دعا کے کیا معنی۔ البتہ توفیق کی دعا ہوسکتی ہے وہ بھی جبکہ فاعل اسباب کو جمع کرے اور اعظم اسباب قصد وہمت ہے اور اس کے متعلق جو عذر خط کشیدہ عبارت میں لکھا ہے بالکل غلط ہے سوچو کہ اگر ایسے موقع پر کہ نفس میں تقاضائے شدید ہو تمہارا کوئی بزرگ موجود ہو جو تمہاری اس نظر اُٹھانے کو دیکھ رہا ہو تو کیا اُسوقت تم ایسی بیحیائی کر سکتے ہو اگر کر سکتے ہو تو تم لاعلاج ہو اور اگر نہیں کر سکتے تو معلوم ہوا کہ نظر از خود نہیں اُٹھتی نہ مجبوری ہوتی ہے نہ رُکنا شاق ہوتا ہے نہ کوئی اُبھارتا ہے سب کچھ تمہیں کرتے ہو تو اس کے خلاف پر بھی تم قادر ہو سو تمہارا یہ عذر ویسا ہی بیہودہ عذر ہے جیسے ایک شاعر نے بکواس کی ہے ؎

بیخودی میں لے لیا بوسہ خطا کیجئے معاف	اس دلِ بیتاب کی صاحب خطا تھی میں نہ تھا

(۴۳) ایک طالب کو جو مدرس تھے اور جنھوں نے بوجہ کثرت کار تعلیم عدم مواظبت معمولات پر سخت افسوس کا اظہار کیا تھا یہ جواب تحریر فرمایا کہ افسوس بھی ایک درجہ میں مواظبت کا بدل ہے جب عدم مواظبت کسی عذر سے ہو لہ

(۴۴) ایک طالب نے لکھا کہ احقر جب بھی کوئی اچھی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہے تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ میرے پاس ہو تو بہت اچھا ہو پھر کوشش کرتا ہوں کہ وہ چیز مجھے کسی طرح سے حاصل ہو جائے۔ اُس شخص سے زائل کرنے کو نہیں چاہتا بلکہ صرف اپنے پاس رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں حرص دُنیا ہے۔ اگر میرا یہ خیال صحیح ہو تو علاج ارشاد فرمایا جاوے۔ اھ اس کا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔ مرض تو نہیں مگر مفضی الی المرض ہونے کا احتمال ہے علاج اس کا یہ ہے کہ بمجرد اس تمنا کے یہ عزم کیا جاوے کہ اگر یہ چیز مجکو مل بھی گئی فوراً کسی کو ہبہ کردوں گا خصوص اُس شخص کو جس کے پاس ایسی چیز پہلے سے موجود ہے یا اگر اُس سے ایسی بے تکلفی نہ ہوئی تو کسی دوسرے کو دیدوں گا اور اگر وہ چیز اتفاق سے اپنی ضرورت کی ہوئی تو اسکے دام مساکین کو دیدوں گا۔ جب تک ایسی تمنا زائل نہ ہوگی اُسوقت تک ایسا ہی کیا کروں گا۔ دعا بھی کرتا ہوں

بعد کو انھیں صاحب کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ اس علاج سے بے حد نفع ہوا اب یہ خیال ہی بالکل جاتا رہا اور اگر کبھی تھوڑا بہت ہوا بھی تو اس تصور سے کہ اس کی قیمت کسی مسکین کو دیدوں گا بالکل خواہش ہی جاتی رہی اھ اس پر حضرت والا نے مبارکباد تحریر فرمائی۔

(۴۵) ایک طالب نے لکھا کہ نماز اور ذکر کے قبل اور بعد اکثر یہ خیال آتا رہا کہ اتنی محنت بیکار ہے میں کوئی بزرگ تو ہو ہی نہیں سکتا رہے احکام اس کی پابندی کرلی جاوے تو اس کے لئے زیادہ فکر کی کیا ضرورت ہے کیونکہ بخشائش تو رحمت پر منحصر ہے الخ۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایک علاج

یہ سوچنا ہے کہ اعمال صرف مغفرت ہی کے لئے نہیں بلکہ مالک کا حق ہے مملوک پر اور مغفرت مستقل تبرع وعنایت ہے۔ اھ

(۴۶) ایک طالب نے اپنا حال لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں کے متعلق یہ ہوس ہوا کرتی ہے کہ جو چیز اور جو بات ہو وہ اعلیٰ درجہ کی ہو اور میں ہر فن میں سب سے بڑھکر ہوتا اھ اسکا یہ علاج تحریر فرمایا جس دنیوی چیز کی تمنا ہو اُس کے فنا کا استحضار تاکہ اُس کا ہیچ اور بے نتیجہ ہونا مستحضر ہو اور اگر وہ دین میں مضر ہے تو اُس کے نتیجۂ بد کا بھی استحضار۔ اس مراقبہ کے بار بار استعمال کرنے سے یہ ہوس مضمحل ہو جائے گی اور اگر وہ امر دینی ہے تو اُس کی تمنا محمود ہے۔ اُس کے علاج کی ضرورت نہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ جس کو وہ نعمت عطا ہوئی ہے اُس سے زائل ہونے کی تمنا نہ ہو ورنہ وہ حسد اور حرام ہے اگر خدا ناکردہ ایسا ہوتا ہو تو اسکے متعلق مستقل سوال کیا جاوے باقی اعتدال کی دعا بھی کرتا ہوں۔ اھ

(۴۷) ایک صاحب اجازت نے لکھا کہ میرے مزاج میں شرم وحیا زیادہ ہے۔ لوگوں کے ادب ولحاظ سے دل میں بہت اُلجھن پیدا ہوتی ہے۔ ایک گاؤں میں دو چار آدمیوں کو حضرت والا کی برکت سے دین کا بہت فائدہ ہوا ہے وہ بار بار بلانے کا تقاضا کرتے ہیں نہایت شرمندگی ہوتی ہے اس لئے عذر کر دیتا ہوں مگر وہ مانتے نہیں۔ اس کے متعلق جو ارشاد عالی ہو اُسپر عمل کروں اھ

جواب تحریر فرمایا کہ جب تک شرم رہے ہو آیا کرو جب شرم اُتر جاوے مت جاؤ پھر شرم ہونے لگے چلے جاؤ وعلیٰ ہذا یہی دستور العمل رکھو اھ

(۴۸) ایک طالب نے لکھا کہ جب میں کسی سے حضرت کے مواعظ میں دیکھی ہوئی کوئی بات کہتا ہوں تو ریا محسوس ہوتی ہے کہ تو جو کچھ کہتا ہے وہ تیرے افعال کے خلاف ہے اور یہ وعظ گوئی خلاف منصب ہے اسکا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ ریا ہر خیال کا نام نہیں بلکہ جس خیال کی بناء قصد رضائے خلق بذریعۂ دین ہو اور یہ اختیاری امر ہے۔ جب اس کا قصد نہ ہو وہ ریا ہی نہیں اگرچہ وہم ریا ہو۔ وہم ریا وسوسۂ ریا ہے جسپر مواخذہ نہیں ایسے وہم سے عمل صالح کو ترک نہ کیا جاوے اسی طرح ریا کے متعلق ایک اور طالب نے لکھا کہ بعض مرتبہ کسی اچھے کام میں مصروف ہوتا ہوں اور اچانک کسی شخص پر نظر پڑ جاتی ہے تو اکثر وبیشتر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کام کو اور اچھی طرح کریں مجھے اتنا تو یقیناً معلوم ہے کہ یہ ریا ہے لیکن یہ سمجھکر کہ انسان کیا چیز ہے جو اُس کو دکھلا کر کام کریں فوراً اپنی نیت کو حق تعالیٰ کی طرف پھیر لیتا ہوں۔ کیا اس طرح نیت ٹھیک کر لینے سے وہ ریا ریا نہ رہے گی۔ اھ

اس کا جواب تحریر فرمایا کہ میرا مذاق اس میں یہ ہے کہ صرف تصحیح نیت اسمیں کافی نہیں کیونکہ یہ تصحیح اُس شخص کے

نزدیک مقصود بالذات نہیں - مقصود بالذات تحسین عمل للخلق ہے اور تصحیح نیت اُس تحسین کا آلہ تاکہ غائلہ ریا سے بھی بچا رہوں اور مقصود نفس بھی حاصل ہو جاوے تو جب اخلاص سے تحصیل ریا مقصود ہو وہ مقدمہ ریا ہونے کے سبب ریا ہی ہے اس صورت میں ریا سے حفاظت کی صورت صرف یہ ہے کہ اُس خطرہ کے بعد عمل میں تغیر نہ کرے اور اسی کے ساتھ نیت خالص رکھے - مجکو معلوم نہیں کہ دوسرے اطباء باطن کی اس میں کیا تحقیق ہے اگر اسکے خلاف بھی ہو تب بھی میں اپنی رائے پر قائم ہوں - ذوقیات میں ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں اھ

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ دوران مرض میں مکان پر نماز پڑھنی پڑی تو جیسی مسجد کی نماز میں طبیعت لگتی تھی مکان کی نماز میں نہیں لگتی تھی نیز مسجد میں رکعات بھی لمبی لمبی ہوتی تھیں بہ نسبت مکان کے اب خلجان یہ ہے کہ کہیں یہ مسجد کی نماز میں زیادہ جی لگتا بسبب ریا کے نہ ہو - اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ نہیں بلکہ مسجد میں اسکے اسباب ایسے جمع ہیں کہ گھر میں نہیں -

(۴۹) ایک اشکال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ خشیت میں بھی طبعی تبسم پیدا ہو سکتا ہے جیسا غلبۂ خشیت میں طبعی جوع و عطش و نوم بھی پیدا ہو جاتا ہے - اھ

(۵۰) ایک طالب کے حالات کے متعلق یہ جواب تحریر فرمایا کہ وارد اگر شریعت کے موافق ہو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جاوے نہ کہ اتباع وارد کی نیت سے ناقصین کے لئے یہ سخت خطرہ کی چیز ہے - اھ

(۵۱) ایک طالب کے استفسار پر بدگمانی کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب ایسی بدگمانی قلب میں آوے اول علیحدہ بیٹھ کر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس تو حق تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا یہ سوچکر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ میرے دل کو صاف کر دے اور جس پر بدگمانی ہوئی ہے اُس کے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ اس کو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما - دن رات میں تین بار ایسا کرے کہ اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے تیسرے دن ایسا ہی کرے اگر پھر بھی اثر رہے اب اُس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجکو تم پر بدگمانی ہو گئی تم معاف کر دو اور میرے لئے دعا کر دو کہ یہ دور ہو جاوے اھ -

(۵۲) ایک طالب نے اپنے احوال باطنی میں کمی کی شکایت لکھی تو تحریر فرمایا کہ ایسی کمی بیشی لازم عادی ہے یکساں حال رہ ہی نہیں سکتا دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر یہ تغیر مضر نہیں بلکہ اسمیں مصالح ہیں جنکا مشاہدہ اہل طریق کو خود ہو جاتا ہے مثلاً غیبت کے بعد حضور میں زیادہ لذت ہونا اور مثلاً غیبت میں انکسار و ندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا و مثل ذالک اھ

(۵۳) ایک طالب کے استفسار پر نماز میں یکسوئی کی یہ تدبیر تحریر فرمائی کہ نماز میں توجہ ایکطرف رکھی جاوے جسکی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اسطرف التفات نکرے کہ اسکے بعد رکوع کرنا ہے - رکوع میں اسطرف التفات نہ کرے کہ اسکے بعد قومہ کرنا ہے و علیٰ ہذا بلکہ

ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالذات سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے۔ اسیطرح پھر دوسرے رکن میں الیٰ آخر الصلوٰۃ اگر ایسا کیا جاوے تو نماز میں اسقدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی کیونکہ ذکر میں گو یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آکر اس یکسوئی کو فوت کر سکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کر کے کسی شغل میں لگ سکتے ہیں اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص ہم کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا نہ خود کوئی کام کر سکتے ہیں وھٰذا الذی کتبت ورد علیٰ قلبی فی فرض الظہر وجربتہ فیہ وفی سنتہ البعدیۃ وللہ الحمد۔ اھ

(۵۴) ایک طالب نے فضول گوئی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ فضول گوئی اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اسپر انھوں نے لکھا کہ میری خوب سمجھ میں آگیا کہ یہ اختیاری ہے اور یہی کیا سب اوامر و نواہی اختیاری ہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز معین سہولت بتادی جاوے تو بہت احسان ہو۔ اھ - اسپر تحریر فرمایا کہ کس کس چیز کے سہل ہونے کی تدبیر پوچھوگے اور اس حدیث کے کیا معنی کہوگے۔ حُفّت الجنۃ بالمکارہ اھ

(۵۵) ایک طالب کو جنھوں نے اپنے خط میں اپنی سخت ناکارگی کا اظہار کیا تھا یہ تحریر فرمایا کہ مقصود تو مقصود کا مشاہدہ ہے اور اُس کا طریق مجاہدہ۔ مگر جب تک اس میں کمی رہے تو اس مشاہدۂ مقصود کا مقدمہ عدم مجاہدہ کا مشاہدہ ہے جس سے انشاء اللہ تعالےٰ مجاہدہ کی توفیق ہو جاتی ہے پھر اُس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو کہ مقصود ہے۔ اسی ترتیب کا سلسلہ شروع ہے جو انشاء اللہ تعالےٰ تدریجاً بخیر و خوبی ختم اور مکمل بھی ہو جاوے گا لگا رہنا چاہئے۔ اگر کام میں کوتاہی ہو جاوے۔ اس نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہئے انشاء اللہ تعالےٰ حرمان نہ ہوگا میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اھ

(۵۶) ایک طالب نے لکھا کہ حضور جب کسی شخص میں فی الواقع خداداد فضیلتیں موجود ہیں تو اب ان موجودہ فضیلتوں کو کس طرح اپنے میں معدوم سمجھکر اپنے آپ کو دوسروں سے ادنیٰ اور فروتر سمجھے۔ اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اکمل سمجھنا جائز ہے مگر افضل یعنی مقبول حق اور اس کو مردود و مطرود سمجھنا جائز نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ فی الحال اُس کا کوئی عمل صالح ایسا ہو کہ اس کے تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہو اور اس میں کوئی رذیلہ ایسا ہو کہ اُس کے سب رذائل سے زیادہ ناپسندیدہ ہو یا فی الحال نہ ہو تو فی المآل اس کا احتمال ہے پس ان دونوں احتمالوں کا مستحضر رکھنا علاج کبر کے لئے کافی ہے انسان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں۔ اھ۔

(۵۷) ایک طالب نے لکھا کہ پہلے کبھی میری صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجکو بہت رونا آتا تھا اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے تو کچھ رنج نہیں ہوتا حضور والا مجکو دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اصلاح فرمائیں۔ اسپر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے۔ چنانچہ

رنج نہ ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی ہے اھ۔

(۵۸) ایک طالب نے نماز میں خشوع کی دشواریاں لکھی تھیں جواب تحریر فرمایا کہ جیسے طبیعت کو آزاد چھوڑ دینا مضر ہے اُسی طرح زیادہ مقید کرنے سے بھی تنگ ہو جاتی ہے۔ بس نماز میں اتنی توجہ کافی ہے جیسے کسی کو کوئی سورت کچی یاد ہو اور سرسری طور پر سوچکر پڑھتا ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں پھر اگر اس کے ساتھ بھی وساوس آویں ذرا مضر نہیں اھ۔

اسی طرح ایک ذی علم صاحب اجازت نے استفسار کیا کہ کسی طاعت میں دوسری طاعت مثلاً کسی شرعی مسئلہ کا قصداً سوچنا یا کسی سفر طاعت کا نظام ذہن میں قصداً طے کرنا مُخل خشوع ہے یا نہیں اس کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ یہ مسئلہ دقیق ہے قواعد سے اس کے متعلق عرض کرتا ہوں اسوقت دو حدیثیں میری نظر میں ہیں ایک مرفوع جس میں یہ جزو ہے۔ صلی رکعتین مقبلا علیہما بقلبہ دوسری موقوف حضرت عمرؓ کا قول جس میں یہ جزو ہے انی لاجھز جیشی وانا فی الصلوٰۃ مجموعہ روایتین سے اخلاص کے دو درجہ مفہوم ہوئے ایک یہ کہ جس طاعت میں مشغول ہے اُس کے غیر کا قصداً استحضار بھی نہ ہو اگرچہ وہ بھی طاعت ہی ہو دوسرا درجہ یہ کہ دوسری طاعت کا استحضار ہو جاوے اور ان دونوں میں یہ امر مشترک ہے کہ اُس دوسری طاعت کا اس طاعت سے قصد نہیں ہے مثلاً نماز پڑھنے سے یہ غرض نہیں کہ نماز میں یکسوئی کے ساتھ تجہیز جیش کریں گے پس حقیقت اخلاص تو دونوں میں یکساں ہے اس میں تشکیک نہیں عوارض کے سبب انمیں تفاوت ہو گیا اور درجہ اول اکمل اور دوسرا درجہ اگر بلا عذر ہے تو غیر اکمل ہے اور اگر عذر سے ہے تو وہ بھی اکمل ہے جیسے حضرت عمرؓ کو ضرورت تھی اور اسکا معیار اجتہاد ہے لیکن ہر حال میں اخلاص کے بالکل خلاف نہیں البتہ خشوع کے خلاف ہونا نہ ہونا نظری ہے۔ میرے ذوق میں بصورت عذر یہ خلاف خشوع بھی نہیں اگر ضرورت ہو اپ اسپر سوال کو منطبق کر لیجئے

اسی طرح ایک طالب نے یہ شکایت لکھی کہ تراویح میں قرآن شریف سناتے وقت خشوع وخضوع نہیں ہوتا ہر رکعت میں یہ عزم کر لیتا ہوں کہ اب جناب حق تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز کے ساتھ خیال رکھونگا مگر جب قرآن شریف شروع کرتا ہوں تو اسی خیال میں قرأت ختم ہو جاتی ہے کہ کہیں بھول نہ جاؤں بہت افسوس ہوتا ہے دعا فرماویں کہ میری یہ تمنا پوری ہو جواب تحریر فرمایا کہ خشوع سکون کا نام ہے اور یہ خیال کہ کہیں بھول نہ جاؤں حرکت ہے جو سکون کی ضد ہے اور کوئی شے اپنی ضد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی اور یہ خیال طبعاً لازم ہے اس لئے حصول خشوع اس حالت میں عادۃً متعذر ہے تو اسکا اہتمام بھی تکلیف مالایطاق ہے لیکن یہ خشوع نہ ہونا مضر اور قابل افسوس اس لئے نہیں کہ جو مقصود ہے خشوع سے کہ غیر مقصود کی طرف توجہ نہ ہو وہ حاصل ہے پس گویا خشوع اگر صورتاً نہیں مگر معنیً حاصل ہے کیونکہ یہ خیال تکمیل ہے طاعت کی۔ اور طاعت مقصود ہے پس یہ توجہ الی المقصود ہے

چنانچہ بعض احادیث فضل خشوع میں لم یحدث فیھا نفسہ لشیئ من الدنیا اور بعض میں الابخیر وارد ہے اسکی توضیح رسالہ تشرف اول کتاب الصلوٰۃ میں قابل مطالعہ ہے۔ ہاں طبعًا ناگواری پر نظر ہے استغفار عن الغین کی۔

تذکیر نعمت - یہ تحقیق منجملہ منن عظیمۂ الہیہ ہے جسمیں کسب کا دخل نہیں اسکی بیقدری نہ کیجاوے میں بھی اسی میں مبتلا تھا حق تعالیٰ نے حقیقت منکشف فرمائی آگے اپنی ہمت ہے اھ

اسیطرح ایک طالب نے کوئی ایسا علاج پوچھا جس سے ہمیشہ توجہ الی اللہ رہے۔ جواب تحریر فرمایا کہ توجہ جو درجۂ عمل میں ہے وہ اختیار میں ہے اُسکا علاج قصد اور استحضار ہے اور جو توجہ درجۂ حال میں ہے وہ توجہ کے درجۂ مذکورہ سے از خود حاصل ہوجاتی ہے اھ

(۵۹) ایک طالب نے کبر کے متعلق بہت سی تفصیلات وجزئیات لکھکر یہ درخواست کی کہ اگر مجھ میں کبر ہے تو اسکا علاج تجویز فرمائیں حضرت والا نے مفصل جواب تحریر فرمایا اور اسکا ایک نام بھی بمناسبت نام سائل رکھدیا یعنی شمس الفضائل لطمس الرذائل وہ جواب ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"یہاں کئی چیزیں ہیں تشابہ جنمیں کبھی اشتباہ ہوجاتا ہے۔ کبر ۱ وعجب ۲ وحب جاہ ۳ وریا ۴ وخجلت ۵ پھر ہر ایک میں دو دو درجے ہیں حقیقت وصورت تو یہ دس چیزیں ہیں اور ہر ایک میں کلام طویل ہوسکتا ہے مگر مختصر بقدر ضرورت جس سے تھوڑی مناسبت والے کو ہر درجہ کے سمجھنے میں ضروری بصیرت ہوسکتی ہے اور واقعات جزئیہ کو اُسپر منطبق کرسکتا ہے لکھتا ہوں۔ باقی جسکو مناسبت ضروری بھی نہوا سکے لئے نہ کلیات کافی ہیں نہ جزئیات کے لئے تحریر کافی ہے بلکہ اسکو ضرورت ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آوے اُسے کسی محقق کے سامنے پیش کرے اگر تنقیح کی ضرورت ہو اسکا بھی جواب دے پھر جو وہ فیصلہ کرے اسکو علمًا وعملًا قبول کرے۔

وہ مختصر کلام یہ ہے کہ تکبر کا حاصل یہ ہے کہ کسی کمال دنیوی یا دینی میں اپنے کو باختیار خود دوسرے سے اسطرح بڑا سمجھنا کہ دوسرے کو حقیر سمجھے تو اسمیں دو جزو ہونگے اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو حقیر سمجھنا یہ تو اسکی حقیقت ہے جو حرام اور معصیت ہے اور ایک اسکی صورت ہے کہ اُسمیں سب اجزا ہیں بجز ایک جزو یعنی اختیار کے یعنی بلا اختیار ان اجزا کا خیال آگیا یہاں تک تو معصیت نہیں لیکن اُسکے بعد اگر اس خیال کو باختیار خود اچھا سمجھا یا باوجود اچھا نہ سمجھنے کے باختیار خود اسکو باقی رکھا یہ حقیقت کبر کی ہوجاویگی اور معصیت ہوگی۔ اور یہ جو قید لگائی گئی ہو کہ دوسرے کو حقیر سمجھے یہ اسلئے کہ اگر کوئی واقعی بڑائی چھٹائی کا اسطرح معتقد ہو کہ دوسرے کو ذلیل نہ سمجھے تو وہ تکبر نہیں جیسے ایک شخص بیس برس کی عمر والا دو برس کے بچہ کو یوں سمجھے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے یا ایک ابجد پڑھنے والا طالب علم نحو میر پڑھنے والے طالب علم کو سمجھے کہ یہ مجھ سے پڑھائی میں کم ہے یا ایک مالدار آدمی کسی مسکین کو سمجھے کہ مجھ سے مال میں کم ہے مگر اسکو حقیر نہیں سمجھتا تو وہ

کبر نہیں البتہ اگر یہ تفاوت واقع کے خلاف ہو تو ایسا اعتقاد کذب ہوگا مگر کبر وکذب متغائر ہیں۔ مگر ایسی بڑائی چھوٹائی کا اعتقاد گو کبر تو نہیں لیکن اگر وہ محل تفاوت عرفاً یا شرعاً کمال ہو تو یہ اعتقاد احیاناً مفضی کبر کی طرف ہو جاتا ہے اسلئے سد ذرائع کے طور پر اسکا بھی وہی علاج کرنا چاہیئے جو حقیقت کبر کا علاج ہے۔ اور وہ ایک خاص مراقبہ ہے جسکی ایسے ہر وقت میں تجدید و تکریر کر لی جاوے جبکہ اس تفاوت کی طرف التفات ہو وہ مراقبہ یہ ہے کہ (الف) گو میرے اندر یہ کمال ہے مگر میرا پیدا کیا ہوا نہیں حق تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے اور (ب) عطا بھی کسی استحقاق سے نہیں ہوا بلکہ محض موہبت و رحمت ہے پھر (ج) عطا کے بعد بھی اسکا بقا میرے اختیار میں نہیں بلکہ حق تعالےٰ جب چاہیں سلب کر لیں اور (د) گو اس دوسرے شخص میں فی الحال یہ کمال نہیں ہے مگر فی المآل ممکن ہے کہ میرے کمال سے زیادہ اسکو یہ کمال اسطرح حاصل ہو جائے کہ میں اس کمال میں اسکا محتاج ہو جاؤں اور (ہ) اگر فی المآل بھی نہو جیسا بعض اوقات ظاہری اسباب سے اسکا گمان غالب ہوتا ہے تو فی الحال ہی اس شخص میں کوئی ایسا کمال ہو جو مجھ سے مخفی ہو اور دوسروں پر ظاہر ہو یا سب ہی سے مخفی ہو حق تعالیٰ کو معلوم ہو جسکے اعتبار سے اسکے اوصاف کا مجموعہ میرے اوصاف کے مجموعہ سے اکمل ہو۔ اگر کسی کے کمال کا بھی احتمال قریب ذہن میں نہ آوے تو اس احتمال کو ذہن میں حاضر کرے کہ شاید یہ علم الٰہی میں مقبول ہو اور میں غیر مقبول ہوں۔ یا اگر میں بھی مقبول ہوں تو یہ مجھسے زیادہ مقبول ہو تو مجھ کو کیا حق ہے کہ اسکو حقیر سمجھوں اور (و) یہ خیال کرے کہ اگر بالفرض یہ سب امور میں مجھ سے کم ہی ہے تو ناقص کا کامل پر حق ہوتا ہے جیسا مریض کا صحیح پر ضعیف کا قوی پر فقیر کا غنی پر تو مجکو چاہیئے اسپر شفقت و ترحم کروں اسکی تکمیل میں کوشش کروں اور اگر کسی طرح قدرت نہ ہو یا ہمت نہو یا فرصت نہو تو دعائے تکمیل ہی سہی اور اس خیال کے بعد تکمیل میں سعی شروع کر دے تو اس تدبیر سے اُسکے ساتھ تعلق شفقت کا پیدا ہو جاویگا۔ اور طبعی خاصہ ہے کہ جس کی تکمیل و تربیت میں سعی کرتا ہے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت کے بعد تحقیر نہیں ہوتی اور (ر) یہ بھی نہو تو اُسکے ساتھ لطف واخلاق کے ساتھ کبھی کبھی بات چیت کر لیا کرے اُسکا مزاج پوچھ لیا کرے اس سے جانبین میں تعلق ہو جاتا ہے اور ایسے تعلق کے بعد تحقیر معدوم ہو جاتی ہے البتہ اگر وہ شخص ایسا ہے کہ شرعاً اُس سے بغض رکھنا مامور بہ ہے تو تدابیر مذکورہ میں سے بعض کا استعمال اس عارض کے سبب نہ کیا جاویگا مگر بعض کا پھر بھی بغض کیساتھ اجتماع ہو سکتا ہے اُن بعض کو استعمال کرے۔

یہ سب کلام تو تکبر کے متعلق تھا اور عجب میں صرف ایک قید کم ہے باقی سب اجزا وہی ہیں یعنی اس میں دوسروں کو چھوٹا سمجھنا نہیں صرف اپنے کو بڑا سمجھنا ہے اسمیں بھی حقیقت اور صورت کے ویسے ہی درجے ہیں اور وہی احکام ہیں اور معالجات مذکورہ میں سے جن میں سے دوسرے کا تعلق نہیں وہ سب معالجات اسمیں بھی ہیں، اور ایک چیز اشیاء خمسۂ مذکورہ میں حُبِ جاہ ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ جیسا اپنے کو اپنے دل میں بڑا سمجھتا ہے

اسکی بھی کوشش کرتا ہے کہ دوسرے بھی مجھ کو بڑا سمجھیں اور میرے ساتھ تعظیم و اطاعت و خدمت کا معاملہ کریں چونکہ اسکا منشاء بھی تکبر یا عجب ہی ہے اسلئے اُسکے اقسام و احکام و درجات و معالجات وہی ہیں جو کبر میں گذرے، اور اشیاء خمسہ مذکورہ میں سے ایک چیز ریاء ہے اُسکا حاصل یہ ہے کہ کسی عمل دنیوی یا دینی کو لوگوں کی نظر میں بڑائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دے۔ اشیاء اربعہ مذکورہ میں یہ ذریعہ بنانے کی قید نہ تھی چونکہ یہ بھی کبر اور عجب ہی سے پیدا ہوتا ہے اسمیں بھی سب وہی درجات و اقسام و احکام و معالجات ہیں اور سب احکام کلی ہیں۔

کبھی کبھی خصوصیت مقام سے بعض نئی صورتیں یا نئے معالجات بھی ثابت ہوتے ہیں جو مربی کی رائے پر متعین کئے جاتے ہیں۔ سب سے اخیر کی ایک قسم خجلت ہے وہ ایک طبعی انقباض ہے جو خلاف عادت کام کرنے سے یا حالت پیش آنے سے بلا اختیار نفس پر وارد ہوتی ہے اور سالک کو بعض اوقات غایت احتیاط کے سبب اُس پر شبہہ ہو جاتا ہے کبر وغیرہ کا مگر واقع میں وہ کبر نہیں ہوتا اور معیار اسکا یہ ہے کہ جسطرح یہ شخص ایک دنی یا خسیس کام کرنے سے شرماتا ہے اگر کوئی شخص اسکے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم و تکریم کا معاملہ دل سے کرے تب بھی اسکو ویسا ہی انقباض ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو خجلت ہے ورنہ کبر یہ تو اسکی حقیقت ہے جو غیر اختیاری ہونے کے سبب مذموم نہیں۔ اور ایک صورت ہے کہ واقع میں تو کبر وغیرہ ہے مگر نفس نے تاویل کر کے اس کو خجلت میں داخل کر کے تسلی حاصل کرلی۔ یہ اختیاری ہونے کے سبب مذموم ہے بلکہ دوسرے ذمائم مذکورہ سے بھی اشنع ہے کیونکہ تاویل کر کے غیر مباح کو مباح بنایا ہے جو اعلیٰ درجہ کی تلبیس و تدلیس ہے تو اور اقسام میں تو حقیقت مذموم تھی اور صورت غیر مذموم اور اسمیں بالعکس جیسا مع الدلیل گذر چکا۔ چونکہ واقعات ثمانیہ میں سب اقسام کے اجزاء مذکور ہیں اسلئے سب اقسام کی تحقیق کیگئی (طالب کے خط میں کبر کی آٹھ مثالیں مذکور تھیں جن کے بارہ میں تحقیق مطلوب تھی ۱۲)

اب اخیر میں ایک معالجہ ممتدہ ذکر کرتا ہوں۔ کیونکہ معالجات مذکورہ وقتی تھے جن سے اثر کا رسوخ نہیں ہوتا الا نادراً اور مبتدی کو ایک معتد بہا مدت تک اس معالجہ کی ضرورت ہے وہ یہ کہ تکلف اوضاع و اطوار و عادات قلیل الجاہ لوگوں کے اختیار کرے حتی کہ تواضع راسخ ہو جاوے مگر اُس میں بھی اسکا خیال رکھے کہ غایت درجہ کی دناءت و خست کو اختیار نہ کرے جس سے تواضع کی شہرت ہو جاوے۔

اسکے بعد انھیں صاحب نے قلیل الجاہ لوگوں کے اوضاع و اطوار و عادات کی تفصیل پوچھی تو تحریر فرمایا کہ انکی جزئیات کا استیعاب کیسے ہو سکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ وہ امور اختیار کئے جائیں جن سے ایک گونہ نفس کو انقباض ہو مگر دوسروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ ہوں جس سے شہرت تواضع کا احتمال ہو اھ

(۶۰) ایک طالب نے لکھا کہ خاکسار کو ایک مرض ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے کسی قسم کی تکلیف و نقصان

ہو نجاوے تو چین نہیں آتا ہے جب تک کہ اُس سے انتقام نہ لوں اھ اسکا جواب تحریر فرمایا کہ چین نہ آنا معصیت نہیں صرف کلفت ہے جسکا تحمل مجاہدہ اور موجب اجر ہے تو چین نہ آنا مضر نہ ہوا بلکہ نافع ہوا باقی کلفت کا علاج یہ علم دین کا منصب نہیں لیکن تبرعاً وہ بھی لکھے دیتا ہوں کہ چند روز تحمل کرنے سے یہی عادت ہو جائیگی پھر اس درجہ کلفت نہ ہوگی اھ

(۶۱) ایک طالب نے لکھا تھا کہ احباب واقارب سے تعلقات ومحبت جیسی پہلے تھی اب نہیں اسپر افسوس ظاہر کیا اور یہ بھی لکھا تھا کہ یہ حالت سنت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اسپر تحریر فرمایا کہ سب حالت ٹھیک ہے یہ سنت مقصود بالذات نہیں مقصود بالذات ادائے حقوق ہے وہ حاصل ہے بعض طبائع ایسی ہیں کہ اس سنت کا اہتمام کریں تو اُن سے فرض ہی فوت ہو جاوے یعنی تعلق بحق اس لئے انکے حق میں یہی انفع واصلح ہے جو پیش آرہا ہے اھ

(۶۲) ایک طالب نے لکھا کہ میں اپنے کو کسی سے برا نہیں سمجھتا مگر باوجود اسکے نفس اس بات کو بالکل برداشت نہیں کرتا کہ ذلت ہو بس دل یوں چاہتا ہے کہ کوئی عزت بیشک نہ کرے برا اعتقاد نہ سمجھے مگر کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے ذلت ہو میلے کپڑے پہننے سے بھی عار آتی ہے کہ دیکھنے والے ذلیل سمجھیں گے اھ

اسکا جواب تحریر فرمایا کہ یہ شریعت میں بھی حکم ہے لاینبغی للمومن ان یذل نفسہ جب تک حالت غالب نہو یہی طریق ہے گر جب حال غالب ہو جاتا ہے تو ذلت کو عزت سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے اگر نہو تمنا نہ کرے اگر ہو جاوے ازالہ نہ کرے۔ اھ

(۶۳) ایک طالب نے لکھا کہ کثرت اکل اور حرص طعام کا مرض بہت عرصہ سے ہے جسکو تبلیغ دین میں سب گناہوں کی جڑ بتلایا ہے جواب تحریر فرمایا کہ جنکے قوی اچھے تھے انکے حق میں یہ بیشک مرض ہو جاتا تھا اب خود قوی ضعیف ہیں اسلئے قلت اکل کی غرض خود حاصل ہے اب یہ مرض نہیں اھ

اسیطرح ایک طالب کو یہ تحریر فرمایا کہ تقلیل طعام فی نفسہ مقصود نہیں مقصود کسر قوت بہیمیہ ہے اور اس کسر سے بھی مقصود کف النفس عن المعاصی ہے پس اگر یہ کف عن المعاصی بدون تقلیل طعام میسر ہو جاوے تو تقلیل طعام ضروری نہیں بلکہ اس زمانہ میں اکثر اس سے ضعف ہو جاتا ہے جس سے دوسری مضرتیں جسمانی ونفسانی پیدا ہو جاتی ہیں اسلئے بلا ضرورت مناسب نہیں اھ

(۶۴) ایک طالب نے ایک طویل خط میں اپنی متضاد حالتیں لکھی تھیں یعنی اولاً سخت پریشانی ناقابل تحمل جسمیں خواب وخور سب اُڑ گیا اسکے بعد مبشرات رویا سے فرح وسرور۔ اسکا یہ جواب تحریر فرمایا کہ وہ پہلی حالت قبض کی تھی۔ دوسری حالت بسط کی اور قبض جتنا شدید ہوتا ہے اُتنا ہی بسط قوی ہوتا ہے اسلئے ائمہ طریق نے

فرمایا ہے کہ قبض سے پریشان نہ ہونا چاہیئے وہ سب مقدمات ہوتے ہیں بسط کے مبارک ہو۔ یہ حالات کسکو نصیب ہوتے ہیں مگر ایسی حالت میں غذائے لطیف اور مفرحات و مقویات کا استعمال رکھنا ضروری ہے گو دل نہ چاہے اھ

(۶۵) ایک طالب نے لکھا کہ میں معمولی سے خطرہ پر پریشان ہوجاتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ مجھ میں توکل نہیں ہے اس معصیت سے بچنے کا علاج ارشاد فرمادیں۔ اسکا جواب تحریر فرمایا کہ نہ یہ معصیت ہے نہ توکل کے خلاف ہے کیونکہ توکل کی حقیقت ہے غیر متصرف حقیقی سے قطع نظر کرنا اور یہ قطع نظر اعتقاداً کرنا تو فرض ہے اور عملاً اسباب ظنیہ کے ترک سے بشرط تحمل مستحب ہے اور جو اسباب عادۃً یقینی یا مثل یقینی کے ہیں انکا ترک کرنا معصیت ہے بجز اہل حال کے کہ ان کو اسکی بھی اجازت ہے اور یہ سب تفصیل اسباب دنیویہ میں ہے اور اسباب دینیہ کو ترک کرنا توکل نہیں ہے اھ

(۶۶) ایک طالب نے لکھا کہ میری طبیعت کچھ خشکی واقع ہوئی ہے مخالفین کے اعتراض سنکر یا کسی کتاب میں دیکھ کر طبیعت متردد ہوجاتی ہے اس سے بفضلہ تعالیٰ عمل میں تو کوئی فرق نہیں آتا البتہ عبادت میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں رہتی اور دل رنجیدہ اور اندوہگیں سا رہتا ہے۔ ساتھ ہی اس تردد کو مکروہ اور برا جانتا ہوں۔ اھ جواب تحریر فرمایا کہ ایسی حالت میں دیکھو جیسے شک یا تردد پیدا ہوا اور جو بلا قصد کسی بات کان میں پڑ جاوے اور یہی حالت پیدا ہوجاوے تو اسکو کسی خاص تدبیر سے زائل کرنیکی ضرورت نہیں کہ اس اہتمام سے پریشانی بڑھیگی اور ہمیشہ کیلئے ایک مستقل شغل ہوجاویگا بلکہ بجائے تدبیر کے اس سے بے التفاتی اختیار کرو اور کتنا ہی وسوسہ ستاوے بالکل پرواہ مت کرو البتہ دعا اور تضرع کرتے رہو اور اسکو کافی سمجھو انشاءاللہ تعالیٰ بہت جلد طبیعت صاف ہوجائے گی اور جب یہی عادت ہوجاویگی تو قلب میں ایسی قوت پیدا ہوجاویگی کہ وہ ایسی چیزوں سے متاثر نہ ہوگا یہ ہے حکمی نسخہ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ابھی دو چار ہی دن ہوئے کہ عطا ہوا ہے جو بہت بڑا علم ہے والحمدللہ اھ

(۶۷) ایک طالب کے استفسار پر تحریر فرمایا کہ بخل کے دو درجے ہیں۔ ایک خلاف مقتضائے شریعت اور یہ معصیت ہے۔ دوسرا خلاف مقتضائے مروت اور یہ معصیت نہیں۔ فضیلت تو یہ ہے کہ یہ بھی نہو اور تدبیر اسکی یہ ہے کہ اس مقتضا کی مخالفت کیجاوے لیکن اگر ہمت نہو تو کوئی فکر کی بھی بات نہیں۔ اھ

(۶۸) ایک طالب نے لکھا کہ مختصر سے مختصر ذکر کا معمول رکھا تھا اسپر بھی مداومت نہیں ہوتی جماعت نماز میں بھی اکثر مسبوق ہونے کی نوبت آتی ہے جب ایسا ہوتا ہے تو آیندہ کے لئے احتیاط کا عزم کرلیتا ہوں مگر پھر جس دینی یا دنیوی شغلہ میں ہوتا ہوں اسکو فوراً چھوڑ دینے اور جماعت اور تکبیر اولیٰ کی طرف سبقت کرنے میں غفلت ہوتی ہے جانتا ہوں کہ قصور اختیاری ہے اور استعمال اختیار کی کوشش بھی کچھ کرتا ہوں مگر غفلت سب پر غالب آجاتی ہے الخ اسکا جواب تحریر فرمایا کہ اسکا سبب ضعف جسمانی ہے۔ جسکا اثر عزم پر طبعًا ہوتا ہے جسمیں ایک گونہ غیر اختیاریت کا بھی درجہ ہے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ اسکا احساس ہے اور اسکا قلق ہے۔ اسمیں لگا رہنا چاہیئے انتہٰی

اسی کی برکت سے درجۂ مطلوبہ بھی میسر ہو جاویگا حقیقۃً یعنی وقوعاً یا حکماً یعنی اجراً و اثراً یہ حالت ضعفاء کو بکثرت پیش آتی ہے لیکن ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد	گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

چلنے سے نہ رکیں۔

(۶۹) ایک طالب نے فضول گوئی کا مرض لکھا اور اسکا سبب یہ لکھا کہ جب مجکو کوئی خوشی ہوتی ہے یا کوئی فکر نہیں ہوتا تو ایک جوش سا پیدا ہوتا ہے اور اسمیں بہت باتیں کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ فحش اور غیبت تک نوبت پہونچ جاتی ہے اور جب تک یہ نوبت نہیں آتی وہ جوش کم نہیں ہوتا اسکا یہ علاج تحریر فرمایا کہ علاج کی حقیقت ہے ازالہ سبب مرض جب مرض کا سبب جوش ہے خوشی کا۔ اسکا علاج اس جوش کا فرو کرنا اور اس خوشی کو اسکی ضد یعنی فکر و غم سے مغلوب کرنا ہے اور سب سے زیادہ فکر و غم کی چیز موت و احوال بعد الموت ہیں یعنی واقعات برزخ و محشر و صراط و عقوبات معاصی بس ایسے وقت میں ان واقعات کو مستحضر کر لیا جاوے اگر ویسے استحضار ضعیف ہو تو کوئی کتاب اس مضمون کی لیکر مطالعہ شروع کر دیا جاوے اور بہتر ہے کہ فوراً خلوت میں جاکر مراقبہ یا مطالعہ کیا جاوے اسکا علاج تو فوراً ہو جائیگا پھر اگر ضعف طبیعت سے ہیبت کے غلبہ سے تکلیف ہونے لگے تو رحمت و رجا کی حدیثوں کو مستحضر کر لیا جاوے بس اعتدال ہو جائیگا۔ اور اصل خوشی رہجاویگی جو مامور بہ ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا۔ اور یہ فضول حصہ خوشی کا زائل ہو جائے گا جو منہی عنہ ہے۔ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ اھ

(۷۰) ایک طالب نے لکھا کہ نماز میں باوجود بار بار توجہ کرنے کے وساوس کا ہجوم رہتا ہے جواب تحریر فرمایا کہ عبد اپنے حد اختیار ہی تک کا مکلف ہے اور اختیار اسی قدر ہے کہ حدیث النفس کو قصد و ارادہ سے نہ لاوے اور جب بلا قصد و ارادہ آجاوے اسکو دفع کر دے۔ اور دفع کی سہل صورت یہ ہے کہ دوسری ایسی چیز کی طرف متوجہ ہو جاوے جسکا عبادت سے تعلق ہے۔ اسکی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ ذات حق کی طرف متوجہ ہو جاوے خواہ تصور کے درجہ میں خواہ کسی تصدیق کے درجہ میں مثلاً اللہ تعالیٰ مجکو دیکھ رہے ہیں دوسرے یہ کہ حساب و کتاب کے آنے والے وقت کو مثل حاضر کے فرض کر لیا جاوے کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب کے لئے کھڑا ہوں اور مجکو حکم ہوا ہے کہ عبادت مطلوبہ کا نمونہ پیش کرو وہ اگر حسب پسند ہوئی تو حساب میں رعایت کا سبب ہو جائیگی۔ تیسرے یہ کہ یہ فرض کرے کہ گویا بالکل آخری نماز ہے شاید اسکے بعد عمر ختم ہو جاوے اور پھر نماز نصیب نہو چوتھے یہ کہ گویا خانہ کعبہ میرے سامنے ہے اور اسپر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آرہی ہیں اور جتنی اچھی نماز پڑھونگا وہ تجلیات زیادہ فائض ہونگی۔ پانچویں یہ کہ جو الفاظ منہ سے نکلتے ہیں انکی طرف توجہ رکھے۔ خواہ بلا تصور معانی کے خواہ مع تصور

معانی کے اور اس توجہ کی سہل صورت یہ ہے کہ کوئی لفظ یاد سے نہ پڑھے بلکہ مستقل ارادہ سے پڑھے یا شیخ کامل اور کسی ایسی ہی چیز کا تصور تجویز کر دے اسکا استعمال کرے۔ ان تدبیرات سے وہ وساوس جو بلا اختیار آتے تھے دفع ہو جائیں گے اور اول اول جب تک اس طرق کی مشق نہو گی۔ کبھی کبھی یہ تصورات زائل اور وساوس پھر حاضر ہو جاتے ہیں اسکا علاج یہ ہے کہ جب تنبہ ہو فوراً اس توجہ کی تجدید کر لی جاوے۔ شدہ شدہ توجہ الی العبادت کو رسوخ ہو جائے گا اور اگر اس رسوخ میں دیر ہو گھبراوے نہیں اس عمل کو جاری رکھے کیونکہ یہ رسوخ کا مکلف نہیں عمل کا مکلف ہے حتیٰ کہ اگر عمر بھر بھی رسوخ نہ ہو تو مقصود میں کوئی خلل نہیں کمال عبادت اور اجر اور قرب میں ذرا کمی نہو گی۔

(۱،) ایک طالب کے استفسار کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ جب کبھی کسی کی شکایت زبان سے نکلے مجمع میں اُس شخص کی خوبیاں بیان کرنا چاہیئے کیونکہ کوئی نہ کوئی خوبی تو ہو ہی گی اھ

(۲،) ایک طالب نے عدم استقلال کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ العلاج بالضد اور اس ضد میں اوّل تکلف ہوتا ہے پھر اعتیاد پھر رسوخ بس نفس تکلف سے گھبراتا ہے یہی راز ہے عدم استقلال کا۔ ورنہ نفس اگر تکلف کی کلفت برداشت کرے تو عدم استقلال کی کوئی وجہ نہیں اور یہی علاج ہے۔

(۳،) ایک طالب نے حب مال کے کچھ آثار لکھ کر پوچھا کہ ان میں کوئی گناہ اور مفسدہ تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ الحمد للہ نہ کوئی مفسدہ ہے نہ گناہ ہے یہ سب آثار حب مال کے تو ہیں مگر یہ حب طبعی ہے جو کہ مذموم نہیں نہ کہ حب اعتقادی یا عقلی جو کہ مذموم ہے حضرت عمر رضؓ نے فتح فارس و مشاہدۂ غنائم کے وقت یہی دُعا کی تھی کہ اے اللہ آپ کا ارشاد ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ الآیہ (جعل رضؓ المزین هو الله تعالیٰ وهو احد وجوه الآیة) جب آپ نے یہ حب پیدا کی ہے تو فطری ہوئی اسلئے ہم اسکے ازالہ کی درخواست نہیں کرتے کہ جبلیات نہیں بدلا کرتے البتہ اس کی درخواست کرتے ہیں کہ اس حب کو اپنے حب میں معین فرمایا کہ یہ اسباب طاعت میں سے ہو جاوے اور موانع طاعت کے لئے (جیسے ناداری کی پریشانی وغیرہ) یہ سدباب ہو جاوے کہ جبلیات کا انکے مصرف میں صرف ہونا یہی انکی تعدیل اور یہی مامور بہ ہے (اسمیں اپنے ضعف و حکمت تخلیق مال کی طرف بھی ارشارہ فرمادیا) اور یہی امر مصرح ہے دوسری آیت میں قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ الی قوله تعالیٰ أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (علق الوعيد بالاحبية لا بالحب) البتہ اس حب طبعی کے آثار بعض اوقات منجر ہو جاتے ہیں بعض غوائل کی طرف سو اسکا وہی تدارک ہے جو آپ نے کر لیا فهنيئا لكم العلم والعمل والله اعلم۔

(۴،) ایک طالب نے یہ اشکال لکھا کہ جب مامورات و منہیات شرعیہ اختیاری ہیں اور حضرت کی تصنیفات

سے معلوم ہوا کہ سارے امراض کا علاج یہی ہے کہ اپنے اختیار سے رُکے تو پھر اس قاعدہ کلیہ کے علم کے بعد شیخ اور معالج کی کیا حاجت باقی رہتی ہے جواب تحریر فرمایا کہ مامورات ونہیات سب اختیاری ہیں پس مامورات کا ارتکاب اور منہیات سے اجتناب بھی سب اختیاری ہیں لیکن اسمیں کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں ۔ کبھی تو یہ کہ حاصل کو غیر حاصل سمجھ لیا جاتا ہے کبھی اسکا عکس مثلاً ایک شخص نے نماز میں خشوع کا قصد کیا اور وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے حاصل بھی ہوگیا مگر ساتھ ہی ساتھ وساوس وخطرات کا ہجوم بھی ہوتا رہا یہ شخص اسکو خشوع کا مضاد سمجھکر خشوع کو غیر حاصل سمجھا یا ابتدائی عبادت میں وساوس غیر اختیاری تھے مگر اسی سلسلہ میں وہ وساوس اختیاریہ کی طرف منجر ہوگئے اور یہ ابتدا کے دھوکہ میں رہ کر خشوع کو باقی سمجھا حالانکہ وہ زائل ہو چکا ۔ اور کبھی غیر راسخ کو راسخ سمجھ لیا جاتا ہے ۔ مثلاً دو چار خفیف حادثوں میں رضا بالقضاء کا احساس ہوا یہ سمجھ گیا کہ یہ ملکہ راسخ ہوگیا پھر کوئی بڑا حادثہ واقع ہوا اور اسمیں رضا نہیں ہوئی یا درجہ مقصود تک نہیں ہوئی مگر یہ اسی دھوکہ میں رہا کہ اسمیں رُسوخ ہو چکا ہے اب بھی رضا معدوم یا ضعیف نہیں ہے ۔ اور حاصل کو غیر حاصل سمجھنے میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ شکستہ دل ہو کر اسکا اہتمام چھوڑ دیتا ہے پھر وہ سچ مچ زائل ہو جاتا ہے اور اسکے عکس میں یہ خرابی ہوتی ہے کہ اُسکا اہتمام ہی نہیں کرتا اور محروم رہتا ہے اور غیر راسخ کو راسخ سمجھنے میں بھی وہی خرابی عدم اہتمام تکمیل کی ہوتی ہے کبھی یہ غلطی ہوتی ہے کہ حاصل راسخ کو زائل سمجھ لیتا ہے ۔ مثلاً شہوت حرام کی مقاومت کی اور وہ زمانہ غلبہ آثار ذکر کا تھا اسلئے داعیۂ شہوت حرام کا ایسا مضمحل ہوگیا کہ اسکی طرف التفات بھی نہیں ہوتا پھر ان آثار کا جوش و خروش کم ہونے سے طبعی التفات گو درجۂ ضعیفہ ہی میں ہونے لگا ۔ یہ شخص یہ سمجھ گیا کہ مجاہدہ بیکار گیا اور شہوت حرام کا رذیلہ پھر عود کر آیا پھر اصلاح سے مایوس ہو کر سچ مچ بطالت وخلاعت میں مبتلا ہوگیا ۔

یہ چند مثالیں ہیں غلطیوں کی اور اُن کے مضار کی اگر کسی شیخ سے تعلق ہوا اور اُسپر اعتماد ہو تو اُسکو اطلاع کرنے سے وہ اپنی بصیرت وتجارب کے سبب حقیقت سمجھ لیتا ہے اور ان اغلاط پر مطلع کرتا ہے اور یہ ان مضرتوں سے محفوظ رہتا ہے اور فرضاً سالک اگر ذکاوت وسلامت فہم کے سبب خود بھی مطلع ہو سکے مگر ناتجربہ کاری کے سبب مطمئن نہیں ہوتا اور مشوش ہونا مقصود میں مخل ہوتا ہے ۔ یہ تو شیخ کا اصلی منصبی فرض ہے اور اس سے زیادہ اسکے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً وہ ایک اور بھی خدمت کرتا ہے وہ یہ کہ مقصود یا مقدمہ مقصود کی تحصیل میں اور اسیطرح کسی ذمیمہ یا مقدمہ ذمیمہ کے ازالہ میں طالب کو مشقت شدیدہ پیش آتی ہے گو تکرار مباشرۃ اور تکرار مجانبت سے وہ مشقت اخیر میں مبدل بہ یُسر ہو جاتی ہے لیکن شیخ تبرعاً کبھی ایسی تدابیر تبلا دیتا ہے کہ اول امر ہی سے مشقت نہیں ہوتی یہ ایک اجمالی تحقیق تقریب فہم کے لئے ہے باقی ضرورت شیخ کا مشاہدہ اسوقت ہوتا ہے جب کام شروع کرکے اپنے احوال جزئیہ کی اُسکو بالالتزام اطلاع کرتا رہے اور اسکے مشورہ کا اتباع کرتا رہے ۔ اور یہ

اتباع کامل اُسوقت ہوسکتا ہے جب پیر اعتماد ہو اور اسکے ساتھ تعلق انقیاد ہو۔ اسوقت حسّاً معلوم ہوگا کہ بدون شیخ کے مقصود کا حاصل ہونا عادۃً متعذر ہے۔ الا نادراً والنادر کالمعدوم پھر اس ضرورت میں تفاوت فہم واستعداد کے اعتبار سے تفاوت بھی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ متقدمین کو کم ضرورت تھی۔ اھ

(۷۵) ایک طالب نے لکھا کہ کوئی محمود کیفیت راسخ نہیں تحریر فرمایا کہ رسوخ کی طرف التفات نہ فرمایا جاوے۔ رسوخ سے مقصود عمل ہے۔ عمل سے رسوخ مقصود نہیں۔ اگر عمل بلا رسوخ ہوتا رہے مقصود حاصل ہے۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے حصول یقین کا طریقہ دریافت کیا تو تحریر فرمایا کہ اول بہ تکلف عمل کرنا چاہیئے اسکی برکت سے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں اھ

(۷۶) ایک طالب نے نفسانی شہوت کے معاصی کا علاج پوچھا تحریر فرمایا کہ علاج یہی ہے کہ بزرگوں کے تذکرہ کی کتابیں پابندی سے دیکھو اور کسی وقت خلوت میں معاصی پر جو وعیدیں اور عقاب وارد ہوا ہے اسکو سوچا کرو اور وسوسۂ معصیت کے وقت بھی ایسے ہی استحضار کی تجدید کرلو انشاء اللہ تعالیٰ نفس سے تقاضا جاتا رہیگا اور اگر خفیف میلان ہو تو اسکا مقابلہ ہمت سے کرو بدون ہمت کے کوئی تدبیر کافی نہیں۔ اھ

(۷۷) ایک طالب کو غصہ کا یہ علاج تحریر فرمایا کہ مغضوب علیہ کو اپنے پاس سے جدا کر دیا جائے یا اُسکے پاس سے خود جدا ہو جائیں اور فوراً کسی شغل میں لگ جائیں۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے غصہ کا تدارک پوچھا تو تحریر فرمایا کہ اسکا التزام کریں کہ جب ایسا ہو جاوے اُس مغضوب علیہ کو کچھ ہدیہ دیا کریں گو قلیل ہی مقدار میں ہو۔ اھ

اسی طرح ایک طالب کو غصّہ کا یہ تدارک تحریر فرمایا کہ ایسے بیجا اور بیحد غصہ پر دو وقت کا فاقہ کرو۔ اھ

اسی طرح ایک طالب کے خط میں احقر نے غصّہ کا یہ تدارک حضرت والا کا تحریر فرمایا ہوا دیکھا۔ کہ جس پر غصہ کیا جاوے بعد غصہ فرو ہو جانے کے مجمع میں اُسکے سامنے ہاتھ جوڑے پاؤں پکڑے بلکہ اُسکے جوتے اپنے سر پر رکھے ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آ جاوے گی۔ اھ ف اعلیٰ درجہ کا علاج تو اخیر والا ہی ہے لیکن اگر اسکی ہمت نہو تو بقیہ دو کا التزام بھی انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا ۱۲

(۷۸) مکتوب ملقب بہ روح الطریق

ایک ذی علم طالب نے بہت حسرت کے ساتھ لکھا کہ شاید خدام حضور والا میں ایک میں ہی ایسا ہوں گا جسکو وصول تو در کنار وصول کی حقیقت تک کا پتہ نہیں الخ۔ اسکا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا 19

مقصود تو بحمد اللہ معلوم ہے یعنی رضا رحق اب دو چیزیں رہ گئیں طریق کا علم اور اس پر عمل۔ سو طریق صرف ایک ہے یعنی احکام ظاہرہ و باطنہ کی پابندی اور اس طریق کی معین دو چیزیں ہیں ایک ذکر جسقدر پر دوام ہو سکے جو آپ نے شروع کیا ہے وہ بھی اسی کلیہ میں داخل ہے۔ دوسرے صحبت اہل اللہ کی جس کثرت سے مقدور ہو اور اگر کثرت کے لئے فراغ نہو تو بزرگوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ اسکا بدل ہے اور دو چیزیں طریق یا مقصود کی مانع ہیں۔ معاصی اور فضول میں مشغولی۔ اور ایک امر ان سب کے نافع ہونے کی شرط ہے یعنی اطلاع حالات کا التزام۔ اب اسکے بعد اپنی استعداد ہے جسب اختلاف استعداد مقصود میں اویر سویر ہوتی ہے میں سب کچھ لکھ چکا۔

مکتوب ملقب بہ فتوح الطریق

اسی طرح ایک طالب نے لکھا کہ بزرگوں سے حاصل کرنے کی کیا چیز ہے اور اُسکا کیا طریقہ ہے جواب تحریر فرمایا کہ کچھ اعمال مامور بہا ہیں۔ ظاہرہ بھی باطنہ بھی نیز کچھ اعمال منہی عنہا ہیں ظاہرہ بھی باطنہ بھی۔ ہر دو قسم میں کچھ علمی و عملی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مشائخ طریق طالب کے حالات سنکر اُن عوارض کو سمجھ کر انکا علاج تبلادیتے ہیں۔ ان پر عمل کرنا طالب کا کام ہے اور اعانت طریق کے لئے کچھ ذکر بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ اس تقریر سے مقصود اور طریق دونوں معلوم ہو گئے۔ اھ

مکتوب ملقب بہ وضوح الطریق

اسی طرح ایک اور طالب نے پوچھا کہ میں ایک اناڑی آدمی ہوں حضور مطلع فرمائیں کہ بزرگوں سے کیا چیز حاصل کیجاتی ہے اور اسکے مطابق مجھ عامی مشغول کو طریق تعلیم ارشاد فرمادیں۔ اھ

اسکا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔ نفس میں کچھ امراض ہوتے ہیں اُنکا علاج کتابوں میں لکھا ہے۔ مگر جیسے جسمانی امراض کا علاج گو کتابوں میں لکھا ہے لیکن پھر بھی طبیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی درجہ میں نفسانی امراض کے معالجہ میں شیخ یعنی معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آگئی ہو تو پھر آگے امراض تبلاؤنگا پھر اسکے سمجھ جانے کے بعد علاج تبلاؤں گا اھ

مکتوب ملقب بہ تسہیل الطریق

جو پہلے بھی ایک موقع پر نقل کیا جا چکا ہے

(۹) ایک صاحب نے لکھا کہ اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے ادھیڑ و بن کے اور کچھ نہیں۔ اس کا

جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔ خود مشقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اسکا تو علاج ہی نہیں باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں۔ اختیاری میں ہمت سے کام لیں اگر کوتاہی ہو جاوے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں۔ اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں۔ اور بہت لجاجت کے ساتھ اھ

مکتوب ملقب بہ الیم فی السّم

(۸۰) ایک طالب نے اپنے خط میں کوئی ایسا وظیفہ یا طریقہ پوچھا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی سے اجتناب میسر ہو۔ جواب تحریر فرمایا کہ طاعات اور معاصی دونوں امور اختیاریہ ہیں جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں، ہاطریقہ سو طریقہ امور اختیاریہ کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں سہولت اختیار کے لئے ضرورت ہے مجاہدہ کی جس کی حقیقت ہے مخالفت (بمعنی مقاومت) نفس۔ اسکو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ میں نے تمام فن لکھدیا۔ آگے شیخ کے دو کام رہجاتے ہیں ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص دوسرے بعض طرق مجاہدہ کی تجویز جو کہ اُن امراض کا علاج ہے۔

مکتوب ملقب بہ لطف السّم فی السّم

اسی طرح ایک اور طالب نے اپنے حالات لکھ کر اصلاح چاہی تھی جواب ارقام فرمایا کہ غیر اختیاری کے درپے نہ ہونا۔ اختیاری میں ہمت کرنا اسمیں جو کوتاہی ہو جائے اُسپر استغفار اور اسکا تدارک اور توفیق کی دعا کرنا یہی اصلاح ہے۔

(۸۱) ایک طالب نے یہ اشکال پیش کیا کہ جب کوئی وسوسہ بلا اختیار آیا تو اتنی دیر غفلت ہوئی اس سے ہر بار استغفار کرتا ہوں اب اشکال یہ ہے کہ جب غفلت بلا اختیار ہو تو وہ گناہ نہیں اُس سے استغفار کیسا اور جو استغفار نہ کروں تو اسکو بھی طبیعت نہیں مانتی الخ

جواب تحریر فرمایا کہ وسوسہ اور اسکا جو لازم ہے غفلت جب غیر اختیاری ہو بایں معنی گناہ نہیں کہ اسپر مواخذہ نہیں لیکن اپنی ذات میں نقص اور قبیح ہے اور استغفار جیسا رافع ذنب ہے ایسے ہی جابر نقص بھی ہے اسیوجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غین کے بعد جو آپ کے مذاق میں کمال۔ سے تنزل تھا استغفار فرماتے تھے۔ اھ

(۸۲) ایک طالب نے توکل و تفویض کا فرق دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ توکل بعض کیلئے مطلق تدبیر ظنی کو ترک کرنا ہے اور بعض کے لئے یہ ہے کہ تدبیر غیر مباح اور انہماک فی التدبیر المباح کو ترک کردے

اور تفویض یہ کہ اسکے بعد اگر تدبیر میں ناکامی ہو یا وہ واقعہ تدبیر سے تعلق ہی نہ رکھتا ہو جیسے غیر اختیاری مصائب تو حق تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے۔

تنبیہ۔ اس خط میں کئی جگہ تفویض کی وہ تفسیر کیگئی ہے جو رضا کی مشہور ہے سو یہ تفسیر بہ اعتبار حقیقت کے نہیں بلکہ بہ اعتبار اثر کے ہے حقیقت تو تفویض کی توکل کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس درجہ علیا کا اثر یہ رضا ہے بعض اور بزرگوں نے بھی اسکی تفسیر میں اس رضا کا اعتبار کیا ہے کما فی القشیریہ سمعت الاستاذ ابا علی الدقاق یقول التوکل ثلث درجات التوکل ثم التسلیم ثم التفویض فالمتوکل لیسکن الی وعدہ وصاحب التسلیم یکتفی بعلمہ وصاحب التفویض یرضی بحکمہ وسمعتہ یقول التوکل بدایۃ والتسلیم اوسطہ والتفویض نہایۃ۔ اھ جواب لکھتے وقت ذہن میں یہ تفصیل حاضر نہ ہوئی رفع غلط کے لئے اب تنبیہ کر دیگئی اھ

(۴۳) ایک طالب نے یہ لکھا کہ معصیتوں کا تقاضا عرصہ تک نفس کے مضمحل رہنے کے بعد اب پھر اسی شدت اور جوش و ہیجان کے ساتھ ہونے لگا جس سے سخت حیران ہوں جواب تحریر فرمایا کہ اکثر اہل طریق کو یہی حالت پیش آتی ہے کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ اسوقت جو نفس کا مقابلہ کیا جاتا ہے وہ مجاہدۂ ثانیہ کہلاتا ہے۔ اور اس مجاہدہ کا اثر انشاء اللہ تعالیٰ راسخ ہو گا اور شاذ و نادر کسی امر طبعی کا خفیف تقاضا یہ منافی رسوخ کا نہیں۔ اس تغیر و تبدل کی مثال حسیات میں ایسی ہے جیسے شب کے اخیر میں تاریکی کے بعد ایک نور ہوتا ہے جسکو صبح کاذب کہتے ہیں۔ ناواقف خوش ہوتا ہے کہ تاریکی گئی۔ پھر دفعتًا وہ نور زائل ہو جاتا ہے اور تاریکی چھا جاتی ہے مگر تھوڑے ہی دیر میں پھر دوسرا نور آتا ہے جسکو صبح صادق کہتے ہیں وہ قائم بلکہ ترقی پذیر ہوتا ہے۔

اُنھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ نفس کو روکنے میں سابق جیسی دشواری اور تنگی پیش نہیں آتی اسپر تحریر فرمایا کہ یہی علامت ہے کہ یہ عود الی الطبیعات ضعیف ہے ورنہ مقاومت دشوار ہو جاتی جیسے پہلے تھی اھ

اُنھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حیرانی یہ ہے کہ معمولات بجالانے میں نفس مخالفت نہیں کرتا البتہ معاصی کا تقاضا پیدا کرتا ہے نہ جانے یہ کیا مخفی چال ہے اور اسکی احقر کیا تدبیر کرے۔ احقر سابقہ ارشاد فرمودہ معالجات پر بدستور عمل کرتا ہے۔ تحریر فرمایا کہ بس یہی تدبیر ہے اسی سے انشاء اللہ تعالیٰ سب شکایتیں دور ہو جاوینگی اور جب کبھی ایسا ہو یہی علاج ہے۔ فارغ ہونے کا قصد ہی نہ کیا جاوے۔ بخار کے موسم میں بعض کو ہمیشہ موسمی بخار ہوتا ہے مگر علاج اسکا یہی ہے کہ بخار کا نسخہ پیا جاوے اسکی سعی بیکار ہے کہ بخار ہی نہ آوے۔ اھ

(۴۴) ایک تنگدست طالب نے اپنے بہت سے وساوس واہیہ لکھکر علاج پوچھا جنمیں یہ وسوسہ بھی

لکھا کہ راحت دنیا کا مدار اعمال صالحہ نہیں ہیں بلکہ آخرت کی راحت بھی فضل پر موقوف ہے پھر اعمال صالحہ مثلاً ذکر وتہجد وغیرہ کی مشقت اگر نہ بھی ہو صرف ارکان اسلام پر قائم رہے تو کیا حرج ہے الخ اور یہ بھی لکھا کہ دعا مانگنے کو طبیعت نہیں چاہتی کہ اتنی مدت ہو گئی کوئی قبول بھی نہوئی ہو بس جو اللہ تعالیٰ چاہیں وہی ہوگا لیکن میں بجز مناجات مقبول کی منزل پڑھ لیتا ہوں اسیطرح ایک ہفتہ سے ذکر میں طبیعت نہیں لگتی محض تعداد پوری کر لیتا ہوں الخ روزگار کا بھی وظیفہ پوچھا تھا۔ ان سب باتوں کا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

علاج کلی اور مفید تو یہی ہے کہ ان وساوس کو اعتقاداً بُرا سمجھا جاوے اور ان کے مقتضا پر عمل نہ کیا جاوے یہ از خود دفع ہو جائینگے اور اگر دفع بھی نہوں تو کچھ مضر نہیں بلکہ یہ ایک گونہ مجاہدہ ہے جس سے عمل کا اجر بڑھتا ہے لیکن اگر ان وساوس کی وجہ فساد ہی معلوم کرنے کا شوق ہو تو مجملاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ مقصود اعمال صالحہ سے راحت دینا نہیں ہے بلکہ راحت آخرت ہے اور اسکا مدار جو فضل ورحمت ہے اُسکے یہ معنی نہیں کہ اعمال کو دخل نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ ملیگا تو عمل ہی سے لیکن جتنا ملیگا اتنا اثر اعمال میں نہیں وہ فضل ورحمت کا اثر ہے لیکن جو عمل ہی نہ کریگا وہ قانوناً اس فضل ورحمت سے بھی محروم رہیگا باقی طبیعت کا لگنا یہ شرط قبول نہیں ہے اگر دوا پینے میں طبیعت نہ لگے تب بھی اُسکی خاصیت یعنی صحت مرتّب ہوگی رہی دعا وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر اُسکے قبول ہونے کی وہ حقیقت ہے جو مریض کی اُس درخواست کی منظوری کی حقیقت ہے کہ کسی طبیب سے درخواست کرے کہ میرا علاج مسہل سے کر دیجئے اور وہ فوراً علاج شروع کر دے مگر مسہل اسکی حالت کے مناسب نہ تھا اسلئے دوسرے طریق سے علاج شروع کر دیا اسکو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ طبیب نے جب مسہل نہیں دیا تو مریض کی درخواست کو منظور نہیں کیا۔ اسیطرح اصل مطلوب دعا سے حق تعالیٰ کی توجہ خاص ہے اور عبد نے جو طریق معین اختیار کیا ہے یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود کا محض ایک طریق ہے جیسے اس مقصود کے اور بھی طرق ہیں لہذا وہ جس طریق سے توجہ خاص فرماویں وہ اجابت دعا ہی ہے خواہ وہ عبد کا مجوزہ طریق ہو یا حق تعالیٰ کا مجوزہ طریق ہو۔ یہ تو طاعات وحاجات میں کلام ہے باقی معاصی کا ارتکاب جو موصل الی النار ہو وہ ایسا ہے جیسے مریض کو بدپرہیزی سے لذت ملتی ہے اور اُس سے صبر کرنے میں لذت فوت ہوتی ہے لیکن جو شخص جانتا ہے کہ لذت مقصود نہیں صحت مطلوب ہے وہ صبر کریگا۔ اسی طرح جس شخص کو نجات آخرت مقصود ہے وہ راحتِ دنیا کو مقصود نہ سمجھیگا۔ رہی سزا گناہ کی کسی کو یہاں ملتی ہے کسی کو وہاں۔ اور تجویز مناسب بلکہ واجب یہی ہے کہ طاعات میں حتی الامکان مشغول ہوں۔ معاصی سے مجتنب رہیں اور مقصود صرف رضائے حق کو سمجھیں خواہ اسکا ظہور یہاں ہو یا وہاں ہو اور ایسی حالت میں روزگار کا وظیفہ پڑھنا وساوس میں اضافہ کرنا ہے اھ

(۸۵)۔ ایک صاحب نے جو سلسلۂ بیعت میں داخل نہیں یہ لکھا کہ کبر کی مذمت اور اسکا علاج تو جناب

کی تحریروں اور مواعظ میں جابجا کثرت سے ملا لیکن کبر کی حقیقت کبھی نظر سے گذرنا یاد نہیں پڑتا نیز یہ بھی لکھا کہ اپنے ماتحتوں پر اگر زیادتی ہوجاوے تو انسے معافی مانگنے میں مصالح فوت ہوتی ہیں اسکا حسب ذیل جواب ارقام فرمایا۔

ممکن ہے نہ لکھی ہو اگر یہ صحیح ہے تو وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حقیقت اسکی ظاہر ہے کہ اپنے کو دوسرے سے بڑا سمجھنا آگے اس میں دو درجے ہیں ایک بلا اختیار خیال بڑائی کا آنا اور ایک بالاختیار ایسا خیال کرنا پھر اول میں دو درجے ہیں۔ اُس خیال کے مقتضاء پر عمل نہ کرنا پس یہ بھی بالکل مذموم نہیں دوسرے عمل کرنا یہ مذموم و معصیت ہے اسیطرح قصداً بڑا سمجھنا یہ بھی علی الاطلاق مذموم ہے گو اسکے مقتضاء پر عمل بھی نہ ہو۔ آپ نے جس غلطی میں ابتلاء عام لکھا ہے صحیح ہے مگر اسمیں قدرے تفصیل ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر ہم صریح الفاظ سے معافی مانگیں گے تو یہ گستاخ ہو کر زیادہ نافرمانی کریگا بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شرمندہ ہوگا اور یہ اسوقت تک عذر ہے جب اس سے تعلق رکھنا چاہیں ان صورتوں میں تو صرف اسکو خوش کر دینا امید ہے کہ قائم مقام معافی کے ہوجائے گا اور بعض اوقات اُس سے تعلق ہی رکھنا نہیں۔ جیسے ملازم کو موقوف کر دیا یا وہ خود چھوڑ کر جانے لگا اسوقت ضروری ہے کہ زیادتی ہوجانے کی صورت میں اُس سے صریح معافی مانگی جاوے کیونکہ یہاں دونوں عذر نہیں اسمیں اگر رکاوٹ ہو تو میرے نزدیک اسکا سبب ضرور کبر ہے گو اپنے کو بڑا نہ سمجھے مگر کبر کے مقتضاء پر عمل تو ہوا غایت سے غایت کبر اعتقادی نہ ہوگا مگر کبر عملی ضروری ہے اور اگر کوئی کبر کی تقسیم کو تسلیم نکرے تب بھی ظلم تو ہوا جس سے معافی مانگنا واجب ہے تو معافی نہ مانگنے میں اگر کبر کا گناہ نہ ہوا تو ظلم کا تو ہوا۔ اھ

(۸۶) ایک طالب نے لکھا کہ نماز یا تلاوت میں جب یہ خیال کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو قرآن شریف سنا رہا ہوں تو پھر اس تخیل سے قوت فکریہ انتقال کر کے ادھر متوجہ ہو جاتی ہے کہ حق تعالیٰ خالق حروف زبان پر جاری فرماتے ہیں پھر اس سے انتقال کر کے قوت فکریہ اسطرف نکل جاتی ہے کہ حق تعالیٰ حاضر ناظر ہیں غرض سکون فکر کے متعدد طرق ہیں اسی تعدد کی وجہ سے سکون نہیں ہوتا بلکہ سکون حاصل کرنے میں تشتت ہوجاتا ہے اھ۔ اسکا یہ جواب تحریر فرمایا کہ جو تشتت تحصیل جمعیت میں ہو وہ اثر میں جمعیت ہی ہے مضر نہیں۔ اھ

(۸۷) ایک طالب نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مکتوبات کے حوالہ سے لکھا کہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ باطنی امراض کا سردار ماسوائے حق کے ساتھ دل کی گرفتاری ہے اور دل کے گرفتار نہونے کی یہ علامت ہے کہ ماسوائے حق کو کلی طور پر فراموش کردے اور تمام اشیاء سے بے خبر ہوجائے حتی کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرے تو اسکو یاد نہ آئیں۔ یہاں تک کہ ماسوائے حق کا خطور قلب پر ناممکن ہوجائے اھ۔ اس معیار پر نظر کرتا ہوں تو اس سے اپنے کو کورا پاتا ہوں۔ الحمد للہ جذر قلب میں تو ماسوا کا گذر نہیں مگر حوالی قلب میں غیر کا خطور بھی ہے اور یاد بھی ہے۔ اھ

اسکا حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

اکثر اہل مقام پر بھی کسی وقت حال کا غلبہ ہوتا ہے تو اُسوقت مسائل کی تعبیر میں بھی جوش کا اثر ہوتا ہے میرے نزدیک عنوان تیز ہے مگر مضمون وہی ہے جو نصوص سے مستفاد ہوتا ہے میں اسکو ایک اور سہل عنوان سے تعبیر کرتا ہوں جو حضرت مجدد صاحب رح کے کلام کی قریب تفسیر ہے اور مشہور تعبیر سے قدرے واضح ہے وہ یہ ہے اگر گرفتاری سے مراد مطلق تعلق نہیں کیونکہ تعلق مغلوب مذموم نہیں بلکہ ایسا تعلق مراد ہے کہ محل تعلق کے بُعد یا فوت سے قلب پر ایسا اثر ہو کہ قلب کو ایسا بیچین کر دے کہ اسی کے تصور و حسرت میں اشتغال ہو جاوے اور اسی اشتغال سے طاعات میں قلت و ضعف آجاوے اور اگر یہ نوبت نہ پہونچے تو محض حُزن کا اثر مانع نہیں ہے کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے حزن شدید کا کوئی انکار کر سکتا ہے اور کیا انکی حالت کو کوئی مانع عن الحق کہہ سکتا ہے اھ

انھیں صاحب نے اس سے قبل یہ لکھا تھا کہ عرصہ سے اسکی طلب ہے کہ ذکر حق قلب میں ایسا پیوستہ ہو کہ بھولنے کی کوشش بھی کروں تو بھول نہ سکوں اور غیر کا خطور قلب میں ناممکن ہو جائے الخ

اسکا یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ یہ تو مجکو بھی نصیب نہیں نہ جی چاہتا ہے کیونکہ اس صورت میں مختار نہ رہونگا مضطر ہو جاؤنگا۔اھ۔ اسکے بعد اُنھوں نے مذکورۂ بالا عریضہ لکھا جسکا جواب اوپر نقل کیا گیا۔

(۸۸) ایک طالب نے لکھا کہ میرے اندر حب جاہ ہے جی چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کیا کریں تعریف سے ایک فرحت اور خوشی ہوتی ہے اگر کوئی مذمت کرے یا تعریف سنے خاموش رہے تو یہ نفس پر نہایت ناگوار گذرتا ہے الخ

اسکا یہ جواب تحریر فرمایا کہ ہر علاج میں مجاہدہ کی ضرورت ہے یعنی داعیۂ نفس کے ذم کا استحضار اور اس داعیہ کی عملی مخالفت۔ اس مرض کا علاج بھی مرکب ہے انہی دو جزوے۔ اول اُس رذیلہ کی جو مذمتیں اور وعیدیں وارد ہیں اُنکا ذہن میں حاضر کرنا بلکہ زبان سے بھی اُنکا تکرار کرنا۔ بلکہ ان مضامین سے اپنے نفس کو زبان سے خطاب کرنا کہ تجھ کو ایسا عقاب ہونے کا اندیشہ ہے اسی کے ساتھ اپنے عیوب کا استحضار اور نفس کو خطاب کر اگر لوگوں کو ان رذائل کی اطلاع ہو جاوے تو کتنا ذلیل و حقیر سمجھیں تو یہی غنیمت سمجھ کہ لوگ نفرت و تحقیر نہیں کرتے نہ کہ ان سے توقع تعظیم و مدح کی رکھی جاوے اور عملی جزو یہ ہے کہ مداح کو زبان سے منع کر دیا جاوے اور اسمیں ذرا اہتمام سے کام لیا جاوے۔ سرسری لہجہ سے کہنا کافی نہیں اور اسکے ساتھ ہی جو لوگ ذلیل شمار کئے جاتے ہیں انکی تعظیم کیجاوے گو نفس کو گراں ہو اسپر عمل کر کے ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دیجائے۔اھ

اسی طرح ایک طالب علم نے لکھا کہ میں کچھ عرصہ سے اپنے اندر ترفع کے آثار پاتا ہوں جواب تحریر فرمایا کہ

انسان صرف مکلف اسکا ہے کہ ان اخلاق رذیلہ کے مقتضیات پر عمل نہ کرے رہا یہ کہ اقتضایات ہی زائل یا ضعیف ہوجاویں اسکا نہ انسان مکلف ہے نہ یہ بسہولت میسر ہوسکتا ہے ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے"! اور نہ توجہ تحصیل علوم کے آپ کے لئے اُسکا یہ وقت ہے بس آپ جسقدر مکلف ہیں آپ اُسپر اکتفا کیجئے یعنی دلمیں اعتقاد رکھیں کہ میں سب سے کمتر ہوں اور اس اعتقاد کے لئے اپنے معائب کا استحضار معین ہوگا اور جنکی بے وقعتی ذہن میں آوے اُنکی خوب تکریم تجیئے اور تکلف سے اُنسے سلام کیجئے گو نفس کو ناگوار ہو ناگواری غیر اختیاری ہے اُسپر مواخذہ نہیں ہے لیکن معاملہ اختیاری ہے اسمیں اخلال موجب مواخذہ ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے خود منشاء فساد بھی ضعیف ہوجاوے گا۔ واللہ الموفق۔

(۸۹) ایک طالب نے لکھا کہ رضا بالقضاء کے حصول کے لئے کوئی علاج تحریر فرمایا جاوے اور اُسکا معیار اور مقدار بھی کہ انسان اسکے متعلق کسقدر کا مکلف ہے جواب تحریر فرمایا کہ رضا بالقضاء کی حقیقت ترک اعتراض علی القضاء ہے اگر الم کا احساس ہی نہو تو رضا طبعی ہے اور اگر الم کا احساس باقی رہے تو رضا عقلی ہے اور اول حال ہے جسکا عبد مکلف نہیں اور ثانی مقام ہے جسکا عبد مکلف ہے تدبیر اسکی تحصیل کی استحضار رحمت و حکمت الٰہیہ کا واقعات خلاف طبع میں۔اھ

(۹۰) ایک طالب نے لکھا کہ جو باتیں اپنے اندر خلاف شرع ہیں انکو بھی برا اور قابل ترک سمجھتا ہوں لیکن اپنے نفس سے اُتنی نفرت اپنے دلمیں نہیں پاتا جتنی اور لوگوں سے انکی خلاف شرع باتوں پر ہوتی ہے۔ اسوجہ سے اندیشہ کبر ہوتا ہے۔اھ اسکا جواب حسب ذیل تحریر فرمایا۔

نفرت میں تفاوت ہونا کبر نہیں نفرت اعتقادی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور عبد اسی کا مامور ہے اور یہ تفاوت نفرت طبعی میں ہے جیسے انسان کو اپنے پائخانہ سے نفرت کم ہوتی ہے اور دوسرے کے پائخانہ سے زیادہ ہوتی ہے اور راز اس تفاوت کا تفاوت فی المحبت ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت غیر کے اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچہ کے پائخانہ سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جتنی غیر محبوب کے پائخانہ سے سو اسکا کبر سے کوئی تعلق نہیں۔اھ

(۹۱) ایک طالب کے استفسار پر نسبت کی حقیقت یہ تحریر فرمائی کہ نسبت کے لغوی معنی ہیں لگاؤ اور تعلق اور اصطلاحی معنی ہیں بندہ کا حق تعالیٰ سے خاص قسم کا تعلق یعنی اطاعت دائمہ و ذکر غالب اور حق تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق یعنی قبول و رضا جیسا عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں ہوتا ہے۔ اور صاحب نسبت ہونیکی یہ علامت تحریر فرمائی کہ اس شخص کی صحبت میں رغبت الی الآخرت و نفرت عن الدنیا کا اثر ہو اور اسکی طرف دینداروں کی زیادہ توجہ ہو اور دنیا داروں کی کم مگر یہ پہچان خصوصاً اسکا جزو اول عوام محجوبین کو کم ہوتی ہے۔

اہل طریق کو زیادہ ہوتی ہے۔

اور اس استفسار کا جواب کہ فاسق اور کافر بھی صاحب نسبت ہوتا ہے یا نہیں یہ تحریر فرمایا کہ جب نسبت کے معنی معلوم ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ فاسق و کافر صاحب نسبت نہیں ہو سکتا۔ بعضے لوگ غلطی سے نسبت کے معنی خاص کیفیات جو ثمرہ ہوتا ہے ریاضت و مجاہدہ کا سمجھتے ہیں۔ یہ کیفیت ہر مرتاض میں ہو سکتی ہے مگر یہ اصطلاح جہلاء کی ہے

(۹۲) ایک ذی علم طالب نے صدق و اخلاص کے حقائق شرعیہ اور ان کے حصول کے لئے علاج اور معین دریافت کیا۔ جواب تحریر فرمایا کہ جس طاعت کا ارادہ ہو اسمیں کمال کا درجہ اختیار کرنا یہ صدق ہے اور اس طاعت میں غیر طاعت کا قصد نہ کرنا یہ اخلاص ہے اور یہ موقوف ہے ما بہ الکمال کے جاننے پر اسی طرح غیر طاعت کے جاننے پر اسکے بعد صرف نیت اور عمل جزو اخیر رہ جاتا ہے یہ دونوں اختیاری ہیں طریق تحصیل تو اسی سے معلوم ہو گیا آگے رہا معین وہ انحصار ہے وعدہ و وعید کا اور مراقبہ نیت کا۔

مثال صدق کی نماز کو اسطرح پڑھنا جسکو شریعت نے صلوٰۃ کاملہ کہا ہے یعنی اسکو مع آداب ظاہرہ و باطنہ کے ادا کرنا علیٰ ہذا تمام طاعات میں جو درجہ کمال کا شریعت نے بتلایا ہے مثال اخلاص کی نماز میں ریاء کا قصد نہو جو کہ غیر طاعت ہے رضاء غیر حق کا قصد نہ ہو جو کہ غیر طاعت ہے اور اسکے متعلقات ظاہر ہیں۔

(۹۳) ایک طالب کی درخواست پر حسد کا یہ علاج ارقام فرمایا کہ جس پر حسد ہوتا ہے اسکی مدح مجمع میں کرنا وہ سامنے آجاوے تو اسکی تعظیم کرنا اور اسکے لئے گاہ گاہ ہدیہ بھیجنا اس سے محسود کو محبت ہو جاتی ہے پھر حاسد کو محسود کی محبت ہو جاتی ہے اور محبوب پر حسد نہیں ہوتا یہ ایک کلی علاج ہے جو جزئی معالجات سے سہل الوصول اور سریع الحصول ہے اور حرص کا مستقل علاج بعد میں پوچھ لیا جاوے۔

(۹۴) ایک طالب نے زہد کی ماہیت اور اسکا طریق تحصیل و تسہیل دریافت کیا تھا تحریر فرمایا کہ قلت رغبت فی الدنیا اسکی ماہیت ہے طریق تحصیل مراقبہ اسکے فانی ہونے کا اور امور غیر ضروری کی تحصیل میں انہماک نہ کرنا اور طریق تسہیل صحبت زاہدین کی اور مطالعہ حالات زاہدین کا۔

(۹۵) ایک طالب نے شکایت لکھی کہ نہ طاعات کی طرف طبعی رغبت ہے نہ معاصی سے طبعی نفرت تحریر فرمایا کہ رغبت و نفرت طبعیہ غیر مطلوب ہے رغبت و نفرت اعتقادی کافی ہے یہی مامور بہ ہے اسکے مقتضا پر بار بار عمل کرنے سے اکثر طبعی رغبت و نفرت بھی ہو جاتی ہے اگر نہو تو بھی مضر نہیں۔

(۹۶) ایک طالب نے اپنے حالات لکھکر نہایت حسرت سے لکھا کہ حضور کب تک راستہ میں پڑا رہوں مجھے بھی پہونچا دیئے جواب تحریر فرمایا کہ الحمد للہ تمکین کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے۔ اس مکتوب کے مضامین سے بہت مسرت ہوئی انشاء اللہ یوماً فیوماً مقصود سے قرب ہوتا جائیگا۔

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست	سُوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

باقی اہل طریق کے یہاں مقرر ہے کہ طلب مقصود ہے وصول مقصود نہیں شرح اسکی یہ ہے کہ مقصود کے حصول کا قلب میں تقاضا نہ رکھے کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس تقاضے سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت و تفویض ہے اور جمعیت و تفویض ہی شرط وصول ہے اسکو خوب راسخ کرلیا جاوے کہ روح سلوک ہے۔ وھو من خصائص المواھب الاعلی ادیه فلما تنتبه له شیخ من مشائخ الوقت۔ اھ

(۹۷) ایک طالب نے لکھا کہ منگل کی رات کو دوران ذکر دوازدہ تسبیح میں کیا دیکھتا ہوں کہ ساری مسجد روشن ہوگئی آنکھ کھول کر جو دیکھا تب بھی روشن معلوم ہوئی۔ جواب تحریر فرمایا کہ ایسے حالات اس مصلحت کے لئے بھی پیش آجاتے ہیں کہ سالک کو نشاط ہو اور طریق میں مشغولی سہل ہو۔ اھ

(۹۸) ایک طالب نے اپنے حالات لکھے جن میں یہ بھی تھا کہ پہلے اللہ تعالیٰ سے خوف کم اور رجا کی امید قوی تھی اور اب اسکا عکس ہے حضور والا سے پہلے خوف زیادہ تھا اور اب اسکا عکس ہے یہ تغیر و تبدل کیوں ہوا۔ اسمیں تردد ہے تشفی فرمائیں اھ۔ اس کا حسب ذیل جواب رقام فرمایا۔

دونوں کا سبب ترقی و زیادت معرفت ہے مگر حق تعالیٰ کے کمالات غیر محدود و غیر متناہی ہیں لہذا اُنس وہیبت میں تعاقب ہوتا رہتا ہے گاہے ایک ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے اُنس ہوتا ہے اسکے بعد ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے ہیبت ہوتی ہے پھر ایسی تجلی ہوتی ہے جس سے اُنس ہوتا ہے مگر پہلی تجلی اُنسی سے تفاوت ہوتا ہے گو تفاوت لطیف ہو پھر ہیبت کی تجلی ہوتی ہے اور اسیطرح پہلی تجلی ہیبت سے متفاوت۔ اسیطرح ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور مخلوق کے کمالات محدود و متناہی ہیں معرفت ہوتے ہوتے اُن کا احاطہ ہوجاتا ہے اور احاطہ کا خاصہ ہے اعتیاد اور اعتیاد کا خاصہ ہے ہیبت کی کمی۔ اھ

(۹۹) ایک طالب نے لکھا کہ ذکر لسانی پہلے سے کم اور قلبی پہلے سے بہت زیادہ ہوتا رہا ہے۔ ذکر قلبی اکثر اوقات بے تکلف جاری رہتا ہے مشغولی کار کے ساتھ بھی جاری رہتا ہے لیکن اکثر دماغی مصروفیت کے وقت بند ہوجاتا ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ ایسے وقت بھی بے تکلف جاری رہ سکے۔ جواب تحریر فرمایا کہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ایک آن میں دو طرف توجہ نہیں ہوتی۔ لیکن اس جاری نہ رہنے سے کچھ ضرر نہیں باقی ذکر قلبی سوا اگر اُس وقت ذکر لسانی دشوار ہو تو اسپر اکتفا کا مضائقہ نہیں ورنہ محض قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے ذکر لسانی بھی اسکے ساتھ ضروری ہے خواہ قلبی میں اُس سے کچھ کمی ہی ہوجاوے۔ اھ

(۱۰۰) ایک صاحب اجازت نے ایک طویل عریضہ لکھا جو اپنی نااہلی اور حالت زار کے حسرتناک حالات سے پُر تھا۔ جن کا حاصل یہ تھا کہ عمر قریب ختم پہونچی۔ لیکن دین کے کسی ایک شعبہ کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جاسکتا

کہ صحیح ہے۔ کس کس حالت کی اصلاح کروں۔ بالخصوص جو شعبہ مشکل اور زیادہ قابل اہتمام ہے یعنی تکمیل اخلاق۔ اسکا تو نام ہی لینا فضول ہے۔ اخلاق کا تو علم بھی پورا نہیں تا بہ عمل چہ رسد بعض وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ جانے دل میں ایمان بھی ہے یا نہیں اور نہ معلوم حق تعالے کا ارادہ میرے ساتھ کیا ہے۔ اگر خدانخواستہ خدانخواستہ کچھ اور ارادہ ہوا تو کیا ہوگا۔ بعض وقت تو یہاں تک نوبت پہونچتی ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ اگر کچھ اور ارادہ نہ ہوتا تو اعمال حسنہ اور اصلاح کی توفیق کیوں نہ ہوتی کم سے کم کوئی ایک شعبہ تو دین کا درست ہوتا۔ راتوں کو میری نیند اڑ جاتی ہے جس وقت یہ خیال آتا ہے کہ آخر اسکا انجام کیا ہونا ہے اسوقت سوائے اسکے کہ اس دعا پر اکتفا کرتا ہوں اور کچھ نہیں بن پڑتا۔ اللھم لاتفعل بنا ما نحن له اھل وافعل بنا ما انت له اھل الخ

غرض خط کیا تھا ایک بہت طویل اور دردناک داستان غم وحسرت تھی جسکو مکتوب مفرح القلوب کہنا چاہیے (مفرح بالقاف) اور آخر میں درخواست تھی کہ للہ کوئی ایسی بات ارشاد فرمادیں جو اطمینان بخش ہو۔ حضرت والا نے حسب ذیل جواب ارقام فرمایا جسکو مکتوب مفرح القلوب کہنا زیبا ہے (مفرح بالفاء)

مکتوب مفرّح القلوب

پورا کامل بجز انبیاء کے کوئی نہیں اور وہ کاملین بھی اپنے کو کامل نہیں سمجھتے سب کو اپنے نقص نظر آتے ہیں خواہ وہ نقص حقیقی ہوں یا اضافی اور نقص نظر آنے سے مغموم بھی ہیں اور مغموم بھی ایسے کہ اگر ہم جیسوں پر وہ غم پڑ جاوے تو کسی طرح جانبر نہیں ہو سکتے۔ کمال کی تو توقع ہی چھوڑنا واجب ہے۔ ہاں سعی کمال کی توقع بلکہ عزم واجب ہے اور اسکا یہی رنگ ہوگا جو آپ مشاہدہ کر رہے ہیں اسکی مثال وہ مریض ہے جسکی تندرستی سے تو مایوسی ہے مگر فکر صحت اور اسکی تدبیر کا ترک جائز نہیں سمجھا جاتا۔ اور نجات بلکہ قرب بھی کمال پر موقوف نہیں فکر تکمیل پر موعود ہے واللہ لایخلف المیعاد۔ بس اسی طرح سے عمر ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت اور بڑی نعمت ہے وھذا ھو معنی ما قال الرومی رحمہ اللہ

اندریں رہ می تراش و می خراش	تا دم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود	کہ عنایت با تو صاحب سر بود

سب سے اخیر میں خواہ اسکو اظہار حال کہئے یا آپ کی ہمدردی یا رفع التباس جو چاہے نام رکھئے یہ کہتا ہوں کہ میں بھی اسی کشمکش میں ہوں مگر اسکو مبارک سمجھتا ہوں جسکا یہ اثر ہے کہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ خوف کو

غالب کہوں یا رجا کو مگر مضطر ہو کر اس دعا کی پناہ لیتا ہوں جس سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ اللّٰھم کن لی واجعلنی لک والسّلام فقط

بعضے ارشادات و افاضات حکمت آیات حضرت حکیم الامت دامت فیوضہم العالیہ

از

حسن العزیز جلد اوّل قلمبند کردہ احقر

تربیت السالک کے انتخاب سے فارغ ہونے کے بعد حسب وعدہ حسن العزیز جلد اوّل سے بھی سو ملفوظ منتخب کئے گئے جن میں خاص طور سے اصول تعلیم سلوک ارشاد فرمائے گئے ہیں لیکن چونکہ یہ ارشادات بضمن واقعات زبان فیض ترجمان سے صادر ہوئے ہیں اسلئے ان میں سے اکثر بہت طویل ہیں لہذا بخوف تطویل بجائے نقل کرنے کے ان ملفوظات کے صرف نمبر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں اور چونکہ وہ بہت دلچسپ واقعات پر مشتمل ہیں اسلئے بہ مناسبت مجموعہ ماسبق یعنی صد پند اشرف اس مجموعہ کا لقب صد قند اشرف رکھا جاتا ہے ناظرین کرام ان ملفوظات کو خاص طور سے اصل کتاب میں ملاحظہ فرمالیں بلکہ حسن العزیز جلد اول کل کی کل اس قابل ہے کہ اسکو اشرف السوانح کا جزو سمجھا جائے کیونکہ اسمیں خود احقر کے دیکھے ہوئے اور سنے ہوئے اور قلمبند کئے ہوئے واقعات و ارشادات و حالات حضرت صاحب سوانح بہت مفصل بجمیع اجزائہا بطریق واقعہ نگاری مذکور ہیں۔ جو علاوہ نہایت دلچسپ ہونے کے نہایت کارآمد اور نافع مضامین سے مملو ہیں۔

اسی طرح حسن العزیز کی دیگر جلدیں بھی نیز کمالات اشرفیہ اور انفاس عیسیٰ جو حضرت والا کے ارشادات وافاضات کے جامع ومانع اور مفید و نافع مجموعے ہیں خاص طور سے قابل ملاحظہ ہیں اب سو ملفوظات مسورہ بالا ملقب بہ صد قند اشرف کے نمبر ہائے سو عودہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں اور نمبر ورکی ہندسوں کے ساتھ الفاظ میں بھی لکھا جائیگا تاکہ کتابت یا طباعت کی غلطی سے خلط وخبط نہ ہونے پائے۔

صد قند اشرف

(یعنی حسن العزیز جلد اول کے سو منتخب ملفوظات بصورت نمبر)

حسن العزیز جلد اول کے ملفوظات نمبری ذیل خاص طور سے قابل ملاحظہ ہیں کیونکہ انمیں خاص طور سے اصول تعلیم سلوک اور اپنے خاص طرق تربیت ارشاد فرمائے گئے ہیں اور اس بنا پر وہ خاص طور سے باب ہذا ارشاد و افاضۂ باطنی کی مناسب ہیں

۱ / تیرہ ۱۳	۲ / چودہ ۱۴	۳ / سترہ ۱۷	۴ / اٹھارہ ۱۸	۵ / انیس ۱۹	۶ / اکیس ۲۱	۷ / تیئیس ۲۳
۸ / چوبیس ۲۴	۹ / پچیس ۲۵	۱۰ / انتیس ۲۹	۱۱ / چونتیس ۳۴	۱۲ / پینتیس ۳۵	۱۳ / چھتیس ۳۶	۱۴ / انتالیس ۳۹
۱۵ / چالیس ۴۰	۱۶ / اکتالیس ۴۱	۱۷ / اڑتالیس ۴۸	۱۸ / پچاس ۵۰	۱۹ / اکیاون ۵۱	۲۰ / چھپن ۵۶	۲۱ / انسٹھ ۵۹
۲۲ / ساٹھ ۶۰	۲۳ / چونسٹھ ۶۴	۲۴ / پینسٹھ ۶۵	۲۵ / چوہتر ۷۴	۲۶ / چھہتر ۷۶	۲۷ / ستتر ۷۷	۲۸ / اناسی ۷۹
۲۹ / اکیاسی ۸۱	۳۰ / پچاسی ۸۵	۳۱ / چھیاسی ۸۶	۳۲ / چھیانوے ۹۶	۳۳ / ایک سو ایک ۱۰۱	۳۴ / ایک سو تین ۱۰۳	۳۵ / ایک سو پانچ ۱۰۵
۳۶ / ایک سو چھبیس ۱۲۶	۳۷ / ایک سو اڑتیس ۱۳۸	۳۸ / ایک سو چون ۱۵۴	۳۹ / ایک سو چھیاسٹھ ۱۶۶	۴۰ / ایک سو بہتر ۱۷۲	۴۱ / ایک سو اٹھتر ۱۷۸	۴۲ / دو سو پندرہ ۲۱۵
۴۳ / دو سو سولہ ۲۱۶	۴۴ / دو سو سترہ ۲۱۷	۴۵ / دو سو چھبیس ۲۲۶	۴۶ / دو سو چھتیس ۲۳۶	۴۷ / دو سو چالیس ۲۴۰	۴۸ / دو سو اڑتالیس ۲۴۸	۴۹ / دو سو انچاس ۲۴۹
۵۰ / دو سو پچاس ۲۵۰	۵۱ / دو سو تہتر ۲۷۳	۵۲ / دو سو اسی ۲۸۰	۵۳ / دو سو بیاسی ۲۸۲	۵۴ / دو سو پچاسی ۲۸۵	۵۵ / دو سو اکانوے ۲۹۱	۵۶ / تین سو تین ۳۰۳
۵۷ / تین سو اکتیس ۳۳۱	۵۸ / تین سو بیاسی ۳۸۲	۵۹ / تین سو چھیانوے ۳۹۶	۶۰ / چار سو ۴۰۰	۶۱ / چار سو پانچ ۴۰۵	۶۲ / چار سو گیارہ ۴۱۱	۶۳ / چار سو سولہ ۴۱۶
۶۴ / چار سو بیس ۴۲۰	۶۵ / چار سو اکیس ۴۲۱	۶۶ / چار سو بائیس ۴۲۲	۶۷ / چار سو سینتیس ۴۳۷	۶۸ / چار سو بیالیس ۴۴۲	۶۹ / چار سو اڑتالیس ۴۴۸	۷۰ / پانچسو سولہ ۵۱۶
۷۱ / پانچسو تیئیس ۵۲۳	۷۲ / پانچسو پینتیس ۵۳۵	۷۳ / پانچسو چالیس ۵۴۰	۷۴ / پانچسو اکتالیس ۵۴۱	۷۵ / پانچسو پینتالیس ۵۴۵	۷۶ / پانچسو چھیالیس ۵۴۶	۷۷ / پانچسو انسٹھ ۵۵۹
۷۸ / پانچسو چھیاسٹھ ۵۶۶	۷۹ / پانچسو ستر ۵۷۰	۸۰ / پانچسو بہتر ۵۷۲	۸۱ / پانچسو چوہتر ۵۷۴	۸۲ / پانچسو چھیاسی ۵۸۶	۸۳ / پانچسو اٹھاسی ۵۸۸	۸۴ / پانچسو بانوے ۵۹۲
۸۵ / پانچسو چورانوے ۵۹۴	۸۶ / چھ سو تین ۶۰۳	۸۷ / چھ سو دس ۶۱۰	۸۸ / چھ سو پندرہ ۶۱۵	۸۹ / چھ سو انیس ۶۱۹	۹۰ / چھ سو بائیس ۶۲۲	۹۱ / چھ سو ستائیس ۶۲۷
۹۲ / چھ سو اکتیس ۶۳۱	۹۳ / چھ سو پینتالیس ۶۴۵	۹۴ / چھ سو چھیالیس ۶۴۶	۹۵ / چھ سو انچاس ۶۴۹	۹۶ / چھ سو پچاس ۶۵۰	۹۷ / چھ سو اکسٹھ ۶۶۱	۹۸ / چھ سو اڑسٹھ ۶۶۸
			۹۹ / چھ سو انہتر ۶۶۹	۱۰۰ / چھ سو ستر ۶۷۰		

اب تک اس باب میں حضرت والا کے بتضمن ارشادات متعلق بہ افاضۂ باطنی ہو توقع بہ موزع بصیرت افزائے ناظرین کرام ہوئے ہیں بالخصوص وہ تحریری ارشادات جو صدپند اشرف میں نقل کئے گئے ہیں اُن سے علی رؤس الاشہاد مشاہد ہو گیا ہوگا کہ بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا نے اُس تصوف کو جو مدت مدید سے عام طور پر سربسر ایک رازِ سربستہ سمجھا جاتا تھا بہمہ دلربائی و رعنائی منظر عام پر لا کھڑا کیا اور اس دولت باطنی کو جسکا حصول نہایت ہی دشوار خیال کیا جاتا تھا اور جسکو غلطی سے صرف خواص ہی کا حصہ سمجھ لیا گیا تھا اپنی ذات میں نہایت سہل الحصول اور قابل دسترس ہر خاص و عام ثابت فرما دیا اور اپنے اس ارشاد کو جو حسن العزیز جلد اول میں مذکور ہے من کل الوجوہ سچا کر کے دکھلا دیا کہ تصوف کوئی اجنبی چیز نہیں نہایت عقل کے موافق نہایت فطرت کے مطابق نہایت سہل اور نہایت دلچسپ چیز ہے اھ

اور فی الواقع حقیقی اسلام جسکا تصوف محض ایک مرادف ہے اسی شان کا ہونا چاہیے اور واقع میں وہ ہے بھی اسی شان کا۔

مضمون بالا کی تائید میں خود حضرت والا کا ارشاد بھی وعظ طریق القلندر سے مقتبسًا درج ذیل کیا جاتا ہے۔

وعظ مذکور کے ختم کے قریب نہایت وضاحت کے ساتھ طریق کی پوری حقیقت اور وصول الی المقصود کا نہایت جامع مانع دستور العمل اور اسکے سہل الحصول ہونے کو نہایت وثوق اور شدومد کے ساتھ اسطرح بیان فرماتے ہیں کہ رہ قلندر کی حقیقت تو بیان ہو چکی ہے مگر اسکا طریق عمل بیان کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ محض حقیقت کا معلوم ہو جانا عمل کے لئے کافی نہیں۔ لہٰذا رہ قلندر کی تحصیل کا طریق بھی بیان کرتا ہوں اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایسا طریق ہے جو محبت اور عمل دونوں کا جامع ہے پس ان دونوں چیزوں کی تحصیل کا طریق معلوم ہونا چاہیے سو عمل کے متعلق تو خیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمت کرو عمل ہو جائیگا پس اسکا یہی طریق ہے لیکن سوال یہ ہے کہ محبت کیونکر پیدا ہو تو لیجئے میں اسکا ایک نسخہ لاکھوں روپیہ کا مفت بتائے دیتا ہوں وہ نسخہ مرکب ہے چند اجزاء سے اور وہ سب چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں غور سے سنئے وہ چند چیزیں ہیں سب سے اول ہے عمل کیونکہ میں اول ہی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ عمل میں خاصیت ہے محبت پیدا کر دینے کی اور اسکو بہت بڑا دخل ہے محبت پیدا کرنے میں چاہے تجربہ کر لو روز مرہ کسی کے پاس جایا کرو دیکھو محبت ہو جائیگی۔ پہلے تھوڑی ہوگی۔ پھر جاتے جاتے ایسا تعلق ہو جائیگا کہ بہت ہی زیادہ غرض یہ مسلم امر ہے کہ میل جول جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ محبت ہوگی وہ جو کہتے ہیں پانے کی محبت اسکی بھی تو اصل ہے۔ غرض نیک عمل میں یہ برکت ہے کہ اُس سے محبت ق پیدا ہو جاتی ہے

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم تو مدت سے نیک عمل کر رہے ہیں مگر محبت پیدا نہیں ہوئی جواب یہ ہے کہ نیک عمل کے مفہوم میں ایک یہی چیز تو نہیں کہ بس عمل کر لیا۔ بلکہ وہ مرکب ہے اور اجزاء سے

بھی ایک جز تو عمل کرنا ہے دوسرا جزیہ ہے کہ عمل کو اُسکے طریق کے مطابق کیا جائے شلاً صرف ٹکریں مارنے کو نماز نہیں کہتے۔ نیک عمل جسطرح کیا جاتا ہے اور جو اُسکا مامور بہ طریق ہے اُس طریق سے اُسکو کرو۔ پھر دیکھو محبت کیسے نہیں پیدا ہوتی۔ تیسری وجہ اثر نہ ہونے کی یہ ہے کہ تم نے عمل کو صرف عادت سمجھ کر کیا اس نیت سے نہیں کیا کہ اللہ کی محبت بڑھ جاوے عمل میں یہ نیت نہیں کی کہ اے اللہ آپ کی محبت پیدا ہو جائے سو اس نیت سے عمل کرو پھر دیکھو انشاء اللہ کیسا اثر ہوتا ہے بہرحال ایک جز تو اس نسخہ کا یہ ہے کہ نیک عمل میں بہ نیت ازدیاد محبت استقامت کے ساتھ مشغول رہو۔ دوسری بات ضروری یہ ہے کہ اللہ کا نام لوجی لگاکر یعنی تھوڑا تھوڑا اللہ اللہ بھی کرو۔ تیسری بات یہ ہے اور یہ بہت ہی ضروری ہے کہ اہل محبت کی صحبت اختیار کرو۔ اس سے لوگ بھاگتے ہیں۔ اول تو اس طرف توجہ ہی نہیں کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جاکر رہیں۔ بس تھوڑی سی کتابیں پڑھ لیں اور سمجھ لیا کہ ہم کامل مکمل ہو گئے۔ بھلا نری کتابوں سے بھی کوئی کامل مکمل ہوا ہے ہاں تم کمبل تو ہو گئے یعنی کمبل پوش باقی نہ کامل ہوئے نہ مکمل۔ ارے بھائی موٹی بات ہے کہ بلا بڑھئی کے پاس بیٹھے کوئی بڑھئی نہیں بن سکتا حتی کہ اگر بسولہ بھی بطور خود ہاتھ میں لیکر اٹھائیگا تو وہ بھی قاعدہ سے نہ اُٹھایا جا سکیگا بلا درزی کے پاس بیٹھے سوئی کے پکڑنے کا انداز بھی نہیں آتا۔ بلا خوشنویس کے پاس بیٹھے ہوئے اور بلا قلم کی گرفت اور خط کی قرشش کو دیکھے ہوئے ہرگز خوشنویس نہیں ہو سکتا۔ غرض بدون صحبت کامل کے کوئی کامل نہیں بن سکتا لہٰذا پیر کامل کی صحبت لازمی ہے۔ پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ کبھی مرید پیر سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ مگر ابتداء میں تو کسی شیخ کامل کی صحبت کے بغیر چارہ نہیں۔ اور آج کل اسی کی ضرورت کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی کسی مصلح کے پاس گئے بھی تو وہاں تو ہوتی ہے اصلاح۔ پہونچتے ہی لتاڑ پڑنا شروع ہو گئی۔ تو اب یہ حضرت گھبرائے کہ میاں کس مصیبت میں آ پھنسے۔ ہم تو آئے تھے بزرگ سمجھ کر انھوں نے لتاڑنا ہی شروع کر دیا یہ کیسے بزرگ ہیں یہ کیسے اللہ والے ہیں؟

اسکی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی معدہ کا مریض طبیب کے پاس جاکر کہے کہ دیکھو جی ہم اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے حلوے ہی ہمارے لئے تجویز کرنا۔ ذرا حماقت تو دیکھئے حالانکہ خدا کے فضل سے آپ کو دست بھی ہو رہے ہیں۔ معدہ بھی خراب ہے ہضم بھی درست نہیں۔ یہ تو حضرت کی حالت اور حلوے کی فرمائش طبیب بھلا اسکی کیوں رعایت کرتا۔ اُسنے اُسکی حالت کے مناسب کو دو اسہل تجویز کیا اور جب اسنے پینے سے انکار کیا اور تین پانچ کی تو گرا کر زبردستی چمچوں کے ذریعہ سے پلا دیا۔ لیکن اُسنے قصداً قے کرکے سارے پیے ہوئے مسہل کو پیٹ سے نکالدیا۔ آپ قے کرتے جاتے ہیں اور بڑبڑاتے جاتے ہیں کہ واہ جی ہم تو اپنے گھر حلوے کھایا کرتے تھے۔ حکیم جی نے نہ جانے کیا الا بلا پلا دی۔ کاش کوئی خیر خواہی سے کہتا کہ ارے بیوقوف تو کیا سمجھ رکھے

جو وہ اسوقت کڑوا مسہل پلا رہا ہے تو تیرے ساتھ وہ دشمنی نہیں کر رہا ہے۔ بلکہ در اصل وہ تجھے حلوے کھلانے کے قابل بنا رہا ہے۔ ابھی تیرا معدہ حلوے کے قابل نہیں۔ ایسی ہی حالت میں حلوے کھانے سے تو تجھے دست ہو رہے ہیں تو حضرت اصلاح تو اصلاح ہی کے طریقے سے ہوتی ہے۔ تم جو شیخ کے پاس اصلاح کی غرض سے آئے ہو تو اسکی سختی اور لتاڑ کو برداشت کرو اور اگر برداشت نہیں ہے تو اصلاح کی درخواست ہی نہ کرو جائیں وہاں تو اصلاح اصلاح ہی کے طریقہ سے ہوگی۔ پھوڑا لیکر گئے ہو تو نشتر لگے ہی گا اب وہاں تو نشتر لگانا ضروری اور یہاں یہ حال ہے ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق	تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

بس نام ہی نام ہے عشق کا۔ ایک ہی زخم لگا تھا کہ بھاگ گئے وہاں کا تو ادب یہ ہے کہ:-

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش ور بہر زخمے تو پر کینہ شوی	سست و ریزندہ چو آب و گل مباش پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

یہ مصیبت ہو گئی ہے۔ تو حضرت نرا وظیفہ اصلاح کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ نرے وظیفے والے پیروں سے واللہ ثم واللہ ثم واللہ جو کبھی اصلاح ہو۔ اصلاح تو ہوتی ہے اصلاح کے طریقہ سے۔ تو اہل محبت کے پاس جاؤ اور وہ جو کہیں وہ کرو۔ تھوڑے دنوں میں دل نور سے معمور ہو جائیگا۔ اور خدا کی قسم اسقدر محظوظ ہو گے کہ تمہاری نظر میں پھر سلطنت کی بھی کچھ حقیقت اور وقعت نہ رہیگی حضرت حافظ رح فرماتے ہیں ؎

چو بخود گشت حافظ کے شمارد	بہ یک جو مملکت کاؤس و کے را

جناب میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی ذریعہ یقین دلانے کا نہیں اے صاحب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو اس طریق سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر لیگا۔ وہ ایسا ہو جائیگا کہ پھر اسکو نہ موت کا خوف ہوگا نہ ذات الجنب کا نہ نمونیہ کا نہ بخار کا نہ قحط کا نہ وبا کا کوئی غم نہ رہیگا۔ بس بالکل جنت کی سی حالت ہو جائے گی۔ ہاں غم ہوگا تو ایک کہ اللہ میاں تو ناراض نہیں۔ خدا کے نزدیک میں کیسا ہوں۔ نہ جانے وہ مجھ سے راضی ہیں یا ناراض بس اس غم کے سوا اور کوئی غم نہ ہوگا۔ مگر یہ غم ایسا لذیذ ہے کہ ہزاروں خوشیاں اس پر نثار۔ اس شخص سے اگر کوئی کہنے لگے کہ لاؤ تمہارا یہ غم تو ہم لے لیں اور اسکے عوض اپنی ساری خوشیاں تمہیں دیدیں تو کبھی نہ بدلے گا۔ تو حضرت یہ دولت ملیگی اہل اللہ کے پاس جانے اور انکا اتباع کرنے سے تو حاصل طریق کا یہ ہے کہ اعمال میں ہمت کر کے شریعت کے پابند رہو ظاہراً و باطناً اور اللہ اللہ کرو۔ اور کبھی کبھی اہل اللہ کی صحبت میں جایا کرو اور ان کی غیبت میں جو کتابیں وہ بتائیں ان کو پڑھا کرو۔ جی یہ چار چیزیں ہیں۔ میں ٹھیکہ لیتا ہوں کہ جو ان چار پر عمل کر کے دکھلا دیگا وہ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ کا مصداق یعنی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور محب ہو جاویگا۔ ضرور ہو جاوے گا

ضرور بالضرور ہو جاویگا۔

تو صاحب اب اختیار ہے جو چاہے عمل کر کے دیکھ لے اور تجربہ کرلے اور اسکی ضرورت نہیں کہ مرید ہو جاوے اجی کس کی پیری مریدی لئے پھرتے ہو یہ تو کھنڈ ہے۔ بیعت کی صورت ضروری نہیں۔ اصل چیز بیعت کی روح یعنے اتباع ہے۔ غرض مرید ہونے کی ضرورت نہیں پیر کے کہنے کے مطابق کام شروع کردو۔ بس ہو گیا تعلق۔ واللہ وہی نفع ہوگا جو پیری مریدی میں ہوتا ہے۔ اب لوگوں کا عجب حال ہے کہ کام بتاؤ تو نہ کریں۔ بس بیعت کا نام کرنا چاہتے ہیں۔ بیعت کیا ہے محض رسم ہی رسم رہ گئی ہے چنانچہ جو پیر ایسے ہیں کہ مرید تو کرلیتے ہیں لیکن کام کچھ نہیں بتلاتے اُن سے تو لوگ بہت خوش ہیں اور میں مرید تو کرتا نہیں لیکن کام بتلاتا ہوں تو مجھ سے ناراض ہیں۔ یوں سمجھ رکھا ہے کہ وہ جو بھید ہیں فقیری کے وہ جو انجھر ہیں پریم کے وہ مُریدوں ہی کو بتائے جاتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مُرید کرتے ہی پیر بس پریم کے دو انجھر بتادے گا اور اللہ والے ہو جائیں گے۔ دھرے تھے انجھر دھرے تھے بھید ڈلے پتھر میاں خدا رسول کا نام لو اور احکام بجالاؤ۔ بس یہی انجھر ہیں۔ اصلاح نفس کے طریقے پیر سے پوچھو یہی بھید ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ کیا باطنی طریق بس یہی ہے تو ہم بآواز دہل کہیں گے کہ ہاں یہی ہے۔ اور اس طریق میں کبھی بڑے بڑے حالات بھی پیش آئینگے بڑی بڑی کیفیات بھی طاری ہونگی یہ سب ہوگا مگر یہ مقصود نہیں ہے بھائی حالات تو سڑک کے پھولدار درخت ہیں۔ نظر آئے تو کیا نہ نظر آئے تو کیا۔ سڑک تو بہر حال قطع ہوگی۔ درختوں اور پھولوں کا نظر آنا نہ آنا سڑک کے قطع ہونے کے لئے ضروری نہیں۔ نظر پڑیں گے تب قطع ہوگی نہ نظر پڑیں گے تب قطع ہوگی بس چلتے رہنا شرط ہے۔ اور بعضوں کو یہ درخت اور پھول عمر بھر بھی نظر نہیں آتے۔ واللہ جن حالات کو آپ بڑا کمال سمجھتے ہیں طریق میں بس ایسے ہیں جیسے سڑک پر دو طرفہ گلاب اور بیلے کے درخت لگے ہوں۔ کبھی نیچی نظر کرکے چلتے ہیں تو کیا راستہ قطع نہیں ہوتا۔ راستہ تو برابر قطع ہوتا ہے چاہے درخت نظر پڑیں یا نہ پڑیں۔

افسوس تصوف کا ناس کردیا ہے ان جاہل صوفیوں نے اور فقیری کو ہاؤ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ چلے کھینچو بیوی کو طلاق دیدو اولاد کو عاق کردو۔ دروازہ کو تیغا کردو۔ چالیس چنے رکھ لو اور ایک چنا روز کھاؤ۔ بددن اسکے اصل فقیری ملتی ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں واللہ دوشالوں میں۔ گدے تکیوں میں سلطنت میں۔ مرغن کھانوں میں فقیری ملتی ہے مگر گھر میں نہیں شیخ کامل کی خدمت میں ملتی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جن کی شان اتنی بڑی ہے کہ مولانا روم رح جیسے عارف کی اُن کے بارہ میں یہ رائے ہے ؏

ہفت شہر عشق را عطار گشت	ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

وہ فرماتے ہیں ؎

گر ہوائے ایں سفر داری دلا — دامن رہبر بگیر و پس بیا
در ارادت باش صادق اے فرید — تا بیابی گنج عرفاں را کلید
بے رفیقی ہر کہ شد در راہ عشق — عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

مگر شیخ ہونا چاہئے کامل۔ اور کامل شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو۔ بدعت اور شرک سے محفوظ ہو کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو اسکی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے اور جو مرض باطنی بیان کرو اسکو بہت توجہ سے سنکر اسکا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اُس علاج سے دمبدم نفع ہوتا چلا جائے۔ اور اسکے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی چلی جائے یہ علامت ہے شیخ کامل کی۔ ایسا شخص اگر ملجائے تو وہ اکسیر اعظم ہے۔ تو یہ ہے طریقہ محبت پیدا کرنے کا۔ اس سے تو ہوگی محبت آگے رہا عمل تو اسکے لئے ضرورت ہوگی ہمت کی۔

اب ایک اور غلطی میں لوگ مبتلا ہیں کہ پیر بنا کر اسکو بلہ دار اور ذمہ دار اعمال کا سمجھتے ہیں۔ اسمیں ان کا قصور نہیں کیونکہ انکو بہکایا ہے دوکانداروں نے اُنھوں نے جاہلوں کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ تمھیں کچھ عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب ہمیں کرلیں گے بس اب وہ سچے پیروں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں چنانچہ میرے پاس خطوط آتے ہیں کہ صاحب تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی دعا کرو کہ آنکھ کھلا کرے میں لکھ دیتا ہوں کہ اچھا میں اس شرط پر دعا کرونگا کہ آپ میرے لئے یہ دعا کردیجئے کہ میری ایسی ٹانگیں ہو جائیں کہ میں روز کلکتہ پہنچ کر اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو اُٹھا دیا کروں۔ بیوقوف ہوئے ہو۔ اگر آنکھ نہیں کھلتی تو میں کیا کروں۔ میاں اُٹھو کسی طرح اور اگر کسی طرح نہیں اُٹھا جاتا۔ تو عشاء کے بعد ہی تہجد کی رکعتیں پڑھ لیا کرو غرض ہر چیز کا علاج ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ وظیفہ پورا نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی توجہ دیجئے کہ وظیفہ پورا ہوجایا کرے۔ بس سارے کام توجہ ہی سے چلانا چاہتے ہو۔ لاؤ میں توجہ کی حقیقت ظاہر کردوں۔ صاحبو کہیں دوسروں کی توجہ سے بھی کام چلتا ہے جبتک کہ خود توجہ نہ کرے اور ہمت سے کام نہ لے۔ سارا کام ہمت پر موقوف ہے۔ بیوقوف یوں سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ پیروں کے ہاتھ میں ہے۔ پیر تو بیچارے کیا چیز ہیں خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طالب کے لئے بہت چاہا کہ مسلمان ہو جائیں مگر ہدایت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو ارشاد ہوا اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی آپ جسکو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسکو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ لیجئے جب خود حضور ہی اپنی توجہ سے ہدایت نہ کرسکے تو پیر بیچارے تو کیا کرتے دیکھا آپ نے۔ ابتو صاحبو آپ کو توجہ کی حقیقت معلوم ہوگئی۔

غرض یہاں تو جو کچھ حاصل ہوتا ہے کام کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور تم چاہتے ہو کہ کچھ کرنا نہ پڑے پیر کی توجہ ہی سے سب کام بنجائیں اور کمال حاصل ہو جائے۔ ارے بھائی جن سے یہ درخواست ہے پہلے اُنسے تو تحقیق کرلو کہ انہیں جو کمال حاصل ہوا ہے وہ کاہے سے حاصل ہوا ہے۔ حضرت چکی پیسنے ہی سے حاصل ہوا ہے پہلے چکی پیسی پھر آٹا نکل آیا پھر پانی ڈال کر آٹا گوندھا پھر روٹی بنا کر توے پر ڈالی پھر وہ پک گئی پھر کھالی۔ اب تم چاہتے ہو کہ کرنا تو کچھ نہ پڑے اور پیٹ بھر جائے۔ تم چاہتے ہو کہ ایسا پیر ملے جو پکی پکائی کھلائے لیکن ایسا نہ ہوگا ع این خیالست و محالست و جنوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو پکی پکائی کھلائی ہی نہیں اور کسی کی تو کیا ہستی ہے اور کیا مجال ہے۔ حضور تو غایت شفقت سے بہت چاہتے تھے کہ پکی پکائی ہی کھلادیں مگر غیرت حق اور مصلحت دین کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسکی اجازت نہ دی تو بھائی خوب سمجھ لو کہ کام کرنے ہی سے کام چلیگا۔ بس طریق یہی ہے کہ کام کرو محنت کرو خدا برکت دیگا اگر کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو بجز اسکے کوئی صورت نہیں کہ کام کرو اور محنت کرو جیسا کہ یجاھدون فی سبیل اللہ سے میں ثابت کر چکا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ جو پیر ایسا کامل مکمل ہو اور جسمیں مذکورہ علامتیں ہوں اُسکی خدمت میں رجوع کرو۔ لیکن بیعت پر اصرار نہ کرو۔ درخواست پر اگر وہ کرلے اُسکی عنایت ہے باقی تم اسکو دق نہ کرو۔ پھر جو وہ کہے کرو۔ اگر محنت کرادے محنت کرو۔ ذکر و شغل کرادے ذکر و شغل کرو۔ غرض اسکی فکر میں لگ جاؤ کہ کسی کامل مکمل کی صحبت میسّر آئے۔ اب آخر میں یہ عرض ہے کہ مقصود میں کوتاہی کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو عمل میں کوتاہی کرتے ہیں اُنکو چاہیئے کہ اپنے قصد کو پختہ کریں اور ہمت سے کام لیں۔ دوسرے گروہ ہیں جنہیں محبت کی کمی ہے وہ اہل محبت کی صحبت اختیار کریں۔ غرض یہ دونوں چیزیں لازم طریق ہیں ایک عمل دوسری محبت اول میں ہمت کی ضرورت ہے۔ دوسری میں اہل اللہ کی صحبت اور اُن کے اتباع کی انتہی ما فی طریق القلندر۔

حضرت حکیم الامت کے بعض خاص خاص طرق تربیت

اب حسب وعدہ حضرت والا کے بعض خاص خاص طرق تربیت بھی مختصراً عرض کئے جاتے ہیں جنسے حضرت والا کی امتیازی شان ارشاد نمایاں ہوتی ہے اور چونکہ وہ بوجہ بالکل اصول صحیحہ کے مطابق اور موجودہ رنگ طبائع کے نہایت مناسب ہونے کے امر اصلاح میں غایت درجہ موثر اور نافع ثابت ہو چکے ہیں اسلئے اس قابل ہیں کہ مشائخ ان کو اپنا دستور العمل بنالیں لیکن محض نقل کافی نہوگی۔ فہم اور سلیقہ اور مناسبت بہرحال شرائط ضروریہ میں سے ہیں بفحوائے ارشاد حضرت عارف شیرازی رح (جو پہلے بھی ایک موقع پر عرض کیا جا چکا ہے) ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند		نہ ہر کہ آئینہ دار د سکندری داند	
ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست		نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند	

یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ اس جگہ استیعاب مقصود نہیں جو نہایت دشوار ہے بلکہ ناممکن کیونکہ حضرت والا کے طریق اصلاح و تربیت کی بہت سی ایسی خصوصیات بھی ہیں جو نہ زبان سے ادا ہوسکتی ہیں نہ قلم سے بصرف صحبت طویلہ اور بغور تتبع واقعات ہی سے ذوقاً انکا ادراک وانکشاف ہوسکتا ہے بفحوائے ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست — بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

لہذا محض نمونہ کے طور پر حضرت والا کے بعض خاص خاص اور صرف عملی اصول تربیت مختصراً عرض کیے جاتے ہیں جو آج کل معمول بہا ہیں۔ پھر انھیں پر انشاءاللہ تعالیٰ اس باب کو ختم کردیا جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ ط

ہر چند نہ استیعاب مقصود ہے نہ اسوقت کوئی خاص ترتیب ذہن میں ہے بلکہ خیال یہ ہے کہ کیفما اتفق حضرت والا کے جو اصول خاصہ یاد آتے چلے جائیں گے انکو لکھتا چلا جاؤنگا تاہم اس مصلحت سے کہ یاد آنے میں قدرے سہولت ہوجائے اور خلط سے بھی کسی قدر حفاظت رہے احقر مذکورۂ ذیل پانچ عنوان قائم کیے لیتا ہے تاکہ ہر عنوان کے تحت میں اُسی کے مناسب اُصول لکھتا چلا جائے اور حوالہ کی سہولت کیلئے ہر عنوان کے ذیلی نمبر بھی جدا گانہ لگادئے جائیں گے۔ وہ پانچ عنوانات یہ ہیں۔

(۱) اُصول متعلقۂ بیعت (۲) اُصول متعلقۂ تعلیم و تربیت (۳) اُصول متعلقۂ خط و کتابت (۴) اُصول متعلقۂ وار دین (۵) اُصول متفرقہ۔

جسطرح اسی باب کے پچھلے دو مجموعوں کے نام صد پند اشرف اور صد قند اشرف رکھے جاچکے ہیں اسی طرح اس مجموعہ کا نام بھی بلحاظ عدد عنوانات پنج گنج اشرف تجویز کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خزانۂ بے بہا کو بسہولت و تحسین و خوبی مجتمع کرادے اور مقبول فرماکر مجھ تہی دست کیلئے ذخیرۂ آخرت اور از قبیل باقیات الصالحات بنادے۔ اور اس سے مسلمانوں کو تاقیامت متمتع فرماتا رہے۔ اور اس احقر ناکارہ کو بھی حضرت والا سے کامل مناسبت عطا فرماکر حضرت والا کے حقائق و معارف کا جو سراسر علوم حضرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے مستفاد ہیں حامل اور حضرت والا کے زریں اُصول کا جو بالکل قرآن و حدیث اور عقل سلیم کے موافق ہیں عامل بنادے آمین ثم آمین

گو اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس نااہل کی طرف سے یہ دعا چھوٹا منہ بڑی بات ہے کیونکہ مجھ جیسے فاقد الاستعداد اور ناکارہ کی کیا ہستی اور کیا اوقات ہے۔ بلکہ اپنی حیثیت پر نظر کرتے ہوئے تو اسکی قبولیت ہی میرے نزدیک وتو عامنجملہ مستبعدات ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ کی بڑی ذات ہے اسلئے اگر اصل دعا نہ بھی قبول

ہوئی تب بھی انشاء اللہ تعالیٰ اس دعا سے بہر حال مجکو ماریں میں امید اجر و برکات ہے۔ اور اسی امید پر اسکی جرأت بھی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس امید کو پورا فرمائے آمین ثم آمین۔ نیز اصل دعا کی قبولیت سے بھی کلی مایوسی نہیں حسب ارشاد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست ،		با کریماں کارہا دشوار نیست	

اب بنام خدا تعالیٰ تنج گنج اشرف کو بہ ترتیب عنوانات مذکورۂ بالا لکھنا شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور بسہولت و بحسن و خوبی اتمام کو پہونچائے آمین یا رب العالمین۔

تنج گنج اشرف

(یعنی اشرف المشائخ حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کے بعض خاص خاص اصول ارشاد و افاضۂ باطنی)

عنوان اوّل

اصول متعلقہ بیعت

(۱) چونکہ آجکل بیعت کو عموماً لوازم طریق سے سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ اصل چیز استفاضہ ہے اسلئے حضرت والا اس غلو فی الاعتقاد کی اصلاح عملی اصلاح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا ہے تو اول اس سے بیعت کی غایت دریافت فرماتے ہیں اور جب تک وہ صحیح غایت نہیں بتلاتا برابر استفسارات فرماتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ یا تو حضرت والا کے استفسارات ہی سے سمجھ کر (جو ہمیشہ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ طریق سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والا اُن سے بہ سہولت صحیح جواب مستنبط کر سکتا ہے) وہ خود ہی صحیح غایت بتا دیتا ہے یا اپنے عجز کا اقرار کر کے خود حضرت والا سے پوچھتا ہے اور پھر خود حضرت والا اسکو صحیح غایت بتلا دیتے ہیں اور شروع ہی میں بطور خود اسلئے نہیں بتاتے کہ جو بات مخاطب کی قوت فکریہ پر بوجھ پڑنے کے بعد سمجھ میں آتی ہے یا بتائی جاتی ہے وہ اسقدر پختگی کے ساتھ ذہن نشین ہوتی ہے کہ پھر کبھی ذہن سے نہیں نکلتی اور اسی نافعیت کی بنا پر حضرت والا التمام دوران تربیت میں اسی طریق تفہیم کا بکثرت استعمال فرماتے رہتے ہیں۔

غرض اگر کوئی طالب حضرت والا کے استفسار کے جواب میں بیعت کی غایت رضائے حق متعین کرتا ہے تو فرما دیتے ہیں کہ یہ غایت تو بیعت پر موقوف نہیں۔ اُسکے حصول کے لئے تو تعلیم اور تعلیم پر عمل ہی کافی ہے

اور اگر وہ بیعت کی یہ غایت بتاتا ہے کہ شیخ سے مناسبت اور تعلق خاص پیدا ہو جائے تاکہ اسکی تعلیم زیادہ موثر ہو اور اس پر عمل آسان ہو جائے تو پھر استفسار فرماتے ہیں کہ آیا صرف مرید ہی کو شیخ سے مناسبت ہو جانا کافی ہے یا اس کے علاوہ شیخ کو بھی مرید سے مناسبت ہونا ضروری ہے جب اس سے یہ اقرار کرا لیتے ہیں کہ جانبین میں مناسبت ہونا ضروری ہے تو فرماتے ہیں کہ اسکے لئے تو نری بیعت کافی نہیں بلکہ اور چیزیں بھی ضروری ہیں مثلاً کچھ دن پاس رہنا۔ خصوصیات مزاج کا تتبع اور ان کی رعایت کرنا۔ چندے تعلیمی خط و کتابت جاری رکھنا وغیرہ۔ غرض جانبین کی مناسبت کے لئے نری بیعت کافی نہیں۔ بلکہ شیخ کو تو طالب کے ساتھ زیادہ تر اسکے برتاؤ سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اھ

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا طالبین بیعت کے غلوئی الاعتقاد کی بڑے اہتمام سے اصلاح فرماتے ہیں۔ اور جب یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اُن کے عقیدہ میں بجائے غلو کے اعتدال پیدا ہو گیا ہے تو پھر اسکا بھی انتظار نہیں فرماتے کہ وہ خود بیعت کی درخواست کریں بلکہ بعض صورتوں میں از خود اُنکے اشتیاق کو پورا فرما دیتے ہیں چنانچہ ایک صاحب کو جو عرصہ سے بیعت پر اصرار کر رہے تھے پہلے تو سختی کے ساتھ انکار فرما کر مایوس کر دیا لیکن تعلیمی خط و کتابت برابر جاری رہی پھر کچھ دن بعد جب وہ حاضر ہوئے تو چونکہ وہ اصرار موقوف کر چکے تھے اور باوجود نادار ہونے کے فیض صحبت حاصل کرنے کے لئے دور کا سفر کر کے آئے تھے اور پھر انکی تنگدستی نہ معلوم کب انکو آنے کی اجازت دیتی ان وجوہ سے از خود اُنکے دیرینہ اشتیاق بیعت کو پورا فرما دیا۔

اسیطرح ایک دوسرے طالب جن کی تعلیم ایک مجاز کے سپرد ہے سالہا سال سے بیعت کے مشتاق تھے اور ہدیہ پیش کرنے کے بھی بہت شائق رہتے تھے لیکن بوجہ کم فہمی و بےفکری اور غلوئی الاعتقاد کے ہمیشہ حضرت والا کو اپنی بےعنوانیوں سے سخت ایذائیں پہونچاتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت والا نے رسمی ہدیہ اور بیعت سے انکو بالکل یکسو کر دینے کی سخت ضرورت محسوس فرما کر اُن سے ایک حلف نامہ لکھوایا کہ نہ کبھی عمر بھر ہدیہ پیش کرینگے نہ درخواست بیعت کریں گے۔ اُسکے بعد حضرت والا نے دیگر خدام سے اپنا خیال ظاہر فرمایا کہ ابھی تک وہ انھیں قصوں میں رہتے تھے اب جمعیت کے ساتھ اپنے کام میں لگیں گے جس سے انشاء اللہ تعالیٰ ان کو بہت نفع ہوگا اور اپنا یہ خیال بھی ظاہر فرما دیا کہ اگر میں دیکھونگا کہ وہ اب یکسو ہو گئے ہیں تو ارادہ ہے کہ کبھی میں انکو خود ہی بیعت کر لونگا اھ

احقر کے علم میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جنھوں نے حضرت والا سے دس دس برس تک محض تعلیم طریق حاصل کی اور اس درمیان میں اُنھیں نہ کبھی درخواست بیعت کی جرأت ہی ہوئی نہ اُنھوں نے اسکی کوئی ضرورت ہی سمجھی کیونکہ وہ حضرت والا سے بیعت کا ضروری نہ ہونا ہمیشہ سنتے رہتے تھے۔ اسکے بعد ایک بار کی حاضری میں بیعت کا دفعۃً خیال پیدا ہوا تو احباب سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت والا سے درخواست کی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ

میں تو ہمیشہ یہی سمجھا کہ آپ مجھ سے بیعت ہیں۔ ایسی حالت میں بیعت کی ضرورت تو نہیں لیکن اگر آپ کی خواہش ہے تو میں نہایت خوشی کے ساتھ آپ کو بیعت کر لوں گا کیونکہ جس چیز کا مجھے انتظار رہتا ہے یعنی باہم مناسبت اور صحت عقیدہ وہ بفضلہ موجود رہی ہے پھر مجھے انکار ہی کیا ہوسکتا ہے اھ۔ چنانچہ بیعت فرمالیا اور اب بفضلہ تعالیٰ وہ مجاز بیعت بھی ہیں! ھ

اسیطرح بعض صاحبان حضرت والا سے تعلیم حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت والا نے اُن کو اخذ بیعت کی اجازت عطا فرمائی اُسوقت اُنھوں نے عرض کیا کہ ابھی تو حضور نے مجھ کو بیعت ہی سے مشرف نہیں فرمایا چنانچہ انکو مجاز بیعت بنادینے کے بعد بیعت فرمایا گیا۔

غرض حضرت والا علماً وعملاً اس امر کو اچھی طرح ذہن نشین فرماتے رہتے ہیں کہ حصول مقصود کا مدار بیعت پر نہیں بلکہ نری تعلیم تو حصول مقصود کیلئے بالکل کافی ہے لیکن نری بیعت ہرگز کافی نہیں۔

کل ہی ارشاد فرمارہے تھے۔ کہ صورت بیعت کا محض وہ درجہ ہے جو پھولوں کی کیاری میں گھاس کا ہوتا ہے کہ اُس سے ایک خوشنمائی تو ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور پھولوں کی رونق بڑھ جاتی ہے لیکن پھولوں کے نشوونما میں گھاس کا کچھ بھی دخل نہیں۔ اگر کیاری میں گھاس نہ بھی لگائی جاوے محض پھولوں کے پودے ہی لگا دیے جائیں تب بھی پھول اپنی ساری صفات اور اپنی اصلی آب وتاب ہی کے ساتھ پیدا ہونگے۔ کیاری میں گھاس نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی ذات میں کسی قسم کا نقص واقع نہ ہوگا۔ بیعت کی حقیقت کے متعلق حضرت والا نے عرصہ ہوا ایک طالب سے بہت واضح تقریر فرمائی تھی جسکو حسن العزیز جلد اول کے ملفوظ نمبر ۵۹ سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ بیعت کے متعلق سب اُمور مالہ وماعلیہ ناظرین کے پیش نظر ہو جائیں۔ وہ تقریر یہ ہے۔

فرمایا کہ بیعت کی ایک صورت ہوتی ہے ایک حقیقت اسکی صورت مطلوب نہیں حقیقت مطلوب ہے۔ چنانچہ بیعت کی حقیقت ہے اعتقاد واعتماد جازم اپنے تعلیم کرنے والے پر یعنی اسکو یہ یقین ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے اور جو مشورہ دیگا وہ میرے لئے نہایت نافع ہوگا غرض اسپر پُورا اطمینان ہو اور اپنی رائے کو اسکی تجویز وتشخیص میں مطلق دخل نہ دے جیسا کہ طبیب حاذق ومشفق کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے بس ویسا ہی اُسکے ساتھ معاملہ کیا جائے باقی رہی بیعت کی صورت وہ اول وہلہ میں خواص کے لئے نافع نہیں عوام کے لئے البتہ اول وہلہ میں بیعت کی صورت بھی نافع ہوتی ہے کیونکہ اُس سے انکے قلب پر ایک عظمت اور شان اُس شخص کی طاری ہو جاتی ہے جسکا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اسکے قول کو باوقعت سمجھ کر اُسپر عمل کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ خواص کے لئے کچھ مدت کے بعد بیعت نافع ہوتی ہے کیونکہ اسکا خاصہ ہے کہ جانبین میں ایک تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے پیر سمجھنے لگتا ہے کہ یہ ہمارا ہے اور مرید سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں۔ ڈانواڈول حالت نہیں رہتی۔ جسطرح اگر کوئی مریض

ہمیشہ کسی ایک ہی طبیب سے رجوع کرتا ہو تو وہ طبیب یہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہمارا مریض ہے ۔ اور لوگوں سے کہتا بھی ہے کہ بھائی یہ ہمارے ہیں اسیطرح مریض طبیب کو سمجھتا ہے کہ یہ ہمارے ہیں اور اگر ایسا مریض ہو کہ کبھی ایک طبیب سے رجوع کرتا ہو کبھی دوسرے سے تو اسپر پوری شفقت کسی کو بھی نہیں ہوتی ۔ ہر طبیب یہی سمجھتا ہے کہ اسکو ہم سے کوئی خاص تعلق نہیں ۔ یہ تو یہاں بھی آتا ہے اور فلاں فلاں جگہ بھی جاتا ہے ۔ مگر یہ نفع خواص کو اول وہلہ میں بعیت سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ جانبین میں پوری طرح مناسبت اور اطمینان نہ ہو جائے ۔ جبتک یہ حالت نہ ہو بعیت کرنا کرانا بالکل عبث ہے ۔ انتہیٰ ۔

اسیطرح ایک بار فرمایا کہ بعیت کا لطف تو جبھی ہے جب پہلے تعلیم حاصل کرے اور پھر بعیت ہو کیونکہ ظاہر ہے کہ جب اسکو تعلیم سے نفع ہوگا تو اپنے معلم سے محبت پیدا ہو جائیگی پھر محبت پیدا ہو جانے کے بعد بعیت میں جو لطف ہوگا وہ قبل اسکے کہاں ۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک تو عقد کی یہ صورت ہے کہ ماں باپ نے جسکے ساتھ چاہا نکاح کر دیا پھر اسکے بعد تعلق پیدا ہوا وہ تعلق تو بس اسکا مصداق ہوگا ع "نہ عشقے کہ بندند بر خود بزور" ۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ اتفاقاً اضطراراً کسی پر عاشق ہو گئے ۔ پھر حدود عفت میں نہایت سختی کے ساتھ رہ کر اسکی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح نکاح ہو جائے چنانچہ جدوجہد بسیار اور شدید کلفت انتظار اور بڑی تمناؤں کے بعد خدا خدا کرکے اس میں کامیابی ہوئی اور نکاح ہو گیا ۔ تو اب دیکھ لیجیے کہ نکاح کی ان دونوں صورتوں کے لطف میں زمین آسمان کا فرق ہوگا ۔ اھ

ایک بار تاخیر بعیت میں یہ مصلحت بھی بیان فرمائی کہ امید بعیت میں طالب اپنی اصلاح کی اور مناسبت پیدا کرنے کی بہت کوشش کرتا ہے ورنہ اگر درخواست پر فوراً بعیت کر لیا جائے تو پھر بےفکر ہو جاتا ہے اھ

غرض حضرت والا کو اسکا بڑا اہتمام ہے کہ لوگوں نے جو بعیت کے متعلق عقیدہ میں غلو کر رکھا ہے اسکی اصلاح ہو کیونکہ جو چیز جس درجہ کی ہو اُس درجہ سے اُسکو بڑھانا بھی بدعت ہے ۔

تصحیح عقیدہ کے بعد بھی حضرت والا عموماً ابتداء میں بعیت اور تعلیم دونوں کو جمع نہیں فرماتے بلکہ اگر بعیت فرماتے ہیں تو تعلیم کسی اپنے خلیفہ و مجاز کے سپرد فرما دیتے ہیں اور اگر تعلیم خود اپنے ذمہ لیتے ہیں تو اس صورت میں بعیت نہیں فرماتے ۔ اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ اول خود طالب سے پوچھتے ہیں کہ بعیت ہونا چاہتے ہو یا تعلیم حاصل کرنا اور یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ میرے یہاں بعیت اور تعلیم دونوں جمع نہیں ہوتیں ۔ اسپر اگر وہ بعیت کی درخواست کرتا ہے تو اس سے اندازہ فرما لیتے ہیں کہ وہ خوش فہم نہیں ورنہ جو اصل مقصود ہے یعنی تعلیم اسکی درخواست کرتا ۔ ایسی حالت میں اگر اسکو اپنے سے تعلیم حاصل کرنیکی بھی اجازت دیدی جائے تو اُس سے ایذائیں پہونچنے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے لہذا شرائط ضروریہ پوری کرانے کے بعد جو انشاءاللہ تعالیٰ بعد کو نقل کی جائیں گی اسکی تعلیم تو اپنے کسی خلیفہ مجاز کے سپرد

فرما دیتے ہیں اور بیعت خود فرما لیتے ہیں اور اگر وہ تعلیم کی درخواست کرتا ہے تو اُس سے اُسکی خوش فہمی کا غالب گمان ہوتا ہے کہ یہ اصل مقصود کا طالب ہوا لہٰذا اسکو تعلیمی خط و کتابت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دیجاتی ہے لیکن اگر اس خط و کتابت کے بعد اُسکی خوش فہمی کا گمان غلط ثابت ہوتا ہے تو پھر اُسکو بھی اپنے کسی خلیفۂ مجاز ہی کے سپرد فرما دیا جاتا ہے اور جب تک کہ ایک معتد بہ مدت کے تجربہ کے بعد وہ خلیفۂ مجاز اسکی تصدیق نہیں کر دیتے کہ اُس طالب کو خود حضرت والا سے تعلیم حاصل کرنے کا سلیقہ پیدا ہو گیا ہے نیز جب تک حضرت والا اُس تعلیمی خط و کتابت کو دیکھ کر جو خلیفۂ مجاز سے ہوئی ہے خود بھی اپنا اطمینان نہیں فرما لیتے اسکو اپنے سے تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں عطا فرماتے۔

چونکہ حضرت والا بیحد لطیف المزاج ہیں اسلئے اگر ابتدا ہی میں تعلیم اور بیعت دونوں کو جمع کر دیا جائے تو طالبین کی بے تمیزیوں اور بے اُصول باتوں سے بہت ایذائیں پہونچیں جو تعلق بیعت قائم ہو جانے کے بعد خاص طور سے بہت ناگوار ہوتی ہیں اور چونکہ شیخ کے قلب کا مکدر مُرید کے لئے سم قاتل ہے اسلئے حضرت والا کا یہ دستور العمل سراسر مصلحت طالبین پر مبنی اور بالکل اُصول صحیحہ کے مطابق ہے۔ اب اس دستور العمل کی بعض خاص تفصیلات بھی عرض کیجاتی ہیں۔

جب کوئی طالب حضرت والا سے رجوع کرتا ہے خواہ تقریراً یا تحریراً حاضراً یا غائباً تو بجز خاص اطمینانی مواقع کے ایک مطبوعہ پرچہ حوالہ فرما دیا جاتا ہے جسمیں بیعت بلا تعلیم اور تعلیم بلا بیعت کی شرائط جدا جدا درج ہیں جو ذیل میں نقل کیجاتی ہیں۔

شرائط بیعت بلا تعلیم

۱۔ قرآن مجید جتنا پڑھا ہے، یا جتنا یاد ہے کسی صحیح پڑھنے والے سے صحیح کرنا ہوگا۔

۲۔ بہشتی زیور کے سب حصے یا سات حصے اور بہشتی گوہر اور اصلاح الرسوم اور قصد السبیل کی تذییل پڑھ کر یا سنکر اُسکی پابندی کرنا ہوگی۔

۳۔ میرے چھپے ہوئے وعظ ہمیشہ پڑھنا یا سُننا پڑینگے۔

۴۔ ابتدائی تعلیم میرے کسی اجازت یافتہ سے (جس کو میں تجویز کر دوں یا طالب کی تجویز پر اجازت دے دوں) حاصل کرنا ہوگی اور جب تک پچیس بار اُن سے خط و کتابت نہ ہو چکے براہ راست مجھ سے تعلیم کی استدعا نہ کی جائے۔

شرائط تعلیم بلا بیعت

اگر فی الحال بیعت پر اصرار نہ ہو صرف تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو صرف اول تین شرطوں کی پابندی لازم ہوگی۔ چوتھی شرط نہ ہوگی۔ پھر جب باہم خوب مناسبت ہو جائے اسوقت درخواست بیعت کا بھی مضائقہ نہیں۔

تنبیہ۔ ابتدا میں بیعت و تعلیم دونوں جمع نہیں ہو سکتیں (اشرف علی)

شرائط مذکورۂ بالا میں سے ہر شرط کا فرداً فرداً واضح جواب طلب فرمایا جاتا ہے اور جب تک یہ اطمینان نہیں فرما لیتے کہ جو کچھ لکھا ہے اچھی طرح سمجھ کر لکھا ہے فیصلہ نہیں فرماتے۔ نیز خانقاہ میں رہتے ہوئے بیعت یا تعلیم کسی امر کے متعلق نہ زبانی کوئی گفتگو فرماتے ہیں نہ تحریری اجازت دیتے ہیں بلکہ پرچہ شرائط حوالہ فرما کر فرما دیتے ہیں کہ اسکے متعلق جو کچھ لکھنا ہو اپنے مستقر پر پہونچکر لکھنا جو مناسب ہوگا جواب دیا جائیگا اھ

یہ معمول اسلئے اختیار کیا گیا ہے کہ اکثر نو واردین بے اصول جوابات دے دیکر حضرت والا کو بہت اذیت پہونچاتے تھے جس سے باہم بے لطفی کی نوبت آجاتی تھی۔ رہا یہ امر کہ خانقاہ میں رہتے ہوئے تحریری جوابات دینے کی بھی کیوں ممانعت ہے اسکی یہ وجہ ہے کہ جو شخص خانقاہ میں موجود ہو اسکی تحریری غلطیوں پر بھی زبانی فہمایش کرنے کا بالطبع تقاضا پیدا ہوتا ہے جسکا نتیجہ بالآخر پھر وہی بے لطفی ہے جس سے بچنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

خط و کتابت کے بعد جن صاحبوں کی درخواست بیعت بلا تعلیم منظور فرمانا ہوتی ہے ان کو لکھ دیا جاتا ہے کہ میرا یہ خط میرے فلاں تجویز کردہ اجازت یافتہ کے پاس بھیجکر اُن سے تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیا جائے اور جب انکا تعلیمی خط مع میرے اس خط کے میرے پاس بھیجکر مجھ سے بیعت کی درخواست کی جائے گی میں بیعت کر لونگا۔ چنانچہ جب وہ صاحب ایسا کرتے ہیں حضرت والا ان کو بلا تامل بیعت فرما لیتے ہیں لیکن خط کے ذریعہ سے بیعت فرماتے ہیں محض بیعت ہونے کے لئے سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کیونکہ یہ مقصود تو خط کے ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔

جن صاحبان کو بیعت بلا تعلیم سے مشرف فرمایا جاتا ہے اُن کو کسی قسم کی تعلیمی خط و کتابت کی اجازت نہیں ہوتی البتہ محض طلب دعا اور دریافت خیریت کے لئے خط لکھنے کی اجازت عطا فرما دیجاتی ہے۔

یہ معاملہ تو اُن حضرات کے متعلق مذکور ہوا۔ جو بیعت بلا تعلیم چاہتے ہیں اور جو حضرات مذکورہ بالا پرچہ شرائط دیکھکر تعلیم بلا بیعت کے خواستگار ہوتے ہیں حضرت والا ان کی خوش فہمی پر مسرور ہوتے ہیں کہ اُنھوں نے محض بیعت پر محض تعلیم کو جو اصل مقصود ہے ترجیح دی اور ان کو تعلیمی خط و کتابت کی اجازت مرحمت فرمائی جاتی ہے لیکن اگر وہ دوران خط و کتابت میں فہم و فکر سے کام نہیں لیتے اور بے اصول باتیں لکھ لکھ کر اذیت پہونچانے لگتے ہیں اور اُن سے

جلدی مناسبت پیدا ہونیکی توقع نہیں رہتی تو پھر جانبین کی مصلحت کی بنا پر ان کو بھی اپنے کسی خلیفۂ مجاز سے تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت فرمادی جاتی ہے اور یہ بھی تحریر فرمادیا جاتا ہے کہ اگر مجھ سے کسی ایسے خلیفہ کا پتہ پوچھا جائیگا تو میں بتادونگا چنانچہ جب وہ پوچھتا ہے تو پتہ بھی بتادیا جاتا ہے بے پوچھے اور بطور خود نہیں بتاتے تاکہ اُس معلم کی بوقعتی نہ ہو۔ اور اسی امر میں نہیں بلکہ ہر امر میں حضرت والا کو اسکا بہت ہی زیادہ اہتمام رہتا ہے کہ طریق کی اور مطلوب کی وقعت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے پائے۔ جب تک طالب میں طلب صادق نہیں پاتے اسکو منھ بھی نہیں لگاتے۔

غرض اگر کوئی تعلیمی خط وکتابت کے دوران میں ایذا ئیں پہونچاتا ہے تو اسکی تعلیم کسی اپنے خلیفۂ مجاز کے سپرد فرمادی جاتی ہے اور اسکی اکثر یہ ترتیب ہوتی ہے کہ اول سخت سخت تنبیہات کی جاتی ہیں جب انکا اثر نہیں ہوتا تو خط بھیجنے کی ممانعت فرمادی جاتی ہے پھر وہ بلا واسطہ یا بواسطہ معافی چاہتا ہے اور اکثر بواسطہ ہی معافی کے بارہ میں تحریر یا تقریر کی اجازت ملتی ہے کیونکہ طلب معافی میں بھی بکثرت بے عنوانیوں کا ظہور ہوتا ہے جو واسطہ نہونے کی صورت میں پہلے سے بھی زیادہ تکدر بڑھ جانے کی موجب ہوجاتی ہیں۔ لیکن واسطہ کو صرف سفیر بننے کی اجازت ہوتی ہے نہ کہ وکیل بننے کی اور اسکو اسکی سخت ممانعت ہوتی ہے کہ ذی واسطہ کو کوئی مشورہ دیا جائے یا اسکی سفارش کیجائے۔ اور اگر کوئی واسطہ اسکے خلاف کرتا ہے تو وہ خود مورد عتاب ہوجاتا ہے اور پھر طالب کو کوئی دوسرا واسطہ تلاش کرنا پڑتا ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت والا کے ان اُصول سے سب پاس رہنے والے اچھی طرح واقف ہیں کسیکو خلاف ورزی کی جرأت نہیں ہوتی۔

غرض جن طالبین سے یہ توقع نہیں ہوتی کہ وہ خط وکتابت میں آئندہ اذیت نہ پہونچائیں گے۔ اُن کو حضرت والا معافی تو عطا فرما دیتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ مجھ سے تعلیم حاصل کرنے کا تعلق نہ رکھا جائے۔ مگر اس حالت میں بھی از راہ خیر خواہی یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ اصلاح کرانا بہر حال ضروری ہے اگر مجھ سے دوسرے مصلح کا پتہ پوچھا جائیگا تو میں بتادونگا۔ چنانچہ جب وہ پتہ پوچھتا ہے تو بتادیتے ہیں اور اگر طالب اپنا میلان کسی خاص مصلح کی جانب ظاہر کرتا ہے۔ تو اکثر اسی کو تجویز فرما دیتے ہیں۔ ورنہ خود جسکو مناسب خیال فرماتے ہیں تجویز فرما دیتے ہیں اور اس تجویز میں بعض اوقات قرب وطن یا دیگر مناسبات کا بھی لحاظ فرما لیتے ہیں ایسے صاحبان کو بھی جنکو ایذا دہی کی بنا پر دوسروں کے سپرد فرمادیا جاتا ہے اگر وہ محض طلب دعا اور دریافت خیریت کے لئے خط بھیجنے کی اجازت چاہتے ہیں تو اجازت مرحمت فرمادیجاتی ہے لیکن اُنسے ایک خاص مسودہ لکھوا کر بعد منظوری اُسپر اپنے دستخط فرمادئے جاتے ہیں اور ارشاد فرمادیا جاتا ہے کہ بس اسی کی لفظ بہ لفظ نقل بھیجی جایا کرے ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہ ہو اور اس مسودہ کو بھی ہر بار ہمراہ بھیجا جائے۔ تاکہ مقابلہ کیا جاسکے اھ

یہ قید اسلئے لگائی گئی کہ بعضوں نے طلب دعا اور دریافت خیریت کے ضمن میں بھی ایسے مضامین لکھ دئے

جن سے اذیت ہوئی۔

غرض ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا کی جو بات بھی ہے نہایت باضابطہ اور بااصول ہے لیکن یہ بھی بارہا فرمایا کہ مجھے انتظامات کا خواہ مخواہ شوق نہیں ہے بلکہ مجھے تو ان قصوں سے وحشت ہے کیونکہ میری طبیعت فطری طور پر بہت آزاد ہے مگر جہاں ضرورت ہو اور بدون انتظامات کے کام ہی نہ چلے وہاں منتظم ہونا ہی پڑتا ہے اور وہاں منتظم ہونا ہی ضروری ہے بلکہ جہاں ضرورت ہو وہاں تو انتظامات میں مجھے بجائے مشقت، ورو وحشت کے نہایت مسرت اور دلچسپی ہوتی ہے۔ اور میں نے یہ قواعد سوچ سوچ کر بلاضرورت پہلے سے تجویز نہیں کئے۔ بلکہ جیسے جیسے معاملات لوگ میرے ساتھ کرتے گئے اور انکی بناء پر جیسی جیسی ضرورت پیش آتی گئی قواعد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ باقی خدا نکرے مجکو کوئی شوق تھوڑا ہی ہے خواہ مخواہ قواعد بنانے کا اور لوگوں کو تنگی میں ڈالنے کا استغفر اللہ بلکہ واللہ مجھے بعض ضابطے کے قواعد تجویز کرتے وقت نہایت شرم آئی کہ یہ کیا واہیات عدالتوں کے سے ضابطے ہیں لیکن کیا کرتا ضرورت نے مجبور کر دیا۔

میرا مقصود ان قواعد سے صرف یہ ہے کہ نہ مجھے کوئی اذیت ہو نہ دوسروں کا کوئی کام اٹکے۔ ورنہ اگر یہ قواعد نہ ہوتے تو بڑی گڑبڑ رہتی نہ مجھی کو راحت ملتی نہ لوگوں ہی کے کام بنتے اب تو بفضلہ تعالیٰ دونوں کی مصلحتیں پوری ہو رہی ہیں۔ میرے قواعد اپنی ذات میں تو بالکل سہل ہیں البتہ میں انکی پابندی خود بھی سختی سے کرتا ہوں اور دوسروں سے بھی انکی پابندی سختی سے کراتا ہوں۔ بس اس پابندی ہی سے لوگ گھبراتے ہیں حالانکہ بلاتشبیہ شرائع کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی ذات میں تو بالکل سہل ہیں چنانچہ نصوص صریحہ سے انکا سہل ہونا ثابت ہے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر وما جعل علیکم فی الدین من حرج اور حدیث میں ہے الدین یسر لیکن انکی پابندی سختی سے کرائی جاتی ہے اور انکے ترک پر سخت سخت وعیدیں ہیں چنانچہ نماز باعتبار ارکان و شرائط کے لحاظ سے بہت سہل عمل ہے۔ اور معذوری کی حالت میں اس کے اندر اور بھی زیادہ سہولتیں رکھ دی گئی ہیں لیکن اسکی پابندی بہت سختی کے ساتھ کرائی گئی ہے اور اسکے ترک پر دنیا و آخرت میں سخت سخت وعیدیں اور سزائیں ہیں۔ دنیا میں تو بعض ائمہ نے ترک نماز پر سزائے قتل تک کا فتوے دیا ہے اور بعض نے حبس دوام کا اور آخرت میں فرعون و ہامان کے ساتھ دوزخ میں جانے کی وعید وارد ہے۔ غرض اس قانون کو ہرگز سخت نہیں کہہ سکتے جو اپنی ذات میں تو سہل ہو لیکن اسکی پابندی سختی سے کرائی جائے اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ یہ مضمون باسی باب میں حضرت والا کے طرز سیاست کے بیان میں بھی بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

(نمبر ۲) حضرت والا ایسوں کو ہرگز بیعت نہیں فرماتے جن سے قلب میں کسی قسم کا حجاب ہو۔ خواہ اختلاف طبائع

کے سبب سے خواہ اختلاف مسلک کے سبب سے خواہ کسی خاص نوعیت کی وجاہت کے سبب۔ چنانچہ اختلاف طبائع کی بنا پر تو آئے دن بیعت سے انکار فرماتے رہتے ہیں بلکہ تعلیم و تلقین بھی دوسروں کے سپرد فرما دیتے ہیں جیسا نمبرا میں ابھی تفصیل مذکور ہوا۔ کیونکہ حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے بالطبع نہایت لطیف المزاج اور ذکی الحس پیدا فرمایا ہے اور ذکر و فکر نے اس فطری لطافت اور ذکاوت حس کو اور بھی چار چاند لگا دیے ہیں۔ اسلئے طالبین کا ذرا سا بیڈھنگا پن بھی نہایت ایذاوہ ہوتا ہے مگر وہی بیڈھنگا پن جو بیفکری اور قلت اہتمام و قلت ادب طریق سے ناشی ہو ورنہ بہت سے دیہاتی آآ کر حضرت والا سے گنوار پنے کی باتیں کیا کرتے ہیں اور حضرت والا بجائے ناخوش ہونے کے انکی باتوں سے بہت لطف اندوز ہوا کرتے ہیں اور اکثر انکی بے تکلفی اور سادگی کے واقعات کو نہایت لطف لے لے کر بعد کو بھی بیان فرمایا کرتے ہیں۔

ادھر تو حضرت والا کی اس درجہ لطافت مزاج اور ذکاوت حس اور اُدھر آجکل کی عام طبائع میں انتہا درجہ کی بے انتظامی اور بے اُصولی بمصداق قول احقر ؎

الٰہی خیر ہو مجذوب میخانہ میں آیا ہے — قدح کش لائیو بالی جام نازک نازنیں ساقی

اور غالباً بضرورت اصلاح عامۃ الناس ہی اللہ تعالیٰ نے ایسا مصلح مناسب زمانہ اس صدی میں پیدا فرمایا ہے۔ لہٰذا ابتداءً حضرت والا کو بہت ہی کم طالبین سے موافقت اور مناسبت ہوتی ہے اور زیادہ تر اسی وجہ سے اکثر حضرت والا بیعت اور تعلیم و تلقین میں تامل اور تاخیر فرماتے ہیں۔ بالخصوص بیعت تو اسوقت تک فرماتے ہی نہیں جب تک ہر طرح کا اطمینان نہو جائے اور مناسبت کے متعلق پورا شرح صدر نہو جائے۔

کل ہی کی مجلس میں اپنے طرز سیاست کے متعلق فرما رہے تھے کہ جو لوگ بوجہ عدم مناسبت کے ایذا پہنچاتے ہیں اُنھیں ڈانٹ ڈپٹ کر کیوں نہ بھگاؤں۔ مچھروں کو بھی تو دھونی دے دے کر بھگایا جاتا ہے۔ اگر ان کو اسطرح نہ بھگایا جائے تو وہ تو جمع ہو کر پریشان کر ڈالیں اسپر ایک اہل خصوصیت اور بے تکلف اہل علم نے عرض کیا کہ حضرت اُن کو بُرا رہنے ہی کیوں دیا جائے انکی اصلاح فرما کر ان کو اچھا ہی کیوں نہ بنا دیا جائے۔ فرمایا کہ حضرت ہر شخص کو ہر شخص اچھا نہیں بنا سکتا اصلاح کا دارو مدار ہے مناسبت پر۔ ممکن ہے ایک شخص کو مجھ سے مناسبت نہ ہو اور دوسرے سے مناسبت ہو لہٰذا ہر شخص کو اپنی اصلاح کے لئے اُسی کے پاس جانا چاہیے جس سے مناسبت ہو لیکن وہ ہو محقق۔ اھ

اسپر حضرت والا کا ایک پرانا ملفوظ حسن العزیز سے نقل کیا جاتا ہے۔

بزرگوں کی مختلف شانوں کا ذکر تھا احقر نے عرض کیا کہ کیا بزرگی بھی مختلف ہوتی ہے۔ فرمایا کہ بزرگی خود مختلف چیز نہیں البتہ امور طبعیہ جو پیدائشی ہیں جیسے تیزی، نزاکت۔ تحمل ضعف تحمل انتظام بے انتظامی غرض

جو پیدائشی اخلاق ہیں اُن سے بزرگوں کی شانیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ اھ

اپنے طرز سیاست ہی کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے اور حضرات کا تو یہ طرز نہ تھا میں نے کہا کہ یہ بات تو حضرت عمرؓ کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے کہ حد خمر نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی نہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانہ میں تھی صرف تعزیر تھی۔ حضرت عمرؓ نے بجائے تعزیر کے یہ حد کیوں مقرر کردی۔ بس جو وہاں جواب ہے وہی یہاں بھی ہے یعنی پہلے طبائع میں سلامتی تھی اسلئے واقعات میں قلت تھی لہذا صرف تعزیر کافی تھی حد مقرر کرنیکی ضرورت نہ تھی۔ بعد کو طبائع کا رنگ بدل گیا۔ اور واقعات زیادہ ہونے لگے۔ اسلئے حد مقرر کرنیکی ضرورت واقع ہوئی۔ تو جو فاروق نے کیا وہی ایک فاروقی نے بھی کیا۔ اھ

غرض حضرت والا جو بعض کو کچھ دن کے لئے اور بعض کو ہمیشہ کے لئے اپنے خلفائے مجازین کے سپرد فرما دیتے ہیں اُسکی وجہ عدم مناسبت طبائع ہی ہے کیونکہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جن باتوں کو عموماً ہلکا سمجھا جاتا ہے وہ مجکو تو بہت ناگوار ہوتی ہیں۔ کیونکہ میری نظر فوراً انکے مناشی اور آثار پر پہونچ جاتی ہے مثلاً قلت تدبر قلت اہتمام قلت طلب وغیرہ پر۔ لیکن اوروں کو بوجہ خصوصیت طبائع عموماً اتنی ناگوار نہیں ہوتیں۔ یا ممکن ہے ناگوار ہوتی ہوں لیکن چونکہ اور جگہ التزام کے ساتھ یہ کام نہیں ہوتا و نیز حضرات اور بڑے بڑے کاموں میں مشغول ہیں اسلئے ممکن ہے وہاں ایسے واقعات کم ہوتے ہوں اور کبھی کبھار کی ناگواری کا تحمل کر لیا جاتا ہو۔ اھ

غرض طالبین کی بھی مصلحت اسی میں ہے کہ ان کو سلیقہ آنے تک کے لئے دوسروں کے سپرد کر دیا جائے۔

جب حضرت والا نے بعض نو وارد طالبین کو انکی بے تمیزیوں پر زجر و توبیخ فرمائی تو اُنھوں نے بطور عذر کے یہ عرض کیا کہ حضرت ہم تمیز سیکھنے اور اپنی اصلاح کرانے ہی کے لئے تو حاضر خدمت ہوئے ہیں اگر ہم میں تمیز نہیں ہے تو اس عیب کی بھی حضرت ہی اصلاح فرمائیں اور ہمکو تمیز سکھائیں۔ اھ

اسپر حضرت والا نے فرمایا کہ یوں تو اصلاح کے بہت سے شعبے ہیں میں کن کن باتوں کی اصلاح کروں گا کل کو حوض پر پاجامہ کھول کر بیٹھ جانا اور کہنا کہ آؤ مجھے آبدست لینا بھی سکھاؤ۔ میرے ذمہ ساری باتوں کی اصلاح نہیں ہے بلکہ صرف اُنھیں باتوں کی ہے جو تمھاری سمجھ سے باہر ہوں اور ایسی باریک ہوں کہ سوچنے سے بھی سمجھ میں نہ آویں۔ یہ موٹی موٹی باتیں سلیقہ اور تمیز کی اور دوسروں کو اذیت سے بچانے کی تو ایسی ہیں کہ اگر ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو نہایت سہولت سے ذہن میں آسکتی ہیں ایسی باتوں کو تو گھر سے سیکھ کر آنا چاہئے۔ میں ایسی باتیں کہاں تک سکھاؤں گا۔ اور اگر اسمیں ایسی ہی وسعت کی جائے تو اصل مقصود کی تعلیم کی نوبت ہی نہ آئے انھیں قصوں میں سب وقت صرف ہو جائے۔ اھ

یہ تو معلم اور متعلم کے اختلاف طبائع کی صورت کا ذکر تھا اور اختلاف مسالک کی صورت میں بھی جب تک

حضرت والا عقائد واعمال کے متعلق معاملہ بالکل صاف نہیں فرمالیتے بیعت یا تعلیم وتربیت کا تعلق نہیں قائم فرماتے تاکہ آئندہ چلکر کوئی بے لطفی یا غلط فہمی نہ ہو۔ چنانچہ متعدد مواقع ایسے آئے اور آتے رہتے ہیں کہ حضرت والا سے اہل بدعت اہل حدیث اہل قرآن بلکہ قادیانیوں اور ہندوؤں تک نے رجوع کیا بعض نے حاضر ہوکر بعض نے بذریعۂ خطوط کے بعض نے اہل حق کے خلاف شبہات رفع کرنے کی غرض سے بعض نے تعلیم طریقت حاصل کرنیکے قصد سے لیکن حضرت والا نے اُنسے اول ہی موقع پر اپنا مسلک صاف صاف ظاہر فرما دیا اور اظہار حق میں ذرا تامل نہ فرمایا اور اگر ان میں سے کسی غیر مسلم نے تعلیم طریقت کی درخواست کی تو اسکے لئے اسلام کا شرط اولین ہونا بھی نہایت واضح مگر لطیف اور مہذب عنوان سے بلا ادنیٰ دل آزاری کے ظاہر فرما دیا۔

چنانچہ ایک مولوی صاحب جو ایک غالی بدعتی پیر سے بیعت تھے اپنے پیر سابق کے انتقال کے بعد حضرت والا کی خدمت میں بغرض قیام خانقاہ حاضر ہوئے۔ یہ سب حالات معلوم فرما کر حضرت والا نے اُن سے صاف صاف فرمایا کہ مولانا اگر یہ سب امور پیشتر خط سے طے ہو جاتے تو بہتر تھا اسلئے کہ ایک جزو آپ یہاں بہت وحشتناک سُنیں گے وہ یہ کہ آپ کے سابق پیر کے مسلک اور ہمارے مسلک میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہمیں کافر کہتے تھے اگر آپ نے ان کو محقق سمجھا تو جبکو وہ کافر سمجھیں اُس سے آپ دین کی اصلاح کی کیوں توقع رکھیں اور اگر ہمیں کافر نہ سمجھا تو اُنھیں گمراہ سمجھنا پڑیگا۔ کیونکہ جو مسلمان کو کافر سمجھے وہ کیا گمراہ بھی نہیں لیکن اُنھیں گمراہ سمجھنا آپ کو شاق ہوگا اور یہ جو آپ چاہیں کہ من وجہٖ اُنھیں حق پر سمجھیں اور من وجہ ہمیں تو اس سے اس طریق میں کام نہیں چلتا اسی واسطے تو میں کہتا ہوں کہ ان باتوں کو پہلے خطوط سے طے کر لینا چاہیئے تھا اب آپ مشکل میں پڑ گئے کیونکہ اتنی دور کا سفر کرکے آئے ہیں لوٹ جانا بھی شاق ہوگا اور اگر رہے تو ایسے شخص سے جسکو اپنا معتقد فیہ کافر کہتا ہو آپ کو کیا نفع ہو سکتا ہے الخ (ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملخصاً)

غرض حضرت والا نے سب باتیں صاف صاف فرمادیں اور یہ محض اسوجہ سے کہ اُنھوں نے حضرت والا سے تعلیم وتلقین کا تعلق پیدا کرنا چاہا تھا جسمیں قلوب کے اندر ادنیٰ حجاب ہونا بھی حاجب عن المقصود ہو جاتا ہے ورنہ حضرت والا کسی کے گمراہ سے گمراہ معتقد فیہ کے متعلق بلا ضرورت شرعیہ ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاتے اور بلا وجہ کسی کی دل آزاری کو نہایت ناپسندیدہ اور نازیبا حرکت سمجھتے ہیں اور اتنی احتیاط بھی اسلئے فرمائی کہ اُنکے معتقد فیہ اسدرجہ غالی تھے کہ اپنے مخالف مسلک والوں کو نعوذ باللہ کافر سمجھتے تھے ورنہ جن بزرگوں کا صرف مشرب مختلف تھا لیکن عقیدہ میں غلو نہ تھا اُن کے مریدین کو تو اُنکے انتقال کے بعد حضرت والا نے نہایت خوشی کے ساتھ اُنکی درخواست پر اپنے زیر تربیت لے لیا اور وہ اب حضرت والا ہی کے ہم مشرب ہو کر برابر مستفیض ہو رہے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بعض خلیفۂ مجاز بھی ہو گئے ہیں۔

ایک ایسے ہی بزرگ کے صاحبزادے نے حضرت والا سے تربیت باطنی کی استدعا کی تو انکا پورا احترام ملحوظ خاطر رکھکر اپنے مسلک کی جانب بھی انکی توجہ منعطف کرادی اور خدمت سے بھی انکار نہیں فرمایا۔ چنانچہ جواب تحریر فرمایا کہ اپنی تربیت کی ضرورت کی طرف توجہ سے کہ واقع میں ایک تشخیص ہے بیحد مسرت ہوئی مگر اسکا جو طریق تجویز فرمایا ہے کہ مشابہ ہے تجویز طبی کے اُس سے ایک خاص خجلت ہوئی جو اُس مسرت تشخیص کے مقادم ہوگئی۔ میں کیا چیز ہوں کہ ایسی عظیم خدمت کی جرأت کروں لیکن اسکے ساتھ ہی اس سے زیادہ خجلت ہوتی ہے کہ کہنا نہ مانوں۔ نیز اسوقت مشائخ کے طبقہ میں علم و عمل و حال و توجہ مطلوب کی کمی عام ہے انکی طرف متوجہ کرنے میں احتمال ضرر بھی ہے جسکو وہی تعلق گوارا نہیں کرنے دیتا۔ اس کشمکش سے نکلنے اور نکالنے کے لئے بین بین صورت ذہن میں آتی ہے کہ آپ چندروز مجھ سے خدمت لیں۔ اگر وہ خدمت نافع معلوم ہو اسکو مستقل کردیا جاوے ورنہ کسی دوسری طرف توجہ فرمائی جاوے۔ نیز خدمت لینے کے قبل اسپر بھی نظر ثانی کرلی جاوے کہ مجکو عقائد اور اخلاق میں بدنام بھی کیا گیا ہے۔ والسّلام۔

اسی طرح حضرت والا غیر متشدد اور غیر متعصب غیر مقلدین کو بھی انکی درخواست پر اپنے زیر تربیت لے لیتے ہیں بلکہ بعض کو اُن کے اصرار و اشتیاق پر داخل سلسلہ بھی فرمالیا ہے اور عدم تشدد و عدم تعصب کا معیار یہ قرار دے رکھا ہے کہ جب ان میں سے کوئی صاحب بیعت یا استفاضہ کا تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں تو اول یہ استفسار فرماتے ہیں کہ آپ تقلید ائمہ معمول عند الامہ کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ جائز سمجھتے ہیں تو پھر یہ سوال فرماتے ہیں کہ ناجائز سمجھنے والوں کو کیا سمجھتے ہیں اور اگر وہ کہتے ہیں کہ ناجائز سمجھتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ میں تو اسکا مرتکب ہوں پھر جب آپکے نزدیک میں ناجائز کا مرتکب ہوں تو مجھ سے بیعت ہونا یا نفع دینی حاصل کرنا کہاں جائز ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ایک اہل حدیث کا خط آیا جسمیں یہ درخواست تھی کہ مجھ نابینا کی رہبری فرمائی جاوے۔ حضرت والا نے جواب ارقام فرمایا کہ آپ تقلید کو جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز اگر ناجائز سمجھتے ہیں اور میں اسکو جائز بلکہ ایک درجہ میں واجب سمجھتا ہوں تو اس صورت میں آپ کے اعتقاد پر میں آپ سے زیادہ نابینا ہوں تو نابینا کو نابینا کیا راستہ دکھائیگا اور اگر آپ اسکو جائز سمجھتے ہیں تو ناجائز سمجھنے والوں کو کیا سمجھتے ہیں اول اسکا فیصلہ ہونا چاہیئے اھ

غرض اگر حسب ارشاد حضرت والا کوئی طالب گو اہل حدیث ہو لیکن تقلید مذکور کو حرام نہ سمجھتا ہو اور حضرات فقہاء کی شان میں بدزبانی اور بدگمانی نہ کرتا ہو تو پھر حضرت والا اسکی تعلیم و تلقین سے بلکہ داخل سلسلہ کرلینے سے بھی انکار نہیں فرماتے۔ چنانچہ ایسے متعدد اہل حدیث صاحبان حضرت والا سے دونوں قسموں کا تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور گو بعض نے حضرت والا سے تعلق پیدا کرلینے کے بعد بطور خود اپنا قدیم مسلک چھوڑ کر تقلید ہی کو اختیار کرلیا لیکن حضرت والا نے کبھی اشارۃً یا کنایۃً بھی اُن کو ایسا کرنے کا ایما نہیں فرمایا نہ مشورہ دیا بلکہ ایک اہل حدیث صاحب نے جو

حاضر خانقاہ ہوئے تھے نماز جہری میں آمین بالجہر نہیں کہی تو حضرت والا کو شبہ ہوا کہ شاید ہم لوگوں کے خیال سے ایسا نہیں کیا چنانچہ جن صاحب کے ساتھ وہ تشریف لائے تھے اُن سے فرمایا کہ اگر ہم لوگوں کے خیال سے اُنھوں نے آمین پکار کر نہیں کہی تو اُن کو مطمئن کر دیجئے گا کہ یہاں اُنکو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ آزادی سے اپنے مسلک پر رہیں تنگی برداشت نہ کریں۔ اھ۔ اسپران صاحب نے کہا کہ نہیں انکی اپنے یہاں بھی یہی عادت ہے کہ کبھی آمین پکار کر کہتے ہیں کبھی آہستہ۔

غرض حضرت والا ایسے امور میں ہرگز تنگی نہیں فرماتے بلکہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی اہل حدیث تقلید کو حرام نہ سمجھے اور بزرگوں کی شان میں بدزبانی اور بدگمانی نہ کرے تو خیر یہ بھی بعض سلف کا مسلک رہا ہے اسمیں بھی میں تنگی نہیں کرتا ہاں دل کا پوری طرح ملنا نہ ملنا اور بات ہے اھ

بعض قادیانیوں اور آریوں نے اپنے شبہات کے ازالہ کا خیال ظاہر کر کے قیام کی اجازت چاہی تو اُن کو اجازت قیام بھی عطا فرمادی لیکن جب اُنکے اغراض فاسدہ کا علم ہوا کہ باہر جا جا کر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں تو پھر بلا رو رعایت انکا فوراً اخراج فرمادیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا کی وہی شان ہے جو ایک محقق کی ہونی چاہئے کہ نہ افراط ہے نہ تفریط نہ بیجا تنگی نہ بیجا تنگی۔ بس ہر امر میں اعتدال ہے اور یہی حقیقت ہے صراط مستقیم کی۔

اختلاف طبائع اور اختلاف مشرب رکھنے والوں کے ساتھ جو معیت اور تربیت کے متعلق معاملہ فرمایا جاتا ہے اسکا تو ذکر ہو چکا اب اہل وجاہت خاصّہ کے ساتھ جو ان امور میں معاملہ فرمایا جاتا ہے اسکو بھی بیان کر کے اس نمبر کو جو طویل ہوتا چلا جارہا ہے انشاء اللہ ختم کر دیا جائیگا۔

حضرت والا اُن اہل وجاہت سے جن سے دل اتنا کھلا ہوا نہ ہو کہ بے تکلف ان کو اصلاح طلب امور پر متنبہ فرما سکیں خصوصی تعلقات نہیں قایم فرماتے۔ چنانچہ بعض نوابوں بلکہ بعض والیان ریاست نے بھی بہت چاہا کہ حضرت والا سے خصوصی تعلقات قائم کریں لیکن حضرت والا نے عذر فرما دیا مگر بہت تہذیب اور حفظ مراتب کے ساتھ۔

حضرت والا اسکی یہ وجہ بیان فرمایا کرتے ہیں کہ کسی کی تربیت اُسوقت تک اپنے ذمہ نہ لینا چاہیئے جب تک اپنے دل کو اُس سے اتنا کھلا ہوا نہ پائے کہ اگر خود اسکی ذات کو نالائق نہ کہہ سکے تو کم از کم اتنا تو کہہ سکے کہ آپ کی یہ حرکت بڑی نالائق تھی ورنہ پھر اسکی اصلاح ہی کیا ہو سکتی ہے۔ اور پھر اسکو اس تعلق سے فائدہ ہی کیا پہنچ سکتا ہے۔ اھ

اسپر ایک اہل خصوصیت صاحب اجازت نے سوال کیا کہ حضرت پھر ایسے لوگ فیض کیسے حاصل

کریں۔ فرمایا کہ یہ تو انھیں کے اختیار کی بات ہے وہ برتاؤ ایسا کریں کہ ان سے اتنا دل کھل جائے کہ جو چاہیں کہہ سکیں چنانچہ تجربہ ہے کہ برتاؤ سے دل کھل جاتا ہے ا۔ھ

اسپر حضرت والا کا ایک اور ملفوظ یاد آیا۔ فرمایا کرتے ہیں کہ بعض درویش اُمراء اور اہل وجاہت کیساتھ خواہ مخواہ خشونت کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اسکو نا پسند فرماتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ بلا وجہ ایسا برتاؤ کرنا تکبر ہے لہذا اس معاملہ میں میرا (یعنی حضرت والا کا) یہ معمول ہے کہ میں اُنکے ساتھ نہ تو تملق کا برتاؤ کرتا ہوں نہ اہانت کا بلکہ متوسط درجہ کا برتاؤ کرتا ہوں جسمیں اُنکی امتیازی شان اور حفظ مراتب کی بھی رعایت ہوتی ہے۔ کیونکہ جس برتاؤ کے وہ عادی ہوتے ہیں اور عام طور سے متوقع رہتے ہیں اسکا بھی بقدر ضرورت لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ دل شکنی نہ ہو لیکن اگر انکی طرف سے کوئی برتاؤ نازیبا ہوتا ہے بالخصوص ایسا برتاؤ جس سے اہل دین کا استخفاف مترشح ہو تو پھر میں انکی بالکل رعایت نہیں کرتا۔ اھ

بعض خاص اہل امتیاز و وجاہت نے حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت والا نے پیشتر سب معاملات کو صاف صاف مگر نہایت لطافت و متانت اور تہذیب و شائستگی کے ساتھ تحریر فرما دیا چنانچہ ایک پولیس کے افسر نے جو اُس زمانہ میں خاص تھانہ بھون ہی میں تعینات تھے۔ بغایت عقیدت بیعت کی زبانی درخواست کی چونکہ قبل بیعت بہت سے اُمور کی طرف انکی توجہ منعطف کرنی تھی اور معاملہ صاف کرنا تھا اسلئے حضرت والا نے انکی درخواست کے متعلق کچھ زبانی کہنے کے بجائے اُسوقت صرف یہ فرما دیا کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ اُسکے متعلق آپکے پاس کچھ لکھ کر بھیجونگا۔ پھر حضرت والا نے اُنکے پاس حسب ذیل تحریر بھیجدی۔

آپ نے اپنی محبت سے جو خدمت مجھ سے لینا چاہا ہے اگرچہ میں اُسکا اہل نہیں مگر احباب کی خدمت سے انکار بھی نہیں لیکن چونکہ آپ سے دلی خلوص اور بے تکلفی ہے اسلئے خیر خواہی سے ذیل کے نمبروں کو آپکی نظر میں لانا چاہتا ہوں تاکہ بصیرت سے رائے قائم فرما سکیں کسی مغالطہ کا احتمال نہ رہے۔ پھر جو رائے قائم فرمائی جاوے گی میں اسکا اتباع کرنے کو تیار ہوں۔

نمبر ۱۔ میں ایک خشک طالب علم ہوں۔ اس زمانہ میں جن چیزوں کو درویشی کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے جیسے محفل میلاد شریف۔ عرس۔ گیارھویں۔ نیاز۔ فاتحہ، قوالی و مثل ذلک میں ان سب سے محروم ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی اسی خشک طریقہ پر رکھنا پسند کرتا ہوں۔

نمبر ۲۔ میں نہ صاحب کشف ہوں نہ صاحب کرامت نہ صاحب تصرف نہ عامل اللہ و رسول کے احکام پر مطلع کرتا رہتا ہوں۔

نمبر ۳۔ اپنے دوستوں سے کسی قسم کا تکلف نہیں کرتا۔ نہ اپنی حالت چھپاتا ہوں۔ نہ اپنی کوئی تعلیم نہ

کوئی مشورہ امور دینیہ کا۔ عمل کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ عمل کرتا ہوا دیکھ کر خوش اور عمل سے دور دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہوں۔

نمبر ۴۔ میں کسی سے نہ کوئی فرمائش کرتا ہوں نہ کسی کی سفارش۔ اسی لئے بعض اہل الرائے مجکو خشک کہتے ہیں۔ میرا مذاق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی رعایت سے کوئی اذیت نہ دوں خواہ حرفی ہی اذیت ہو۔

نمبر ۵۔ سب سے زیادہ اہتمام مجکو اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے اس امر کا ہے کہ کسی کو کسی قسم کی اذیت نہ پہونچائی جاوے خواہ بدنی ہو جیسے مار پیٹ خواہ مالی ہو جیسے کسی کا حق مار لینا یا ناحق کوئی چیز لے لینا خواہ آبرو کے متعلق ہو جیسے کسی کی تحقیر کسی کی غیبت خواہ نفسانی ہو جیسے کسی کو کسی تشویش میں ڈالدینا یا کوئی ناگوار ورنجدہ معاملہ کرنا اور اگر غلطی سے کوئی بات ایسی ہو جاوے تو معافی چاہنے سے عار نہ کرنا۔

نمبر ۶۔ نمبر ۵ کا مجکو اسقدر اہتمام ہے کہ کسی کی وضع خلاف شرع دیکھ کر صرف سکایت ہوتی ہے مگر نمبر ۵ کی کوتاہی دیکھ کر صدمہ بے حد ہوتا ہے اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے۔ یہ تو میرا ذاتی کچا چھٹا تھا۔ اب بعض مصالح آں مکرم کے متعلق ہیں وہ زیادہ قابل غور ہیں۔

نمبر ۷۔ اگر کوئی امر آپ سے کسی کی مرضی کے خلاف ہو گیا جیسا انتظامی امور میں ممکن ہے گو خلاف شرع نہ ہو اعتراض کا موقع ملیگا کہ سلسلۂ طریقت میں داخل ہو کر خلاف طریق کیا اور ساتھ ہی مجکو بھی مطعون کرینگے کہ منع نہیں کیا۔

نمبر ۸۔ مجھ سے بعضے لوگ سفارش کی درخواست کریں گے میں تو نمبر ۴ کے موافق عذر کر دونگا۔ اس عذر سے مجکو تو بدنام کریں ہی گے مگر اسکے بعد یہ کریں گے کہ آپ کو یہ تکلیف دیں گے کہ اپنے تعلقات میرے ساتھ آپکے روبرو پیش کر کے اپنے موافق کارروائی کی درخواست کریں گے اس سے آپ کو تنگی ہوگی اور آزادی پر عمل کرنے سے اعتراض کریں گے۔ ان سب امور میں غور فرما کر رائے قائم کر لیجئے سب سے اسلم اور مامون طریقہ تو یہ ہے کہ (الف) مجکو اسکا اہل ہی قرار نہ دیا جائے۔ اگر یہ دل کو نہ لگے تو (ب) یہاں کے قیام تک ملتوی فرمایا جاوے اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو (ج) ایسا خفیہ کیا جاوے کہ کسی کو علم ہی نہ ہو۔ دو امر اور یاد آئے جو دوسرے ورق پر معروض ہیں۔

نمبر ۹۔ حکام کو مجھ سے بدگمان نہیں مگر اہل اغراض اپنے اغراض فاسدہ کے لئے توڑ جوڑ سے نہیں چوکتے۔ مثلاً کسی مسلمان کو آپ سے کوئی جائز فائدہ پہونچا یا کسی مسلمان کو کسی غیر مسلم کے ظلم و ضرر سے بچالیا تو ممکن ہے تعصب کے سبب کوئی بدنیت شخص حکام تک اسکو رنگ دیکر پہونچاوے کہ انکا تعلق فلاں مذہبی شخص سے ہے اُسکے اثر سے یہ کام تعصب کی بنا پر کیا گیا ہے

نمبر ۱۔ یا کسی مستحق سزا مسلمان کا چالان وغیرہ کیا گیا یا کسی ہندو کو کسی ظالم مسلمان سے بچایا گیا تو اس وقت کوئی کم فہم مسلمان یہ اعتراض کریگا کہ داخل سلسلہ ہو کر بھی مسلمان کی حمایت نہ کی یا ہندو کی حمایت کی اس قسم کی پیچیدگیاں پیش آسکتی ہیں۔ اور اس سے سالم رہنے کے وہی تین طریقے ہیں جو حرف الف اور ب اور ج میں عرض کئے ہیں اور یہ خدانہ کرے انکار نہیں خیر خواہی و انجام اندیشی کی بنا پر مشورہ ہے اس کے بعد اپر ختم ہے

	سپردم تبو مایۂ خویش را		تو دانی حساب کم و بیش را

والسلام انتہی بلفظہ ۶ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۳۴ء

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت والا نے اپنا مسلک بھی صاف صاف ظاہر فرمادیا اور نہایت لطیف اور غیر دل آزار پیرایہ میں سارے اصلاح طلب امور سے بھی آگاہ فرمادیا۔

(۳) حضرت والا مریضوں کو بوجہ ترحم اور مستورات کو اس وجہ سے کہ وہ ذی رائے نہیں ہوتیں بیعت فرمالینے میں تنگی نہیں فرماتے لیکن بہت سی مصالح کی بنا پر مستورات کا محض اس غرض کے لئے تھانہ بھون آنا بہت ناپسند فرماتے ہیں کیونکہ بعض عورتیں سفر میں نمازیں قضا کر دیتی ہیں اور پردہ کا بھی اہتمام مشکل ہوتا ہے پھر عورتوں کا ہجوم بھی خلاف مصلحت ہے۔ لہذا حضرت والا اکثر یہ ارشاد فرما کر بے بیعت فرمائے ہی واپس فرما دیتے ہیں کہ یہ کام تو خط کے ذریعہ سے بھی ہو سکتا تھا اب بھی اگر جی چاہے واپس ہو چکر خط ہی کے ذریعہ سے درخواست کرنا جو مناسب ہوگا وہ جواب دیا جائیگا اھ

بلا بیعت واپس فرما دینے میں یہ بھی مصلحت ہے کہ اس معمول کی عام طور پر شہرت ہو جائے اور آگے کو یہ سلسلہ نہ چلے۔

(۴) حضرت والا مستورات کو اسوقت تک بیعت نہیں فرماتے جب تک وہ اپنے شوہروں کے یا بے شوہر ہونے کی صورت میں اپنے کسی محرم سرپرست کی صریح اجازت حاصل کر کے پیش نہیں کرتیں۔ اسمیں علاوہ بہت سی مصالح شلاً انسداد آزادی وغیرہ کے یہ بھی مصلحت ہے کہ اگر شوہر یا سرپرست مختلف المشرب ہوا تو گھر میں ہمیشہ لڑائی ہی رہنے لگے اور بیچاری عورت کی عافیت ہی تنگ ہو جائے۔

(۵) حضرت والا مستورات کو پردہ کی آڑ سے بذریعہ کسی رومال یا کپڑے کے بیعت فرماتے ہیں اور بیعت فرماتے وقت اُن کے کسی محرم کو بھی یا اپنی کسی اہلیہ کو یا اپنی کسی محرم بی بی کو اپنے پاس ضرور موجود رکھتے ہیں اور پردہ کی بہت تاکید رکھتے ہیں چنانچہ جب بیعت کے وقت مثال اوامر داجتناب نواہی کا معاہدہ زبان سے کہلواتے ہیں تو ہدایت فرما دیتے ہیں کہ جو میں کہتا جاؤں تم بھی چپکے چپکے کہتی جاؤ پکار کر نہ کہنا۔ اھ

یہاں تک کہ ایسی مستورات کو بھی جو حضرت والا سے پس پردہ کلام کر لیتی ہیں بیعت فرماتے وقت بھی

ہدایت فرمائی تاکہ طریق کا ادب محفوظ رہے۔
اسی طرح ایسی بڑھیوں کو بھی جو حضرت والا سے پردہ نہیں کرتی تھیں بیعت کرتے وقت پردہ میں بٹھلایا۔ اسکا منشاء بھی تحفظ ادب طریق ہے۔

(۶) حضرت والا جب سفر فرمایا کرتے تھے تو سفر میں بجز اُن خاص صاحبوں کے جن پر پہلے سے اطمینان ہوتا تھا یا بجز عورتوں کے کیونکہ وہ ذی رائے نہیں ہوتیں کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے اگر کوئی درخواست کرتا تو رد فرما دیتے کہ سفر کی حالت میں بیعت ہونا اور بیعت کرنا دونوں نامناسب ہیں کیونکہ سفر میں جانبین کو ایک دوسرے کی اصل حالت معلوم کرنے کا موقع ہی کہاں ملتا ہے اور بدون اصل حالت معلوم کئے اور اچھی طرح اطمینان کئے نہ مرید کو بیعت کرنا چاہیئے نہ شیخ کو مرید کرنا چاہیئے یہ گاجر مولی کا سودا تھوڑا ہی ہے کہ پیسہ ڈالا اور کہا کہ لا مولی لا گاجر۔ اھ

حضرت والا اس معمول کی یہ مصلحت بھی بیان فرمایا کرتے تھے کہ لوگ سفری دوکاندار پیروں سے احتیاط کرنا سیکھیں۔ بلکہ مطلق بدون شرائط کے بیعت کرنے سے انکار کر دینے میں بھی یہ مصلحت بیان فرمایا کرتے ہیں کہ لوگ بیعت کو معمولی چیز نہ سمجھیں اور اگر دوسری جگہ جائیں اور وہاں بلا شرائط بیعت کی درخواست منظور ہو جاتی ہوئی دیکھیں تو انکے دل میں کم از کم کھٹک تو پیدا ہونے لگے۔ اور نے نامل ہاتھ میں ہاتھ نہ دیدیں۔ اھ

(۷) حضرت والا ایسے صاحبان کو جو کسی صحیح سلسلۂ بیعت سے وابستہ ہیں اور وہ اپنے شیخ کی وفات کے بعد حضرت والا سے مکرر بیعت ہونا چاہتے ہیں عموماً بیعت نہیں فرماتے بلکہ یہ ارشاد فرما دیتے ہیں کہ پچھلی بیعت مع اپنی ساری برکات کے بدستور قائم ہے تجدید بیعت کی حاجت نہیں البتہ تعلیم طریق کیلئے حاضر ہوں۔ اھ

لیکن چونکہ ایسی حالت میں تجدید بیعت بھی خلاف طریق نہیں اسلئے اگر کوئی اس حقیقت کو سننے کے بعد بھی اصرار کرتا ہے اور بدون بیعت کے اُسکے قلب کو تسلی نہیں ہوتی اور حضرت والا کو بھی یہ اطمینان ہوتا ہے کہ اسکی ضرورت کا اعتقاد نہیں تو پھر انکار بھی نہیں فرماتے چنانچہ بعض ایسے صاحبان بھی احقر کے علم میں ہیں جنکو اُنکے اصرار پر پھر بیعت فرمالیا۔

اور اگر کسی فاسد العقیدہ پیر کا مرید پچھلی بیعت کو فسخ کر کے حضرت والا سے بیعت ہوتا ہے تو اسکو بھی اسکی سخت تاکید فرما دیتے ہیں کہ اپنے پچھلے پیر کی نسبت عمر بھر کوئی گستاخی کا کلمہ زبان پر نہ لانا اگرچہ میں بھی بُرا کہوں مگر تم مت کہنا کیونکہ اول اول اسی نے اس طریق کی طرف متوجہ کیا اور راہ پر ڈالا اس معنی کر وہ محسن ہے گو راستہ غلط بتایا لیکن مقصود کا شوق تو اسی نے دلایا۔ اور اس راہ میں ناشکری بہت ہی مضر ہے۔ یہ طریق ہیں بالکل ادب ہی ادب ہے سارے طریق کا بس خلاصہ ادب ہے۔ بے ادبی سے بڑھکر اس طریق میں کوئی چیز مضر نہیں

یہاں تک کہ بعض حیثیتوں سے معصیت بھی اتنی مضر نہیں کیونکہ معصیت کا تعلق ایسی ذات سے ہے جو انفعال سے پاک ہے اور بے ادبی کا تعلق شیخ سے ہے جو بشر ہے اور جسکو بے ادبی سے تکدر ہوتا ہے۔ جو مرید کے حق میں سم قاتل ہے۔ اھ

(۸) حضرت والا ایک زمانہ میں طالبین بیعت کو ایک چھپا ہوا ورق بھی حوالہ فرما دیا کرتے تھے جسمیں مختصراً طریق کی حقیقت اور ایسے کاموں کی دو فہرستیں درج تھیں جو داخل سلسلہ ہونے کے بعد کرنے ہونگے اور چھوڑنے ہونگے۔ لیکن ان فہرستوں سے استیعاب مقصود نہ تھا بلکہ صرف وہی اوامر و نواہی درج فرمائے گئے تھے جن کی طرف سے آج کل عام طور پر غفلت ہے یا جن میں عام ابتلاء ہے۔ عرصہ ہوا وہ مطبوعہ اوراق سب تقسیم ہوکر ختم ہو چکے لیکن وہ مضمون رسالہ قصد السبیل میں بطور تذئیل کے شامل کر دیا گیا ہے جہاں سے اسکو لفظ بہ لفظ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

حقیقت طریقت

خلاصہ سلوک (۱) نہ اسمیں کشف و کرامت ضروری ہے (۲) نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے (۳) نہ دنیا کی کاربرآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بنجاویں یا مقدمات دعا سے فتح ہو جایا کریں یا روزگار میں ترقی ہو یا جھاڑ پھونک سے بیماری جاتی رہے یا ہونیوالی بات بتلا دی جایا کرے (۴) نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مُرید کی از خود اصلاح ہو جاوے۔ اُسکو گناہ کا خیال ہی نہ آوے خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں۔ مرید کو زیادہ ارادہ بھی نہ کرنا پڑے۔ یا علم دین اور قرآن میں ذہن و حافظہ بڑھ جاوے۔

(۵) نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی کوئی میعاد ہے کہ ہر وقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے عبادت میں خطرات ہی نہ آویں۔ خوب رونا آوے ایسی محویت ہو جاوے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے (۶) نہ ذکر و شغل میں انوار وغیرہا کا نظر آنا یا کسی آواز کا سنائی دینا ضرور ہے (۷) نہ عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا یا الہامات کا صحیح ہونا لازمی ہے بلکہ اصل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے جسکا ذریعہ ہے شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا۔

ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں جیسے نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ وغیرہا اور جیسے نکاح و طلاق و ادائے حقوق زوجین و قسم و کفارہ قسم وغیرہ اور جیسے لین دین پیروی مقدمات و شہادت و وصیت و تقسیم ترکہ وغیرہ اور جیسے سلام و کلام و طعام و منام و قعود و قیام و مہمانی و میزبانی وغیرہ ان مسائل کو علم فقہ کہتے ہیں اور بعضے متعلق باطن کے ہیں جیسے خدا سے محبت رکھنا خدا سے ڈرنا خدا کو یاد رکھنا دنیا سے محبت کم ہونا

خدا کی مشیت پر راضی رہنا ۔ حرص نہ کرنا ۔ عبادت میں دل کا حاضر رکھنا ۔ دین کے کاموں کو اخلاص سے کرنا ۔ کسی کو حقیر نہ سمجھنا ۔ خود پسندی نہ ہونا ۔ غصہ کو ضبط کرنا وغیرہ ان اخلاق کو سلوک کہتے ہیں اور مثل احکام ظاہری کے ان احکام باطنی پر عمل کرنا بھی فرض و واجب ہے ۔ نیز ان باطنی خرابیوں سے اکثر ظاہری اعمال میں بھی خرابی آجاتی ہے ۔ جیسے قلت محبت حق سے نماز میں سستی ہوگئی یا جلدی جلدی بلا تعدیل ارکان پڑھ لی یا بخل سے زکوٰۃ اور حج کی ہمت نہ ہوئی یا کبر و غلبۂ غضب سے کسی پر ظلم ہوگیا ۔ حقوق تلف ہوگئے و مثل ذالک اور اگر ان ظاہری اعمال میں احتیاط کی بھی جاوے تب بھی جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوتی وہ احتیاط چند روز سے زیادہ نہیں چلتی ۔ پس نفس کی اصلاح ان دو سبب سے ضروری ٹھہری ۔ لیکن باطنی یہ خرابیاں ذرا سمجھ میں کم آتی ہیں اور جو سمجھ میں آتی ہیں اُن کی درستی کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور جو معلوم ہوتا ہے نفس کی کشاکشی سے اس پر عمل مشکل ہوتا ہے ان ضرورتوں سے پیر کامل عہ کو تجویز کیا جاتا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھ کر آگاہ کرتا ہے ۔ اور ان کا علاج تدبیر بھی بتلاتا ہے اور نفس کے اندر درستی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدابیر میں قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرتا ہے ۔ اور خود ذکر اپنی ذات میں بھی عبادت ہے پس سالک کو دو کام کرنے پڑتے ہیں ایک ضروری کہ احکام شرعیہ ظاہری و باطنی کی پابندی ہے دوسرا مستحب کہ کثرت ذکر ہے اس پابندی احکام سے خدا تعالیٰ کی رضا اور قرب اور کثرت ذکر سے زیادت رضا و قرب حاصل ہوتا ہے یہ ہے خلاصہ سلوک کے طریق اور مقصود کا ۔

حقوق طریقت عہ

طریقہ میں داخل ہو کر جو کام کرنا پڑیں گے (۱) بہشتی زیور کے گیارہ سے حصے اول سے آخر تک ایک ایک حرف کر کے پڑھنے یا سننے پڑیں گے (۲) اپنی سب حالتیں بہشتی زیور کے موافق رکھنا پڑیں گی (۳) جو کام کرنا ہو اور اسکا جائز ناجائز ہونا معلوم نہو کرنے سے پہلے علماء اہل حق سے پوچھنا پڑے گا اور انکے بتلانے کے موافق عمل کرنا ہوگا (۴) نماز عہ پانچوں وقت جماعت سے پڑھنا ہوگی ۔ البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو تو جماعت معاف ہے اور اگر بلا عذر غفلت سے رہ جاوے ندامت کے ساتھ استغفار کرنا چاہیئے (۵) اگر مال بقدر زکوٰۃ ہو تو زکوٰۃ دینا ہوگی ۔ مسائل اسکے بہشتی زیور میں ملیں گے ۔ اسیطرح کھیت اور باغ کی پیداوار میں دسواں یا بیسواں حصہ

عہ پیر کامل کی پہچان قصد السبیل کی ہدایت سوم میں ملاحظہ ہو ۱۲ عہ یہ حقوق سب مسلمانوں کے ذمہ واجب ہیں گو کسی سے بیعت بھی ہوں ۱۲

سہ ۔ البتہ عورتوں کے لئے گیارھواں حصہ نہیں ہے ۱۲ منہ للعہ ، مگر عورتوں کے لئے جماعت نہیں ہے ۱۲

دینا ہوگا۔ اسکے مسائل زبانی معلوم کرلئے جاویں۔ (۶) اگر حج کی گنجائش ہو تو حج کرنا پڑے گا۔ اسیطرح گنجائش کی صورت میں عید کو صدقہ فطر اور بقرعید کو قربانی ضروری ہوگی (۷) اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا ہونگے ان کا یہ بھی دینی حق ہے کہ ان کو ہمیشہ شرع کے احکام بتلاتے رہو۔ آسان طریقہ اسکا پڑھے ہوؤں کے لئے یہ ہے کہ شب و روز میں تھوڑا سا کوئی وقت مقرر کرکے بہشتی زیور اول سے آخر تک اپنے گھر والوں کو پڑھ کر سناویں اور سمجھاویں اور جب وہ ختم ہو جاوے پھر شروع کردیں۔ جب تک ان کو مسائل خوب پختہ یاد نہو جاویں سناتے رہیں۔ اور ان پڑھ ایسا کریں کہ جو بات دین کی کسی عالم سے سنا کریں اسکو یاد کرکے گھر والوں سے ضرور کہدیا کریں۔

اور یہ کام چھوڑنا پڑیں گے۔ ڈاڑھی منڈانا۔ ڈاڑھی کٹانا جبکہ چار انگل سے زاید نہو۔ ڈاڑھی چڑھانا سر میں چاند کھلوانا۔ کھڈی رکھنا۔ یا آگے سے تمنڈوانا ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننا یا لنگی باندھنا یا کرتہ چوغا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا یا عمامہ کا شملہ آدھی کمر سے نیچے چھوڑنا یا کسم و زعفران کا رنگا ہوا یا ناپاک رنگ کا رنگا ہوا کپڑا پہننا یا ریشمی یا زری کا لباس چار انگل سے زیادہ خود پہننا یا لڑکوں کو پہنانا یا کفار کا سا لباس پہننا یا مردوں کو چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال یا زائد یا سونے کی انگوٹھی پہننا۔ یا عورتوں کو کھڑا جوتا یا مردانہ لباس پہننا یا باجہ دار زیور پہننا یا ایسا کپڑا باریک یا چھوٹا پہننا جسمیں بدن کھلا رہے۔ کسی عورت یا امرد کو بری نگاہ سے دیکھنا یا عورتوں لڑکوں سے زیادہ میل جول رکھنا۔ مرد کو کسی نامحرم عورت کے پاس یا عورت کو کسی نامحرم مرد کے پاس بیٹھنا یا تنہا مکان میں رہنا یا بدون سخت مجبوری کے سامنے آجانا اگرچہ وہ پیر ہی ہو یا رشتہ دار ہوں۔ اور جہاں سخت مجبوری ہو وہاں سر اور بازو اور کلائی اور پنڈلی اور گلا کھولنا نامحرم مرد کے سامنے حرام ہے۔ منہ کے سامنے بھی گھونگٹ رہنا بہتر ہے۔ اور عمدہ پوشاک اور زیور سے تو سامنے آنا بالکل ہی برا ہے۔ اسیطرح نامحرم مرد و عورت کا باہم ہنسنا بولنا ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا یہ سب چھوڑ دینا چاہیئے۔ ختنہ یا عقیقہ یا شادی میں جمع ہونا یا برات میں جانا۔ البتہ عین نکاح کے وقت پاس پاس کے مردوں کا جمع کرلینا مضائقہ نہیں۔ یا کوئی کام فخر و نمود کا کرنا جیسے آجکل رسم و رسوم کا کھانا کھلانا لینا دینا ہوتا ہے اسمیں نوتہ بھی آگیا۔ اسکو بھی چھوڑنا چاہیئے۔

اسیطرح فضول خرچی کرنا یا کپڑے میں بہت تکلف کرنا کہ یہ بھی فخر و نمود میں داخل ہے۔ مردہ پر چلا کر رونا اسکا تیجہ دسواں بیسواں چالیسواں وغیرہ کرنا۔ دور دور سے عرصہ عرصہ تک میت کے پیچھے آنا۔ بدون شرع کے موافق تقسیم کئے ہوئے مردہ کے کپڑے خیرات کردینا۔ لڑکیوں کا حصہ نہ دینا۔ اہل حکومت و ریاست کو غربا پر ظلم کرنا۔ جھوٹی نالش کرنا۔ موروثی کا دعویٰ کرنا۔ رہن یا رشوت کی آمدنی کھانا۔ تصویر بنانا یا رکھنا یا براہ شوق کتے

له و ٣ و ٤ و ٥ و ٨ یہ پانچوں باتیں عورتوں اور لڑکیوں کیواسطے درست ہیں ۱۲

پالنا یا کنکوے دا آتشبازی یا کبوتر بازی و مرغ بازی وغیرہ کا شغل کرنا یا بچوں کو اجازت اور پیسے دینا۔ گانا سننا باجے سے یا بے باجے اسی میں گراموفون بھی داخل ہے۔ عرسوں میں جانا بزرگوں کی منت ماننا۔ فاتحہ نیاز گیارھویں وغیرہ متعارف طور پر کرنا۔ رواج کے موافق مولد شریف کرنا۔ تبرکات کی زیارت کے لئے عرس کا سا انتظام کرنا۔ یا اسوقت مردوں عورتوں کا خلط یا سامنا ہو جانا۔ شب برات کا حلوا پکانا۔ یا محرم کو تہوار منانا۔ یا رمضان میں ختم قرآن پر شیرینی ضرور کر کے بانٹنا۔ یا ٹونے ٹوٹکے کرنا یا سیتلا وغیرہ کو ماننا یا فال وغیرہ کھلوانا کسی نجومی یا آسیب سے کوئی بات پوچھنا غیبت کرنا چغلی کھانا جھوٹ بولنا۔ تجارت میں دغا کرنا۔ بلا اضطرار ناجائز نوکری کرنا یا جائز نوکری میں کام خراب کرنا عورت کا خاوند کے سامنے زبان درازی کرنا یا اُس کا مال بلا اجازت خرچ کرنا۔ یا بلا اجازت کہیں جانا اور حافظوں کا مردوں پر قرآن پڑھ کر یا تراویح میں قرآن سنا کر کچھ لینا۔ یا مولویوں کو وعظ پر یا مسئلہ بتلانے پر اُجرت لینا یا بحث و مباحثہ میں پڑنا۔ درویش وضع لوگوں کو پیری مریدی کی ہوس کرنا یا تعویذ گنڈوں کا شغلہ رکھنا یہ ہے فہرست مختصر کرنے نہ کرنے کے کاموں کی اور تفصیل احقر کے رسالوں میں بقدر ضرورت ملیگی اھ

(۹) حضرت والا اپنے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کے طریق انیق اور معمول مقبول کے مطابق طالبین کو بیعت فرماتے وقت چاروں سلسلوں میں داخل فرماتے ہیں تاکہ سب اکابر طریق سے انتساب ہو جائے اور سب کی برکات نصیب ہوں نیز چاروں سلسلوں کے بزرگوں کے ساتھ یکساں اعتقاد رہے۔ اور ایک سلسلہ کے بزرگوں کو دوسرے سلسلوں کے بزرگوں پر فضیلت نہ دیں جو اسلئے ممنوع ہے کہ اکثر اس تفضیل سے دوسرے بزرگوں کی تنقیص لازم آجاتی ہے جو ناجائز بھی ہے اور نہایت خطرناک بھی کیونکہ بزرگوں کیساتھ سوء ظن بعض اوقات سوء خاتمہ کا سبب ہو جاتا ہے ورنہ برکات سے محرومی تو ضرور ہی ہو جاتی ہے۔

(۱۰) حضرت والا علاوہ ان ضابطہ کی شرائط کے جنکا ذکر اوپر کے نمبروں میں کیا گیا امر بیعت میں اپنے شرح صدر کو بھی دیکھتے ہیں بلکہ در اصل قبول بیعت کا زیادہ تر دار و مدار قبول قلب ہی پر ہوتا ہے۔ جن طالبین کی صلاحیت اور مناسبت پر قلب شہادت نہیں دیتا۔ اور جن کی طرف دل رجوع نہیں ہوتا ان کو حضرت والا بیعت نہیں فرماتے بلکہ غیب سے ایسی صورت حالات پیدا ہو جاتی ہے کہ ان سے خود ہی پیچھا چھوٹ جاتا ہے۔ اور حضرت والا کی شہادت قلب کے صدق کا ظہور ہو جاتا ہے۔

اسکے متعلق حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض کی جانب تو دیکھتے ہی دل اسقدر جھکتا ہے کہ بے اختیار یہ جی چاہنے لگتا ہے کہ یہ بیعت کی درخواست کرے چنانچہ اکثر یہی ہوا کہ جسکے بارہ میں یہ جی چاہا اللہ تعالیٰ نے خود اسکے بھی قلب میں بیعت کا شوق پیدا فرما دیا۔ یہاں تک کہ اُسنے خود ہی مجھ سے بیعت کی درخواست کی پھر میں نے بلا تامل اسکو بیعت کرلیا اھ

اس شہادت قلب کے متعلق کسیقدر تفصیل کے ساتھ پیشتر بھی کسی موقع پر مضمون لکھا جا چکا ہے۔ لہٰذا یہاں اس مختصر ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ فی الحال انھیں دس نمبروں پر عنوان ہذا یعنی "اصول متعلقہ بیعت" کو ختم کرتا ہوں۔ اگر بیعت کے متعلق کوئی اور ضروری اصول بعد کو خیال میں آئے تو اُن کو انشاء اللہ عنوان پنجم یعنی اصول متفرقہ کے تحت میں عرض کر دیا جائیگا۔

ناظرین کرام نے ان نمبروں کے مطالعہ سے بخوبی معلوم فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کے یہاں محض نام کی بیعت نہیں ہوتی بلکہ کام کی بیعت ہوتی ہے اسی وجہ سے اس امر میں عجلت کو ہرگز گوارا نہیں فرماتے اور فرمایا کرتے ہیں کہ بیعت کرنا تو تبنیٰ کرنا ہے۔ جب تک باہمی مناسبت و موافقت کا پورا اطمینان نہیں کرلیا جاتا کسی کو بیٹا نہیں بنایا جاتا کیونکہ عمر بھر کے لئے تعلق پیدا کرنا ہوتا ہے۔ البتہ مٹھائی بانٹنے میں اسکی تحقیق نہیں ہوتی کہ بیٹوں ہی کو دیجائے بلکہ سب لڑکوں کو دیجاتی ہے۔ اسی طرح میرے یہاں تعلیم تو عام ہے لیکن بیعت مقید ہے۔ اھ

حضرت والا بعض پرانے تعلق والوں کی بے عنوانیوں پر فرمایا کرتے ہیں کہ دیکھئے اتنی احتیاطوں پر تو یہ حال ہے کہ ایسے ایسے لوگ بھی مریدوں میں داخل ہو گئے ہیں۔ اگر میں توسع کرتا تو نہ معلوم کیا حال ہوتا۔ کسی پر اطمینان ہی نہ ہوتا۔ پھر بھی بفضلہ تعالیٰ میرے یہاں ایسے بہت کم ہیں۔ یہ اس تنگی ہی کا نتیجہ ہے کہ جتنے ہیں اُنپر بفضلہ تعالیٰ اطمینان تو ہے ورنہ امتیاز بھی مشکل ہو جاتا۔ اور محض بھرتی بھرنے سے کیا فائدہ کوئی لام باندھنا تھوڑا ہی ہے۔ اور لام میں بھی ایسے لوگ سوائے اسکے کہ معرکہ کے وقت بھاگتے نظر آئیں اور کس مصرف کے ہیں۔ بلکہ اُنکے بھاگنے سے ایسوں کے بھی پیر اکھڑ جانے کا اندیشہ ہے جن پر اطمینان ہے اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اس طریق کا فائدہ عام نہ سہی لیکن الحمد للہ تام تو ہے۔ اھ

ایک نووارد طالب سے بیعت کی تفصیلی تحقیق بیان فرما کر فرمایا کہ چونکہ میں آزادی کا بہت قدرداں ہوں اس مصلحت سے بھی بیعت کے متعلق مفصل تقریر کر کے یہ ذہن نشین کر دیتا ہوں کہ نفع میں بیعت کا کچھ دخل نہیں تعلیم کا تعلق بالکل کافی ہے تاکہ آزادی رہے کہ اگر کبھی دل کھٹا ہو تو وہ بے تکلف مجکو چھوڑ دے ورنہ ہاتھ میں ہاتھ دیکر آدمی خواہ مخواہ پھنس جاتا ہے۔ اگر دوسری جگہ جانا چاہے تو عرفاً اس سے بیعت مانع ہو جاتی ہے۔ اھ

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملخصاً)

عنوان دوم

(اصول متعلقہ تعلیم و تربیت)

(۱) حضرت والا تعلیم و تربیت میں طالب کے تابع نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ اسی کو اپنا تابع رکھتے ہیں اور اسی میں اُسکی خیریت اور مصلحت ہے جسکی صریح تائید اس آیت سے ہوتی ہے لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ الآیہ۔ گو اسکے جذبات صحیحہ کی تو بیحد رعایت رکھتے ہیں لیکن ایسا ہرگز نہیں کرتے کہ جو اُسنے اُلٹی سیدھی درخواست کی اُسکو پورا کر دیا یا جو اُسنے اینڈا بینڈا سوال کیا اُسکا اسکی مرضی کے موافق ہی جواب دیدیا، بلکہ خود فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اکثر جوابات مرضی کے موافق تو ہوتے نہیں۔ لیکن الحمد للہ مرض کے بالکل موافق ہوتے ہیں۔ اھ

احقر عرض کرتا ہے کہ یہ رات دن کا مشاہدہ ہے جو چاہے بغور واقعات و حالات کا تتبع کر کے خود دیکھ لے کہ ہر طالب کے ساتھ معاملہ کرنے میں اور اسکی معروضات کے جوابات دینے میں (جو ابتداء میں عدم واقفیت اور عدم مناسبت طریق کی وجہ سے اکثر طویل و عریض ہی نہیں بلکہ لاطائل و لایعنی بھی ہوتی ہیں، جنکے بارہ میں حضرت والا نہایت لطیف عنوان سے خود فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے طویل خط سے تو اُلجھن نہیں ہوتی البتہ لاطائل سے ہوتی ہے) حضرت والا کا ہمیشہ بس یہی مطمح نظر رہتا ہے کہ محققانہ سوالات کر کر کے اُسکو لاجواب کر دیا جائے تاکہ اسکو اپنے جہل کا علم ہو جو حسب ارشاد حضرت والا انفع العلوم ہے اور ادھر اُدھر کے سب راستے مسدود کر کے اُسکے لئے کوئی جائے گریز ہی نہ چھوڑی جائے اور چاروں طرف سے گھیر گھار کر اسکو شاہ راہ حقیقت پر ڈال دیا جائے۔ اور طریق کے مقصود حقیقی تک پہونچا دیا جائے۔ اسکا اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو ایسا سلیقہ اور ملکہ عطا فرمایا ہے کہ بڑے بڑے اُلجھے ہوئے اور مختلف و مخلوط مضامین کے بڑے بڑے طویل و عریض بعض خطوط آئے دن آتے رہتے ہیں لیکن حضرت والا ان پر محض ایک چلتی ہوئی مگر منجھانہ نظر ڈالکر اصل جواب طلب مضمون کو آن کی آن میں تاڑ لیتے ہیں اور اسکے متعلق فوراً قلم برداشتہ کوئی ایسا مختصر سا جملہ یا سوال ارقام فرما دیتے ہیں جو طالب کو غیر مقاصد سے ہٹا کر مقصود اصلی تک رہبری کرنے والا ہوتا ہے اور جو سارے خط کا جواب ہو جاتا ہے اور جو مخاطب کی ساری لفاظیوں اور غیر مقصود مضامین کو اسطرح اڑا دیتا ہے جیسے ذرا سی زنجک بڑے بڑے پہاڑوں کو ہباءً منثورا کر دیتی ہے۔

بدفہم لوگ حضرت والا کے سوالات سے گھبراتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت وہ سوالات نہیں ہوتے بلکہ جوابات ہوتے ہیں کیونکہ اگر ذرا فہم سلیم سے کام لیا جائے تو انھیں سوالات سے بسہولت جوابات مستنبط ہو سکتے ہیں نیز حضرت والا کے سوالات اسکو مقتضی ہوتے ہیں کہ برابر اپنی اصلاح کے متعلق خط وکتابت جاری رکھی جائے جو بہت ضروری امر ہے۔

سوالات سے گھبرانے پر کل ہی کا ایک واقعہ یاد آیا ایک صاحب نے حضرت والا سے ایک غیر ضروری امر کے متعلق بڑے اہتمام کے ساتھ بذریعہ عریضہ تحقیق کی تھی۔ حضرت والا نے حسب معمول جواب تحریر فرما دیا تھا کہ کیا کوئی مقصود دینی اس تحقیق پر موقوف ہے۔ اسپر انھوں نے پھر لکھا تھا کہ مقصود بندہ امر دینی ہے اور وہ صرف اعتقاد حقیقت ہے۔ اسکا بھی حضرت والا نے یہی جواب تحریر فرما دیا تھا کہ کیا یہ عقائد ضروریہ میں سے ہے۔ اسپر انھوں نے برا مان کر لکھا کہ دو مرتبہ جناب کی خدمت میں عرض کیا گیا مگر بجائے اسکے کہ جواب مسئلہ مرحمت ہوتا ایک سرسری نظر سے ہم پر استفسار قائم کر دیا گیا امید کہ جواب باصواب سے سرفراز فرمایا جاوے اھ

اسپر حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا کہ اب بھی وہی جواب ہے جو میرے نزدیک باصواب ہے اور آپ کے نزدیک ناصواب ہے۔ بہتر ہے کہ کسی ایسے محقق سے جو علماً محقق ہو اور عملاً واتباعاً آپ کا معتقد ہو پوچھ لیجئے اھ

حضرت والا نے ان سوالات وجوابات کو سنا کر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ایسے اغبیاء کے کہنے کا میں برا بھی نہیں مانتا۔ یوں سمجھتا ہوں جیسے کسی جانور نے لات ماردی۔ چنانچہ اگر کسی کے کوئی جانور لات مار دے تو اسکے چوٹ تو لگتی ہے مگر وہ برا نہیں مانتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ جانور ہے۔ اسمیں عقل تو ہے ہی نہیں اسلئے لات ماردی بلکہ مجھے تو واللہ ایسوں کے برا مان جانے سے عقلاً مسرت ہوتی ہے کہ اچھا ہے ایسے اغبیاء سے چھٹی ہوئی ورنہ اگر معتقد رہتے تو تمام عمر ستاتے۔ ایسوں کا معتقد ہونا بھی وبال جان ہے اھ

اتفاق سے کل ہی ایک واقعہ حضرت والا کے اس معمول کی تائید میں بھی پیش آیا کہ امر تربیت میں طالب کا اتباع نہیں فرماتے بلکہ اسکو اپنا تابع رکھتے ہیں وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک طالب نے بذریعۂ عریضہ یہ درخواست کی کہ تہجد سے فارغ ہو کر جو بارہ تسبیح پڑھتے ہیں اسکی اجازت چاہتا ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ اگر طبیب سے کہا جاوے کہ خمیرہ گاؤزبان جو لوگ کھاتے ہیں اسکی اجازت چاہتا ہوں تو طبیب کیا جواب دیگا اھ

اب دیکھئے بظاہر کیسی اچھی درخواست کیگئی تھی اور عموماً ایسی اچھی چیز کی درخواست کو کون رد کرتا ہے دوسری جگہ فوراً اجازت ملجاتی لیکن حضرت والا کے یہاں تو ہر چیز اپنے موقع اور محل پر ہوتی ہے اور نہایت ترتیب کے ساتھ منازل سلوک طے کرائے جاتے ہیں تاکہ سالک ہر گمراہی سے محفوظ رہے اور بصیرت کے ساتھ راستہ

قطع کرے چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ سالک کو طریق کی حقیقت بتادے اور صحیح راستہ پر ڈالدے تاکہ پھر صرف چلنا رہ جائے اور وہ بلا اِدھر اُدھر بھٹکے چلتا رہے اور بسہولت منزل مقصود تک پہونچ جائے اھ

اسی غرض سے حضرت والا نے طالب مذکور کو دوازدہ تسبیح کی حسب درخواست اجازت دیدینے کے بجائے اُن سے ایک ایسا محققانہ سوال فرمادیا کہ جو مفتاح طریق ہے کیونکہ حضرت والا نے اُسمیں دراصل پورا طریق استرشاد واستفاضہ واضح فرمادیا ہے اور مریض و طبیب کی مثال دیکر مُرید اور پیر کے باہمی تعلق کی پوری حقیقت کھول دی ہے اور گو حضرت والا کا یہ بالکل ابتدائی سوال ہے لیکن تمام دوران تربیت میں طالب مذکور کے لئے وہی مشعل راہ ہوگا اور آیندہ کی ساری خط و کتابت تعلیم و تعلم ارشاد واسترشاد افاضہ واستفاضہ افادہ واستفادہ سب اسی پر متفرع ہوتا چلا جائیگا۔ اس اجمال کی تفصیل خود حضرت والا ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ پیر اور مُرید کا تعلق بالکل طبیب اور مریض کا سا ہے کیونکہ یہ مثال اس تعلق کی سیکڑوں جزئیات پر منطبق ہوتی ہے اھ

یہاں اس انطباق کی صرف وہی صورتیں جو اس مقام کے مناسب ہیں بیان کی جاتی ہیں مثلاً جسطرح مریض کو بس یہ چاہیئے کہ طبیب سے اپنے مرض کے متعلق سب حالات کہدے پھر تشخیص اور تجویز اور پرہیز وغیرہ سب اُمور کو بالکل اُسی کی رائے پر چھوڑ دے اپنی طرف سے نہ کوئی رائے زنی کرے نہ اسکی کسی تشخیص یا تجویز میں کسی قسم کا دخل دے نہ کسی خاص دوا کے استعمال کی اُس سے اجازت طلب کرے کیونکہ اسکی یہ درخواست بالکل بے محل اور اسکے منصب کے بالکل خلاف ہے۔ ہاں اپنے حالات پورے بیان کرکے علاج کی درخواست کرے۔ پھر جس تدبیر کی ضرورت ہوگی وہ خود ہی تجویز کریگا۔

ٹھیک اُسی طرح مریض روحانی کو اپنے طبیب روحانی سے اپنے امراض باطنی بیان کرکے معالجہ کرانا چاہیئے یعنی اول اسکو محض اپنے حالات باطنیہ کی اطلاع دے اور اس سے درخواست اصلاح کرے لیکن تشخیص یا تجویز کے متعلق کسی قسم کی رائے یا کسی خاص ورد یا ازالۂ رذائل کی کسی خاص تدبیر کی اپنی طرف سے درخواست نہ پیش کرے۔ تشخیص اور تجویز کو بالکل اسی کی رائے پر چھوڑ دے خود کسی قسم کا ہرگز دخل نہ دے وہ حالات پر غور کرکے جو مناسب ہوگا خود ہی تجویز کریگا اور اگر توضیح حالات کی یا مزید حالات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی تو پہلے وہ مناسب استفسارات کرکے اس کمی کو پورا کریگا اسکے بعد تجویز کریگا پھر جو کچھ بھی وہ تشخیص اور تجویز کردے اسکو بلا چون و چرا تسلیم کرے اور بکمال اعتماد اسکی تجویزات پر عمل پیرا رہے۔ اور عمل کرنے کے بعد اپنے حالات سے برابر مطلع کرتا رہے یہاں تک کہ اگر کوئی نیا حال نہ ہو تو یہ بھی ایک حال ہے اسی کی اطلاع کردے اور جو کچھ وہ اپنی تجویزات میں اُن حالات کے مناسب وقتاً فوقتاً تغیر تبدل کمی بیشی ترمیم تنسیخ

کرتا رہے اُن پر بھی کاربند رہے اور عمر بھر یہی سلسلہ جاری رکھے حسب ارشاد مولانا رومی رح ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دمِ آخر دمے فارغ مباش اھ

حضرت والا اس مضمون کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ سہولت اختصار کے لئے بس ان چار قافیہ دار الفاظ کو یاد رکھے۔ اطلاع اور اتباع اعتقاد اور انقیاد۔ اھ

یاد رکھنے کی سہولت کے لئے احقر نے حضرت والا کے اس ارشاد کو ایک شعر میں بھی قلمبند کر لیا ہے وہ یہ ہے ؎

چار حق مرشد کے ہیں رکھ عمر بھر تو انکو یاد اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد

غرض حضرت والا نے اپنے مذکورۂ بالا جواب میں طبیب اور مریض کی مثال دیکر طالب مذکور کو اپنی اصلاح اگر اینگا گویا پورا دستور العمل تحریر فرما دیا اور بصراحت بتا دیا کہ تمنے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ یہ دیکھکر کہ لوگ تہجد کے بعد بارہ تسبیح پڑھا کرتے ہیں اپنے لئے بھی شیخ سے بارہ تسبیح ہی کی اجازت چاہنا ایسا ہے جیسے کوئی مریض یہ دیکھکر کہ لوگ خمیرہ گاؤزبان کھاتے ہیں اپنے لئے بھی اسکی اجازت چاہنے لگے خواہ خمیرہ گاؤزبان اسکے مرض کے مناسب ہو یا نہو۔ نیز بارہ تسبیح کو خمیرہ گاؤزبان سے تشبیہ دیکر اسطرف بھی قریب بصراحت اشارہ فرما دیا کہ قبل اصلاح نفس کے شیخ سے اذکار و اشغال کی اجازت طلب کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے مریض کو ضرورت تو ہو مسہل کی اور تنقیہ مواد فاسدہ کی لیکن وہ طبیب سے اجازت چاہے خمیرہ گاؤزبان کھانے کی جو محض مفرحات و مقویات قلب میں سے ہے اور جو اکثر ازالۂ مرض کے بعد محض تقویت و استحکام صحت کیلئے استعمال کرایا جاتا ہے۔ اگر کوئی رحمدل طبیب اسکا شوق دیکھکر محض اسکی خاطر سے اسکے لئے بجائے مسہل کے خمیرہ گاؤزبان ہی تجویز کر دے تو اسکے اصل مرض کو کیا خاک نفع ہوگا بلکہ عجب نہیں کہ خمیرہ گاؤزبان کے قبل از وقت استعمال سے مرض میں اور زیادتی ہو جائے۔

چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ طالب کے اندر اصلاح اعمال کا اہتمام پیدا کر دینے کے قبل اس کو اذکار و اشغال میں مشغول کر دینا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے کیونکہ پھر وہ اپنے آپ کو بزرگ سمجھنے لگتا ہے خاصکر اگر کہیں اتفاقاً اذکار و اشغال سے یکسوئی ہو کر اُسپر کیفیات کا بھی ورود ہونے لگا تب تو گویا اس کے نزدیک بزرگی کی رجسٹری ہو گئی۔ حالانکہ اس قسم کی کیفیات کا بزرگی سے کیا تعلق۔ ایسی کیفیات تو بعض ریاضات اور مشق سے فساق و فجار بلکہ کفار تک کو حاصل ہو جاتی ہیں اور جب وہ ان کیفیات ہی کو بزرگی سمجھ لیتا ہے تو پھر اسکو اصلاح نفس اور اصلاح اعمال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی نہ کبھی ادھر توجہ ہوتی ہے اسلئے ہمیشہ جہل ہی میں مبتلا رہتا ہے اور اصل مقصود یعنی وصول الی اللہ سے محروم رہتا ہے جبکا

طریق تحصیل نصوص نے صرف اصلاح اعمال ہی کو تبلایا ہے۔ اھ

غرض حضرت والا نے اپنے جواب با صواب میں صرف ایک مختصر ہی سا سوال کر کے طالب مذکور پر گویا سارا باب اصلاح مفتوح فرما دیا اور دوازدہ تسبیح کو خمیرہ گاؤزبان سے تشبیہ دیکر اذکار و اشغال کا جو محض مستحب ہیں اصلاح اعمال کے مقابلہ میں جو فرض اور قابل تقدیم ہے درجہ اور موقع بھی متعین فرما دیا۔

اس تشبیہ پر حضرت والا ہی کی فرمائی ہوئی ایک اور تشبیہ بھی یاد آگئی۔ فرمایا کرتے ہیں کہ محض اذکار و اشغال اصلاح اعمال کے لئے ہرگز کافی نہیں اصلاح کے لئے تو ہمت اور بہ تکلف استعمال اختیار اور تدابیر استحضار اور انکے تکرار کی ضرورت ہے۔ البتہ اذکار و اشغال معین اصلاح ضرور ہو جاتے ہیں۔ اذکار و اشغال کا اصلاح نفس میں بس اُتنا ہی دخل ہے جتنا عرق بادیان کا مسہل میں ہوتا ہے کہ مادہ فاسد کا تنقیہ تو در اصل مسہل ہی سے ہوتا ہے لیکن اگر اوپر سے عرق بادیان بھی پیتے رہیں تو اُس سے بھی بہت کچھ اعانت ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی احمق مسہل تو پئے نہیں اور سونف کا عرق ہی عرق پئے جائے تو کیا اس سے مادہ فاسد کا تنقیہ ہو جائیگا۔ ہرگز نہیں۔ ہاں اول تو مسہل پیئے پھر اوپر سے سونف کا عرق بھی مدد کے لئے استعمال کرے تو اعماق بدن میں سے سارا مادہ فاسد بہت جلد دفع ہو کر کامل تنقیہ ہو جائیگا تنقیہ کے لئے محض عرق بادیان بلا مسہل کے ہرگز کافی نہیں ہاں مسہل تو بلا عرق بادیان کے کافی ہو بھی سکتا ہے گو سہولت کی مصلحت حاصل نہو۔ اھ

الحاصل مقصود بالبیان یہ ہے کہ ابتداء میں حضرت والا کی تمامتر توجہ اسی بات پر رہتی ہے کہ اصلاح عمال کی اہمیت طالب کے اچھی طرح ذہن نشین کر دی جائے اور جب تک یہ مقصود نہیں حاصل ہو جاتا نہ خود چین لیتے ہیں نہ طالب کو چین لینے دیتے ہیں۔ اور کثرت استفسارات سے بھی اکثر یہی مقصود ہوتا ہے۔ نیز جبتک طالب کے اندر اصلاح اعمال کا خاص اہتمام نہیں پیدا ہو جاتا اذکار و اشغال کی تعلیم نہیں فرماتے ہاں جب یہ دونوں ابتدائی مراحل طے ہو جاتے ہیں یعنی جب اصلاح اعمال کی اہمیت بھی اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے اور طالب اپنی اصلاح اعمال میں خاص اہتمام کے ساتھ مشغول بھی ہو جاتا ہے پھر بلا تامل اذکار و اشغال بھی تعلیم فرما دیتے ہیں پھر اسکا انتظار نہیں فرماتے کہ جب اصلاح اعمال کی تکمیل ہو جائے اسوقت اذکار و اشغال شروع کرائے جائیں۔

حضرت والا اپنی اس ترتیب کے متعلق یہ فرمایا کرتے ہیں کہ سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سلف کے یہاں تو سلوک کی اصل ترتیب یہی تھی کہ اصلاح اعمال ظاہرہ و باطنہ کی تکمیل کے بعد اذکار و اشغال شروع کراتے تھے لیکن اکابر متاخرین نے یہ دیکھ کر اس زمانہ میں عمریں اور ہمتیں دونوں قاصر ہیں اس ترتیب کو قائم نہیں رکھا بلکہ اصلاح اعمال کے ساتھ ساتھ اذکار و اشغال کی بھی تعلیم کرنے لگے اور دونوں کو ساتھ ساتھ چلانے لگے اور

میں نے اپنے زمانہ کے طالبین کی مصالح پر نظر کر کے اکابر سلف کے طریق اور اکابر متاخرین کے طریق کے بین بین طریق اختیار کیا ہے یعنی کچھ دن تک تو میں محض اصلاح اعمال ہی میں مشغول رکھتا ہوں اور جب یہ دیکھ لیتا ہوں کہ اصلاح اعمال کی اہمیت اچھی طرح اسکے ذہن نشین ہو گئی ہے اور اسکے اندر اسکا خاص اہتمام پیدا ہو گیا ہے اسوقت اذکار و اشغال بھی تبلا دیتا ہوں اور پھر دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلاتا رہتا ہوں غرض میں نے اکابر متاخرین کے طریق میں اپنے زمانہ کے طالبین کی طبائع کا رنگ دیکھ کر بضرورت صرف اتنی ترمیم کر لی ہے کہ وہ حضرات تو دونوں چیزوں کو شروع ہی سے ساتھ ساتھ چلاتے تھے اور میں کچھ دن بعد ساتھ ساتھ چلاتا ہوں ۔ اھ

اس امر کے متعلق کہ حضرت والا کو اسکا خاص اہتمام ہے کہ اصلاح اعمال کی اہمیت طالبین کے ذہن نشین ہو جائے حضرت والا کا ایک اور جواب بھی نقل کیا جاتا ہے جو آج ہی بتاریخ ۱۱۔ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ ایک صاحب کے خط پر تحریر فرمایا گیا ہے :۔ پچھلے خط میں ان کو حضرت والا نے ان کی سابقہ کوتاہیوں پر متنبہ کر کے اُن کوتاہیوں کے تدارک کی طرف متوجہ فرمایا تھا ۔ وہ اپنے خط میں اسکو تو بالکل گول کر گئے اور حضرت والا کو خوش کرنے کے لئے محض طلب دعا اور دریافت خیریت کا خط لکھا اور اُسمیں یہ بھی اطلاع دی کہ آج رات سوا گیارہ پارے تراویح میں ہوئے ۔ اسپر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ تمنے اپنی تراویح کی تو اطلاع دی اور تم سے جو دوسروں کو تکالیف پہنچیں خصوص حقوق کے متعلق اور انکا تدارک اُن کو راحت پہونچانے سے ہو سکتا تھا ۔ اُن تراویح کی اطلاع نہ دی اسکی ایسی مثال ہے کہ مریض طبیب کو اپنی غذا کی تو خبر دے مگر دوا اور مرض کی خبر نہ دے کیا طبیب اس سے خوش ہو گا بجز اس طبیب کے جو مریضوں کے نام سے لپنا رجسٹر بھرنا چاہتا ہو اور مریض پر شفقت نہ رکھتا ہو ۔ اھ اس جواب میں بھی مریض اور طبیب ہی کی مثال سے کام لیا گیا ہے ۔

حال ہی میں ایک اور طالب کا بھی خط آیا جسکا ذکر اس مقام پر مناسب ہو گا ۔ انھوں نے بھی اپنے پچھلے عریضہ میں صرف یہ لکھا تھا کہ حضرت اللہ اللہ کرنے کو بہت دل چاہتا ہے اگر اجازت ہو تو حضور کے رسالہ قصد السبیل سے عالم مشغول کا دستور العمل شروع کر دوں اھ ۔ اسپر حضرت والا نے استفسار فرمایا کہ کیا صرف یہی مقصود ہے ۔ اھ

یہاں بھی حضرت والا نے پہلے محض سوال ہی فرمایا کہ کیا صرف یہی مقصود ہے ۔ اھ آدل ہی وہلہ میں اور بطور خود مقصود اصلی کی تعیین نہیں فرمائی تاکہ مخاطب اپنی قوت فکریہ سے کام لے اور سوچکر خود ہی مقصود اصلی کو متعین کرے کیونکہ جو بات اسطرح مطالعہ کرانے کے بعد ذہن میں آتی ہے وہ نہایت پختگی کے ساتھ آتی ہے اور پھر کبھی ذہن سے نہیں نکلتی ۔

چنانچہ وہ طالب حضرت والا کے اسی ایک سوال سے سب کچھ سمجھ گئے جیسا کہ اُنکے جواب سے ظاہر ہوگا جو نقل کیا جاتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ حضور کے لفظ صرف سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ (یعنی اللہ اللہ کرنا) مقصود تو ہے مگر تنہا اور اول میں مقصود نہیں تخلیہ کے بعد مطلوب ہے جیسا کہ حضور نے اپنے مواعظ میں بھی فرمایا ہے اصل مقصود اصلاح ہے سو حضور نے سابقہ خط و کتابت میں ہر مرض کا اچھی طرح علاج فرمادیا ہے بحمد اللہ اب تقاضا نفس کا مغلوب ہوچلا ہے اور ہر ایک رذیلہ کے مادہ میں اضمحلال اور ضعف پیدا ہوگیا ہے۔ بہ دعائے حضور تکرار استحضار سے رسوخ اصلاح بھی اچھی طرح ہوجائیگا۔ اور دل کی حالت متلون ہے۔ کبھی تو سخت اور خدا سے دور معلوم ہوتا ہے اور کبھی ایسی رقت اور نرمی وارد ہوتی ہے کہ رونے لگتا ہوں اور ہاتھ جوڑ کر اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ اور دل میں شوق حق تعالے کی محبت کا بہت اُٹھتا ہے۔ اللہ کے نام میں لذت آتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اللہ اللہ کروں مگر بوجہ نہ ہونے اجازت کے رُک جاتا ہوں۔ اسی شوق و لذت کے تقاضے سے عرض کیا تھا کہ اللہ اللہ کی اجازت فرمادیں یہ ہے میرا عرض حال اب جو مناسب سمجھیں ارشاد فرمادیں۔ والسلام۔ اھ

احقر جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اس خط کے مضامین سے ناظرین کرام نے بخوبی اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا کا طریق تعلیم کس درجہ نافع ہے! احقر کو خود معلوم ہے کہ طالب مذکور بڑے بڑے سخت امراض باطنی اور کبائر تک میں مبتلا تھے مگر حضرت والا کو برابر اپنے حالات کی اطلاع دیتے رہے اور اپنی اصلاح کراتے رہے بعض اوقات دوران اصلاح میں بھی نفس کے تقاضوں سے مغلوب ہو ہو کر پھر مرتکب کبائر ہوجاتے مگر پھر حضرت والا سے رجوع کرتے اور صاف صاف اپنی شرمناک حرکات کا بغرض اصلاح حضرت والا سے اظہار کردیتے اور تدارک پوچھتے۔ ایک بار حضرت والا نے زجراً یہ بھی تحریر فرمادیا تھا کہ جب اختیاری گناہوں سے بچنے کے لئے اختیار اور ہمت سے کام نہیں لیتے تو آیندہ مجھے ہرگز خط نہ لکھو ورنہ بلاجواب واپس کردیا جائیگا۔ اھ

لیکن چونکہ وہ طالب صادق تھے اس لئے حضرت والا نے یہ جواب لکھ کر اور حاضرین کو بلا اظہار نام سنا کر فرمایا کہ میں نے یہ محض زجراً لکھ دیا ہے تاکہ آیندہ ایسی حرکت سے باز رہیں کچھ دن بعد جب دیکھوں گا کہ راہ پر آگئے تب پھر خط و کتابت کی اجازت دیدونگا۔ چنانچہ وہ برابر پیچھے پڑے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت والا نے ان کو پھر خط و کتابت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اب دیکھ لیجئے کہ حضرت والا کے اس طرز تعلیم و تفہیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کو بفضلہ تعالیٰ طریق سے پوری مناسبت اور بہت کچھ اصلاح ہوگئی جیسا کہ اُن کے خط سے ظاہر ہے جو اوپر نقل کیا گیا۔ یہ صاحب ایک عرصہ سے خط و کتابت کر رہے ہیں لیکن ابھی تک حضرت والا نے انکو صرف اصلاح نفس ہی میں مشغول رکھا ذکر و شغل تعلیم نہیں فرمایا۔ لیکن دیکھ لیجئے اس سے ان کو کس قدر نفع ہوا۔ اور

وصول الی المقصود کی کسدرجہ استعداد پیدا ہوگئی۔ بقول حضرت والا لکڑی مدت تک دھوپ میں پڑی رہتی ہے یہاں تک کہ پھر اس قابل ہو جاتی ہے کہ بس ایک ہی دیا سلائی میں سُلگ اُٹھے اھ

اسیطرح طالب مذکور میں بھی اب ایسی استعداد پیدا ہوگئی ہے کہ بس تھوڑے دنوں کے ذکر وشغل ہی میں انشاءاللہ تعالیٰ اُنکا کام بن جائیگا بلکہ ابھی بہت کچھ بن چکا ہے کیونکہ بعون اللہ تعالیٰ نفس پر قابو ہو چلا ہے۔ اور قلب میں ذکر وشغل کا ذوق وشوق پیدا ہوگیا ہے۔ پھر اور کیا چاہیئے۔ حالانکہ غالباً اُن صاحب کو ابھی تک حاضری خانقاہ کی بھی نوبت نہیں آئی۔ ایسے ہی تجربوں کی بناء پر تو حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جو لوگ باقاعدہ تعلیمی خط وکتابت کرتے رہتے ہیں وہ جب یہاں آتے ہیں تو بفضلہ تعالیٰ اس قابل ہوتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں اُنکو بیعت اور تعلیم وتلقین کی اجازت دیدی جائے اھ

جس بناء پر اجازت دی جاتی ہے اسکی نہایت نفیس تحقیق جو حضرت والا نے تحریر فرمائی ہے وہ انشاءاللہ تعالیٰ باب آیندہ خلفائے مجازین میں نقل کیجائے گی۔

بظاہر طالب مذکور کے اُس مضمون کے بعد جو اوپر نقل کیا گیا اسکی سابقہ درخواست کے مطابق اُس کو ذکر وشغل کرنے کی اجازت مرحمت فرمادیجاتی لیکن نہیں حضرت والا جب تک ہر ہر جزئی کی اصلاح نہیں فرمادیتے طالب کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

تو پہلے پوری بات کیوں نہیں لکھی تھی کیا مجکو غیب کی خبر ہے اسکا جواب دیکر پھر لکھو جو لکھنا ہو اھ

یہ جواب لکھکر حاضرین سے فرمایا کہ ایسی جلدی راضی نہ ہو جانا چاہیئے۔ ان کو خط لکھنے کا سلیقہ بھی تو تعلیم کر دینا چاہیئے۔ اُنھوں نے پہلے صرف یہی لکھ کر بھیجدیا کہ اللہ اللہ کرنے کو بہت جی چاہتا ہے اور اصلاح نفس کے متعلق یہ حالات جو اب لکھے ہیں کچھ نہ لکھے اسی لئے مجکو یہ سوال کرنا پڑا کہ کیا صرف یہی مقصود ہے اگر وہ یہ سب حالات اسی خط میں لکھ دیتے تو میں یہ سوال ہی کیوں کرتا۔ میری تو یہ غرض ہوتی ہے کہ طالب کی پوری اصلاح ہو اسلئے بار بار سوالات کرتا ہوں اور کوڑ مغزوں کا یہ اعتراض ہے کہ تم ڈاک خانہ کے بڑے خیر خواہ ہو ٹکٹ بہت لگواتے ہو۔ لوگوں سے ذرا ذرا سی باتوں کے لئے بار بار خطوط لکھواتے ہو۔ اب ایسے کوڑ مغزوں کو کیا جواب دیا جائے۔ سوائے اسکے کہ اچھا بھائی تم یوں ہی سمجھو اور مجھ سے خط وکتابت نہ کیا کرو جو ڈاک خانہ کا بدخواہ ہو اُس سے رجوع کرلو۔ اور آجکل تو ڈاک خانہ کے بدخواہ بہت ہیں۔ اھ

طالب مذکور کے علاوہ ایک اور طالب نے لکھا کہ میرے معمولات فلاں فلاں ہیں۔ ان سب میں جو کچھ کمی ہو اُس سے سرفراز فرمائیں۔ حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ یہ تو اپنی فرصت اور تحمل پر ہے اصل چیز جسمیں کمی بیشی دیکھی جاسکتی ہے وہ اصلاح اعمال ہے اھ

ایک اور طالب نے لکھا کہ جناب نے میرے مرض بدنگاہی کا علاج فرمایا ہے یہ تو بس نہیں کہہ سکتا کہ مجھے شفا کما حقہ ہوگئی ہے مگر انشاء اللہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ باری تعالیٰ نے صرف اپنے فضل و کرم سے بوسیلہ حضور جو شفا عطا فرمائی ہے بندہ کو انہماک فی المرض کی وجہ اسکے عشر عشیر کی بھی امید نہ تھی۔ اب باقی ماندہ امراض جوارح میں سے غیبت میں زیادہ ابتلاء معلوم ہوتا ہے۔ گو پہلے کی نسبت بحمد اللہ یہ بھی کم ہے کہ عدم احساس کے بجائے اب ابتلاء پر ملال ہے امید کہ اب مرض غیبت کے علاج سے بہرہ یاب فرمائینگے۔ اھ۔

اس پر حضرت والا نے استفسار فرمایا کہ کیا پچھلا علاج (یعنی بدنگاہی کا) مکمل و راسخ ہوگیا اھ

انھوں نے لکھا کہ تقاضا تو بظاہر کالعدم نہیں ہوا مگر ابتلاء شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اھ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ شاذ و نادر کیا معنی اگر کوئی کہے کہ میں نے شراب چھوڑ دی ہے بس کبھی کبھی پی لیتا ہوں تو کیا یہ ترک شراب ہے انتہیٰ بحاصلہ۔

احقر اس نمبر کو یہیں ختم کئے دیتا ہے ورنہ ضمنی مضامین تو سیکڑوں یاد آتے چلے جارہے ہیں اور یہ نمبر جو پہلے ہی ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے اور بھی زیادہ بڑھ جائے گا۔ چونکہ اس نمبر میں حضرت والا کے بہت سے اصول تعلیم و تربیت معرض بیان میں آگئے ہیں اسلئے ناظرین سے استدعا ہے کہ اسکو بغور ملاحظہ فرما کر مختلف اصول کو اپنے ذہن میں مجتمع فرمالیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ اسکا خاص لحاظ رکھا جائیگا کہ ایک نمبر میں ایک سے زیادہ اصول نہ بیان کئے جائیں اور وہ بھی اختصار کے ساتھ کیونکہ اس باب کو جلد ختم کرکے دیگر ابواب کو شروع کرنا ہے۔ نیز چونکہ احقر کی رخصت قریب ختم آپہونچی ہے اسلئے اب بقیہ سوانح کو بھی جہاں تک ہوسکے گا بہت اختصار کے ساتھ لکھا جائیگا ورنہ خدانخواستہ نامکمل رہ جانے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور بہت جلد سب ابواب کو پورا فرمائے۔ آمین

(۲) حضرت والا کا مطمح نظر چونکہ اصلاح کے درجات کی تکمیل ہے اسلئے طالب کی ادنیٰ بے تمیزی یا بے التفاتی کو بھی گوارا نہیں فرماتے اور فوراً صاف صاف تنبیہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ تمھارے خط میں ایک جملہ ہے کہ "اسکے پہلے بھی ایک بار **مستفتی ہوکر جواب سے محروم** ہوں" اھ کیا اس جملہ میں مجھ پر اعتراض نہیں اور کیا وہ اعتراض بلا دلیل نہیں اور کیا اعتراض بلا دلیل سے اذیت نہیں ہوتی اور کیا اذیت کی حالت میں کوئی خدمت لی جاسکتی ہے۔ پھر اپنے کو مرید اور معتقد لکھتے ہوئے یہ جمع بین المتضادین کیسا افسوس۔ اھ

اسی طرح ایک طالب نے اپنے عریضہ میں حضرت والا کے خواہر زادہ صاحب جناب فضیلت مآب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب دامت فیوضہم کے نام بھی کچھ مضمون لکھ دیا تھا۔ اس پر تنبیہاً تحریر فرمایا کہ وہ حج کو گئے ہیں۔ مگر

میرے خط میں دوسروں کے مضامین لکھنا کیا خلاف تہذیب نہیں۔ میں اُن کو پیغام پہونچاتا پھروں یا پرچہ دیتا پھروں افسوس۔ اھ

بعض صورتوں میں یہاں تک تحریر فرما دیتے ہیں کہ جب تک سلیقہ اور تہذیب نہ سیکھ لو میرے پاس خط نہ بھیجو۔ اھ اور بعض کی تعلیم وتلقین ہی سے دستکش ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر شکایت فرمایا کرتے ہیں کہ آجکل عام طور پر طبائع میں ادب بالکل نہیں رہا الا ماشاء اللہ اسی وجہ سے اکثر محروم رہتے ہیں ع بے ادب محروم گشت از فضل رب۔ بلا ادب شیخ کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور ادب محض تعظیم وتکریم کو نہیں کہتے یہ تو محض صورتِ ادب ہے ادب کی روح ہے ایذا سے بچانا اور راحت پہونچانا۔ اگر کسی کو زیادہ تعظیم وتکریم سے اذیت ہوتی ہو تو وہ بھی بے ادبی ہے۔ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض لوگ قصداً ایذا نہیں پہونچاتے لیکن محض عدم قصد ایذا کافی نہیں بلکہ قصد عدم ایذا ضروری ہے۔ اھ

(۳) حضرت والا کو اسکا خاص اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کو فضولیات سے ہٹا کر ضروریات میں مشغول کر دیا جائے جس کی صدہا نظائر ہیں لیکن چونکہ ابھی ابھی اختصار کا وعدہ کر چکا ہوں۔ اس لئے صرف ایک واقعہ بطور نمونہ عرض کیا جاتا ہے۔

ایک اہل علم طالب نے حضرت والا کو لکھا کہ میرے ذہن ناقص میں یہ آتا ہے کہ فلاں شخص مدعی مہدویت کو فلاں اہل باطل فرقہ سے بھڑا دیا جائے۔ اھ۔ حضرت والا نے اسکا یہ جواب تحریر فرمایا کہ افسوس کیا ان باتوں میں رائے لینے کے لئے مجھ سے تعلق پیدا کیا تھا۔ اس فن کے مجھ سے زیادہ جاننے والے بہت ہیں۔ اھ

(۴) حضرت والا محض فقہی مسائل پوچھنے پر اکثر طالبین کو تنبیہ فرما دیتے ہیں کہ کیا یہ مسائل اور اہل علم سے نہیں پوچھے جا سکتے۔ اس فن کے تو مجھ سے بھی بہتر جاننے والے بہت لوگ موجود ہیں۔ مجھ سے تو اپنی اصلاح کے متعلق باتیں پوچھی جائیں جنکے لئے مجھ سے تعلق پیدا کیا ہے۔ اھ

اسکا راز یہ فرمایا کرتے ہیں کہ فقہی مسائل پوچھ کر طالبین یہ سمجھتے ہیں کہ بس ہمنے حق بیعت اور حق تعلق ادا کر دیا۔ اپنی اصلاح نفس کی طرف توجہ نہیں کرتے چنانچہ فلاں صاحب ہمیشہ مجھ سے مسائل فقہیہ ہی کی تحقیق کیا کرتے بہت دن تک تو میں انکی خاطر سے جواب دیتا رہا لیکن جب میں نے دیکھا کہ وہ بس اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اپنی اصلاح نفس کے متعلق کبھی کوئی بات ہی نہیں پوچھتے۔ سوائے اسکے کہ ہمیشہ کمی کیفیات کی شکایت لکھا کرتے تو میں نے ان کو اس ضرر باطنی سے بچانے کے لئے فہمایش کی اور صاف کہدیا کہ تم مجھ سے یہ خدمت تحقیق مسائل کی نہ لو۔ مجھ سے تو وہ خدمت لو جسکے لئے مجھ سے تعلق پیدا کیا ہے یعنی اصلاح باطن لیکن چونکہ مسائل فقہیہ کی تحقیق بھی ضروری چیز ہے اسلئے اس کام کے لئے مولانا خلیل احمد صاحب کو تجویز کر لو۔ مولانا اسوقت

زندہ تھے چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ اب مجھے خط بھیجیں تو کیا لکھیں سوائے اسکے کہ اپنی اصلاح کے متعلق لکھیں۔ غرض مجبور ہو کر اُنھیں اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا پڑا جس سے انکو بہت نفع ہوا یہاں تک بفضلہ تعالیٰ صاحب نسبت اور صاحب اجازت ہو گئے۔ اھ

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ماشاء اللہ فتوی نویسی کا کام تو بہت جگہ ہو رہا ہے اور اس فن کے بفضلہ تعالیٰ مجھ سے کہیں بہتر جاننے والے بکثرت موجود ہیں لیکن اصلاح باطن کا کام اہتمام خاص کے ساتھ آجکل کہیں نہیں ہو رہا۔ اسلئے اسکی ضرورت دیکھ کر میں نے اپنے ذمہ یہی خدمت لے رکھی ہے گو یہ درجہ میں من وجہٍ اُس سے متنزل ہو۔ اھ

(۵) یُوں تو تعلیم و تربیت باطن کے متعلق حضرت والا کا ہر ارشاد آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے لیکن بعض خاص خاص ارشادات تو ایسے جامع مانع اور سہل ممتنع کی شان رکھنے والے ہیں کہ گو وہ چند نہایت مختصر اور سہل الفاظ کا مجموعہ ہیں لیکن اُن میں سارا فن سلوک آگیا ہے اور اُن کے اندر سالکین کے لئے پُورا دستور العمل مذکور ہے یہاں تک کہ بعض ایسی ہی شانِ جامعیت رکھنے والے تحریری ارشادات کو باوجود محض چند سطری مضامین ہونے کے حضرت والا نے فرداً فرداً ایک مکمل رسالہ قرار دیکر مستقل نام بھی تجویز فرما دئے ہیں مثلاً روح الطریق وضوح الطریق فتوح الطریق تسہیل الطریق وغیرہ جنمیں سے بعض موقع بہ موقع نقل بھی کئے جا چکے ہیں اس پر بعض کوتاہ بینوں اور کم فہموں نے یہ اعتراض کیا کہ کہیں چند سطروں کے بھی رسالے ہوا کرتے ہیں جسکا ایک صاحب نے خوب ہی جواب دیا کہ یہ تو سنت الٰہیہ کا اتباع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی تو بعض چند سطر بلکہ ایک سطر ہی کی سورتوں کو مستقل سُورت قرار دیدیا ہے مثلاً سورۂ کوثر سورۂ عصر سُورۂ اخلاص اھ۔ ایسے اکثر ارشاداتِ جامعہ کا عطر یہ ارشاد ہے کہ انسان صرف اختیاری امور کا مکلّف ہے غیر اختیاری امور کا مکلّف ہی نہیں۔ لہذا اختیاری امور میں تو بہ تکلف ہمت اور استعمال اختیار سے کام لے اور غیر اختیاری امور کے نہ تو درپے ہو اور نہ اُنکی فکر میں پڑے۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اگر کوئی اسی ایک اصول پر مضبوطی کے ساتھ کاربند رہے تو دین اور دنیا دونوں کی صلاح و فلاح حاصل ہو جائے اور پریشانی پاس بھی نہ پھٹکے۔

یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ تو حضرت والا نے اتنا واضح فرمایا ہے کہ صدیوں سے اسکا ایسا عام وضوح نہ ہوا تھا۔ اور اس سے اتنا کام لیا ہے کہ ہزاروں مشکلات طریق اسکے ذریعہ سے حل فرما دیگئی ہیں۔ جب کوئی طالب اصلاح اپنے کسی عیب کی اصلاح چاہتا ہے تو حضرت والا سب سے پہلے اُس سے یہی سوال فرماتے ہیں کہ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری اگر وہ کہتا ہے کہ اختیاری ہے تو فرماتے ہیں کہ جس چیز کا فعل اختیاری ہے اسکا ترک بھی اختیاری ہے۔ ہمت کرکے اختیار کو استعمال میں لاؤ اور چھوڑ دو۔ اگر وہ کہتا ہے کہ غیر اختیاری ہے تو اگر وہ

در اصل غیر اختیاری ہوا تو فرماتے ہیں کہ غیر اختیاری کا آدمی مکلف ہی نہیں۔ پھر اسمیں دینی ضرر ہی کیا ہوا جو اسکا علاج پوچھا جاتا ہے۔

بعضوں نے کہا کہ یہ تو سمجھ میں آگیا کہ اسمیں بوجہ غیر اختیاری ہونے کے دینی ضرر کوئی نہیں لیکن تکلیف اور پریشانی تو ہے اور یہ بھی قابل علاج ہے اسکا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ تکلیف اور پریشانی کا علاج میرے ذمہ نہیں ورنہ کل کو پھر یہ بھی کہنا کہ صاحب میرے پیٹ میں درد ہے جس سے بڑی پریشانی ہے اسکا بھی علاج بتایا جائے اھ

اسیطرح ایک صاحب نے فضول گوئی کا علاج پوچھا تو حسب معمول یہی سوال فرمایا کہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری اسپر انہوں نے لکھا کہ اختیاری ہے لیکن سہولت کی تدبیر ارشاد فرمائی جائے۔ تحریر فرمایا کہ کس کس چیز کے سہل ہونیکی تدبیر پوچھو گے اور اس حدیث کے کیا معنی کہو گے۔ حفت الجنۃ بالمکارہ۔ اھ

حضرت والا کی تعلیم میں اللہ تعالیٰ نے برکت ایسی رکھی ہے کہ اکثر طالبین کو محض استعمال اختیار ہی کی تاکید فرمانے پر استعمال اختیار کی بفضلہ تعالیٰ توفیق ہو جاتی ہے اور بڑے بڑے عیوب چھوٹ جاتے ہیں۔

بعض کو یہ دیکھ کر کہ استعمال اختیار میں اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں سہولت مقاومت نفس کی تدبیر پوچھنے پر یہ ارشاد فرمایا کہ گو سہولت کی تدبیر بتانا مصلح کے ذمہ نہیں لیکن تبرعاً بتاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بہ تکلف نفس کی مخالفت کرتے رہنے سے پھر رفتہ رفتہ داعیہ ضعیف ہو جاتا ہے اور اسکی مقاومت سہل ہو جاتی ہے غرض جو تدبیر تحصیل ہے وہی تدبیر تسہیل بھی ہے لیکن یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں بعض کو عمر بھر مجاہدہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ غرض طالب کو اپنی طرف سے عمر بھر مجاہدہ ہی میں گذارنے کے لئے تیار رہنا چاہیے اور مجاہدہ ہی کے لئے تو یہاں بھیجے گئے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لقد خلقنا الانسان فی کبد اور مجاہدہ ہی سے تو اجر اور قرب بڑھتا ہے اور جن کو بعد مجاہدات کے سہولت ہو جاتی ہے ان کو بھی برابر مجاہدہ کا اجر ملتا رہتا ہے کیونکہ یہ سہولت مجاہدات ہی سے تو مسبب ہوئی ہے۔ اھ

ایک صاحب نے لکھا کہ احقر کے اندر لوگوں سے ربط و ضبط بڑھانے کا مہلک اور شدید مرض ہے۔ اس عادت کو بہت چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن نہیں چھوٹتی حالانکہ یہ امر اختیاری ہے۔ اھ

اسکا ضابطہ کا جواب تو صرف یہی تھا کہ ہمت سے کام لیں لیکن چونکہ انہوں نے اپنی سی کوشش کرنیکے بعد یہ عریضہ لکھا تھا اسلئے جواب تحریر فرمایا کہ اصل علاج تو ہمت ہے مگر اسکی اعانت کے لئے نفس پر کچھ جرمانہ مقرر کیا جاوے کہ جب خلاف عہد ہو اتنی نوافل یا اتنے پیسے ادا کئے جائیں۔ اھ

اسیطرح خود احقر نے ایک بار حضرت والا کی خدمت فیضدرجت میں عریضہ لکھا کہ میری طبیعت ابتدائً تو جلوت پسند نہیں بلکہ ملنے جلنے سے وحشت ہوتی ہے لیکن ملتا ہوں تو پھر حدود سے ضرور متجاوز ہو جاتا ہوں۔ بارہا قصد کیا لیکن صرف

بقدرِ ضرورت ملنے پر مجھے قدرت ہی حاصل نہیں ہوتی۔ آج سے پھر قصد خلوت کرتا ہوں جب خلوت ہو گی تو کثرت کلام بھی چھوٹ جائیگی۔ بہت ہی جی چاہتا ہے کہ بس ضروریات اور ذکر وفکر ہی میں دن رات رہوں حضرت والا کے اس ارشاد کو کہ میں چاہتا ہوں یہاں پر کوئی کسی سے بات بھی نہ کرے۔ بالکل اپنی طبیعت کے موافق پایا الخ۔ اسکا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اسمیں بھی مبالغہ سے کام لیگیا ہے اعتدال ہر امر میں محمود ہے مگر بعض طبائع بدون تدبیر کے اُس پر بسہولت قادر نہیں۔ تدبیر یہ ہے کہ بدون ضرورت شدید آپ خود کسی سے ابتدا بکلام نہ کریں اور نہ کسی کے پاس جائیں اور جو شخص آپ سے ابتدا بکلام کرے اسکو مختصر اور ضروری جواب دے کر ذکر میں مشغول ہو جائیں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے اعتدال نصیب ہو جاویگا میں بھی دعا کرتا ہوں ایک ہفتہ کے بعد پھر اطلاع دیجائے۔ اھ

دیکھئے یہاں بھی کیسی نفیس تدبیر سہولت ارشاد فرمائی لیکن تدابیر سہولت اُنھیں کو بتائی جاتی ہیں جو استعمال اختیار کی کوشش کرنے کے بعد پوچھتے ہیں اور بعض کو از خود ابتداءً اور بلا پوچھے بھی بتا دیتے ہیں جن کے بارہ میں قرائن سے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ انکو اپنی اصلاح کا خاص اہتمام ہے۔

شریعت مقدسہ میں بھی بعض احکام میں تو سہولت کی تدابیر بتائی گئی ہیں اور بعض میں نہیں۔ غرض اسکا التزام ثابت نہیں۔ اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلح کو اختیار ہے کہ جہاں مناسب ہو سہولت کی تدبیر بتائے جہاں نہ مناسب ہو نہ بتائے۔

اس مضمون پر حضرت والا نے اپنے وعظ التحصیل والتسہیل مع التکمیل والتعدیل میں بہت مفصل اور محققانہ بحث فرمائی ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔ وہ وعظ طبع ہو چکا ہے۔

غرض حضرت والا اس مسئلہ اختیاری وغیر اختیاری سے دوران تربیت میں بہت ہی کام لیتے ہیں کیونکہ سیکڑوں جزئیات ہیں جن پر اسکا انطباق ہوتا ہے اور ہزاروں اشکالات ہیں جنکا اس سے حل ہوتا ہے چنانچہ حضرت والا نے بارہا فرمایا کہ یہ اختیاری اور غیر اختیاری کا مسئلہ آدھا سلوک ہے بلکہ قریب قریب سارا۔ اھ

اس جگہ حضرت والا کا ایک در ارشاد بھی جو ایک طالب کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا گیا تھا اور جو پہلے بھی کسی موقع پر نقل کیا جا چکا ہے مکرر بمناسبت مقام تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسمیں اسی اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ سے کام لیکر عمر بھر کے لئے سلوک کا ایک نہایت کارآمد اور مکمل دستور العمل تجویز فرما دیا گیا ہے۔ اور طریق کو بالکل سہل فرما دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے اسکا نام بھی تسہیل الطریق ہی رکھا ہے۔

تسہیل الطریق

ایک طالب نے اپنے عریضۂ حالات کے آخر میں لکھا کہ میں اپنا حال ابتر ہی پاتا ہوں سوائے اُدھیڑ بن کے اور کچھ نہیں اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ خود شفقت میں پڑنے کا شوق ہی ہو تو اسکا تو علاج ہی نہیں۔ باقی راستہ بالکل صاف ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں اختیاری میں ہمت سے کام لیں۔ اگر کوتاہی ہو جاوے ماضی کا استغفار سے تدارک کر کے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

سبحان اللہ کیا جامع مانع دستور العمل ہے۔ طالبین کو چاہیئے۔ اسکو اپنا حرز جان اور عمر بھر کے لئے اپنا معمول بنا لیں۔ ماضی کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بس ایک بار اچھی طرح توبہ کر کے پھر گناہوں کے غم میں نہ رہے بلکہ کام میں لگے ورنہ گناہوں کا تصور اور غم بھی اُسکے اور محبوب حقیقی کے درمیان طبعی طور پر حجاب ہو جائیگا جب ارشاد مولانا رومی رحؒ ع "ماضی و مستقبلت پردہ خدا است"۔ بندہ اپنے محبوب حقیقی کے مشاہدۂ دائمی کے لئے پیدا ہوا ہے نہ کہ گناہوں کے مراقبہ کے لئے۔ گناہوں کے استحضار کی تو توبہ کے لئے ضرورت تھی۔ جب توبہ کر چکا پھر استحضار کی کیا ضرورت رہی۔ کیونکہ گناہوں کا استحضار مقصود بالذات تھوڑا ہی ہے بلکہ مقصود بالغیر ہے۔ توبہ کے بعد بھی گناہوں کا قصداً استحضار رکھنا مقصود بالغیر کو مقصود بالذات بنانا ہے۔ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو بجائے اسکے کہ اُسکے غم کو لیکر بیٹھ جائے اور اس کمی کا افسوس ہی کرتا رہے بس ایک بار خوب اچھی توبہ و استغفار کر کے بات کو ختم کرے اور اپنے کام میں لگے۔ کام میں لگ جانے ہی سے خود کمی کا بھی تدارک ہو جائیگا۔ کثرت استغفار میں بھی جسکی بہت فضیلت وارد ہے محض یہ اجمالی استحضار کافی ہے کہ میں گنہگار ہوں اپنے سب گناہوں سے استغفار کرتا ہوں باقی اللہ تعالیٰ کو تو ان گناہوں کا علم ہے ہی۔ اُن کے تفصیلی استحضار کی ضرورت نہیں بلکہ اسکا طبعی اثر حجاب ہے۔ کیونکہ گناہوں کا ہمیشہ تفصیلی استحضار رکھنے سے مایوسی پیدا ہو جاتی ہے کہ جب ایسے ایسے اور اتنے سارے گناہ ہیں تو کیا بخشش ہوگی۔ اللہ میاں کیسے راضی ہونگے۔ اور جب کسی کی ناراضی کا بار بار تصور کیا جاتا ہے تو اسکا طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ خود بھی طبیعت میں اسکی طرف سے انقباض پیدا ہو جاتا ہے غرض اسطرح معاصی کا تفصیلی استحضار طبعاً موجب حجاب ہو جاتا ہے۔ البتہ بلا قصد کسی خاص گناہ کا استحضار ہو جائے تو بالتخصیص بھی توبہ کرے۔ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک استغفار کا صیغہ منقول ہے جسمیں یہ الفاظ ہیں مَا علمتُ منهُ ومالم اعلم۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کے لئے ذنوب کا تفصیلی استحضار ضروری نہیں ورنہ مالم اعلم کے صیغہ کی تعلیم فرمانے کے بجائے یہ حکم ہوتا کہ گناہوں کو سوچ سوچ کر اور یاد

اگر کر کے توبہ کیا کرو۔ اھ

اور ایک حدیث اس مسئلہ کی اصل ہو سکتی ہے جسکی تقریر حضرت والا کے رسالہ تشرف میں کی گئی ہے چونکہ اس تقریر سے اس مسئلہ کی کافی توضیح و تحقیق ہوتی ہے اسلئے اسکو اس مقام پر نقل کیا جانا مناسب ہے وھو ہذا۔

الحدیث (ج) اذا تاب العبد انسی اللہ الحفظۃ ذنوبہ وانسی ذلک جوارحہ ومعالمہ من الارض حتیٰ یلقی اللہ ولیس علیہ شاھد من اللہ بذنب ابن عساکر عن انس رض

جب بندہ توبہ (خالص) کرتا ہے (جو مقبول ہو جاتی ہے) اللہ تعالےٰ اسکے گناہ (ملائکہ) حافظین اعمال کو بھی بھلا دیتا ہے اور اسکے جوارح کو (بھلا دیتا ہے) اور زمین کے نشانات کو بھی بھلا دیتا ہے (یعنی جس جگہ وہ معصیت کی تھی جو قیامت میں گواہی دیتی) یہاں تک کہ وہ شخص اللہ تعالےٰ سے ایسی حالت میں ملتا ہے کہ اسپر گناہ کا کوئی گواہی دینے والا نہیں ہوتا

ف مدلول الحدیث ظاھر ویمکن ان یوخذ منہ بالقیاس مانقل عن بعض العارفین ان من علائم قبول التوبۃ نسیان العبد الذنب فان القلب الذی بہ یتذکر الذنب کالجوارح کما فسروا بہ قولہ تعالیٰ ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا ای کل واحد من ھذہ الاعضاء کان عنہ ای عما نسب الیہ مسئولا لیشھد علی صاحبہ (بتصیر الرحمٰن) ھذا ھو السر فی الاخرۃ واما السر فی الدنیا فھو ان تذکر الذنب قد یکون حجابا طبعیا من التوجہ الی اللہ تع بالانشراح فینسیہ اللہ تع ایاہ وعندی ان ھذا لیس بلازم ولادائم فان لبعضھم یغلب عقلہ علی الطبع فلا یمنعہ الذکر عن التوجہ فھذہ العلامۃ لبعض افراد

ف مدلول حدیث کا ظاہر ہے اور اس حدیث سے اس مضمون کو بھی بطور قیاس کے جو بعض عارفین سے منقول ہے کہ منجملہ علامات قبول توبہ کے یہ بھی ہے کہ بندہ گناہ کو بھول جاتا ہے۔ کیونکہ قلب جس سے گناہ یاد رہتا ہے وہ بھی مثل جوارح کے ہے جیسا مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے ان السمع والبصر الخ کہ ان سے سوال ہوگا تاکہ یہ صاحب اعضا پر شہادت دیں (تو شاہدوں میں قلب بھی داخل ہو گیا تو قلب سے بھی گناہ کو بھلا دیا جاتا ہے) اور یہ راز تو آخرت میں ہے اور دنیا میں اسکا یعنی بالخصوص قلب سے بھلا دینے کا یہ راز ہے کہ گناہ کا یاد ہونا بعض اوقات بعض سالکین کے لئے انشراح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے طبعی حجاب ہو جاتا ہے (اور حکمت الٰہیہ کبھی بعض کی مصلحت سے طبعی حجاب کو بھی رفع فرما دیتی ہے) اور میرے نزدیک یہ ہے کہ یہ (بھول جانا) نہ لازم ہے نہ دائم ہے کیونکہ بعض سالکین کی عقل طبیعت پر غالب ہوتی ہے تو ایسے شخص کو یہ یاد ہونا توجہ سے مانع نہیں ہوتا۔ پس یہ علامت بعض افراد قبول کی ہے نہ کہ سب کی۔

(تو یہ ممکن ہے کہ نسیان ہو جاوے اور توبہ قبول نہ ہو بلکہ نسیان بوجہ غفلت کے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ توبہ قبول ہو جائے اور

القبول الا لجمیعہا۔ | نسیان نہ ہو۔ بلکہ اس مصلحت سے یاد رہے کہ ہمیشہ استغفار کر کے مدارج قبول میں ترقی کرتا رہے) از رسالہ الہادی ربیع الثانی ۵۰ھ

اور امداد الفتاوی میں بھی ایک سوال کے جواب میں اس مضمون کا حاصل ایک خاص عنوان سے مذکور ہے اسکو بھی نقل کیا جاتا ہے وہو ہذا۔

سوال۔ فتوحات میں حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں قبول توبہ کی علامت یہ ہے کہ اس گناہ کا نقش بالکلیہ ذہن سے محو ہو جائے کہ کبھی عمر بھر وہ یاد نہ آئے۔ اس مسئلہ کا نام قاصمۃ النظر رکھا ہے اور شعرانی رح نے اپنی کتابوں میں اسطرح نقل کیا ہے گویا ان کو بھی یہ مسلم ہے۔ اور عام کتب طریقت میں جمہور لکھتے ہیں کہ سالک کو لازم ہے کہ ہمیشہ ہر وقت اپنے گناہوں کو پیش نظر رکھے کبھی نہ بھولے۔ امام شعرانی رح علی الخصوص اس مسئلہ پر بہت زور دیا کرتے ہیں بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے حقیقت کیا ہے اور وجہ تطبیق۔

الجواب:- محو ہو جانے سے یہ مراد نہیں کہ یاد نہ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اسکا اثر خاص یعنی قلق طبعی نہ رہے گو یاد بھی رہے اور قلق اعتقادی بھی رہے تو یہ امر گناہ کو یاد رکھنے کی تعلیم سے معارض نہیں ہوا اور یہ بھی کلیا نہیں بعض طبائع کے اعتبار سے ہے جن کے لئے قلق طبعی حاجب ہو جاتا ہے انشراح فی الطاعۃ سے اور اسوقت اصل عبارتیں میری نظر میں نہیں عبارت منقولہ سوال کی بنا پر لکھدیا ورنہ ممکن ہے کہ اس سے بھی اچھی کوئی وجہ جمع کی ہو۔ ۲۵۔ ربیع الاول ۱۳۴۹ھ (از رسالہ النور رجب ۱۳۴۹ھ)

یہ دونوں تقریریں تو علمی رنگ میں ہیں۔ اور ایک تقریر اسی کی کلید مثنوی قصۂ پیر چنگی میں تحت عنوان گردانیدن عمر رضہ نظر اور ابشرح اشعار ع پس عمر گفتش کہ ایں زاری تو ۔ الی تولہ گاہ بانگ زیر را قبلہ کنی خالی رنگ میں مذکور ہے لیکن وہ تطویل کے سبب یہاں نقل نہیں کی گئی جن کو شوق ہو وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

یہ سب مضمون اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کی تفصیل بیان کرنے کے ضمن میں استطراداً معرض بیان میں آگیا۔ میں اب پھر اسی مسئلہ کی طرف عود کرتا ہوں۔ حضرت والا اس اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو دیگر عنوانات سے بھی ارشاد فرمایا کرتے ہیں مثلاً عقلی اور طبعی۔ اعمال اور احوال۔ افعال اور انفعالات۔ مقصود اور غیر مقصود۔ یہ کل پانچ عنوان ہوئے لیکن ان سب کا مضمون ایک ہی ہے۔ یعنی حضرت والا کا وہ ارشاد جو اس مضمون کے شروع میں ہدیۂ ناظرین کیا گیا ہے کہ انسان اختیاری امور کا مکلف ہے۔ غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں۔ حضرت والا ان پانچوں عنوانات سے دوران تربیت میں بکثرت کام لیتے ہیں اور انکے ذریعہ سے سالکین کی بڑی بڑی مشکلات کو حل فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے طالبین کی تو جانیں انھیں حقائق کی بدولت بچگئیں اور بہتیروں کے ایمان انھیں کے ذریعہ سے سلامت رہے اور اب بھی بہتیرے انھیں کے سہارے زندہ ہیں ورنہ

اگر حضرت والا کے یہ حقائق اُن کے پیش نظر نہ ہوتے تو وہ اپنے ایمان سے مایوس ہو کر یا تو اپنے کو ہلاک کر ڈالتے یا نعوذ باللہ ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

اب اِن پانچوں عنوانات کے متعلق حضرت والا کے بعض ارشادات مختصراً اور مثالاً پیش کئے جاتے ہیں مثلاً اختیاری اور غیر اختیاری کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ وسوسے لانا اختیاری ہے اس سے اجتناب کرے اور وسوسے آنا غیر اختیاری ہے اسکی کچھ پروانہ کرے۔ البتہ آئے ہوئے وسوسوں کو اختیاراً باقی رکھنا بھی بوجہ اختیاری ہونے کے مذموم ہے۔ اسی طرح ذکر و تلاوت و نماز میں دل لگانا اختیاری ہے دل لگنا غیر اختیاری ہے اپنی طرف سے دل لگنے کے اسباب کو جمع کرے پھر بھی اگر دل نہ لگے تو بے دل لگے ہی عمل کو بتکلف کرتا رہے۔ اسیطرح میلان الی المعاصی کا غم نہ کرے کیونکہ میلان غیر اختیاری ہے۔ البتہ اس میلان کے مقتضا پر عمل کا صدور نہ ہونے دے جو اختیاری ہے محض میلان پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ عمل پر ہے۔ اھ

اور مثلاً عقلی اور طبعی کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ انسان عقلی امور کا مکلف ہے کیونکہ وہ اختیاری ہیں طبعی امور کا مکلف نہیں کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ اھ

چنانچہ ایک طالب نے لکھا کہ پہلے کبھی صبح کی نماز قضا ہو جاتی تھی تو مجکو بہت رونا آتا تھا لیکن اب کچھ رنج نہیں ہوتا۔ دل پر سیاہی معلوم ہوتی ہے اسپر تحریر فرمایا کہ رنج طبعی مقصود نہیں رنج عقلی مقصود ہے وہ حاصل ہے چنانچہ رنج ہونے پر افسوس ہونا یہ رنج عقلی کی علامت ہے۔ اھ۔

اور مثلاً اعمال اور احوال کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ اعمال مقصود ہیں احوال مقصود نہیں کیونکہ اعمال اختیاری ہیں احوال اختیاری نہیں۔ اھ

اور مثلاً افعال اور انفعالات کے متعلق ایک صاحب فضل کو جو طریق باطن کے متعلق حضرت والا سے خط و کتابت کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ذوق و شوق حاصل ہو جائے۔ آخر میں قول مختتم اور خلاصہ کے طور پر تحریر فرمایا کہ اس طریق میں افعال کا اعتبار ہے انفعالات کا اعتبار نہیں لہذا افعال کا اہتمام چاہیئے جو اختیاری ہیں انفعالات کے درپے نہ ہونا چاہیئے جو غیر اختیاری ہیں۔ اھ۔ بحاصلہ

اور مثلاً شعبۂ باطن میں مقصود اور غیر مقصود کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ مقصود مقامات ہیں یعنی اعمال اختیاریہ نہ کہ احوال غیر اختیاریہ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ گو احوال محمود وہ محمود ہیں لیکن مقصود نہیں کیونکہ وہ اختیاری نہیں نہ انکا حصول لازم نہ انکا بقا دائم۔ اگر حاصل ہوں شکر کرے لیکن کمال نہ سمجھے۔ اگر نہ حاصل ہوں یا حاصل ہو کر زائل ہو جائیں تو غم نہ کرے وہو معنیٰ قول الرومی رح ؎

روزہا گر رفت گو رو باک نیست	تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

اسپر احقر کو یاد آیا کہ ایک بار احقر نے اپنے عریضہ میں اسپر اظہار افسوس کیا کہ اگلی بار کی حاضری میں ایک ایسی خاص کیفیت لے کر حاضر ہوا تھا جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن بعد واپسی کچھ دن میں وہ رفتہ رفتہ بالکل زائل ہوگئی۔ اھ اسپر حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ کسی کیفیت کا طاری ہونا اور چندے جاری رہنا یہ بھی بسا غنیمت ہے ہمیشہ رہنے کی چیز تو صرف عقل اور ایمان ہے باقی سب میں آمد و رفت رہتی ہے۔ اھ

غرض اختیاری اور غیر اختیاری کے مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت والا پر ایسا منکشف فرمایا ہے کہ حضرت والا اسکو مختلف مواقع پر مختلف عنوانات سے حسب اختلاف فہم اور استعداد طالبین بے تکلف کام میں لاتے ہیں اور یہ مسئلہ ہر موقع پر نہایت ہی کار آمد ثابت ہوتا ہے اور حضرت والا کے اس ارشاد میں ذرا مبالغہ نہیں کہ یہ مسئلہ آدھا سلوک ہے بلکہ قریب قریب سارا۔ اھ

واقعی جہاں تک غور کیا جاتا ہے تربیت و اصلاح کی شاید ہی کوئی ایسی جزئی ہو جسکا اس مسئلہ سے بواسطہ یا بلا واسطہ تعلق نہو اور طریق کا شاید ہی کوئی ایسا مرحلہ ہو جسمیں یہ مشعل راہ کا کام نہ دیتا ہو۔

(۶) حضرت والا طالبین کو ثمرات و کیفیات سے بتاکید شدید بالکل یکسو رکھتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ ثمرات کی روح اجر و قرب ہے بس اس ثمرہ پر نظر رکھنا چاہیئے اور کسی ثمرہ کا منتظر نہ رہنا چاہیئے۔ بلکہ جتنے زوائد طریق ہیں اُن سب کے متعلق معاملہ ہی ایسا فرماتے ہیں کہ طالب کو مجبوراً اُن سے ہٹ کر ضروریات و مقاصد طریق ہی میں مشغول ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نے کوئی خواب بغرض تعبیر پیش کیا تو بجائے تعبیر بتانے کے اکثر یہ فرما دیتے ہیں کہ مجھے تعبیر خواب سے مناسبت ہی نہیں مجھ سے تو بیداری کی باتیں پوچھی جائیں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم | چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

خوابوں میں کیا رکھا ہے بیداری کی حالت کا اعتبار ہے جو اختیاری ہے اگر کوئی اپنی بیداری کی حالت کو درست نہ کرے تو خواب میں اپنے آپ کو عرش و کرسی کی بھی سیر کرتے ہوئے دیکھے تب بھی اسکو ذرہ برابر قرب نصیب نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کی بیداری کی حالت بدرجۂ مطلوبہ درست ہے تو چاہے خواب میں اپنے آپ کو دوزخ ہی میں دیکھے پھر بھی وہ مقرب ہے۔ لیکن اس سے خواب کی نفی مقصود نہیں بلکہ عوام نے جو خوابوں کو مبشرات کے درجہ سے بھی آگے بڑھا دیا ہے اُس سے تنزل کرنا ہے۔ اھ

اور مثلاً اگر کسی نے یہ شکایت کی کہ پہلے رونا بہت آیا کرتا تھا اب نہیں آتا تو فرما دیتے ہیں کہ آنکھ کا رونا مطلوب نہیں دل کا رونا مطلوب ہے وہ حاصل ہے یعنی نہ رونے پر افسوس۔ اھ

ایک بار فرمایا کہ اگر ثمرات وکیفیات کی تمنا بھی ہو تب بھی اُنسے یکسوہی رہنا ضروری ہے کیونکہ کیفیات پیدا ہوتی ہیں یکسوئی سے اور جب کیفیات کی ورود کی جانب توجہ رہی تو یکسوئی کہاں رہی۔

اسی لئے ذہین اور ذکی آدمی کو کیفیات نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی بھی ہیں تو بہت کم کیونکہ اسکا ذہن ہمیشہ چلتا رہتا ہے اسکو یکسوئی ہوتی نہیں اور بلا یکسوئی کے کوئی کیفیت ہوتی نہیں۔ اسی وجہ سے عاقل شخص کو کیفیات بہت کم ہوتی ہیں۔ برخلاف اسکے جن میں عقل کا مادہ کم ہوتا ہے ان کو ایسے آثار سے بہت مناسبت ہوتی ہے گو اسکا عکس لازم نہیں لیکن ایسے لوگ اپنے کام کے تو خوب ہوتے ہیں مگر دوسروں کو اُنسے فائدہ کم پہونچتا ہے۔ اھ

غرض حضرت والا طالبین کو کیفیات کی طرف التفات کرنے سے بتاکید منع فرماتے رہتے ہیں اور اگر کوئی اپنی کیفیات کی اطلاع دیتا ہے تو اکثر بس یہی فرما دیتے ہیں کہ انکی طرف التفات نہ کیا جائے اپنے کام میں لگا جائے۔ اور کام ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ رہا جائے ورنہ غیر مقاصد میں مشغول ہو کر طالب اپنے اصل کام سے بھی رہ جاتا ہے۔ اور پھر کیفیات بھی منقطع ہو جاتی ہیں کیوں کہ انکا ورود بھی تو کام ہی کی برکت سے ہوتا ہے جیسے چراغ میں روشنی اسی وقت تک رہتی ہے جب تک بتی میں تیل پہونچتا رہے۔ اور اگر تیل ہی ڈالنا چھوڑ دیا جاوے تو رفتہ رفتہ روشنی کم ہو کر چراغ گل ہو جائیگا۔ اھ

اسی مضمون کے متعلق ایک بار فرمایا کہ کشف اور احوال و مواجید وغیرہ راہ سلوک میں کوئی چیز نہیں بلکہ یہ چیزیں اکثر موانع طریق ہو جاتی ہیں انکا نہ ہونا زیادہ اچھا اور بے خطر ہے لوگ خواہ مخواہ ہوس کیا کرتے ہیں۔ اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص تو سواری گاڑی میں سفر کر رہا ہے جو ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی ہوئی دلی پہونچتی ہے اور جسکی کھڑکیاں بھی کھلی ہوئی ہیں وہ شخص خوب سیر کرتا ہوا راستہ کے مناظر دیکھتا ہوا ٹونڈلا اٹاوہ وغیرہ بیچ کے اسٹیشنوں پر ٹھہرتا اور اُترتا ہوا دلّی پہونچا۔ دوسرا اسپشل ٹرین میں سوار کھڑکیاں بند کانپور سے جو چلا تو دھڑا دھڑ سیدھا دلی میں اکا اترا اب اسکو راستہ کے مناظر کی کچھ خبر ہوئی نہ بیچ کے اسٹیشنوں کا کچھ پتہ چلا اگر وہ دوسرے شخص سے راستہ کے مناظر اور اسٹیشنوں کا حال سنکر یہ استدلال کرے کہ معلوم ہوتا ہے میں دلی پہونچا ہی نہیں کیونکہ مجھے تو راستہ میں یہ چیزیں پڑی ہی نہیں تو یہ اسکی ناشکری اور لاعلمی ہے کیونکہ وہ تو اسپشل ٹرین میں سوار ہو کر جو سواری گاڑی سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہوتی ہے چند گھنٹوں ہی میں دلی پہونچ گیا اور دوسرا شخص بہت دیر میں پہونچا کیونکہ وہ سواری گاڑی میں آیا جس کی رفتار بھی کم تھی اور راستہ میں جگہ جگہ ٹھہرتی ہوئی بھی آئی۔ بلکہ سواری گاڑی والے کے لئے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ کسی بیچ والے اسٹیشن کے نقش و نگار کو دیکھ کر وہیں نہ اُتر پڑے اور اسکو عمر بھر دلی پہونچنا ہی نصیب نہ ہو۔

اسیطرح بعضے سالکین انوار ہی کو مقصود سمجھ کر انھیں میں مشغول رہتے ہیں۔ آگے نہیں بڑھتے اس لئے

بلا کشف وکیفیات وغیرہ کے جو سلوک ہوتا ہے وہ زیادہ اسلم ہے۔ کشف وغیرہ بعض صورتوں میں نہایت خطرناک ہوتا ہے چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ حجاب نورانی حجاب ظلمانی سے بھی زیادہ اشد ہوتا ہے کیونکہ حجاب ظلمانی میں تو سالک کو اس وجہ سے کوئی دھوکہ نہیں ہوتا کیونکہ اسکا مخل مقصود ہونا بالکل ظاہر ہے بخلاف حجاب نورانی کے کہ اسکی نورانیت سے دھوکہ کھا کر سالک اسی کو مقصود سمجھنے لگتا ہے۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ باوجود اس روک تھام کے بفضلہ تعالیٰ ہر قسم کی کیفیات محمودہ کا ورود بھی حضرت والا کے یہاں طالبین پر بکثرت ہوتا رہتا ہے چنانچہ گریہ وخندہ جوش وخروش ذوق وشوق وجد وحال ہیبت وانس قبض وبسط وغیرہ سبھی قسم کے حالات متبعین پر آئے دن طاری ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ میں ایک ذاکر پر تہجد کے وقت ذکر میں اسقدر غلبۂ حال ہوتا تھا کہ سب ذاکرین پریشان ہو جاتے تھے بالآخر ایک روز حضرت والا خود شب کو خانقاہ ہی میں رہے۔ اور ذکر کے وقت اُن صاحب حال کو خود اپنے پاس بٹھایا اور جب انپر کیفیت وجد طاری ہونے لگی تو وہ اُٹھ کر بھاگے ادھر حضرت والا بھی اُنکے پیچھے پیچھے چلے اور ان کو پکڑ کر علانیہ زور سے ایک دھول رسید کی اور زور سے ڈانٹا کہ بڑا صاحب حال بنا ہے۔ بس سارا جوش وخروش تیرے ہی توحصہ میں آگیا ہے۔ دیکھ میں آج تیرا سب جوش وخروش نکالے دیتا ہوں۔ اھ

چونکہ وقعت نہ دینے سے بھی غلبۂ حال فرو ہو جاتا ہے اسلئے فوراً اُنکا سب جوش وخروش جاتا رہا اور پھر کبھی نہیں ہوا چنانچہ عرصہ کے بعد حضرت والا سے کلکتہ میں ملے تو کہا کہ اُس روز کے بعد پھر کبھی کیفیت سے مغلوب نہیں ہوا۔ اھ

لیکن حضرت والا ہر حال میں ایسا برتاؤ نہیں فرماتے بلکہ کیفیات محمودہ کے متعلق اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ وارد کو مثل نازک مزاج مہمان عزیز کے سمجھنا چاہیے اور اسکی بڑی آؤ بھگت کرنی چاہیے ورنہ وہ ادنیٰ بے التفاتی سے رخصت ہو جائیگا۔

ایک مغلوب الحال طالب جن پر حضرت والا کے استماع تلاوت وملفوظات پر سخت گریہ طاری ہو جاتا ہے ایک بار بعد نماز فجر حضرت والا کے خیال سے رونے کو بجبر روک رہے تھے اسکا حضرت والا کو احساس ہو گیا تو سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ طبیعت کو گھونٹنے کی ضرورت نہیں اگر رونے کو جی چاہے تو خوب جی بھر کر رو لو اور طبیعت ہلکی کر لو ورنہ زیادہ ضبط کرنے سے مرض لاحق ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اھ

ایک مقیم خانقاہ کے پرچۂ حالات کا جواب احقر کے ہاتھ دستی بھجوایا تو یہ تاکید فرما دی کہ دیکر فوراً وہاں سے چلا آنا چاہیے تاکہ جو کیفیت اُس جواب کو پڑھکر پیدا ہونے والی ہو اُسکے لئے کوئی مانع نہ رہے۔ ایسی حالت میں کامل آزادی دیدینی چاہیے ورنہ دوسرے کی موجودگی میں مضمون کا اثر پورا نہیں ہونے پاتا یا اگر اثر ہوتا بھی ہے تو وہ

خجلت کی وجہ سے اسکو دباتا ہے جس سے اسکو تکلیف ہوتی ہے

غرض جسکے لئے جو مناسب ہوتا ہے اُسکے ساتھ وہی معاملہ فرماتے ہیں۔ لیکن اکثر احوال میں پسند اسی کو فرماتے ہیں کہ وجد وحال جوش وخروش گریہ وزاری سبھی کچھ ہو لیکن سب اندر ہی اندر ہو باہر کچھ نہ ہو مصداق اشعار نواب مصطفے خاں صاحب شیفتہ رح ؎

؎	تو اے افسردہ جاں اہد یکے در بزم رنداں شو چہ خوش است باتو بزمے بہ نہفتہ ساز کردن		کہ بینی خندہ برلبہا وآتش پارہ در دلہا در خانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

اور چونکہ خود حضرت والا کا بھی یہی رنگ ہے اسلئے بمفحوائے ع "جمال ہمنشیں در من اثر کرد"۔ منتسبین پر بھی ببرکت صحبت اقدس رفتہ رفتہ یہی رنگ غالب ہو جاتا ہے اور احقر کے یہ شعر صادق آنے لگتے ہیں ؎

	آمدہ بودم بتو نالہ کناں آمدہ بودم بتو نعرہ زناں		مہر برلب دل بافغاں میروم دم بخود سر در گریباں میروم

حضرت والا کا ارشاد ہے کہ اس قسم کی کیفیات کے طریاں کے وقت اصل طریق عمل تو یہی ہے کہ ضبط کرے لیکن اگر غلبہ ہو اور ضبط کرنے میں تکلیف ہو تو پھر یہی مناسب ہے کہ اس کیفیت کا اتباع کرے تاکہ غلبہ فرو ہو اور جب غلبہ فرو ہو جائے اور کیفیت حد ضبط کے اندر آجائے تو پھر فوراً ضبط کرلے۔ اھ

اسپر احقر نے عرض کیا کہ حضرت والا تو بزرگوں کا یہ ارشاد نقل فرمایا کرتے ہیں کہ وارد کو مہمان عزیز سمجھے اور اسکا حق ادا کرے۔ فوراً فرمایا کہ وارد کو مہمان جبھی کہیں گے جب اس وارد کا غلبہ ہو ہاں اُسوقت تو ضرور اُسکا حق ادا کرے باقی غلبہ سے پہلے پہلے نہ وہ مہمان ہے نہ اسکا کوئی حق قائم ہوتا ہے قبل غلبہ کے اگر اسکا حق ادا کیا جائے تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی راہ چلتے مسافر کو زبردستی اپنا مہمان بنالے اور خواہ مخواہ اسکے سر ہو جائے کہ تو میرا مہمان ہے۔ آ میں تیرا حق ادا کروں۔ اھ

اس مضمون کے مناسب کہ احوال وکیفیات تو ہوں لیکن سب اندر ہی اندر ہوں باہر نہ ہوں حضرت والا کا ایک اور ملفوظ بھی یاد آیا۔

فرمایا کہ تقوے اور دینداری کا اہتمام تو بہت رکھے لیکن اپنی طرف سے حتی الامکان کوئی ایسی امتیازی صورت نہ پیدا ہونے دے جس سے شہرت ہو جائے۔ جب لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہو کبھی کبھی کسیقدر ہنس بول بھی لے تاکہ لوگوں کو خواہ مخواہ بزرگی کا گمان نہ ہو لیکن ہنسنے بولنے کی کثرت ہرگز نہ کرے کیونکہ کثرت سے ہنسنا بولنا مضر ہے چنانچہ زیادہ ہنسنے کے متعلق حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ایاك وكثرة الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب اپنے آپ کو زیادہ ہنسنے سے بچاؤ کیونکہ ہنسنے کی کثرت قلب کو مردہ کر دیتی ہے۔ اھ

اور بولنے کی کثرت کے متعلق حضرت عطارؒ فرماتے ہیں ؎

دل ز پُر گفتن بمیرد در بدن	گرچہ گفتارت بود دُرِّ عدن

دائمی جب چاہو تجربہ کر لو زیادہ بولنے سے دل بے رونق ہو جاتا ہے جیسے اگر ہانڈی میں اُبال آئے اور اسکی ڈک تھام نہ کی جائے تو بس سارا مصالحہ نکل جائیگا اور ہانڈی پھیکی رہ جائے گی۔ اگر اچھی اچھی باتیں بھی بلاضرورت کی جائیں تو انکا بھی یہی اثر ہوتا ہے۔ اھ

پھر فرمایا کہ عموماً تو کلام کی تین قسمیں سمجھی جاتی ہیں۔ ایک نافع ایک مضر ایک فضول یعنی نہ نافع نہ مضر لیکن باعتبار مآل کے میرے نزدیک صرف دو ہی قسمیں ہیں نافع اور مضر کیونکہ جو کلام نہ نافع ہو نہ مضر وہ بھی آخر میں مضر ہی ثابت ہوتا ہے۔ جو شخص فضولیات میں مشغول ہوگا عادۃً وہ ضروریات میں ضرور کوتاہی کریگا۔ اور صرف ہنسنا بولنا ہی نہیں بلکہ جتنے بھی مباحات ہیں اُن سب کی کثرت مضر ہے۔ لیکن اگر کثرت نہ ہو بلکہ مباحات میں اعتدال کے ساتھ اشتغال ہو تو پھر وہ بجائے مضر ہونے کے نافع ہیں بخصوص جب وہ اشتغال کسی مصلحت پر مبنی ہو۔ کیونکہ اس اشتغال سے طبیعت میں نشاط ہوتا ہے اور نشاط سے طاعات میں اعانت وسہولت ہو جاتی ہے۔

جس وقت مباحات کے اشتغال سے قلب کے اندر کدورت پیدا ہونے لگے تو سمجھ لے کہ اب مضرت کا درجہ پہونچ گیا ہے فوراً الگ ہو جائے لیکن یہ معیار اُسی کے لئے ہے جسکے قلب کے اندر صحبت شیخ اور التزام واہتمام ذکر وطاعت سے احساس پیدا ہو گیا ہو باقی مبتدی اپنے لئے بطور خود کچھ تجویز نہ کرے بلکہ شیخ سے اپنی ہر حالت کی فرداً فرداً اطلاع کر کے ہر حالت کے متعلق جزئی طور پر طریق عمل دریافت کرتا رہے اور جس حالت کے متعلق جو طریق عمل وہ تجویز کرے اُسی پر کاربند رہے۔ اھ

غرض حضرت والا کو اسکا بڑا اہتمام رہتا ہے کہ طالبین کیفیات کو اُنکے درجہ سے آگے نہ بڑھانے پائیں۔ ورنہ بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت والا ایک خلوت نشیں درویش کا ایک قول نہایت افسوس کیساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں جنھوں نے حضرت والا کے ایک خادم سے جوان کو بزرگ سمجھ کر حاضر خدمت ہوا کرتے تھے معمولات پوچھ کر پوچھا کہ کچھ نظر بھی آتا ہے اُنھوں نے کہا کچھ بھی نہیں تو کہنے لگے پھر کیا فائدہ۔ بس خالی ثواب لئے جاؤ۔ حضرت والا اس قول کو نقل کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے یہ سنکر نہایت افسوس اور تعجب ہوا کہ انھوں نے ثواب کو جو روح ہے سارے اعمال کی ایسا خفیف سمجھا۔ اھ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اتنی خلوت بھی مضر ہے کہ محققین سے بھی ملنا جلنا چھوڑ دے ایسی ہی خلوت کے بارہ میں تو شیخ سعدی رحؒ فرماتے ہیں ؎

خیالات نادان خلوت نشیں	بہم بر زند عاقبت کفر و دیں

پھر فرمایا کہ کیفیات کو اُنکی درجہ سے بڑھانے میں یہ خرابیاں ہیں اُنکا درجہ تو بس ایسا ہے جیسے شرع میں

بچوں کو پڑھنے کا شوق دلانے کے لئے مٹھائی دیتے ہیں یہی مراد ہے حضرت جنید رح کے اس قول سے تلک خیالات تربی بہا اطفال الطریقہ۔ تو بعض مبتدیوں کو جو اطفال طریق ہیں راہ پر لگانے کے لئے ذوق و شوق وغیرہ کی کیفیات عطا فرما دی جاتی ہیں۔ اھ

حضرت والا تو اس کیفیت کے متعلق بھی جو ساری کیفیات سے افضل ہے یعنی رسوخ ایک عالی مرتبت اہل علم کو تحریر فرماتے ہیں کہ رسوخ کی طرف التفات نہ فرمایا جائے رسوخ سے مقصود عمل ہے عمل سے رسوخ مقصود نہیں اگر عمل بلا رسوخ ہوتا ہے مقصود حاصل ہے۔ اھ

سبحان اللہ سبحان اللہ حضرت والا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے حقائق طریق واضح فرمائے ہیں اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کو کیسی کیسی غلطیوں سے نکالکر طریق سنت سنیہ پر ڈالا ہے جو اس زمانہ میں مسدود بلکہ قریب قریب مفقود ہی ہو چکا تھا بالخصوص مشائخ میں ف استفسار پر حضرت والا نے رسوخ اور استقامت میں یہ فرق فرمایا کہ رسوخ حال ہے اور استقامت مقام۔ رسوخ اصلاح کا طبعی درجہ ہے جو ایک کیفیت غیر اختیاری ہے اور استقامت اسکا عقلی درجہ ہے جو اختیاری ہے استقامت مقصود ہے رسوخ مقصود نہیں گو محمود ہے۔ اھ

ایمان اور اعمال کے عقلی اور طبعی درجہ کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ عقلی درجہ افضل ہے کیونکہ وہ ادوم ہے اور روحانیت سے ناشی ہوتا ہے اور پھر یہ بھی نہیں کہ عقلی درجہ طبعی درجہ سے بالکل ہی خالی رہو اسمیں بقدر ضرورت طبعی درجہ بھی ہوتا ہے کیونکہ محض عقلی درجہ صدور اعمال کے لئے عادۃً کافی نہیں اسی طرح طبعی درجہ میں بھی کچھ نہ کچھ عقلی درجہ بھی ضرور ہوتا ہے۔ غرض دونوں درجوں میں عقل اور طبیعت دونوں چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے لیکن غالب اور مغلوب کے تفاوت سے اثر اور حکم میں فرق ہو جاتا ہے۔ اھ

خلاصہ ان سب تقریرات کا یہ ہے کہ حضرت والا کیفیات کی نہ تو بالکل نفی فرماتے ہیں نہ انکو اُن کے درجہ سے بڑھاتے ہیں۔ بلکہ طالبین کو یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ کیفیات محمودہ کو محمود سمجھ کر شکر تو کریں لیکن مقصود اور کمال اور لازم طریق یا لازم بزرگی نہ سمجھیں۔

حضرت والا بعض موقعوں میں جہاں کوئی مصلحت مانع نہیں ہوتی۔ دل بڑھانے کے لئے کیفیات محمودہ پر مبارکباد بھی دیتے ہیں لیکن سالکین کی ہر کیفیت کو کیفیت باطنہ ہی نہیں سمجھ لیتے بلکہ لطیفہ کے طور پر فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں وہ سب باطنی ہی نہیں ہوتیں بلکہ بطنی بھی ہوتی ہیں جو پیٹ کی خرابی اور معدہ کی تبخیر وغیرہ سے پیدا ہو جاتی ہیں چنانچہ اگر کوئی طالب اپنی کسی خاص کیفیت کی اطلاع دیتا ہے تو جہاں قرائن سے شبہہ پیدا ہو جاتا ہے وہاں حضرت والا یہ ہدایت فرماتے ہیں کہ کسی طبیب حاذق سے رجوع کر کے تشخیص کرا کر

تمکو کوئی مرض مثلاً ضعف قلب خشکی دماغ تبخیر وغیرہ تو نہیں اور ایسی صورتوں میں اکثر حضرت والا کا شبہ صحیح ہی نکلتا ہے اور اس کیفیت کا منشاء کوئی مرض ہی ثابت ہوتا ہے۔ ایسوں کو حضرت والا طبیب جسمانی سے رجوع کرنے کے لئے ہدایت فرمادیتے ہیں۔ اور ضرب وجہر بالکل چھوڑ وا دیتے ہیں۔

بعض مشائخ نے اپنے متعلقین کے دماغی تخیلات کو کیفیات باطنہ سمجھ لیا اسپر فرمایا کہ شیخ کو طب سے بھی اتنی مناسبت ہونا ضروری ہے کہ وہ خیالات کو حالات نہ سمجھ لے۔

(۷) حضرت والا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو نہایت تاکید اور اہتمام کے ساتھ نقل فرمایا کرتے ہیں کہ حب شیخ اور اتباع سنت کے ہوتے ہوئے اگر لاکھ ظلمات بھی ہوں تو وہ سب انوار ہیں اور اگر انمیں سے ایک چیز بھی کم ہو تو پھر لاکھ انوار ہوں وہ سب ظلمات ہیں۔ اھ

حضرت والا حضرت حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کو بھی بکثرت فرمایا کرتے ہیں ؎

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست		بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست	

لیکن یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اسمیں دو قیدیں ہیں ایک آید کی ایک صراط مستقیم کی پہلی قید کا حاصل تو یہ ہے کہ وہ حالت آئی ہوئی ہو لائی ہوئی نہ ہو یعنی غیر اختیاری ہو اختیاری نہ ہو کیونکہ اس شعر میں آید ہے آرد نہیں ہے، اور آید کی کوئی فرد مذموم نہیں خواہ بظاہر کتنی ہی بُری معلوم ہوتی ہو۔ کیونکہ غیر اختیاری ہے البتہ آردمیں دو قسمیں ہیں محمود اور مذموم۔ یہ تو پہلی قید کے متعلق تفصیل ہے اور دوسری قید یہ ہے کہ صراط مستقیم پر ہو تو حاصل شعر کا یہ ہوا کہ اگر سالک صراط مستقیم پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے تو پھر اُسپر جو بھی کیفیت غیر اختیاری طاری ہو خوشگوار یا ناگوار وہ سالک کے حق میں خیر ہی ہوتی ہے۔ اھ

(۸) حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر وطاعت میں بہ تکلف مشغول رہنا چاہیئے نہ سُہولت کا متمنی رہے نہ یہ دیکھے کہ مجھے کچھ نفع ہو رہا ہے یا نہیں۔ ذکر وطاعت میں مشغول رہنا ہی اصل مقصود اور اصل نفع ہے۔ اھ

ایک طالب کو تحریر فرمایا کہ مقصود کے حصُول کا قلب میں تقاضا اور انتظار نہ رکھیں کہ یہ بھی حجاب ہے کیونکہ اس سے تشویش ہوتی ہے اور تشویش برہم زن جمعیت و تفویض ہے اور جمعیت و تفویض ہی وصول کی شرط عادی ہے۔ اسکو خوب راسخ کرلیں کہ یہ رُوح سُلوک ہے۔ اھ

یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر وطاعت میں مشغول ہونے کے لئے دلچسپی اور سُہولت کا منتظر نہ رہے بلکہ بتکلف عمل شروع کردے پھر اُسی سے رفتہ رفتہ سہولت بھی ہونے لگتی ہے اور دلچسپی بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ اھ

اسی مضمون کو ایک بار اس عنوان سے فرمایا کہ لوگ تو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ جب دلچسپی پیدا ہو تب کام شروع کریں اللہ دلچسپی اس انتظار میں رہتی ہے کہ جب کام شروع ہو جائے تب میں پیدا ہوں۔ اھ

ایک بار فرمایا کہ ذکر میں چاہے جی لگے یا نہ لگے لیکن برابر کئے جاؤ۔ رفتہ رفتہ اسکی ایسی عادت پڑجاتی ہے کہ پھر بلا اسکے چین ہی نہیں پڑتا جیسے شروع شروع میں حقہ پینے سے گھمیر بھی آتی ہے متلی بھی ہوتی ہے بلکہ قے بھی ہوجاتی ہے لیکن پھر پیتے پیتے ایسی چاٹ لگ جاتی ہے کہ چاہے کھانا نہ ملے لیکن حقہ کے دو کش ملجاویں۔ ایک بار فرمایا کہ نفع تو شروع ہی سے ہونے لگتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا جیسے بچہ رُوز کچھ نہ کچھ ضرور بڑھتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ آج اتنا بڑھا کل اتنا بڑھا البتہ ایک معتد بہ مدت گذر جانے کے بعد اسکی پچھلی حالت کو خیال میں لاکر موازنہ کیا جاوے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہو یہی حال ذکر کا ہے کہ شروع میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کچھ بھی نفع نہیں ہورہا حالانکہ در اصل نفع برابر ہورہا ہے۔ ایک معتد بہ مدت گذر جانے کے بعد اپنی پچھلی حالت کو ذہن میں مستحضر کر کے اُس سے حالت موجودہ کا موازنہ کرے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ اھ

بچہ کی مثال پر ایک اور ملفوظ یاد آیا جو حضرت والا نے خود احقر سے فرمایا تھا۔ ذکر شغل شروع کر کے کچھ عرصہ کے بعد احقر نے عرض کیا کہ جیسا جی چاہتا ہے ویسا نفع نہیں ہوتا فوراً نہایت تسلی آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اگر کوئی چاہے کہ میرا بچہ آج ہی دس برس کا ہوجائے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ دس برس کا تو دس برس کے بعد ہی ہوگا۔ اھ

ایک صاحب نے لکھا تھا کہ کچھ نفع نہیں معلوم ہوتا فرمایا کہ اسوقت کے ذکر کو بیکار نہ سمجھا جاوے یہ سب جمع ہورہا ہے اور انشاء اللہ عنقریب سب کھل پڑیگا۔ ایک بار فرمایا کہ پتھر پر پہلے اول قطرہ گرتا ہے پھر دوسرا پھر تیسرا یہاں تک کہ پانی گرتے گرتے اسمیں گڑھا پیدا ہوجاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ صرف اخیر قطرہ نے وہ گڑھا کردیا۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ گڑھا نتیجہ ہے قطروں کی مجموعی تعداد کا۔ گڑھا کرنے میں اول قطرہ کو بھی ویسا ہی دخل ہے جیسا کہ اخیر قطرہ کو اول قطرہ کو ہرگز بے اثر نہ سمجھنا چاہیئے گو بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اسیطرح اول روز کا ذکر جسکو بے ثمرہ سمجھا جاتا ہے ہرگز بے ثمرہ نہیں اخیر میں جو حالت خاص پیدا ہوگی اسمیں اول روز کے ذکر کو بھی اتنا ہی دخل ہوگا جتنا کہ اخیر روز کے ذکر کو یہ نہیں ہے کہ صرف اخیر روز کا ذکر اس حالت کو پیدا کردیتا ہے بلکہ ایک مجموعی تعداد مقرر تھی کہ اتنے دن بعد یہ کیفیت پیدا ہوگی جب وہ تعداد پوری ہوگئی وہ کیفیت ظہور پذیر ہوگئی۔ ہر ہر دن کے ذکر کو اسکے پیدا کرنے میں یکساں دخل ہے یا جیسے کہ ایک شخص کوئی مقوی معجون یا ماء اللحم کھاتا ہے یہاں تک کہ ایک معتد بہ مدت کے استعمال کے بعد وہ سُرخ و سپید ہوجاتا ہے تو کیا صرف اخیر خوراک نے اسکو سرخ و سپید بنادیا۔ ہرگز نہیں بلکہ اتنے دنوں کی خوراکوں کی مجموعی تعداد نے اسکی یہ حالت کردی ہے یہ نادانی ہے کہ اول خوراک کو بے اثر سمجھا جاوے۔ اھ

کام میں لگے رہنے کی تاکید کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں کا ارشاد ہے لاوا دولمن لاورد لہ

بلکہ یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر ذکر کی بھی توفیق نہ ہو تو کم از کم عزم ذکر اور حسرت ذکر تو ہو۔ اھ

غرض اس طریق میں یہ دو چیزیں نہایت ضروری ہیں دھن اور دھیان۔ عزم ذکر اور حسرت ذکر کے بھی نافع ہونے کے متعلق ایک طالب کو جنھوں نے اپنی ناکارگی کی طویل داستان لکھی تھی یہ تحریر فرمایا مقصود تو مقصود کا مشاہدہ ہے اور اسکا طریق مجاہدہ مگر جب تک اسمیں کمی رہے تو اس مشاہدۂ مقصود کا مقدمہ عدم مجاہدہ کا مشاہدہ ہے جس سے انشاءاللہ تعالیٰ مجاہدہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ پھر اُس سے مقصود کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جو کہ مقصود ہے۔ اسی ترتیب کا سلسلہ شروع ہے جو انشاءاللہ تعالیٰ تدریجاً بخیر و خوبی ختم اور مکمل بھی ہو جاوے گا لگا رہنا چاہیئے اگر کام میں کوتاہی ہو جاوے اس نہ لگے رہنے کے مشاہدہ میں لگا رہنا چاہیے۔ انشاءاللہ تعالیٰ حرماں نہ ہوگا میں بھی دعا کرتا ہوں اھ

غرض حضرت والا استقلال کے ساتھ بہ تکلف کام میں لگے رہنے کی طالبین کو بہت ہی تاکید فرماتے رہتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ کام ہی سے کامیابی ہوتی ہے اس طریق میں کام کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوتا کیونکہ وعدہ ہے مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ اھ

ایک بار اس مضمون میں ایک یہ ضروری قید بھی لگائی کہ جب کسی شیخ کے واسطہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل کر کے ذکر و شغل کیا جاتا ہے تب کامیابی ہوتی ہے۔ اھ

اسپر احقر نے عرض کیا کہ ذکر و شغل تو ایسی چیز ہے کہ اُسی سے کام بن جایا کرتا۔ شیخ کے واسطہ کی حاجت نہوا کرتی۔ فرمایا کہ دراصل تو کام ذکر و شغل ہی بنتا ہے لیکن شیخ کا واسطہ بھی ضروری ہے جیسے کاٹ تو تلوار ہی کرتی ہے لیکن اسکا کسی کے قبضہ میں ہونا شرط ہے۔ اھ

حضرت والا صحبت شیخ کی نافعیت اور ضرورت پر اکثر بہت طویل طویل اور پرزور تقریریں فرمایا کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کے پاس رہکر جیسی اصلاح ہوتی ہے دور سے نہیں ہوتی۔ جیسے طبیب کے پاس رہکر جیسا معالجہ ہو سکتا ہے دُور سے نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں طالب شیخ کے پاس رہکر دزدیدہ طور پر اُسکے اخلاق و عبادات کو اخذ اور کمالات کو جذب کرتا رہتا ہے اور اسطرح روز بروز اُسپر شیخ کا رنگ چڑھتا چلا جاتا ہے جیسے مثل مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔

نیز صحبت شیخ میں بدون معتدبہ مدت تک رہے شیخ سے مناسبت نہیں پیدا ہوتی اور شیخ کی مناسبت ہی اس طریق میں نفع کی عادۃً موقوف علیہ ہے۔ اھ

چنانچہ ایک طالب جن کو حاضری خدمت کی شاید ایک بار ہی توفیق ہوئی تھی برسوں حضرت والا سے خط و کتابت کرتے رہے اور اسی کو کافی سمجھتے رہے لیکن ایک مصیبت کے موقع پر باوجود بظاہر بہت متصلب فی الدین ہونے کے اُن کے عقائد تک میں تزلزل واقع ہو گیا۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من الحور بعد الکور۔ حضرت والا نے ان کے حالات سنکر

یہی فرمایا کہ بدون پاس رہے جسکو مناسبت کہتے ہیں وہ پیدا نہیں ہوتی۔ اور جب اُنھوں نے حضرت والا سے مسائل دینیہ کے متعلق اپنے شبہات لکھ کر اُن کا جواب چاہا تو یہی تحریر فرمادیا کہ اگر کوئی ایسا مرض جسمانی ہو جائے جسکے علاج کے لئے طبیب کے پاس رہنے کی ضرورت ہو تو ایسی حالت میں کیا تجویز کیا جائیگا۔ اھ

اس سے حضرت والا کا یہی مقصود تھا کہ پاس رہنے کی ضرورت ہے لیکن بمصلحت بعنوان استغنا تحریر فرمایا حضرت والا حب شیخ کے متعلق جو مناسبت کاملہ ہی کی مرادف ہے یہ فرمایا کرتے ہیں کہ حب شیخ کلید کامیابی اور کلید جملہ سعادات و برکات ہے۔ اھ

لیکن حُبِ شیخ کو اپنے منتسبین میں حد سے ہرگز متجاوز نہیں ہونے دیتے نیز حُبِ عقلی یعنی اطاعت و اتباع کو بالکل کافی ووافی قرار دیتے ہیں کیونکہ حُبِ طبعی اختیاری نہیں اور عبد غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں چنانچہ مثالاً ایک طالب کا خط حسن العزیز جلد اول مکتوبات نمبر ۸۵ سے اس جگہ ملخصاً نقل کیا جاتا ہے۔

(مضمون) درگاہ باری تعالیٰ میں دست بدعا ہوتا ہوں کہ حضور کی محبت میرے قلب میں پیدا ہو جاوے لیکن ذرہ برابر بھی محبت قلب میں نہیں پیدا ہوتی اور اسکی وجہ سے طبیعت بیچین ہو جاتی ہے۔

(جواب) محبت کے الوان مختلف ہیں ایک لون یہ بھی ہے جو آپ کو حاصل ہے اسکی ایک صریح علامت یہی ہے کہ اسکی کمی کے احتمال سے آپ کو بیچینی ہوتی ہے۔ اھ

(مضمون) اکثر حضور کا تصور کر کے اور حضور کو اپنی طرف متوجہ کر کے یہ شعر بڑے ذوق و شوق سے پڑھتا ہوں ؎

تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من	پیادہ میروم و ہمرہاں سوار انند

(جواب) اسکی اصلاح ضرورت نہیں۔

(مضمون) اور تھوڑی دیر تک تو حضور کا تصور رہتا ہے بعد اسکے حضور کا تصور ٹوٹ جاتا ہے اور حق تعالےٰ کی طرف ایک خاص طریق پر توجہ اور کشش محسوس ہونے لگتی ہے۔

(جواب) سبحان اللہ یہ توجہ الی اللہ تو اصل مقصود ہے اور شیخ کی محبت اسی مقصود کا ذریعہ ہے۔ پس اگر کسی کو خدا تعالیٰ یہ مقصود نصیب کر دے اور شیخ سے ذرا بھی متعارف محبت نہ ہو مگر اطاعت اور اتباع ہو تو وہ شخص سرتاسر حق پر فائز ہے۔ ۲۱۔ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

اسیطرح ایک خلیفۂ مجاز نے عدم مناسبت کی شکایت لکھی تھی اُن کا خط بھی مع حضرت والا کے جواب باصواب کے تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

(حال) حضور والا کے علوم و معارف کی فراوانی اور اپنی کم لیاقتی کو دیکھتا ہوں تو اکثر مایوسی کی کیفیت

ہونے لگتی ہے اسکا رنج اب اکثر رہتا ہے کہ حضور سے مناسبت پیدا نہیں ہوئی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔
(تحقیق) یہ بھی مناسبت ہے کہ عدم مناسبت کا علم ہو جاوے آخر عبد کو حق تعالیٰ سے نسبت ہوتی ہے یا نہیں حالانکہ واجب اور ممکن میں کیا مناسبت مگر وہاں یہی مناسبت ہے کہ انکی عظمت اپنی ذلت کا علم ہو جاوے اسی عدم مناسبت لغویہ کے علم کو مناسبت اصطلاحیہ کہا جاتا ہے باقی اس سے آگے "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" بفتح اللام چہ جائے عالم پاک بکسر اللام۔
(حال) جو کچھ دل میں ہے اسکے اظہار کی پوری قدرت بھی نہیں۔
(تحقیق) یہ بھی اسی عدم مناسبت مسمّٰی بہ مناسبت کی فرع ہے۔
ف۔ یہ غیر اختیاری مناسبت بالشیخ کے متعلق تحقیق ہے۔ رہی اختیاری مناسبت اس کی تحصیل ضروری ہے۔
نیز حضرت والا بلا ضرورت قصداً تصور شیخ کرنے سے بوجہ انضمام مفاسد منع فرماتے ہیں لیکن اگر بلا قصد تصور بندھ جائے تو اسکو بہ تکلف دفع نہیں کراتے بلکہ نافع بتاتے ہیں۔
غرض حضرت والا کے یہاں کسی امر میں نہ افراط ہے نہ تفریط اور محقق کی یہی شان ہوا کرتی ہے۔
صحبت شیخ کی نافعیت بیان فرماتے وقت حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ صحبت شیخ جبھی نافع ہوتی ہے جب شیخ کے بتائے ہوئے ذکر و شغل میں بھی مشغول رہے۔ بعضے لوگ بزرگوں سے تو ہمیشہ ملے جلے رہتے ہیں لیکن خود کچھ کرتے دھرتے نہیں ان کو کچھ حاصل نہیں ہوتا ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔ اور بعضے زیادہ وقت تو صحبت شیخ میں گذار دیتے ہیں اور تھوڑا سا وقت نکالکر کچھ الٹا سیدھا ذکر و شغل بھی کر لیتے ہیں یہ بھی کافی نہیں۔ غالب حصہ ذکر و شغل کا ہونا چاہئے تب صحبت شیخ نافع ہوتی ہے۔ اھ۔ حضرت والا مقدار ذکر کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ نہ اتنی زیادہ مقدار ہو کہ بہت تعب ہو اور نہ اتنی کم کہ کچھ تعب ہی نہ ہو بلکہ اتنی مقدار ہونی چاہئے جسمیں تعب تو ہو لیکن جسکی مداومت قابل تحمل ہو۔ کیونکہ تھوڑا تعب ہونا بھی نفع کے لئے ضروری ہے تاکہ نفس کو کسی قدر مجاہدہ بھی کرنا پڑے۔ اھ
مقدار ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے ذمہ تو صرف اتنی ہی مقدار رکھے جسپر دوام ہو سکے باقی جب فرصت اور نشاط دیکھے تو زیادہ کرلے۔ اسمیں یہ مصلحت ہے کہ ناغہ کی بے برکتی اور قلق سے حفاظت رہیگی اور یہ دونوں چیزیں مضر ہیں اور جب کبھی زیادہ کی توفیق ہوگی تو مسرت ہوگی اور ہمت بڑھیگی۔ اھ
یہ تو کمیت ذکر کے متعلق ارشادات ہیں اور کیفیت کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ جس طرز میں زیادہ دلچسپی ہو وہی اختیار کرے کیونکہ وہی طرز زیادہ نافع ہوتا ہے جسمیں زیادہ دل لگے۔ لیکن اسکا خاص خیال رکھے کہ قلب میں ورد کے جلدی پورا کرنے کا تقاضا نہ پیدا ہونے دے اگر کسی کا طرز ہی روانی کے ساتھ ذکر کرنے کا ہو تو اسکا مضائقہ نہیں

باقی طبیعت میں یہ تقاضا نہ ہونا چاہئے کہ کسیطرح جلدی ختم کیا جاوے۔ اھ

اس مضمون کے متعلق ایک مکتوب صد پند اشرف میں بھی نقل کیا جا چکا ہے بمناسبت مقام مکرر نقل کیا جاتا ہے

ایک مبتدی طالب نے لکھا کہ حضور سے دُور ہوں اذکار صحیح طریقہ سے کیونکر ادا کروں اھ۔ جواب تحریر فرمایا کہ یہ معلوم کرنا کیا مشکل ہے قلب اور زبان دونوں کو شریک رکھنا یہی طریق صحیح ہے۔ اھ

انھیں طالب نے یہ بھی درخواست کی تھی کہ اپنے فلاں مجاز سے فرما دیں کہ مجھے دوایک مرتبہ دوازدہ تسبیح کا ورد کرا دیں۔ اھ

اسکا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اسکی حاجت نہیں یہ قیود غیر مقصود ہیں مقصود صرف ذکر ہے اگر کوئی نہایت ناموزوں رفتار سے چلتا ہو اور دوسرا غیر موزوں سے تو اصل مقصود منزل پر پہونچنا ہے جو دونوں رفتار سے حاصل ہو جاتا ہو آگے رہی موزونیت اسمیں اور مصالح زایدہ ہیں جنپر منزل کی رسائی موقوف نہیں اھ

حضرت والا قیود ذکر کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس زمانہ کی طبائع چونکہ ضعیف ہیں اسلئے اکثر یہ قیود موجب تشویش و تشتت ہو جاتی ہیں۔ لہذا انکے اہتمام میں نہ پڑے۔ اسیطرح لطائف ستہ کی فکر میں بھی نہ پڑے کہ یہ بھی موجب تشویش ہے۔ اصل چیز لطیفۂ قلب ہے بس ساری توجہ اسی پر رکھے۔ اسکے نورانی ہو جانے سے اور لطائف بھی خود بخود نورانی ہو جاتے ہیں ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کا یہی طریق تھا جو اس حدیث سے مؤید ہے ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الاوھی القلب۔ اھ

حضرت والا کو ایک طالب نے لکھا کہ میں لطائف ستہ کے جاری کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جواب تحریر فرمایا کہ حقائق مقصود ہیں لطائف مقصود نہیں۔ اھ

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ ذکر کے دوران میں اگر بسہولت ہو سکے تو مذکور کی طرف ورنہ ذکر کی طرف توجہ رکھے اور احقر کو ابتدا میں یہ مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ گویا زبان کے ساتھ ساتھ قلب سے بھی کلمات ذکر نکل رہے ہیں اور وہ بھی میرے ساتھ شریک ذکر ہے۔ اھ

جہاں تک احقر کو یاد ہے ایک مبتدی طالب کو دوران ذکر میں یہ مراقبہ بھی تعلیم فرمایا تھا کہ گویا بیت اللہ شریف میرے سامنے ہے۔

اسیطرح دوران ورد درود شریف کے لئے یہ مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ گویا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے مواجہ میں درود شریف پڑھ رہا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو رہے ہیں۔

غرض جس طالب کی جیسی استعداد اور دلچسپی دیکھتے ہیں توجہ قایم رکھنے کا ویسا ہی طریقہ اسکو تعلیم فرما دیتے ہیں اور اگر بسہولت ہو سکے تو تصور ذات حق کو سارے مراقبات سے افضل و انفع بلکہ اصل مقصود قرار دیتے ہیں لیکن ہر صورت

بس اسکی تاکید فرماتے رہتے ہیں کہ توجہ واستحضار میں زیادہ کاوش نہ کیجاوے ورنہ قلب ودماغ ماؤف ہوجائیں گے اور یکسوئی فوت ہوجائے گی۔ زیادہ کاوش سے تعب اور پریشانی ہوتی ہے جس سے نفع بند ہوجاتا ہے بس معتدل توجہ ہی کافی ہے۔ اسی سے شدہ شدہ ملکہ تامہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اور توجہ کامل کی توفیق ہونے لگتی ہے۔ غرض زیادہ کاوش مضر ہے بس اتنی توجہ کافی ہے جیسے کچا حافظ سوچ سوچکر قرآن سناتا ہے۔ اھ

حضرت والا ذکر کے نافع ہونے کی ایک یہ بھی نہایت ضروری شرط بڑے اہتمام سے بیان فرمایا کرتے ہیں کہ خالی الذہن ہوکر محض تعداد ہی پوری کرنے کی نیت سے نہ کرے بلکہ اس نیت سے کرے کہ مجھے اس سے نفع اور برکت حاصل ہو اور برابر یہی نیت رکھے لیکن نفع کے حصول کی نگرانی اور انتظار میں نہ رہے کہ یہ موجب تشویش ہونیکے سبب مضر ہے۔ لوگ جو اکثر برکات ذکر سے محروم رہتے ہیں اسکی یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے کہ نفع اور برکت کی نیت سے ذکر نہیں کرتے۔ اھ

حضرت والا نے اس مضمون پر اپنے وعظ طریق القلندر میں بھی بہت زور دیا ہے جسکا ضروری اقتباس ایک موقع پر اوراق ماسبق میں ہدیۂ ناظرین کیا جاچکا ہے اسکا بھی خلاصہ یہی ہے کہ اعمال سے جو محبت حق پیدا نہیں ہوتی اسکا سبب یہ ہے کہ محبت حق کی نیت سے اعمال نہیں کئے جاتے۔ خالی الذہن ہوکر کئے جاتے ہیں۔ اھ

حضرت والا ذکر میں خفیف جہر وضرب تعلیم فرمایا کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمادیتے ہیں کہ اگر بعد کو جوش میں آواز بلند ہونے لگے تو بلند ہونے دے طبیعت کو گھونٹنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر سونے والوں یا مصلیوں کو تکلیف یا تشویش ہو تو بالکل خفی کی تاکید فرماتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں جہر جائز ہی نہیں۔ چنانچہ ایک صاحب کو جو اتنی بلند آواز سے تہجد کے وقت ذکر کرتے تھے کہ محلہ میں دور تک آواز پہونچتی تھی اتنے جہر سے بتاکید ممانعت فرمادی۔ اسیطرح ایک بوڑھے طالب نے لکھا کہ کچھ تو سونے والوں کی وجہ سے اور کچھ رفع تکان کے سبب سے چند روز سے بجائے ذکر جہر کے ذکر خفی کرلیا کرتا ہوں کوئی حرج تو نہیں جواب تحریر فرمایا کہ نہیں بلکہ افضل وانفع ہے۔ اھ

لیکن حضرت والا محض ذکر قلبی پر اکتفا نہیں فرماتے کیونکہ اسمیں اکثر ذہول ہوجاتا ہے اور طالب اسی دھوکہ میں رہتا ہے کہ میں ذکر قلبی میں مشغول ہوں چنانچہ ایک طالب کو جنھوں نے ذکر قلبی سے اپنی دلچسپی کا حال لکھا تھا تحریر فرمایا کہ محض ذکر قلبی پر اکتفا نہ کیا جائے ذکر لسانی بھی اسکے ساتھ ضروری ہے خواہ قلبی میں اس سے کچھ کمی ہی ہوجائے۔ اھ

حضرت والا اسکا راز یہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر ذکر قلبی کے ساتھ ذکر لسانی بھی ہو تو اسمیں یہ مصلحت ہے کہ اگر کبھی ذکر قلبی سے ذہول ہوگیا جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے اور قلب ذاکر نہ رہا تو کم از کم زبان تو ذاکر اور مشغول عبادت رہیگی۔ بخلاف نرے ذکر قلبی کی حالت کے کہ اگر اس صورت میں ذہول ہوا تو نہ قلب ذاکر رہیگا نہ زبان کیونکہ زبان تو پہلے ہی سے غیر ذاکر ہے اور اب قلب بھی ذاکر نہیں رہا غرض غفلت محضہ میں وقت گذریگا اور ذاکر کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اھ

حضرت والا اذکار تجویز کرنے کے قبل اکثر طالب کے موجودہ معمولات بھی دریافت فرما لیتے ہیں اور اگر ان میں کوئی معمول عملاً یا اعتقاداً خلاف شرع ہوتا ہے تو اسکو چھوڑوا دیتے ہیں لیکن بقیہ کو زیادہ تر بدستور رکھتے ہیں کیونکہ فرمایا کرتے ہیں کہ خیر العمل ما دیم علیہ۔ مداومت سے اوراد میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔اھ

چنانچہ ایک بار احقر نے کم فرصتی کے زمانہ میں پانچوں نمازوں کے بعد کے جو مختصر مختصر اوراد ہیں اُنکے ترک کو پوچھا تو فرمایا کہ نہیں انھیں نہ چھوڑئے وہ بڑی برکت کے اوراد ہیں۔ اُنھیں مختصر سمجھ کر معمولی نہ سمجھئے۔اھ

علاوہ برکت کے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جن اوراد پر پہلے سے مداومت ہو اُن سے طالب کو دلچسپی بھی ہوتی ہے۔ اور دلچسپی کی وجہ سے وہ سہولت اور جمعیت کے ساتھ اُن پر مداومت رکھ سکتا ہے جس سے بہت نفع ہوتا ہے بہ نسبت نئے اوراد کے۔ لہٰذا انھیں کو برقرار رکھنا مصلحت ہے لیکن اگر پچھلے اوراد اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ اگر ان سب کو برقرار رکھا جائے تو اذکار واشغال معمولہ مشائخ کے لئے جو رسوخ ذکر کے لئے زیادہ معین ہیں وقت ہی نہیں بچتا تو بجائے بعض کو بالکل حذف کرانے کے انکی مقدار میں بضرورت کمی کرا دیتا ہوں اور کمی کا معیار بفحوائے آیۂ کریمہ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا یہ تجویز کر رکھا ہے کہ دسواں حصہ باقی رکھتا ہوں تاکہ کم از کم اصل ثواب تو بدستور قائم رہے بالکل حذف کرانے کو جی نہیں چاہتا۔

جس طالب کو جس حالت اور جس زمانہ میں جس ذکر سے مناسبت اور دلچسپی ہوتی ہے اسکے لئے اُسوقت حضرت والا وہی تجویز فرماتے ہیں اور ہر طالب کے لئے اُسی ذکر کو افضل سمجھتے ہیں جو اسکے لئے باعتبار خصوصیت حالت انفع ہو چنانچہ ایک صاحب کو بجائے اذکار کے کثرت تلاوت تجویز فرمائی تو وہ بہت مسرور ہوئے اور عرض کیا کہ مجھکو تو تلاوت سے عشق ہے۔ اسی طرح ایک صاحب کے لئے کثرت نوافل تجویز فرمائی تو اُنھوں نے نوافل سے اپنی غایت دلچسپی کا اظہار کیا۔

اگر کسی کو کثرت اذکار اور طول خلوت سے طبیعت میں ملال پیدا ہو کر قبض لاحق ہو جاتا ہے تو اسکو ہدایت ہوتی ہے کہ کچھ دن کے لئے سفر کرو۔ دوست احباب سے ملو اور مباحات میں مشغول رہو اور جب طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے پھر خلوت میں بیٹھ جاؤ۔ ویسے بھی مباحات کے بالکلیہ ترک سے منع فرماتے رہتے ہیں جیسا کہ پہلے کسی موقع پر بہ تفصیل بیان کیا جا چکا ہے۔

حضرت والا بتاکید فرمایا کرتے ہیں کہ اپنے معمول کو پورا ضرور کر لینا چاہیے خواہ عذر کی حالت میں بے وضو ہی سہی یا چلتے پھرتے ہی سہی کیونکہ معمول کو مقرر کر لینے کے بعد ناغہ کرنے میں بڑی بے برکتی ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی اسکی تاکید ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا عبد اللہ لا تکن مثل فلان کان یصلی
۲۸ باللیل ثم ترکہ۔ یہ ایسا ہے جیسے کسی نے اپنے حاکم کے پاس آنا جانا شروع کیا اور خصوصیت کا تعلق قائم کرنیکے بعد

پھر آنا جانا موقوف کر دیا تو حاکم کو بہت ناگوار ہوگا اور جو خصوصیت کا تعلق پیدا ہی نہیں کرتا اُس سے کوئی شکایت نہیں ہوتی بشرطیکہ غائبانہ اطاعت کا تعلق قایم رکھا جائے جو بہر حال ضروری ہے۔ اھ

حضرتِ والا طلبا کو جو تحصیل علوم دینیہ میں مشغول ہیں ذکر و شغل نہیں تعلیم فرماتے تاکہ حرج واقع نہو کیونکہ علاوہ وقت صرف ہونے کے ذکر و شغل سے اکثر دلچسپی آنی پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر تحصیل علوم سے دلچسپی کم ہو جاتی ہے لیکن چونکہ اصلاح اعمال ہر حال فرض ہے اور اسمیں کوئی حرج اوقات بھی نہیں بلکہ ترک فضولیات کی وجہ سے وقت اور بچ جاتا ہے اسلئے اسکے متعلق خط و کتابت کی اجازت بلکہ کبھی ابتداءً مشورہ بھی دیدیتے ہیں چنانچہ بندہ زادہ سے جو تحصیل علوم میں مشغول تھا بنہایت شفقت و دلسوزی فرمایا کہ جو موٹی موٹی عیب کی باتیں تم اپنے اندر محسوس ہوں اُنکے متعلق مجھے وقتاً فوقتاً لکھتے رہنا میں انشاء اللہ تعالیٰ ایسی سہل سہل تدابیر بتلاتا رہوں گا جن پر عمل نہایت سہل ہوگا۔ اور اس سے زیادہ کیا سہل ہوگا کہ تمکو میں اجازت دیتا ہوں کہ چاہے مشوروں پر عمل بھی نہ کرنا لیکن اپنی اصلاح کے متعلق مجھ سے مشورے ضرور حاصل کرتے رہنا اس سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم دیکھو گے کہ بہت نفع ہوگا۔ اھ

چونکہ یہ نمبر طویل ہوگیا ہے اور استیعاب مقصود نہیں اسلئے اسکو یہیں ختم کیا جاتا ہے ورنہ مضامین تو اور بھی بہت سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۹) حضرت والا نہایت اہتمام کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق کا اول قدم فنا ہے جسمیں یہ صفت نہ پیدا ہوئی ہو بس سمجھ لو کہ اسکو طریق کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ جو بزرگوں کا قول ہے کہ طریق کا آخر قدم فنا ہے وہ بھی بالکل صحیح ہے اُس سے مراد کمال فنا ہے کیونکہ فنا کے بھی تو آخر درجات ہوتے ہیں۔ اھ

ایک مشہور فاضل ندوی اتفاقاً محض چند گھنٹوں کے لئے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چلتے وقت عرض کیا کہ مجکو کوئی نصیحت فرمایئے۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ میں متردد ہوا کہ ایسے فاضل شخص کو میں کیا نصیحت کروں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے دلمیں ایک مضمون ڈالا جو بعد کو معلوم ہوا کہ اُن کے بالکل مناسب حال تھا میں نے کہا کہ حضرت آپ جیسے فاضل کو میں نصیحت تو کیا کر سکتا ہوں لیکن ہاں میں نے جو اپنی اس تمام عمر میں سارے طریق کا حاصل سمجھا ہے وہ عرض کئے دیتا ہوں وہ حاصل جو میں سمجھا ہوں وہ فنا و عبدیت ہے بس جہاں تک ممکن ہو اپنے آپ کو مٹایا جائے بس اسی کے لئے سارے ریاضات و مجاہدات کئے جاتے ہیں۔ اور بس اپنی ساری عمر فنا اور عبدیت ہی کی تحصیل میں گذار دینی چاہیئے۔ اس تقریر کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ آبدیدہ ہوگئے اور واقعی یہ ہے بھی ایسی ہی چیز۔ سارے بزرگ اسی کی تعلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ بالخصوص چشتیہ کے یہاں تو بس یہی ہے

افروختن و سوختن و جامہ دریدن	پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت
تو در روگم شو وصال اینست و بس	گم شدن گم کن کمال اینست و بس

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے آئینہ ہستی چہ باشد نیستی	تیری ہستی کی زنگ و بو نہ رہے نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی اھ

(۱۰) اس نمبر میں حضرت والا کے دو زریں اصول لکھے جاتے ہیں جنمیں سے ایک تو تخلیہ (بالخاء المعجمہ) کے متعلق ہے اور دوسرا تحلیہ (بالحاء المہملہ) کے متعلق لیکن دونوں میں امر مشترک ایک ہی ہے یعنی بتکلف عمل کرنا۔

تخلیہ (بالخاء المعجمہ) کے متعلق تو یہ ہے کہ ایک طالب نے لکھا کہ بدنظری سے بچنا نفس پر بہت شاق ہوتا ہے کوئی تدبیر ایسی ارشاد فرما دیجئے کہ جسپر عمل کرنے سے اس فعل شنیع سے طبعًا نفرت پیدا ہو جائے اھ جواب تحریر فرمایا کہ بجز ہمت اور تحمل مشاق کے کوئی تدبیر نہیں اور معین اسکی دو چیزیں ہیں استحضار عقوبت اور ذکر کی کثرت۔ اھ

اور تحلیہ (بالحاء المہملہ) کے متعلق یہ ہے کہ ایک طالب نے لکھا کہ حصول یقین کا طریقہ ارشاد فرمایا جاوے جواب تحریر فرمایا کہ اول بہ تکلف عمل کرنا اسکی برکت سے یقین پیدا ہو جاتا ہے اور کوئی طریقہ نہیں اھ

غرض حضرت والا بہ تکلف عمل کرنے پر بہت ہی زور دیا کرتے ہیں اور یہ اشعار بکثرت تحریرًا و تقریرًا فرمایا کرتے ہیں (للعارف الرومی ؒ)

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے آخر بود دوست دارد دوست ایں آشفتگی کار کے می کن تو و کاہل مباش چوں زچاہے میکنی ہر روز خاک چوں نشینی بر سر کوئے کسے	تادم آخر دمے فارغ مباش کہ عنایت باتو صاحب سر بود کوشش بیہودہ بہ از خفتگی اندک اندک خاک چہ رامی تراش عاقبت اندر رسی در آب پاک عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

اور یہ اشعار بھی اکثر فرمایا کرتے ہیں

دست از طلب ندارم تا کار من برآید یابم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم کار کن کار بگذر از گفتار قدم باید اندر طریقت نہ دم	یا تن رسد بجاناں یا جان زتن برآید حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم اندریں راہ کار باید کار کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

اب اس عنوان دوم یعنی اصول متعلقہ تعلیم و تربیت کو اصلاح کرنے کے ایک نہایت مفید کار آمد اور مکمل طریق عمل پر ختم کیا جاتا ہے جو حضرت والا نے ایک نو مسلم طالب صادق کیلئے حال ہی میں تجویز فرمایا ہے اور جو

اس قابل ہے کہ ہر طالب اصلاح اسکو اپنا دستور العمل بنا لے۔ اُن طالب کا خط مع حضرت والا کے جواب باصواب کے تربیت السالک سے نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

(حال) مجھ میں ایک بڑا مرض ہے کہ جب میں حضرت والا کو عریضہ لکھنا چاہتا ہوں تو میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں۔ جب اپنی بُرائیوں پر نظر کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ حضرت والا کو لکھوں تاکہ اصلاح ہو تو اُس وقت اس خیال میں پڑ جاتا ہوں کہ پہلے کس بُرائی کے واسطے لکھوں اکثر اس میں عریضہ لکھنا رہ جاتا ہے اور جب ایک برائی تجویز کر لیتا ہوں کہ اسکو لکھوں تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ تو خود بھی ذرا سی ہمت پر چھوڑی جا سکتی ہے پہلے خود ہی چھوڑنے کی کوشش کر لیجاوے اگر کامیابی نہ ہو تو حضرت والا کو لکھا جاوے۔ ان ہی خیالات میں اُلجھ کر عریضہ لکھنا رہ جاتا ہے اور بُرائیاں ویسی کی ویسی ہی موجود رہتی ہیں اور بندہ بارہا کوشش کرتا ہے لیکن کامیابی ہی نہیں ہوتی جتنا بھی پختہ عزم کرتا ہے اُتنا ہی جلدی ٹوٹتا ہے اسلئے بندہ اس تشویش اور پریشانی میں مبتلا ہے کہ میری اصلاح کیسے ہوگی جب کسی امر پر دوام ہی نصیب نہیں ہوتا اب عرض یہ ہے کہ اس مرض کے واسطے از راہ کرم علاج تجویز ہو اور دعا بھی ہو کہ بندہ کو تمام رذائل سے نجات حاصل ہو جائے۔

(تحقیق) علاج یہ ہے کہ ایک کاغذ پر اپنی سب بُرائیاں لکھ لو اور جو یاد آتی رہیں اُس میں لکھتے رہو اور اُن کا علاج بھی کرتے رہو اور علاج سے جو بالکل زائل ہو جاویں ان کا نام کاٹ دو اور جو رہ جائیں پوری یا ادھوری اُن کو لکھا رہنے دو پھر جب خط لکھنے بیٹھو اُن بُرائیوں کی تعیین کے لئے قرعہ ڈال لو جس کا نام نکل آدے خط میں وہی لکھ دو اور اگر اس کا کچھ علاج کیا ہو اسکی بھی اطلاع کر دو بس اسطرح خط لکھتے وقت تشویش نہ ہوگی باقی دعا کرتا ہوں والسلام۔

عنوان سوم

(اُصول متعلقہ خط و کتابت)

(۱) حضرت والا مختلف النوع مضامین کا ایک خط میں اجتماع گوارا نہیں فرماتے مثلاً اگر مسائل فقہیہ اور احوال و مسائل سلوک ایک ہی خط میں پوچھے جاتے ہیں تو چونکہ مسائل فقہیہ زیادہ اہم ہیں اور ان کے جواب میں تعجیل ضروری ہے اسلئے صرف انکا جواب مرحمت فرما دیتے ہیں بشرطیکہ مراجعت کتب کی ضرورت نہو جسکی حضرت والا کو اکثر فرصت نہیں ملتی اور احوال و مسائل سلوک کے متعلق تحریر فرما دیتے ہیں کہ جدا خط میں پوچھے جائیں اور بعض اوقات زجر کے لئے بالکل

جواب نہیں دیا جاتا اس جمع نہ کرنے کی مصلحت یہ ہے کہ مختلف مضامین کے جواب دینے میں خلجان بھی ہوتا ہے اور یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ اصل مقصود کس مضمون کا جواب حاصل کرنا ہے اور جانبین کے لئے خلط بحث کا بھی اندیشہ ہے جو واجب الاحتراز ہے۔ اور وقت بھی بہت صرف ہوتا ہے جسکی بوجہ کثرت خطوط و مشاغل گنجایش ہی نہیں۔

نیز جو خدمت خلق کا حق ادا کرنا چاہیگا اور سب اہل حاجت کی بقدر ضرورت کار برآری کرنا چاہیگا اسکو بجز اسکے چارہ نہیں کہ اس قسم کی ضروری قیود عائد کرے ورنہ طلب الکل فوت الکل کا مضمون صادق آنا لازمی ہے چنانچہ حضرت والا ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں اگر ایک ہی کے کام کو لے بیٹھوں تو دوسروں کے کام یوں ہی پڑے رہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تھوڑے تھوڑے سبکے کام ہو جائیں کیونکہ سبھی کا حق ہے۔ اھ

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ لوگ بڑے بڑے رسالے بھیجدیتے ہیں کہ انکا جواب لکھو۔ میں یہ لکھدیتا ہوں کہ میرے پاس اتنا وقت تو کہاں ہے کہ سب کا یکجائی جواب لکھوں۔ ہاں آپ یہ کریں کہ پہلے ایسے مقامات منتخب کرلیں جو آپ کے نزدیک محتاج جواب ہوں پھر اُن مقامات میں سے ایک خط میں صرف ایک مقام میرے پاس بھیجدیا کریں جب اسکا جواب پہونچ جائے اور وہ طے ہو جائے خواہ ایک ہی خط میں یا متعدد خطوط میں تو پھر اسیطرح دوسرا مقام بھیجکر اسکا جواب حاصل کریں اسیطرح برابر مجھ سے خدمت لیتے رہیں اور جب سب مقامات کا جواب ہو جائے اسکو جمع کر کے شایع کر دیں۔ اھ

یہ فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ نہ مجھے خدمت سے انکار نہیں بشرطیکہ طریقہ سے خدمت لیجائے اور صرف وہی کام مجھ سے لیا جائے جو میرے کرنیکا ہو اور جو خود کر سکیں وہ اسکو خود کیا جائے۔ سارا بوجھ مجھی پر نہ ڈالدیا جائے۔ اسطرح تو اگر کوئی عمر بھر بھی مجھ سے خدمت لیتا رہے تو میں نہایت خوشی کے ساتھ حاضر ہوں کیونکہ میرا تو کام یہی ہے کہ میں اپنے بھائی مسلمانوں کی خدمت کروں جتنی بھی ہو سکے اور جیسی بھی ہو سکے۔

پھر فرمایا کہ لوگوں کو دوسرے پر بوجھ ڈالدینا تو آسان ہے لیکن جب خود اُن کو کچھ کام کرنے کو بتلادیا جاتا ہے تو پھر بیٹھ رہتے ہیں چنانچہ میں نے بہت لوگوں کو یہ طریقۂ مذکورہ بتلایا لیکن چونکہ اسمیں خود بھی ان کو کچھ کام کرنا پڑتا تھا۔ اسلئے بیٹھ رہے البتہ ایک صاحب نے اس اطلاع کے بعد ایک رسالہ کا صرف ایک مقام حل کرایا پھر وہ بھی بیٹھ رہے اُنھوں نے فرقۂ بہائیہ کے شبہات کے جوابات چاہے تھے ان کو میں نے یہی لکھدیا کہ ایک ایک شبہہ پیش کیا جائے اور اسکو اپنی طرف منسوب کیا جاوے نہ کہ کسی دوسرے کی طرف کیونکہ میں غائب سے خطاب کیونکر کر سکتا ہوں۔

چنانچہ اُنھوں نے ایک بار ایک شبہہ لکھ کر بھیجا میں نے اسکا جواب لکھ دیا اور میں اپنی طرف سے اس سلسلہ کو برابر جاری رکھنے کے لئے آمادہ ہو گیا اور اُس جواب کو جدا گانہ نقل بھی کرا لیا تاکہ آیندہ کے جوابات کو بھی مسلسل نقل کراتا چلا جاؤں۔ لیکن انکا بھی بس ایک ہی خط آ کر رہ گیا اور اتنا التزام بھی اُن سے نہ نبھہ سکا۔ اھ

حضرت والا کے اصول مذکورہ بالا کے یعنی ایک خط میں مختلف مضامین جمع کرنے کی ممانعت پر بعض صاحبوں نے لکھا کہ ہمیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے کیونکہ ہم نادار ہیں بار بار خط بھیجنے کے لئے ہمارے پاس دام نہیں۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرما دیا کہ اگر میں مستثنیٰ کرنا شروع کر دوں تو اول تو مواقع استثنار کو میں یاد کیسے رکھ سکتا ہوں دوسرے یہ کہ جب مستثنیٰ کرنا شروع کر دیا تو وہ قاعدہ قاعدہ ہی کیا رہیگا۔ اور جس ضرورت و مصلحت سے وہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے وہی کب پوری ہوگی۔ اسلئے یہ تو گوارا نہیں لیکن اگر ناداری ہے تو اس غرض خاص کے لئے چندہ کر لیا جائے اور میں اس میں بھی نہایت خوشی کے ساتھ شریک ہونگا۔ اھ

احقر جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ بعض نے ایسا ہی کیا اور اسمیں حضرت والا بھی نہایت خوشی کے ساتھ شریک ہوئے چنانچہ بعض اب بھی ایسے موجود ہیں جن کی حضرت والا اس مد میں برابر اعانت فرماتے رہتے ہیں یہ تو گوارا ہے لیکن مصالح ضروریہ کے مخل ہونے کی وجہ سے اپنے اصول کو توڑنا ہرگز گوارا نہیں۔

(۲) حضرت والا خط و کتابت میں عبارت کے تکلف اور تصنع کو بہت ناپسند فرماتے ہیں کیونکہ اسمیں تلبیس کی زیادہ گنجایش ہوتی ہے اور کاتب کے مافی الضمیر کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص طالبین طریق باطن کو تو بہت اہتمام کے ساتھ اس سے روکتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی محض اظہار لیاقت کے لئے بلا ضرورت عربی میں خط لکھتا ہے تو بجائے عربی میں جواب لکھنے کے اردو ہی میں یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ میں تو بے تکلف عربی عبارت لکھنے پر قادر نہیں اور آپ ماشاء اللہ قادر ہیں تو آپ مجھ سے اکمل ہوئے لہذا اکمل کو ناقص سے رجوع نہیں کرنا چاہیئے آپ کسی کامل سے رجوع کیجئے۔ اھ

اتفاق سے ایک عربی کا خط بھی ابھی آیا تھا جسکا جواب بلفظہ نقل کیا جاتا ہے تحریر فرمایا کہ افادہ کی شرط مفید کا مستفید سے اکمل ہونا ہے آپ عربی لکھتے ہیں گو غلط لکھتے ہیں میں غلط بھی نہیں لکھتا پس آپ اکمل ٹھہرے پس شرط مفقود ہوئی اسلئے مشروط بھی مفقود ہوا۔ اھ

ایک صاحب نے پوچھنے پر عربی میں خط لکھنے کی یہ وجہ لکھی کہ لسان اھل الجنۃ عرب۔ اسپر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ قسم کھا کر لکھو کہ اسکی بنا پر اگر تم یہاں آؤ تو کیا عربی ہی میں کلام کروگے اسکا وہ کوئی معقول جواب نہیں دیسکے۔ اھ

جو بلا ضرورت عربی میں خط لکھتے ہیں صرف ان کو یہ جواب دیا جاتا ہے ورنہ جہاں واقعی ضرورت ہوتی ہے جیسے ممالک عرب سے کوئی خط آجاوے وہاں حضرت والا عربی خطوط کا عربی ہی میں جواب تحریر فرماتے ہیں۔ اھ

حضرت والا کے اس جواب پہونچنے پر کہ کسی کامل سے رجوع کیجئے عربی میں خطوط بھیجنے والے پھر اردو میں خطوط بھیجنے لگتے ہیں اور ان میں سے بعض تو صراحۃً اقرار کر لیتے ہیں کہ واقعی ہمیں اظہار لیاقت ہی مقصود تھا۔

حضرت والا اکثر طالبین کو اشعار لکھنے سے بھی روکتے رہتے ہیں کہ جسکو اپنا بڑا ٹ سمجھے اسکو اشعار لکھنا آگے کے

سامنے اشعار پڑھنا خلاف تہذیب اور خلاف ادب ہے لیکن مغلوب الحال لوگوں کو معذور رکھتے ہیں۔

اسیطرح جو از راہ تکلف بہت زیادہ تعظیمی الفاظ استعمال کرتے ہیں ان کو بھی حضرت والا روک دیتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں ایک نئے طالب نے جو ایک انگریزی داں اور ذی وجاہت و کمل ہیں اپنے عریضہ میں اپنے آپ کو حضرت والا کے دربار کا ادنیٰ غلام لکھا تو حضرت والا نے سبحان اللہ ایسے جامع اور لطیف عنوان سے متنبہ فرمایا کہ سوائے مان لینے کے کوئی چارہ ہی نہ رہا۔ تحریر فرمایا کہ ایسے الفاظ سے اگر مجھ میں کبر ہوا تو میرا مرض بڑھتا ہے اور اگر تواضع ہوئی تو تنگی ہوتی ہے ہر حال میں ضرر ہی ہے بدنی یا نفسانی۔ اھ

انھیں صاحب نے اپنے پچھلے خط کے گم ہو جانے کا بہت افسوس لکھا جسکو بہت شوق سے لکھ کر بھیجا تھا اور لکھا کہ یہ میری بدقسمتی ہے حضرت والا نے اسپر بھی تنبیہ فرمایا کہ مجکو مسلمان کے منہ سے بدقسمتی کا اقرار اچھا نہیں معلوم ہوتا مسلمان تو بدقسمت ہوتا ہی نہیں مثلاً اسی واقعہ میں آپ کا خط گم ہوا آپ کو قلق ہوا اسپر آپ کو اجر ملا تو یہ خوش قسمتی ہوئی یا بدقسمتی البتہ جو معاصی اختیاریہ ہیں انکو خسارہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اھ

انھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضور اس ناداں اور ناتربیت یافتہ کو تربیت دیں۔ اسپر تحریر فرمایا کہ تربیت تو بڑے لوگوں کا کام ہے میں ناکارہ خود ہی محتاج تربیت ہوں کسی کی کیا تربیت کرتا البتہ خدمت سے کسی کی بھی انکار نہیں جس طریقہ سے مجھ سے خدمت لیجائے۔ اھ

انھیں صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ حضوری میں جناب عالی سے مرعوب ہوں اور غائبی میں کتابت کے وقت با قلم ترساں۔ اسپر تحریر فرمایا کہ ان خیالات کو دل میں بھی نہ آنے دیجئے بلا رعایت کسی خاص قاعدہ وضابطہ کے بے تکلف جو دل میں آوے لکھئے۔ صرف دو تین باتوں کا خیال کافی ہے اسی کو میں نے اوپر طریقہ سے تعبیر کیا ہے ایک تو واقعہ صاف لکھا جاوے تکلف یا عبارت آرائی نہ ہو دوسرے بلا ضرورت طول نہو تیسرے ایک خط میں متعدد مضامین نہوں لیکن اگر اسمیں ارتباط ہو تو وہ ایک ہی مضمون شمار ہو گا۔ اھ

اسی طرح اگر کوئی طالب اپنا مدعا مبہم الفاظ میں لکھتا ہے مثلاً مجھے غلامی میں قبول فرما لیجئے۔ مجھے اپنے دامن میں ڈھانپ لیجئے۔ میرے اوپر نظر توجہ فرما دیجئے وغیرہ وغیرہ تو تحریر فرما دیتے ہیں کہ یہ گول الفاظ ہیں صاف الفاظ میں لکھو کہ کیا چاہتے ہو۔ اسیطرح اگر کوئی طالب لکھتا ہے کہ میری اصلاح فرمائیے یا لکھتا ہے کہ میری دستگیری فرمائیے یا لکھتا ہے کہ مجھے خدا کا راستہ بتائیے یا اور کوئی ایسی ہی درخواست کرتا ہے تو تحریر فرما دیتے ہیں کہ انکی تفسیر لکھو۔ تاکہ اگر وہ ان الفاظ کے مفہوم کو غلط سمجھے ہوئے ہو تو اسکو اصل مفہوم سمجھایا جائے۔ غرض جب تک مقصود کو صاف طور پر متعین نہیں کر لیتے تعلیم نہیں شروع فرماتے۔ اور اگر کوئی طالب باوجود تنبیہ کے غیر مقصود کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے تو تعلیم و تربیت سے عذر فرما دیتے ہیں اور تحریر فرما دیتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ مقصود اور مطلوب فی الدین نہیں اگر آپکے

نزدیک ہو تو کسی اور سے رجوع کیجئے ۔ مجھے اسکے حصول کی تدبیر معلوم نہیں اھ

چنانچہ ایک اور سلسلہ کے ایک اہل علم طبیب آیۂ کریمہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کا صحیح مفہوم نہ سمجھ اسکے حوالہ سے طبعی اطمینان قلب کی تحصیل کے ذرائع بار بار دریافت کرتے رہے اور حضرت والا برابر اسکا غیر مقصود ہونا اپنے خاص طریق تفہیم پر سمجھاتے رہے جب اسپر بھی انکا اصرار باقی رہا تو حضرت والا نے پھر وہی جواب لکھدیا جو ابھی مذکور ہوا۔ اُن کے ایک خط کے مضامین کے ضروری جوابات دیکر آخری مضمون کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ اول تو سب مقدمات تسلیم نہیں فاین المدعیٰ۔ لیکن میں اسمیں قیل وقال پسند نہیں کرتا اگر آپ کے ذوق میں سب دعاوی صحیح ہیں اور ایسا اطمینان مطلوب فی الدین ہے تو اخیر جواب یہ ہے کہ مجکو اسکا نسخہ معلوم نہیں کسی اور طبیب سے رجوع کیجئے ۔اھ

اس تنبیہ سے انکی آنکھیں کھل گئیں اور حسب ذیل عریضہ بھیجا۔

"حضرت اکرم نفعنا اللہ بطول بقائکم وادام اللہ لنا برکاتکم ۔ السلام علیکم گرامی نامہ موصول ہوکر موجب شرف وبرکت ہوا جسے سابق خطوط کے ساتھ مکرر بغور میں نے پڑھا اور مجھے اپنی غلطی فکر ورائے پر تنبہ ہوکر حقیقت حال منکشف ہوئی اور یہ حضرت کی توجہ کی برکت ہے ۔ واقعی حسن کار اطمینان طبعی پر موقوف نہیں (اور اسکے لئے صرف علم وقدرت کی ضرورت ہے) اور نہ ایسا اطمینان مطلوب فی الدین ہوسکتا ہے ۔ حضرت نے میرے خطوط کے جواب میں جو مختصر مگر لطیف انتباہات وہدایات فرمائے ہیں وہ میرے واسطے نافع ہوئے اور انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ بھی نفعمند ہونگے۔

اسپر حضرت والا نے اظہار مسرت فرمایا اور تحریر فرمایا ہنیئاً لکم العلم ۔اھ

اس سلسلہ کی پوری خط وکتابت امداد الفتویٰ میں موجود ہے اور النور بابتہ شعبان ورمضان وشوال ۵۲ھ ۱۳ھ میں تحت عنوان احکام الایقان لاقسام الاطمینان شایع بھی ہوچکی ہے ۔

اس واقعہ سے حضرت والا کے خاص طریق افہام وتفہیم کا بدرجۂ کمال نافع ہونا ثابت ہوتا ہے فللہ الحمد اھ

(۳) حضرت والا باستثناء مواقع خصوصیت غیر جوابی خطوط کے جواب نہیں دیتے کیونکہ قاعدہ سے ڈاک کا محصول خود جواب طلب کرنے والے پر ہے نہ کہ جواب دینے والے پر اور حضرت والا خود بھی اس قاعدہ کے اسقدر سختی کے ساتھ پابند ہیں کہ اگر کسی جان نثار خادم کو بھی اپنی ضرورت سے جواب طلب خط تحریر فرماتے ہیں تو ہمیشہ جوابی ہی تحریر فرماتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ جب میری ہی غرض ہے تو اُن پر خواہ مخواہ کیوں محصول کا بار ڈالا جائے ۔ گو اکثر ایسے خدام اپنے ہی پاس سے محصول دیکر جواب بھیجتے ہیں اور حضرت والا کا جوابی کارڈ یا لفافہ واپس کردیتے ہیں لیکن حضرت والا اپنی طرف سے کبھی اُن پر بار نہیں ڈالتے۔

(۴) حضرت والا کو خطوط کے بلا تاخیر جواب دینے کا اسقدر اہتمام ہے کہ شاید وباید ۔ یہاں تک کہ خطوط لکھنے والے پہلے سے حساب لگا لیتے ہیں کہ فلاں دن جواب آئیگا ۔ اور اگر ڈاک خانہ کی غلطی سے (اور اکثر یہی سبب

ہوتا ہے یا اور کسی خاص وجہ سے اُس روز جواب نہیں پہونچتا تو متردد ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے یہ خیال کرکے کہ کہیں تاخیر کا سبب نصیب اعداء علالت طبع نہ ہو ہر وقت خط نہ پہونچنے پر فوراً دریافت خیریت کا عریضہ لکھا۔

اکثر دیکھا گیا کہ پچاس پچاس خطوط روزانہ آئے۔ جن میں اکثر طویل ہوتے ہیں۔ مگر سب کے جواب سے ہر روز وہ فارغ ہوتے رہے خواہ عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء بلکہ عشاء کے بعد تک برابر مشغول رہنا پڑا۔ اور جس زمانہ میں سفر فرمایا کرتے تھے تو کئی کئی دن کی ڈاک یکجائی پہونچتی تھی اُس حالت میں خود احقر نے بارہا دیکھا کہ جب تک اکثر خطوط کا جواب لکھ کر کام کو اپنے قابو میں نہیں کر لیا راتوں کو سوئے نہیں بلکہ ایسا بھی ہوا کہ وعظ سے آدھی رات کو فارغ ہو کر تشریف لائے اور واپسی پر ڈاک کو لے بیٹھے اور درد سر کی حالت میں بھی سر کو بار بار ہاتھ سے دباتے جاتے اور جواب لکھتے جاتے۔ جب کوئی عرض کرتا کہ حضرت اسوقت آرام فرمالیں اور خطوط کے جوابات صبح تحریر فرمادیجئے گا تو فرماتے کہ میری طبیعت پر کام کا تقاضا اتنا ہوتا ہے کہ اگر میں کام پڑے رہنے کی حالت میں سونا بھی چاہوں تو نیند نہیں آسکتی پھر کام ہی کیوں نہ کر دوں۔ اھ

حضرت والا کے انضباط اوقات اور روز کا روز کام ختم کر دینے پر بڑے بڑے اہل محکمہ اور اہل ضابطہ حیران ہو ہو گئے ہیں اور اُن کو ماننا پڑا ہے کہ بلا اعانت خداوندی اور قوت روحانی کے کوئی شخص اتنا اور اس شان کا دماغی کام شب و روز کر نہیں سکتا اور ایک دو روز کی بات نہیں بلکہ حضرت والا کی تو ساری عمر اسی حالت میں گذری ہے اور اس ضعف پیری میں بھی بعون اللہ تعالیٰ وہی عالم ہے۔

واقعی دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر بعد مغرب بھی بعد عشاء بھی قبل فجر بھی لالٹین جلائے ہوئے اور بعد عصر بھی وقت غروب تک آنکھوں پر زور دے دے کر برابر مطالعہ اور تحریر کا کام کرتے رہتے ہیں۔ بس بلا مبالغہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشین ہے جو کسی قوت غیبیہ برقیہ کے سہارے رات دن بلا تکان چل رہی ہے وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت و عافیت کاملہ دائمہ اور فیوض و برکات عامہ تامہ کے ساتھ غیر معمولی طویل عمر نصیب فرمائے آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

(۵) حضرت والا ڈاک کے پہونچتے ہی فوراً اسی کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور جو خطوط اہل خصوصیت کے ہوتے ہیں انکو چھانٹ کر الگ رکھتے جاتے ہیں تاکہ جواب تحریر فرماتے وقت ان کو مقدم کیا جائے۔ یہ تقسیم تو محض شناخت خط پہچاننے کی بناء پر ہوتی ہے پھر بعد کو سرسری مطالعہ فرمانے سے جو خطوط بلحاظ مضامین قابل تقدیم معلوم ہوتے ہیں انکو بھی الگ رکھ لیتے ہیں نیز جن خطوط کے جواب غور طلب یا طویل ہوتے ہیں یا اُنکے جواب کے لئے مراجعت کتب کی ضرورت ہوتی ہے جنکو بعض حالات میں گوارا فرماتے ہیں انکو عموماً صبح کے وقت کیلئے جو نسبتہً فراغ

اور گنجائش کا وقت ہوتا ہے رکھ لیتے ہیں۔ جن خطوط میں کوئی ناگوار مضمون ہوتا ہے انکا جلدی سے جواب لکھ کر فوراً قبل از وقت ہی ڈاک میں ڈلوا دیتے ہیں۔ اور فرمایا کرتے ہیں کہ ایسے خطوط کا پاس رکھا رہنا بھی مجھے اذیت دہ ہوتا ہے۔

(۶) حضرت والا اب ضعف پیری اور قلت فرصت کی وجہ سے باستثناء مواقع خصوصیت ایسے استفتوں کے جواب لکھنے سے عذر فرما دیتے ہیں جن میں مراجعت کتب کی ضرورت ہو اور تحریر فرما دیتے ہیں کہ مجکو مراجعت کتب کی نہ فرصت نہ قوت کسی اور جگہ سے تحقیق کر لیا جاوے اھ

بعض صاحبوں نے اصرار فرمایا کہ ہمیں تو حضور ہی کے فتوے پر اطمینان ہوتا ہے تو تحریر فرما دیا کہ اس اطمینان کی یہ بھی تو صورت ہو سکتی ہے کہ جب اور جگہہ سے فتویٰ حاصل کر لیا جاوے تو اس فتوے کو میرے پاس بھیجکر مجھ سے بھی اسکی تصدیق کرالی جاوے۔

حضرت والا عرصہ سے اس اہتمام میں ہیں کہ اپنی مختلف دینی خدمات کو رفتہ رفتہ دوسروں کی طرف منتقل فرما دیں، چنانچہ فتویٰ نویسی تو بہت ہی کم کر دی ہے اور بعض خاص صورتوں جنکی بقدر ضرورت تفصیل قریب ہی عنوان "معمول متعلقہ تعلیم و تربیت" میں گذر چکی ہے۔ طالبین کو بھی اپنے خلفاء مجازین کے سپرد فرما دیتے ہیں اور ایک بار اسکا راز یہ فرماتے تھے کہ دین کی بہت سی خدمات کا کسی ایک ہی شخص سے وابستہ ہو جانا ہرگز مناسب نہیں کیونکہ انسان کے ساتھ موت اور حیات لگی ہوئی ہے۔ اسکے انتقال کے بعد ایک ساتھ اتنی خدمات بند ہو جائینگی۔ گو چند روز ہی کیلئے سہی تو اسکا دین پر برا اثر پڑیگا یا کم از کم اہل حاجت چند روز مشوش ہی رہینگے۔ اھ

ایک بار یہ بھی فرمایا کہ میں اسلئے بھی دینی کاموں کو مختلف جگہوں میں تقسیم کرتا رہتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کا بھی کسی کو صدمہ نہو۔ کہ اتنے کام ایک ساتھ بند ہو گئے۔ میں تو مسلمانوں کی اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتا کہ کوئی میرے مرنے کا بھی افسوس کرے گو طبعی افسوس کا انسداد قبضہ سے باہر ہے۔

غرض حضرت والا کو اب ایسے کاموں کی ہرگز تکلیف نہ دینی چاہیئے جو اور جگہ بھی ہو سکتے ہیں بس اب تو حضرت والا سے صرف اصلاح اعمال ہی کے متعلق خط و کتابت کرنی چاہیئے کیونکہ یہ خدمت اور جگہ اس اہتمام و انتظام سے نہیں ہو رہی گو حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ یہ خدمت اور خدمتوں سے چھوٹی ہے لیکن ہے یہ بھی ضروری جیسے بڑے بڑے مدرسوں کے مقابلہ میں (جہاں بڑی بڑی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں بغدادی قاعدہ اور الف ب ت نہیں پڑھائی جاتی) چھوٹا مکتب جسمیں اب ت پڑھائی جاتی ہے کوئی چیز نہیں لیکن اگر کسی زمانہ میں بڑے ہی بڑے مدرسے رہ جائیں تو اسوقت اسکی ضرورت ہوگی کہ کوئی چھوٹا مکتب بھی قائم کیا جائے جسمیں قاعدہ بغدادی کی تعلیم ہو۔ اھ

(۷) متعدد مصالح کی بناء پر جنمیں سے بعض مختلف مواقع پر غالباً ذکر بھی کی جا چکی ہیں حضرت والا کسی عورت کے

خط کا جواب سوقت تک نہیں تحریر فرماتے جبتک وہ اُس خط پر اپنے شوہر یا کسی محرم کے دستخط کرا کر نہیں بھیجتی۔ یہاں تک کہ ایک بے پردہ بڑے درجہ کی عورت کو بھی جو ایک کالج کی پرنسپل تھی اپنے اس معمول سے مطلع فرما دیا اور پھر اسنے بھی اپنے شوہر کے دستخط کرا کر بھیجے۔ اس معمول سے وہ عورتیں مستثنیٰ ہیں جو اہل قرابت ہیں یا جن کے مردوں سے مثل اہل قرابت کے تعلق ہے۔

(۸) اگر کسی کے خط میں حضرت والا کے کسی پچھلے جواب کا حوالہ ہوتا ہے تو جب تک اسکو طلب فرما کر ملاحظہ نہیں فرما لیتے جواب نہیں تحریر فرماتے اور محض نقل کو کافی نہیں سمجھتے کیونکہ عموماً لوگوں کو پوری بات نقل کرنے کا اہتمام نہیں ہے۔ ایسے موقعوں پر تحریر فرما دیتے ہیں کہ میرا پہلا خط بجنسہ بھیجدیں۔ اھ

اگر ایسے متعدد خطوط ہوں تو ہدایت فرما دیتے ہیں کہ انپر ترتیب وار نمبر ڈالدئے جائیں لیکن پن یا ڈورے سے نتھی کرنے کو ناپسند فرماتے ہیں کیونکہ ڈورے سے نتھی ہونے کی صورت میں سارے خطوط کو ایک ساتھ لئے ہوئے پڑھنا پڑتا ہے اور جواب لکھنا پڑتا ہے جو وقت طلب و موجب خلجان ہے۔ راحت اسی میں رہتی ہے کہ سب خطوط جُدا جُدا ہوں اور نمبر پڑے ہوئے ہوں تاکہ جس خط کو چاہیں نکال کر آسانی کے ساتھ پڑھ لیں اور جواب لکھ دیں۔ اور پن لگانے میں چبھ جانے کا اندیشہ ہے چنانچہ کئی بار حضرت والا کے ہاتھ میں چُبھ چُبھ گئی جس سے بہت تکلیف ہوئی اھ

پچھلا خط طلب فرمانے کا یہ مطلب نہیں کہ کاتب خود اُسکے متعلق کچھ نہ لکھے بلکہ اسکو چاہئے کہ جس مضمون کا حوالہ دے اسکو خود بھی اپنے خط میں پُورا پُورا نقل کر دے۔ پچھلا خط تو محض اسلئے منگوایا جاتا ہے کہ اگر ضرورت ہو اور کاتب کی نقل عبارت محولہ کے سمجھنے کے لئے ناکافی ہو تو اصل خط کو دیکھ لیا جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ کاتب صاحب تو محض حوالہ دیکر سبکدوش ہو جائیں اور حضرت والا خود ہی اُس مضمون کو ڈھونڈھنے اور پڑھنے اور حوالہ کے سمجھنے کی دقت اُٹھائیں۔ اھ

ایک طالب کو ایسی ہی بے عنوانی پر تحریر فرمایا کہ دو خط سابق رکھنا خلاف اُصول ہے تازہ خط کے ساتھ صرف ایک اخیر کا خط آنا چاہئے اور تازہ خط میں بھی مضمون پُورا لکھنا چاہئے۔ خط سابق صرف احتیاطاً منگایا جاتا ہے میرے پاس وقت زیادہ نہیں ہے اسلئے میرے ساتھ آسانی کی بیحد رعایت چاہئے۔ اھ

(۹) حضرت والا خط کے ہر مضمون کا جواب اُس کے محاذ میں ارتباط کے لئے لکیر کھینچکر ساتھ کے ساتھ حاشیہ پر تحریر فرماتے جاتے ہیں تاکہ مضمون اور جواب دونوں بہ یک وقت مکتوب الیہ کی نظروں کے سامنے ہوں اور وہ جواب کو اچھی طرح سمجھ سکے اسی لئے حضرت والا کی یہ ہدایت ہے کہ خط کے ہر صفحہ پر نصف صفحہ یا کم از کم ثلث صفحہ کا حاشیہ جواب کیلئے چھوڑ دینا چاہئے۔

اسی مصلحت سے کہ مضمون اور جواب دونوں ساتھ ہوں حضرت والا ایسے مضامین کا جواب جنمیں سوال و جواب

انطباق کی ضرورت ہو کارڈ پر نہیں تحریر فرماتے بلکہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ ایسا مور کے جواب کیلئے کارڈ کافی نہیں لیکن لفافہ کے انتظار میں خطوط کو محفوظ نہیں رکھتے ورنہ انبار کے انبار خطوط امانت رکھنے پڑیں بعض کم فہم حضرت والا کے اس تحریر فرمانے پر کہ جواب کیلئے کارڈ کافی نہیں محض لفافہ بھیجدیتے ہیں جس پر حضرت والا تحریر فرما دیتے ہیں کہ وہ مضمون کہاں ہے جسکا جواب چاہا جاتا ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ میرے پاس محفوظ ہے حالانکہ تمکو اس سمجھنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ کسی قاعدہ سے اسکا محفوظ رکھنا میرے ذمہ نہیں ۔ اھ

حضرت والا خود تو بمصالح مذکورۂ بالا اپنا جواب مکتوب الیہ ہی کے خط پر تحریر فرماتے ہیں لیکن اگر مکتوب الیہ جواب الجواب کو حضرت والا ہی کے جواب پر لکھ کر بھیجتا ہے تو چونکہ جواب الجواب کی صورت میں بھی ایسا کرنا موجب خلجان ہوتا ہے نیز اپنے سے بڑے کے لکھے ہوئے خط پر اسکا جواب لکھنا خلاف تہذیب بھی ہے اسلئے بہت تاکید کے ساتھ اس کی ممانعت فرما دیتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں کہ جس کو آدمی بڑا سمجھے گو وہ واقع میں بڑا نہو اسکے لکھے ہوئے پرچہ پر جواب لکھنا خلاف تہذیب اور خلاف ادب ہے ۔ ھ

اور اپنا ادب کرانے کے متعلق حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اسکا منشا یہ نہیں ہے کہ میں اپنے آپ کو قابل تعظیم سمجھتا ہوں یا میں اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہوں لاحول ولا قوۃ میں کیا چیز ہوں جو میری تعظیم کی جائے لیکن اس عدم تعظیم پر اسلئے نکیر ہے کہ جب کسی نے ایک شخص کو اپنے اعتقاد میں معظم سمجھ لیا ہے تو پھر وہ اب اپنے اعتقاد عظمت کا حق کیوں نہیں ادا کرتا ۔ اپنے اعتقاد کے خلاف اسکے ساتھ کیوں معاملہ کرتا ہے ورنہ مجکو تو واللہ اس تصحیح معاملہ کی تعلیم کرتے ہوئے بھی نہایت خجلت ہوتی ہے مگر بضرورت اصلاح کہنا ہی پڑتا ہے ۔ اھ

(۱۰) اس نمبر میں چند ایسے ضروری امور کی رعایت نہ کرنے سے حضرت والا کو سخت اذیت ہوتی ہے بطور نمونہ کے مختصراً عرض کر کے عنوان ہذا کو انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا ۔ کاتبین خطوط ان باتوں کا خاص طور سے لحاظ رکھیں ۔

وہ امور یہ ہیں :۔

کاتبین خطوط کو چاہیے کہ جواب کے لئے بجائے ٹکٹ بھیجنے کے لفافہ یا کارڈ بھیجیں جس پر اپنا پورا پتہ اور نام صاف طور پر خود ہی لکھدیں اور اس پر ٹکٹ بھی خود ہی چسپاں کر دیں اور اگر دستی بنا ہوا لفافہ ہو تو سوائے ایک طرف کے اسکے بقیہ اطراف کو خود ہی چسپاں کر دیں بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کھلی ہوئی طرف پر بھی گوند لگا کر اور خشک کر کے چھوڑ دیں تا کہ حضرت والا کو سوائے جواب لکھنے اور خط کو لفافہ کے اندر رکھ کر بند کر دینے اور روانہ کرا دینے کے اور کوئی زحمت نہ کرنی پڑے ۔

اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو دیکھنے والے روزمرہ دیکھتے ہیں کہ حضرت والا کو سخت اذیت ہوتی ہے اور سخت زحمت

اُٹھانی پڑتی ہے کیونکہ ٹکٹ رکھنے کی صورت میں بعض اوقات باوجود خطوط کو بحفاظت کھولنے کے ٹکٹ گرجاتے ہیں اور بعض اوقات حضرت والا ٹکٹوں کو چسپاں کرنے کی غرض سے نکالکر رکھتے ہیں تو ہجوم خطوط اور ہجوم مشاغل کی وجہ سے جو دوران تحریر جوابات میں بھی برابر پیش آتے رہتے ہیں ٹکٹوں کے رکھنے کی جگہ یاد سے اُتر جاتی ہے۔ بہر صورت ٹکٹوں کو ڈھونڈھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے اور بڑا وقت صرف ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی گرا ہوا ٹکٹ نظر پڑا تو سارے لفافے کھول کھول کر دیکھنے پڑے تاکہ یہ پتہ چلے کہ وہ کس خط کا ٹکٹ ہے۔ اور بعض مرتبہ پتہ نہ چل سکا تو حسب معمول اسکو ایک مہینہ تک امانت رکھ کر پھر بھی پتہ نہ لگنے کی صورت میں بمصارف لقطہ خیرات کردینا پڑا۔ اور بعض مرتبہ دو خطوط کے جوابی لفافے بلا ٹکٹ ملے تو اس احتمال پر کہ نہ معلوم ان میں سے کون سے لفافہ کا یہ ٹکٹ ہے ایک لفافہ پر تو وہ ملا ہوا ٹکٹ لگایا اور احتیاطاً دوسرے پر بھی اپنے پاس سے ٹکٹ لگایا۔ ٹکٹوں کو لفافہ پر چسپاں کرکے نہ بھیجنے کی صورت میں یہ بھی خرابی ہے کہ بعض اوقات ان پر کافی گوند نہیں ہوتا تو وہ اچھی طرح چپکتے نہیں چنانچہ بہت مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت والا نے ٹکٹ چسپاں کردیا لیکن بعد کو وہ خود بخود اُکھڑ گیا اور الگ پڑا ہوا پایا گیا اور پھر اُس خط کو تلاش کرنے کے لئے پشتارہ خطوط کو اُلٹنا پلٹنا پڑا۔ اگر ٹکٹ خود لگاکر نہ بھیجنے میں یہ مصلحت ہو کہ جس طرف سے لفافہ بند کیا جاتا ہے اُسطرف لگایا جاسکے تاکہ مضبوطی ہوجائے اور لفافہ راستہ میں کھلنے نہ پائے جیسا کہ بعض نے پوچھنے پر بھی مصلحت لکھی تو اسکی یہ بھی تو صورت ہوسکتی ہے کہ جس پرت کو بند کیا جاتا ہے اُسکے کنارہ پر ٹکٹ کے آدھے حصہ کو خود چسپاں کردیا جائے اور آدھا حصہ یُوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ اسطرح ٹکٹ بھی گرنے سے محفوظ ہوجائے گا اور وہ مصلحت بھی پُوری ہوجائے گی اور حضرت والا آسانی کے ساتھ لفافہ کو بند کرسکیں گے۔ اسی ہفتہ کی بات ہے ایک صاحب نے دستی لفافہ بناکر بھیجا جسکی سب اطراف کھلی ہوئی تھیں اور کسی طرف بھی گوند نہیں لگا ہوا تھا نہ ٹکٹ چسپاں تھا۔ حضرت والا نے تنبیہاً لفافہ کی اطراف کو بدستور کھلا ہوا ہی رکھا البتہ خط کو گرنے سے محفوظ کرنے کے لئے سوئی سے ڈورے کا ایک چھوٹا سا ٹانکا لگا دیا۔ غرض حضرت والا کو ان سب کوتاہیوں سے بہت ہی اذیت ہوتی ہے۔

اسیطرح پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ نہ ہونے کی صورت میں بھی حضرت والا کو سخت زحمت ہوتی ہے کیونکہ حضرت والا کاتب ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ جواب کے لفافہ پر ہونا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ غلطی نقل وغیرہ کا کوئی احتمال ہی نہ رہے اور اگر خود کاتب ہی کا لکھا ہوا پتہ غلط یا ناصاف ہو تو خط نہ پہونچنے کا وہ خود ہی ذمہ دار ہوگا حضرت والا کو افسوس اور خجلت نہ ہوگی چنانچہ کچھ عرصہ ہوا ایک خط پتہ کی غلطی کی وجہ سے حضرت والا کے پاس لوٹا تو حضرت والا نے فرمایا کہ دیکھئے اگر میرے ہاتھ کا لکھا ہوا پتہ ہوتا تو مجھکو کسقدر افسوس ہوتا۔ انھیں مصالح کی بناء پر حضرت والا

کا معمول ہے کہ اگر جوابی لفافہ پر پتہ لکھا ہوا نہیں ہوتا تو خط کو اسطرح تہ فرماتے ہیں کہ خط کے اندر کا وہ مقام جہاں خود کاتب کے ہاتھ کا پتہ لکھا ہوا ہوتا ہے اوپر رہتا ہے پھر اسکو لفافہ کے اندر رکھ کر لفافہ کے اوپر کے حصہ کے کاغذ کو اسطرح کاٹ دیتے ہیں کہ وہ کاتب کا لکھا ہوا پتہ لفافہ کے اندر سے دکھائی دینے لگتا ہے۔ پھر اُس پتہ لکھے ہوئے مقام کو لفافہ کے کٹے ہوئے حصہ کے کناروں سے بذریعۂ گوند چپکا دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکے اور پتہ برابر نمایاں طور پر دکھلائی دیتا رہے یا اگر کافی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ گوند اچھی طرح نہ لگیگا اور راستہ میں خط الگ ہو کر گر جائیگا یا یہ احتمال ہوتا ہے کہ گوند کے لگ جانے سے کھولتے وقت خط کا ایسا حصہ پھٹ جائیگا جسپر مضمون ہے تو پھر بجائے گوند لگانے کے ڈورے سے سی دیتے ہیں۔ پھر لفافہ کے اندر رکھ دینے اور چپکا دینے یا سی دینے کے بعد پتہ کے آس پاس جو عبارت زائد ہوتی ہے اسکو اچھی طرح قلمزد فرما دیتے ہیں تاکہ صرف پتہ ہی پتہ رہ جائے اور ڈاک والے آسانی کے ساتھ اسکو پڑھ لیں۔ اگر کوئی ٹکٹ بھیجتا ہے لفافہ نہیں بھیجتا تو خط کو اسطرح تہ فرما کر جسطرح مذکور ہوا خط ہی پر ٹکٹ چسپاں کر کے ڈاک میں ڈالوا دیتے ہیں۔

اُوپر کے بیان سے ناظرین کرام نے اندازہ فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا اپنے اصُول کو برتنے میں اس امر کا کسقدر اہتمام رکھتے ہیں کہ نہ ڈاک والوں کو کوئی پریشانی ہو نہ خط کے ضائع ہو جانے کا احتمال رہے نہ خط پانیوالے کی کوئی مصلحت فوت ہو حالانکہ وہ بوجہ اپنی کوتاہیوں کے اتنی رعایت کا مستحق بھی نہیں ہوتا۔

اس سارے اہتمام میں حضرت والا کا بہت وقت صرف ہو جاتا ہے اور سخت دقت اُٹھانی پڑتی ہے اور گو حضرت والا اپنا ایک منٹ بھی فضول صرف فرمانا اور خواہ مخواہ دقّت اُٹھانا ہرگز گوارا نہیں فرماتے لیکن چونکہ یہاں اسکی ضرورت اور مصلحت ہوتی ہے اسلیئے باوجود بہت تعب ہونیکے نہایت سکون کے ساتھ یہ سب کارروائی کرتے رہتے ہیں حالانکہ اسکو دیکھ دیکھکر پاس بیٹھنے والوں کو بھی سخت خلجان ہوتا ہے لیکن چونکہ حضرت والا کی طبع مبارک بفضلہ تعالیٰ فطری طور پر نہایت بااصول ہے اسلیئے جہاں واقعی ضرورت ہوتی ہے وہاں تو سخت سے سخت تعب بھی موجب پریشانی نہیں ہوتا اور جہاں ضرورت نہ ہو وہاں ذرا سا تعب بھی برداشت نہیں فرما سکتے۔

اسی ہفتہ کی بات ہے ایک لفافہ کو اسیطرح کاٹ چھانٹ رہے تھے اتفاق سے جناب مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند بھی تشریف فرما تھے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ اسمیں تو خود پتہ لکھدینے سے بھی کہیں زیادہ دقت صرف ہو جاتا ہے فرمایا کہ بلا سے کیونکہ مصلحت ہے اور میں اسلیئے بھی ایسا کرتا ہوں کہ خط بھیجنے والے صاحب کو یہ تو معلوم ہو جائے کہ اُنکی اس حرکت سے مجھے کتنی تکلیف پہونچی اور آیندہ ایسی حرکت نہ کریں اور ہمیشہ کے لئے عملی تنبیہ ہو جائے۔ اھ

اس عملی تنبیہ کے علاوہ حضرت والا لفافہ پر بالتصریح بھی تحریر فرما دیتے ہیں کہ اگر پتہ لکھا ہوا لفافہ بھجدیتے

تو مجکو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ بعض کو زجراً بلاجواب ہی خط واپس فرمادیتے ہیں اور تحریر فرمادیتے ہیں کہ جتنا وقت جواب لکھنے میں صرف ہوتا ہے وہ پتہ کو لفافہ پر لانے اور تنبیہی عبارت کے لکھنے ہی میں صرف ہوگیا اب دوسرے خطوط کے جواب لکھنے ہیں اسلئے خط بلاجواب واپس ہے۔ اھ

غرض اسطرح کاتب کو عمر بھر کے لئے سبق ہو جاتا ہے اور پھر کبھی اُس سے ایسی اذیت وہ حرکت سرزد نہیں ہوتی۔

دیگر

بعض کاتبین لفافہ کو اسطرح چسپاں کرتے ہیں کہ کھولتے وقت بڑی دشواری ہوتی ہے اور بعض اوقات اندر کا خط پھٹ جاتا ہے۔ اسیطرح بعض کاتبین لفافہ اتنا تنگ بناتے ہیں یا خط کی تہ اتنی بڑی بنا کر رکھتے ہیں کہ اوپر کا لفافہ کھولنے کے لئے کوئی جگہ ہی نہیں رہتی ایسی صورت میں بھی دقت کے علاوہ بعض اوقات خط ہی پھٹ جاتا ہے

دیگر

کاتبین کو یہ بھی چاہیئے کہ جواب کے لئے جو ٹکٹ بھیجیں وہ بالکل صاف ہو میلا یا داغدار یا چھلا ہوا یا اور کسیطرح سے مشکوک حالت میں نہ ہو کیونکہ حضرت والا ایسے ٹکٹ لگاتے ہی نہیں تاکہ خدانخواستہ کوئی قصہ نہ کھڑا ہو جائے جیسا کہ بہت سے لوگوں پر ایسی صورتوں میں ڈاک خانہ کی طرف سے فوجداری کے مقدمات قائم کر دئے گئے ہیں۔

چونکہ حضرت والا بلا ضرورت شرعیہ خلاف احتیاط کام کرنا جسمیں اپنی آبرو کا یا اور کسی قسم کے ضرر کا اندیشہ ہو خلاف مصلحت بلکہ خلاف شریعت سمجھتے ہیں اسلئے مشکوک ٹکٹ ہرگز نہیں لگاتے۔ بلکہ جن مستعمل ٹکٹوں پر مُہر کا نشان بہت کم یا بالکل نہیں ہوتا ان کو فوراً چاک فرمادیتے ہیں تاکہ کوئی ردی میں سے بھی نکال کر مکرر استعمال نہ کر سکے۔

دیگر

حضرت والا رنگین روشنائی سے لکھے ہوئے خطوط کو بھی پسند نہیں فرماتے کیونکہ گو بعض اقوال پر گنجایش ہے لیکن پڑیہ کے رنگ میں اسپرٹ کے شبہ ہونے کیوجہ سے حضرت والا اس سے احتیاط ہی فرماتے ہیں۔

بعض اوقات دیکھا گیا کہ اچکن کی جیب میں کوئی رنگین روشنائی سے لکھا ہوا خط رکھ لیا پھر نماز کے اندر یاد آیا تو نماز کی حالت ہی میں اسکو جیب میں سے نکالکر پھینکدیا لیکن بوجہ اختلافی گنجایش ہونے کے نماز کو دُہرایا نہیں۔ اسیطرح بعض اوقات اسپر ہاتھ بھی لگ جاتا ہے جسکو دھونا پڑتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ دھونے سے بھی پورے طور پر نہیں چھوٹا اور کپڑوں پر لگ گیا تو کپڑے بھی خراب ہوئے۔ غرض چونکہ حضرت والا کو رنگین روشنائی کے لکھے ہوئے خطوط سے تکلیف پہونچتی ہیں اسلئے طالبین اسکی بھی حتی الامکان احتیاط رکھیں تو بہتر ہے۔ اگر کسی وقت اور سیاہی نہو تو پنسل ہی سے لکھ دیں لیکن ذرا ہاتھ دبا کر تاکہ تحریر دُھندلی نہ ہو جو پڑھنے ہی میں نہ آئے یا پڑھنے میں دقت ہو ویسے

بھی اسکا بہت خیال رکھیں کہ جو کچھ لکھیں بہت صاف حرف بس روشن سیاہی سے لکھیں تاکہ خط آسانی سے پڑھا جاسکے اور عبارت بھی بہت واضح لکھیں کہ مطلب فوراً سمجھ میں آتا چلا جائے۔ جو خطوط پڑھے نہیں جاتے یا آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے انکا بہت غور کر کے مطالعہ کرنے یا مطلب سمجھنے میں حضرت والا اپنا وقت صرف نہیں فرماتے کیونکہ اتنا وقت ہی نہیں ملتا۔ اور تنبیہ لکھ کر بلا جواب واپس فرما دیتے ہیں ورنہ اور سب کام پڑے رہ جائیں۔

بعض ایسے ہی خطوط کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ حروف باریک روشنائی تاریک خط پڑھنے میں بہت تکلف ہوتا ہے اسلئے بلا جواب واپس ہے اسیطرح بہت لمبے خطوط کو یہ لکھ کر واپس فرما دیتے ہیں کہ نصف صفحہ یا دس بارہ سطروں سے زیادہ کا مضمون ایک خط میں نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔

دیگر

حضرت والا سے دنیوی امور کے متعلق کوئی مشورہ دریافت نہ کرنا چاہیئے نہ کوئی امداد استدعا کرنی چاہیئے۔ کیونکہ حضرت والا کو نہ ایسے امور سے دلچسپی نہ ایسے امور کا تجربہ چنانچہ اسی بناء پر حضرت والا عموماً اس سے عذر فرما دیتے ہیں۔ اگر مواقع خصوصیت میں کوئی مشورہ دیتے بھی ہیں تو اکثر اس عنوان سے کہ اگر آپکی جگہ میں ہوتا تو یہ کرتا۔

حضرت والا مشورہ دینے سے اسلئے بھی گریز فرماتے ہیں کہ آج کل لوگ عموماً مشورہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھتے اور اوسکے مضر ہونے پر یا مفید نہونے پر خود مشیر کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ مشورہ تو محض دوسرے کی اعانت کیلئے ہوا کرتا ہے کہ رائے قائم کرنے میں اسکو سہولت ہو۔ اھ

اور حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل مشورہ دینے میں اکثر یہ بھی خرابی ہے کہ معتقدین بوجہ غلو فی الاعتقاد کے مشورہ کے متعلق یہ غلط عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیخ کے قلب میں مضر یا غلط بات آہی نہیں سکتی اور اسمیں تعینی خیر سمجھتے ہیں اور اُسکے خلاف کرنے میں یقینی ضرر سمجھتے ہیں یہ سب غلو فی الاعتقاد ہے جسکی اصلاح ضروری ہے۔

دیگر

اسیطرح حضرت والا تعویذ گنڈوں کے شغل کو بہت ہی ناپسند فرماتے ہیں کیونکہ اول تو اسمیں عوام کا اور دنیا داروں کا بہت ہجوم ہو جاتا ہے جس سے دینی ضرر اور تضیع اوقات کا قوی اندیشہ ہے دوسرے اسکے متعلق لوگوں نے عقیدہ میں بھی بہت غلو کر رکھا ہے اور اسکو اسکے درجہ سے بھی آگے بڑھا رکھا ہے۔ چنانچہ اُسکے برابر نہ دعا کو مؤثر سمجھتے ہیں نہ اُن تدابیر کو جو ایسے مقاصد کے لئے موضوع ہیں اور اگر اثر ہو جائے تو اُسکو بزرگی کی علامت سمجھتے ہیں۔

حضرت والا اسکے متعلق ہمیشہ تقریراً و تحریراً علماً و عملاً اصلاح عقیدہ فرماتے رہتے ہیں۔ اور عملیات کے اثر کو زیادہ تر قوت خیالیہ کا ثمرہ قرار دیا کرتے ہیں جسکی تحقیق میں بعض بہت مبسوط تقریرات قلمبند بھی ہو چکی ہیں چنانچہ حسن العزیز جلد اول کے ایک بڑے ملفوظ نمبر ۱۳۵ میں مسمریزم اور قوت خیالیہ کے حیرت انگیز کرشمے بیان فرمائے گئے ہیں۔ جو قابل

ملاحظہ ہیں۔

غرض حضرت والا تعویذ گنڈوں کے مشغلہ کو بہت ناپسند فرماتے ہیں لیکن چونکہ حضرت حاجی صاحب رحمہ نے ارشاد فرما دیا تھا کہ اگر لوگ تعویذ مانگنے آئیں تو جو کچھ اُسوقت سمجھ میں آیا کرے لکھ کر دیدیا کرنا اسلیئے حضرت والا امتثالاً للامر معمولی شکایات درد سر بخار نظر وغیرہ کے تعویذ اسی طرح مرحمت فرمادیا کرتے ہیں کہ نہ عاملوں کی قیود کا لحاظ فرماتے ہیں نہ انکے خاص عملیات کی کوئی پابندی فرماتے ہیں بلکہ اکثر تو کوئی مناسب حال آیت یا حدیث یا دعا لکھ کر دیدیتے ہیں جو عین وقت پر خیال میں آجاتی ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ اکثر مواقع پر مقصد برآری بھی فرما دیتے ہیں چنانچہ حال ہی ہیں بندہ زادہ نے دوکان کھولی تو حضرت والا سے برکت کے لئے تعویذ منگوایا اور دعا بھی کرائی جس کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ باوجود بالکل نئی دوکان ہونے کے توقع سے کہیں زیادہ مال فروخت ہونے لگا۔ فالحمد للہ۔

بندہ زادہ ہی کے عرض کرنے پر وسعتِ رزق کے لئے حضرت والا نے پانچوں نمازوں کے بعد یا باسِطُ ۷۲ بار پڑھنے کو بتادیا۔ کچھ عرصہ بعد اُسنے پھر کوئی اور وظیفہ پوچھا تو تحریر فرمایا کہ دواؤں میں تو یہ بات ہوتی ہے کہ اگر ایک دوا نافع نہ ہو تو دوسری دوا نافع ہو جاتی ہے لیکن دعاؤں میں یہ تفصیل نہیں۔ وہی پہلی دعا کافی ہے اسی کو معمول رکھا جائے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا قبول فرمالیں گے۔ اھ

ایک صاحب نے اپنی تشویشات بیان کرکے کچھ پڑھنے کو پوچھا تو فرمایا کہ تشویشات کا علاج پڑھنا نہیں بلکہ تدابیر ہیں۔ اُنھوں نے پوچھا کہ کوئی تدبیر ہی بتا دیجئے۔ فرمایا کہ ہر تشویش کی جدا تدبیر ہے۔ جب کوئی خاص تشویش پیش آئے اسکے متعلق دریافت کیا جائے۔ اھ

اس واقعہ کو نقل فرماکر فرمایا کہ لوگ ان غلطیوں میں مبتلا ہیں حالانکہ وہ پڑھے لکھے سمجھدار آدمی ہیں۔ اھ

غرض حضرت والا تعویذات اور عملیات کے متعلق بھی جو لوگوں نے غلو کر رکھا ہے اُسکی بھی بحیثیت مجدد ملت اور مصلح امت ہونے کے اصلاح فرماتے رہتے ہیں۔

حضرت والا آسیب سحر وغیرہ یا بڑے بڑے امراض کے تعویذات عموماً یہ فرماکر انکار فرما دیتے ہیں کہ میں عامل نہیں ہوں مگر از راہ شفقت یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ اگر کسی عامل کا مجھ سے پتہ پوچھا جائے گا تو بتا دوں گا چنانچہ اگر وہ پوچھتا ہے تو بتا بھی دیتے ہیں تاہم اگر کوئی باوجود انکار کے اور اپنے عامل نہ ہونے کو ظاہر کر دینے کے اصرار کرتا ہے تو اس شرط پر تعویذ عطا فرما دیتے ہیں کہ اگر اثر نہ ہو تو مکرر مجھ سے درخواست نہ کیجائے کیونکہ میں عامل نہیں ہوں کہ اگر ایک تعویذ سے نفع نہ ہوا تو دوسرا لکھ دوں۔ اھ

چونکہ حضرت والا کو تعویذ گنڈوں کے شغل سے بوجوہ مذکورۂ بالا بالکل دلچسپی نہیں اسلئے فرمایا کرتے ہیں مجھے دو صفحہ کا مضمون لکھنا اتنا گراں نہیں ہوتا جتنا دو سطر کا تعویذ لکھنا گراں ہوتا ہے۔ نیز حضرت والا غیر مباح کام کے لئے ہرگز

تعویذ نہیں دیتے بلکہ جہاں استعمال بھی کسی مفسدہ کا ہوتا ہے وہاں بھی انکار فرمادیتے ہیں چنانچہ ایک بار کسی نے کسی عورت کو اپنے ساتھ نکاح پر راضی ہوجانے کے لئے تعویذ لیا اسکے بعد وہ عورت کچھ متوجہ ہوئی تو تعویذ لینے والا بلا نکاح بدکاری میں مبتلا ہوگیا جسکی خود اسی نے آکر حضرت والا کو اطلاع کی اور کہا کہ اب اس تعویذ میں اثر نہ رہا ہوگا۔ دوسرا تعویذ دیدیجئے۔ بس اس واقعہ کے بعد سے حضرت والا نے اس قسم کے تعویذ ہی لکھنے موقوف فرمادئے۔

اسی طرح ایک صاحب نے تفریق کا تعویذ مانگا اور لکھا کہ ایک نوجوان فاروقی النسل اپنے تمام رشتہ داروں کی مرضی اور دستور خاندان کے خلاف تیموری نسل کی ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جسکے تمام رشتہ دار بجز اسکی والدہ کے اس پیوند سے ناراض ہیں۔ اسکا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا کہ اتنا تامل ہے کہ تفریق وہاں جائز ہے جہاں اتفاق حرام ہو کیا کسی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے جو منافی کی تدبیر کیجائے اگر اس جزو میں مجکو مطمئن کردیا جاوے تو تعویذ لکھ دونگا اھ

حضرت والا بوجہ قلت فرصت نیز درخواستوں کی کثرت کو رد کنے کے لئے ایک خط میں ایک سے زیادہ تعویذ نہیں بھیجتے نہ زبانی درخواست پر ایک بار میں ایک سے زیادہ تعویذ دیتے ہیں۔ اور زبانی درخواست پر جمعہ کے دن بالکل تعویذ دیتے ہی نہیں کیونکہ اس روز اطراف و جوانب سے بہت لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں اگر جمعہ کے روز بھی یہ سلسلہ جاری رکھا جائے تو یہ سوچکر کہ آئے تو ہیں ہی لاؤ تعویذ بھی لیتے چلو بہت کثرت سے لوگ بضرورت و بلا ضرورت تعویذ مانگیں اب تو وہی شخص اس غرض کے لئے خاص طور سے آتا ہے جسکو واقعی ضرورت ہوتی ہے اھ

غرض حضرت والا کا ہر معمول نہایت اصول صحیحہ کے مطابق ہے اور ضرورت و مصلحت پر مبنی ہے اور بہت تجربوں کے بعد مقرر کیا گیا ہے اور سب معمولات کا حاصل وہی ہے جو پہلے بھی کسی موقع پر عرض کیا گیا ہے کہ نہ خود حضرت والا کو کلفت ہو نہ دوسروں کی ضرورت واقعیہ اٹکی رہے۔

زبانی تعویذ مانگنے میں لوگ اسقدر بے اصول اور نا تمام طریق سے درخواست کرتے ہیں کہ حضرت والا کو سخت اذیت ہوتی ہے۔ اکثر یا تو صرف یہ کہتے ہیں کہ تعویذ دیدیجئے اور جس بات کا تعویذ چاہیئے اسکا نام نہیں لیتے یا صرف حال کہدیتے ہیں اور یہ درخواست نہیں کرتے کہ تعویذ چاہتے ہیں یا محض دعا یا مشورہ اور بعض لوگ صرف حالات تو کہہ دیتے ہیں لیکن انکا سبب خود تعیین نہیں کرتے کہ انکے خیال میں یہ حالات کسی مرض سے ناشی ہیں یا آسیب سے یا نظر بد وغیرہ سے اور ان امور میں سے کس چیز کا تعویذ لکھانا چاہتے ہیں ایسی صورت میں حضرت والا فرمادیتے ہیں کہ حالات سنکر تشخیص سبب کرنا میرا کام نہیں کیونکہ یہ تو طبیب کا منصب ہے طبیب تو حالات سُنکر

سبب کی تشخیص کر لیتا ہے مگر میں تو طبیب نہیں۔ بس ان حالات سے کیا سمجھوں کہ کیا سبب ہے اور کس چیز کا تعویذ لکھ دوں۔ بجائے مفصل حالات کہنے کے مجھ سے تو بس صرف یہ ایک مختصر سی بات کہدو کہ فلاں چیز کا تعویذ چاہیئے۔ اھ

غرض اکثر لوگ ادھوری ہی بات کہتے ہیں اور جیسی کہ عام بیہودہ اور بے اصول رسم ہو گئی ہے ہر شخص ادھوری بات کہہ کر اسکا منتظر رہتا ہے کہ مخاطب خود ہی سوال کر کر کے بات کو پورا کرائے جو کسی قاعدے بھی اُسکے ذمّہ نہیں۔

چونکہ حضرت والا خود اس امر کا انتہا درجہ کا لحاظ رکھتے ہیں کہ کسی پر ایسا بار نہ ڈالا جائے جو اسکے ذمّہ نہو اسلئے خود بھی کسی کا بیجا طور پر ڈالا ہوا بار اُٹھانا حضرت والا کا معمول نہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا صورتوں میں جب تک وہ خود پوری بات واضح طور پر نہیں کہتا اور با اصول درخواست نہیں کرتا تعویذ مرحمت نہیں فرماتے اور فرما دیتے ہیں کہ ریل کا ٹکٹ یا سودا لیتے وقت یا کسی حاکم سے درخواست کرتے وقت بھی کبھی ادھوری بات کہہ سکتے ہو پھر اسکا سبب سوائے بیفکری اور دل میں ملّاؤں کی وقعت نہ ہونے کے اور کیا ہے اھ۔

غرض ایسے لوگوں سے فرما دیتے ہیں کہ جب پوری بات کہو گے تب تعویذ ملے گا۔ اگر کوئی شخص اس تنبیہ سے سمجھ جاتا ہے اور پوری بات کہہ دیتا ہے تب بھی اکثر فوراً اسکی درخواست نہیں قبول فرماتے بلکہ فرما دیتے ہیں کہ اب تو آدھ گھنٹہ بعد آ کر پھر سلیقہ سے درخواست کرو گے تب تعویذ ملے گا اسوقت تو تم نے تکلیف دیکر قلب کو مکدر کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر تعویذ لکھونگا بھی تو بوجہ انشراح قلب نہ ہونے کے اُسمیں اثر نہوگا اور اس میں یہ بھی بڑی مصلحت ہے کہ عملی تنبیہ ہو جانے کے بعد پھر عمر بھر کسی کے ساتھ ایسا اذیت دہ معاملہ نہ کرو گے۔ اھ

اگر وہ حضرت والا کے اس فرمانے سے کہ کیا پوری بات ہو گئی نہیں سمجھتا کہ کیا کمی رہ گئی ہے اور کیا کوتاہی ہوئی ہے تو اُس سے فرما دیتے ہیں کہ باہر جا کر کسی سے پوری بات کہنے کا اور درخواست کرنے کا سلیقہ سیکھ کر آؤ۔ پھر جب وہ کسی سے سلیقہ سیکھ کر آتا ہے اور پوری بات کہتا ہے تو اس سے بھی یہی ارشاد ہوتا ہے کہ اب تو جب آدھ گھنٹہ کے بعد آ کر پوری بات کہو گے تب تعویذ ملیگا۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ آ کر پوری بات کہہ دیتا ہے تو حضرت والا فوراً تعویذ مرحمت فرما دیتے ہیں۔

حضرت والا کی اس عملی تنبیہ سے یہی غرض ہوتی ہے کہ آئندہ کے لئے اچھی طرح سبق ہو جائے۔

جو بہت تنگ کرتا ہے اور باوجود سمجھا دینے کے بھی بار بار کوتاہی کرتا ہے اسکو ہدایت فرما دیتے ہیں کہ لکھوا کر پیش کرے اور اگر لکھوا کر پیش کرنے میں بھی کوئی اذیت دہ حرکت کرتا ہے تو پھر فرما دیتے ہیں کہ بذریعہ

ڈاک کے منگاؤ۔

غرض یہ ہرگز گوارا نہیں ہے کہ کسی کا کام نہ ہو لہذا کام لینے کے پورے اُصول اور قواعد بنا دیئے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی خود ہی اُن طریقوں سے کام نہ لے تو کام نہ ہونے کا وہ خود ہی ذمہ دار ہے نہ کہ حضرت والا۔

دیگر

اگر کوئی طالب حضرت والا سے حزب البحر یا دلائل الخیرات یا بزرگوں کے اسی قسم کے دوسرے اوراد و احزاب کی اجازت طلب کرتا ہے تو اول یہ سوال فرماتے ہیں کہ اس طلب اجازت کی غرض کیا ہے اگر جواب ملتا ہے کہ دنیوی حاجات کے لئے بطور عمل کے معمول بنانا ہے تو تحریر فرما دیتے ہیں کہ میں عامل نہیں ہوں۔ اور بعض نے اپنی یہ نیت ظاہر کر کے اجازت حاصل کرنی چاہی کہ اس سے ہمارا مقصود قرب و رضا حق حاصل کرنا ہے تو انکی اس ہوشیاری کا یہ جواب تحریر فرمایا کہ کیا ان دعاؤں سے پہلے قرب حق حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا اگر نہیں تھا تو جن بزرگوں سے یہ دعائیں منقول ہیں انکو قرب حق کس طریق سے حاصل ہوا جو وہ اس قابل ہوئے کہ ان پر یہ دعائیں الہام فرمائی گئیں لہذا ظاہر ہے کہ تھا تو بس تم بھی وہی طریقہ کیوں نہ اختیار کرو تاکہ تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ اھ

اس پر وہ ساکت ہو جاتے ہیں اور ان کے غلوفی الاعتقاد کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بعضوں کو جنکا معمول دلائل الخیرات کی منزلیں تھیں یہ تجویز فرمایا کہ ایک منزل پڑھ کر یہ دیکھا جائے کہ اسمیں کتنا وقت صرف ہوتا ہے بس روزانہ اتنی ہی دیر کوئی ماثور درود شریف پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اھ

دیگر

حضرت والا باستثناء مواقع خصوصیت باوجود اجازت کے بیرنگ خطوط نہیں بھیجتے کیونکہ مکتوب الیہ کا پتہ نہ لگنے کی صورت میں احتمال ہے کہ وہ حضرت والا ہی کے پاس لوٹ کر آجائے اور خواہ مخواہ حضرت والا کو محصول برداشت کرنا پڑے جیسا کہ بعض اوقات مکتوب الیہ کی بد انتظامی سے واقع بھی ہو چکا ہے۔

دیگر

ایک صاحب نے ایک بہت ہی چھوٹا سا پرچہ لکھ کر بھیجدیا حضرت والا نے حاضرین سے فرمایا کہ یہ تو مختصر نویسی میں مجھ سے بھی بڑھ گئے اور پھر یہ جواب تحریر فرمایا کہ جواب لکھنے کے لئے جگہ ہی نہیں اس لئے کر جواب نہیں دیا جاتا۔ اھ

اس سے حضرت والا کا مقصود ان کو متنبہ کرنا تھا کہ جس سے کام لیا جائے اسکا ادب یہ ہے کہ یا تو

کو پڑھ کر وہ رقم قابل واپسی سمجھی گئی تو پھر علاوہ امانت رکھنے کی ذمہ داری کے واپسی میں بڑی دقت اور مزید صرف ہے پہلے حضرت والا رقم وصول فرما کر خط کا انتظار فرمایا کرتے تھے لیکن جب اسمیں گوناگوں خلجانات پیش آئے تب واپسی کا معمول مقرر فرمالیا

اسیطرح اگر کوئی بذریعہ بیمہ یا رجسٹری کے رقم بھیجتا ہے تو بجز مواقع اطمینان کے اسکو بھی واپس فرما دیا جاتا ہے کیونکہ اسمیں بھی وہی سب دقتیں ہیں جو ابھی مذکور ہوئیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ ہوا ایک بڑی رقم جو میری یاد میں تقریبًا پانچسو روپیہ کی تھی بذریعہ بیمہ آئی تو اسکو حسب معمول واپس فرما دیا پھر جب اُنھوں نے جداگانہ عریضہ میں تفصیلات ضروریہ لکھکر پھر بھیجنے کی اجازت مانگی تو چونکہ وہ کسی ترکہ کی رقم تھی اور مصارف خیر میں صرف کرنے کے متعلق بعض ورثہ کی اجازت نہیں حاصل کی گئی تھی اسلئے حضرت والا نے بھیجنے سے ممانعت فرمادی اور جب بعد کو اُنھوں نے سب ورثہ کی رضامندی حاصل کرکے اجازت طلب کی تب اجازت مرحمت فرمائی۔ اگر اول ہی بار بیمہ وصول کر لیا جاتا تو بڑی دقت ہوتی اور سخت خلجان پیدا ہوجاتا۔ اس قسم کے اکثر واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ اور ایسے مواقع پر ہمیشہ حضرت والا حاضرین کو متوجہ فرماکر فرمایا کرتے ہیں کہ دیکھئے لوگ مجھے وہمی سمجھتے ہیں اگر میں وہمی ہوں تو پھر میرے وہم اکثر صحیح کیوں نکلتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ میں نے اپنے اکثر معمولات بہت سے تجربوں کے بعد مقرر کئے ہیں اگر اوروں کو ایسے تجربے ہوں تو وہ مجھ سے بھی زیادہ وہمی ہوجائیں۔

اسیطرح ایسے مواقع پر جہاں حضرت والا کی تشخیص و تجویز اور احتمالات صحیح ثابت ہوتے ہیں جیساکہ اکثر ہوتا رہتا ہے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی طبیب کو اللہ تعالیٰ نبض کی پہچان عطا فرمادے اور وہ نبض دیکھ دیکھکر لوگوں کے باریک باریک امراض بھی پہچان لیا کرے تو کیا اسکو بھی وہمی کہیں گے اھ

حضرت والا اکثر بڑے بڑے بیموں اور منی آرڈروں کو خلاف اُصول ہونیکی بنا پر واپس فرماتے رہتے ہیں اور جب وہی واپس کردہ رقوم اصول کے مطابق مکرر موصول ہوتی ہیں۔ جیساکہ اکثر ہوتا ہے تو اسوقت حضرت والا حاضرین سے یہ بھی فرمادیا کرتے ہیں کہ دیکھئے جو آنے والی چیز ہوتی ہے وہ آتی ہی ہے چاہے اسکو لاکھ واپس کیا جائے پھر کیوں نیت خراب کی جائے اور خلاف اُصول کا ارتکاب کیا جائے اھ

رقوم مرسلہ کے متعلق حضرت والا کی احتیاط کے بعض اور واقعات بھی بمناسبت مقام نیز اس خیال سے بھی عرض کئے جاتے ہیں کہ سبق آموز ہوں کیونکہ گو اس قسم کی احتیاط صریح طور پر واجب ہے اور جن جزئیات فقہیہ پر حضرت والا کا عمل ہے وہ سب کے نزدیک واجب العمل ہیں کسیکو مجال انکار نہیں لیکن انکی طرف آجکل عام طور سے ذہن ہی نہیں جاتا۔

حضرت والا کی خدمت میں حال ہی میں ایک صاحب نے کسی مصرف خیر کے لئے ایک معتدبہ رقم بھیجی اور لکھا کہ

میں بہت بیمار ہوں یہاں تک کہ صحت سے مایوسی ہے۔

چونکہ حضرت والا کو تحفظ حقوق کا غایت درجہ اہتمام ہے اور معاملات میں ہمیشہ احکام شرعیہ اور جزئیات فقہیہ غامضہ دقیقہ کو پیش نظر رکھتے ہیں لہذا بوجہ اسکے کہ اُن کے خط میں کوئی لفظ وصیت کا نہ تھا حضرت والا نے ان کو شرعی وصیت کا ایک مضمون لکھ کر بھیجدیا کہ وہ اُس پر اپنے دستخط کر کے واپس بھیجدیں تاکہ وصیت شرعًا بھی صحیح ہو جائے اور خیال تھا کہ اگر وصیت نامہ دستخط ہو کر آگیا تو بہتر ورنہ وہ رقم واپس کر دیجائیگی لیکن چونکہ اُن صاحب نے وہ رقم بنیت وصیت ہی بھیجی تھی اسلئے انھوں نے بلا تامل وہ مضمون اپنے دستخط کر کے حضرت والا کی خدمت میں بھیجدیا اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت والا اس رقم کو واپس فرما دیتے بلکہ اگر حضرت والا کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ رقم اُن صاحب کے ترکہ کے ثلث سے بہت کم ہے جسکی وصیت بحالت یاس بھی جائز ہے اسکو فورًا ہی واپس فرما دیتے۔

چنانچہ جب جناب حاجی محمد یوسف صاحب رنگونی رحمۃ اللہ علیہ کا جو حضرت والا کے ایک نہایت مخلص اور متمول خادم مجاز تھے انتقال ہوا تو انکے بالغ ورثہ نے ایک کثیر رقم بھیجی جسکی مرحوم نے حضرت والا کے نام بذریعہ تحریر وصیت فرمادی تھی لیکن حضرت والا نے تحریر فرمادیا کہ چونکہ مرحوم کے بعض ورثا نابالغ ہیں اسلئے اگر یہ وصیت کسی شرعی حجت سے ثابت ہو تب تو وہ نابالغ ورثہ کے مقابلہ میں شرعًا نافذ ہو سکتی ہے ورنہ نہیں لہذا وہاں کے علماء کے سامنے شرعی حجت پیش کر کے اور اُنپر یہ بھی ظاہر کر کے کہ وہ وصیت نامہ کس کس کے سامنے لکھا گیا یا حاجی صاحب نے کس کس کے سامنے تحریر کرنے کا اقرار کیا اور کس کس کے پاس اور کہاں کہاں رہا اُنسے باقاعدہ فتوے حاصل کیا جائے اور پھر وہ فتوے یہاں بھیجا جائے۔ اگر میرے نزدیک بھی وہ حجت شرعًا کافی ہوگی تو وصیت کردہ رقم بخوشی قبول کرلوں گا ورنہ عذر کر دوں گا۔ چنانچہ وہاں سے باقاعدہ فتوے مکمل حجت شرعیہ کے ساتھ آگیا جس پر حضرت والا کو بھی پورا اطمینان ہو گیا اور پھر وہ رقم بخوشی قبول فرمالی گئی۔

اسیطرح جناب حاجی صاحب ممدوح رح کے انتقال کے بعد حضرت والا نے اُنکی ایک کثیر رقم جو پہلے سے ایک خاص مصرف خیر کے لئے امانت تھی واپس فرمادی اور یہ نہیں کیا کہ پہلے دریافت فرماتے کیونکہ اس صورت میں تو ورثہ از راہ مروت واپس کرنے سے ممانعت ہی کر دیتے چاہے مصلحت ہوتی یا نہ ہوتی برخلاف اسکے رقم پہونچ جانے کے بعد اُنھوں نے بالکل آزادی سے رائے قائم کی اور پھر اس رقم کو بالغ ورثہ نے اپنے حصہ میں لگا کر اور نابالغوں کے حصہ کا عوض اُن کو اپنے پاس سے دیکر واپس بھیجدیا کہ اسی مصرف خیر میں بدستور صرف فرمایا جاوے۔

چونکہ اب اس صورت میں کوئی محذور شرعی نہ رہا تھا اسلئے حضرت والا نے بلا تامل منظور فرما کر اُسی مصرف خیر میں صرف فرمادیا۔

حضرت والا کی اسی قسم کی احتیاط اور اہتمام تحفظ حقوق کا ایک اور واقعہ بھی اس جگہ بمناسبت مقام استطرادًا نقل کیا جاتا ہے۔

جناب حکیم نور احمد صاحب کانپوری رحمہ نے جو حضرت والا کے مجازین میں سے تھے مرض الموت میں اپنے تین قطعہ مکانات کی حضرت والا کے نام بذریعۂ تحریر وصیت تملیکی کردی اور بحالت ضعف و تکالیف مرض بمشکل تمام عدالت میں پہونچکر وصیت نامہ کی رجسٹری بھی کرادی لیکن چونکہ وہ کانپور میں تھے اور حضرت والا تھانہ بھون میں اسلئے بعد مسافت اور تنگی وقت کی وجہ سے وہ حضرت والا کو بالکل اطلاع نہ کر سکے چنانچہ حضرت والا اس ساری کارروائی سے بالکل بے خبر رہے۔ یہاں تک کہ اتفاق سے حضرت والا کا بہ سلسلہ سفر کانپور تشریف لیجانا ہوا تو اُسوقت اِن سب واقعات کی اطلاع ملی۔ چونکہ حقوق العباد کا معاملہ تھا اسلئے حضرت والا نے حکیم صاحب مرحوم کے ورثہ کی نہایت اہتمام سے تحقیق کی لیکن معلوم ہوا کہ اُنھوں نے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ البتہ یہ سنا کہ انکے کوئی عزیز تھے جو مفقود ہیں۔

حضرت والا کو مرحوم کی اس ساری کارروائی سے ذوقًا یہ مفہوم ہوا کہ اگر ان کو گنجائش وقت ملتی تو وہ بوجہ کوئی وارث نہ ہونیکے مصارف خیر میں وقف کرتے لیکن چونکہ ان کو کوئی آدمی قابل اعتماد نہ ملا اسلئے ان کو یہ خیال ہوا کہ حضرت والا کے نام وصیت نامہ لکھدوں اور یہ اس اعتماد پر کیا کہ حضرت والا ان مکانات کی آمدنی کو مصارف خیر ہی میں صرف فرمائینگے۔ یہ سب ذوقًا معلوم ہوا۔

غرض حضرت والا نے اُن تینوں مکانات کو بجائے اپنی ملک میں رکھنے کے غایت احتیاط کی بناء پر یتیم خانہ کانپور میں شرائط خاصّہ کے ساتھ وقف فرما دیا اور وقف نامہ کی باقاعدہ رجسٹری بھی کرادی۔ نیز رسالۂ تنبیہات وصیت کے تتمہ سابعہ کے ضمیمہ ثالثہ میں اسکا اعلان بھی شایع فرمادیا جسمیں یہ بھی تحریر فرمادیا کہ اس اعلان کی غرض یہ ہے کہ میرا کوئی وارث دعویٰ نہ کرے۔ اور چونکہ مرحوم کے ایک عزیز مفقود الخبر سنے گئے تھے اس لئے انکی حفاظت حق کی نیز اگر اسی طرح کوئی اور وارث بعد میں معلوم ہوں ان سب کی حفاظت حقوق کی یہ صورت فرمائی گئی کہ وقف نامہ کے اندر اسکے متعلق بھی مضمون تحریر فرما دیا گیا اور مزید احتیاط یہ فرمائی گئی کہ تنبیہات وصیت کے ضمیمہ خامسہ تتمہ سابعہ کے مضمون رابع میں بھی اسکے متعلق اعلان فرمادیا گیا جو ذیل میں بلفظہ نقل کیا جاتا ہے۔

مضمون رابع متعلق مکانات و آراضی

(نمبر ۱) حکیم نور احمد کے جن مکانات کا ذکر ضمیمہ ثالثہ تتمہ سابعہ کے مضمون رابع میں ہے کہ شرائط خاصہ کے ساتھ یتیم خانہ کانپور میں وقف کردئے گئے۔ ان شرائط میں شرط اہم جو بخیال حفاظت حقوق العباد خاص طور پر قابل اعتناء ہے

یہ ہے کہ مرحوم کے کسی شرعی وارث کی مجھ کو تحقیق نہیں ہوئی سو اگر واقع میں بھی ایسا ہی ہے تب تو یہ مکانات کل وقف ہیں اور اگر کوئی شرعی وارث حجت شرعیہ کے موافق ثابت ہو جاوے تو اگر وہ اس وقف کو جائز رکھے (اور شرعاً جائز رکھنے کے شرائط کا پایا جانا ضروری ہے) تب بھی کل وقف ہے اور اگر وہ جائز نہ رکھے یا اسکا جائز رکھنا کسی عارض کے سبب جائز نہو تو مجموعہ مکانات کا ایک ثلث وقف ہے اور دو ثلث اُس وارث کا حق ہے اور اب سے لیکر اُسکی میراث شرعی ملنے تک حساب سے جو کچھ اس وقف کی آمدنی ہو اُسکا دو ثلث بھی اُس وارث کو واپس کیا جاوے اور اگر وقف مذکور کی آمدنی میں اسوقت اسقدر رقم موجود نہو تو اس دو ثلث کی آمدنی کو بقیہ ایک ثلث کی آمدنی سے اوّل پورا کیا جاوے اُسکے بعد مصارف یتیم خانہ میں صرف کیا جاوے۔ اھ

احتیاطاً اس وقف نامہ کی رجسٹری عدالت کانپور کا پورا پتہ لکھے دیتا ہوں تاکہ حقدار کو حاجت کے وقت اسکی نقل لینا سہل ہو۔ تاریخ ۱۲ مارچ ۱۹۲۳ء بہی نمبر ۱ جلد ۱۵۰ صفحات ۳۹۷ و ۹۸ نمبر ۱۳۹ فقط

غرض حضرت والا نے تمام شرعی پہلوؤں کا لحاظ فرما کر اُن مکانات کا وقف نامہ مرتب فرمایا تھا جس کو دیکھ کر سب رجسٹرار نے بھی بیحد تحسین کی اور کہا کہ میں نے اس سے قبل ایسا واضح اور ہر پہلو سے مکمل وقف نامہ نہیں دیکھا حالانکہ حضرت والا قانون داں بھی نہ تھے۔

اسیطرح اگر کسی رقم کے متعلق حضرت والا کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اسکے وصول ہونے سے قبل بھیجنے والے کا انتقال ہو چکا ہے تو اسکو بھی واپس فرما دیتے ہیں کیونکہ موہوب لہٗ کی ملک ہونے کے لئے محض روانگی رقم کافی نہیں بلکہ قبضہ شرط ہے اور یہاں چونکہ وہ رقم بھیجنے والے کے انتقال کے بعد وصول ہوئی اور قبل انتقال یعنی اسوقت جبکہ وہ رقم معطی کی ملک تھی حضرت والا کا قبضہ نہیں ہوا اسلئے وہ رقم باوجود وصول ہو جانے کے بھی حضرت والا کی ملک نہیں ہوئی بلکہ وارثوں ہی کی ملک رہی اور اگر قبل بیمہ یا منی آڈر پہونچنے کے بھیجنے والے کے انتقال کی خبر ملجاتی ہے تو اسکو وصول ہی نہیں فرمایا جاتا۔

اسیطرح اگر کسی رقم کے دوران صرف میں اسکے بھیجنے والے کے انتقال کا علم ہو جاتا ہے تو پھر فوراً اسکا صرف کیا جانا روک دیا جاتا ہے اور بقیہ رقم کے متعلق خصوصیت کے محل پر تو اطلاع کر کے استفسار فرما لیا جاتا ہے اگر جواب ہر پہلو سے اطمینان بخش ہوا تو اُسپر عمل فرما لیا جاتا ہے ورنہ رقم کو واپس فرما دیا جاتا ہے اور جو خصوصیت کے مواقع نہیں ہوتے ان میں بلا استفسار ہی واپس فرما دیا جاتا ہے۔ اسی قسم کی احتیاطیں مد ختم کے متعلق بھی کی جاتی ہیں جن کے ذکر کے قبل ختم کی حقیقت عرض کرنا ضروری ہے تاکہ مقصود سمجھ میں آسکے ختم کی مختصراً یہ حقیقت ہے کہ عرصہ سے بہ ایماء حضرت والا رفاہ عام کے لئے نیز مساکین مقیمین خانقاہ کی اعانت کی مصلحت سے روزانہ بعد عصر ختم خواجگان کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے جسمیں بعض شرائط مناسبہ پر مساکین مقیمین خانقاہ

شریک وظیفہ ہوتے ہیں اور جو صاحبان اپنی کسی دنیوی مباح حاجت کے لئے دعا کرانا چاہتے ہیں وہ ایک آنہ یومیہ کے حساب سے داخل کر دیتے ہیں اور ایسے سب صاحبوں کے لئے وظیفہ ختم ہونے کے بعد روزانہ نام لے لے کر انکی حاجت مطلوبہ کی دعا مانگی جاتی ہے اور چونکہ عملیات اور رقی پر اُجرت لینا جائز ہے اسلئے رقوم موصولہ سب شرکاء وظیفہ کو حصہ رسد تقسیم کر دیجاتی ہیں۔ اگر کوئی بلا اجرت دعا کرانا چاہتا ہے تو سات دن تک اسکے لئے مفت بھی دعا کر دی جاتی ہے۔

اس مد ختم کی جو رقوم موصول ہوتی ہیں اُن کے متعلق حضرت والا کی بعض اہم احتیاطیں عرض کیجاتی ہیں، مثلاً جو صاحب صرف دینی دعا کرانا چاہتے ہیں انکی رقم نہیں قبول کیجاتی کیونکہ ایسی دعا دین ہے اور باستثناء مواقع مذکورہ کتب فقہ دین پر اُجرت لینا جائز نہیں۔

اسیطرح اگر کسی مریض نے صحت کی دعا کے لئے کوئی رقم بھیجی اور قبل اُس رقم کے ختم ہونیکے اُسکے انتقال کی خبر ملگئی تو فوراً اسکی رقم کی تقسیم بند کرا دی جاتی ہے۔ اور بقیہ رقم واپس فرما دی جاتی ہے۔ بعض ورثہ نے چاہا کہ بقیہ رقم میں مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کیجائے تو انکار فرما دیا گیا کہ دعاء مغفرت پر اُجرت لینا جائز نہیں اور مثلاً اگر کوئی متمول شخص ایک آنہ یومیہ سے زائد بھیجنا چاہتا ہے تو زائد رقم نہیں قبول فرمائی جاتی چنانچہ ایک بار ایک والی ملک نے اور ایک بار ایک ملک کے ولیعہد نے زیادہ رقم بھجوانی چاہی تو انکار فرما دیا گیا اور وہی ایک آنہ یومیہ لیا گیا۔ البتہ اول الذکر نے جب بعد کامیابی غالباً ڈیڑھ سو روپیہ مساکین کی دعوت اور کپڑوں کیلئے بھیجنے کی اجازت چاہی تو اسکی اجازت مرحمت فرما دیگئی چنانچہ انھوں نے روپیہ بھیجدیا اور اسکو اسکے مصرف میں صرف فرما دیا گیا۔

غرض اس قسم کی سیکڑوں احتیاطیں ہیں جو حضرت والا معاملات میں رات دن برتتے رہتے ہیں جن سے حضرت والا کا غایت درجہ اہتمام حفظ حقوق اور صفائی معاملات جو آج بفضلہ تعالیٰ شہرۂ آفاق اور موافقین و مخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے ظاہر و باہر ہے اور جن سے مشاہدہ کرنیوالے ہمیشہ عملی سبق حاصل کرتے رہتے ہیں اور جو ہزاروں تقریروں اور تحریروں سے بڑھ کر موثر ہوتی ہیں۔ بس اب اسی مضمون پر گنج اشرف کے اس عنوان سوم کو ختم کیا جاتا ہے اور عنوان چہارم شروع کیا جاتا ہے۔

عنوان چہارم

اصول متعلقۂ واردین

(۱) حضرت والا اُن نو واردین کو جو ابتدائی ضروری سوالات کا بھی واضح جواب نہیں دیتے ایک چھپا ہوا نقشہ بغرض خانہ پری حوالہ فرما دیتے ہیں تاکہ وہ اطمینان سے سارے ضروری سوالات کا جواب خود لکھ کر یا اَن پڑھ ہوں تو کسی سے لکھوا کر اس مطبوعہ نقشہ کو واپس کر دیں اور اسطرح جانبین کلفت و خلجان سے محفوظ رہیں وہ نقشہ یہ ہے۔

خانقاہ ہذا میں آنیوالوں سے ابتدائی سوالات کے نقشہ کی مصلحت اور اسکی ضرورت

بعض حضرات احقر کے پاس خاص مقاصد کیلئے تشریف لاتے ہیں جنکی بجا آوری اُنکے مفصل حالات ضروریہ کے مطلع ہونے پر موقوف ہوتی ہے مگر اکثر کا میرے سوال کرنے پر بھی جواب نہیں ملتا یا بہت ہی ناتمام ملتا ہے یا کئی کئی بار کے پوچھنے پر ملتا ہے جس سے طبعاً اذیت ہوتی ہے اور اذیت سے تنگی و کدورت جو اُنکے مقاصد میں مخل ہوتی ہے چونکہ اسکی وجہ پوچھنے پر اکثر نے تصریحاً یہ وجہ بیان کی کہ زبانی سوال سے انتشار ہو جاتا ہے اسلئے سہولت کیلئے ذیل کا نقشہ تجویز کرتا ہوں کہ میں یہ نقشہ پیش کر دیا کروں اور وہ اسکی خانہ پری خود یا کسی سے کرا کر مجکو عنایت فرما دیا کریں جانبین کو اسمیں راحت ہوگی۔ " اشرف علی "

۱	نام	
۲	وطن اصلی	
۳	اسوقت کس مقام سے آنا ہوا اور اس مقام میں کتنا قیام رہا ہے۔	
۴	شغل و وجہ معاش	
۵	موروثی زمین تو آپکے پاس نہیں۔	
۶	علمی استعداد اردو یا عربی یا انگریزی میں کسقدر ہے۔	
۷	اصلی مقصد آنے سے کیا ہے محض ملاقات یا کچھ کہنا اور لکھ کر دینا یا زبانی اور مجمع میں یا تنہائی میں۔	
۸	کسی سے بیعت ہیں یا نہیں اور کس سے	
۹	اگر مجھ سے بیعت ہیں تو بیعت کو کتنا زمانہ ہوا اور تعلیم کسکے متعلق ہے	
۱۰	میرے مواعظ و رسائل کیا کیا دیکھے ہیں۔	
۱۱	اگر مجھسے کچھ خط وکتابت ہوئی ہو تو وہ پاس ہے یا نہیں اگر ہو تو دکھلایا جائے	
۱۲	کتنا قیام ہوگا۔	
۱۳	کہاں قیام ہوگا۔	
۱۴	خانقاہ میں اول بار آنا ہوا ہے یا پہلے بھی آئے ہیں اگر پہلے بھی آئے ہیں کتنا قیام ہوا تھا۔	
۱۵	یہاں کے انتظام طعام کی آپکو خبر ہے یا نہیں۔	
۱۶	باہر والا بڑا اعلان قلمی دیکھ لیا یا نہیں	(دستخط اشرف علی)

(۲) نیز نووارد دین کی سہولت اور اپنے بھی حرج اوقات کے انسداد کے لئے حضرت والا نے اپنی نشستگاہ کے باہر اپنا نظام الاوقات بصورت اعلان آویزاں فرما رکھا ہے جسمیں اسکی پوری رعایت ہے کہ دوسروں کو بھی عرض حال اور مجالست کا کافی موقع ملسکے اور اپنا بھی حرج اوقات نہو۔ اس اعلان کی نقل یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعلان انضباط اوقات احقر

تاکہ نہ اہل حاجت کا حرج یا تکلیف ہو نہ احقر کا

نمبر۱۔ صبح سے بارہ بجے تک مجکو متفرق ایسے کام رہتے ہیں جو تنہائی میں ہو سکتے ہیں اُسوقت کسی سے ملنے میں یا بات چیت کرنے میں تکلیف بھی ہے حرج بھی ہے۔

نمبر۲۔ البتہ اوپر کے نمبر سے تین شخص مستثنےٰ ہیں۔ ایک وہ شخص جو تازہ آیا ہو اور صرف ملاقات کا مصافحہ کرنا چاہتا ہو دوسرا وہ جو جارہا ہے اور صرف رخصت کا مصافحہ کرنا چاہتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جسکو ایسی حاجت ہو کہ اسمیں مہلت نہیں ہو سکتی مثلاً درد وغیرہ کا تعویذ لینا ہو یا فوری ضرورت کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو جسمیں تاخیر نہ ہو سکے مگر ان تینوں شخصوں کو چاہیئے کہ آتے ہی کہدیں کہ ہمارے اسوقت آنے کی یہ وجہ ہے تاکہ معلوم نہ ہونے سے پریشانی نہ ہو۔

نمبر۳۔ پھر بارہ بجے سے نماز ظہر سے فارغ ہو کر اپنی مجلس میں بیٹھنے تک میرے قیلولہ و نماز کا وقت ہے اسمیں ملاقات سے اور نیز سب خدمات سے معافی چاہتا ہوں۔

نمبر۴۔ پھر جب ظہر پڑھ کر اپنی مجلس میں حاضر ہو جاؤں اُسوقت سے عصر کی اذان ہونے تک عام اجازت ہے آنے کی بیٹھنے کی ہر قسم کی بات چیت کی تعویذ وغیرہ مانگنے کی البتہ جمعہ کا دن تعویذ سے مستثنےٰ ہے۔

نمبر۵۔ پھر اذان عصر سے نماز سے فارغ ہونے تک کے لئے وہی قاعدہ ہے جو قیلولہ کے وقت کا ہے جو نمبر تین میں مذکور ہے۔

نمبر۶۔ پھر عصر سے فارغ ہونے کے بعد سے عشاء سے فارغ ہونے تک کیلئے وہ قاعدہ ہے جو صبح سے بارہ بجے تک کے وقت کا ہے جو نمبر ۱ میں مذکور ہے اور وہی لوگ یہاں بھی مستثنےٰ ہیں جو نمبر ۲ میں مذکور ہیں۔

نمبر۷۔ عشاء کے بعد تو علی الاطلاق معذوری ظاہر ہے، باستثناء اضطرار شدید۔

نمبر۸۔ یہ قواعد تو ان صاحبوں کے لئے ہیں جو مجمع میں اپنا مقصود ظاہر فرما سکتے ہیں اور جو کسی کو کچھ پوشیدہ

کہنا ہو اُسکے لئے یہ قاعدہ ہے کہ اگر تحریر کو کافی سمجھیں تو میری مجلس سے ملحق سہ دری کی دیوار میں ایک بکس لگا ہے اُسمیں لکھ کر ڈالدیں اور جس موقع پر جواب چاہتے ہوں اُسکا پورا پتہ لکھدیں مثلاً فلاں نمبر کے حجرہ میں یا مسجد کے ممبر پر۔ ہمیشہ بعد نماز فجر کے ایسے پرچے نکالے جاتے ہیں۔ اس طریقہ سے تحریری جواب ملجاویگا اور اگر وہ پوشیدہ بات زبانی ہی کہنا چاہیں تو ایسے ہی پرچہ کے ذریعہ سے تنہائی کا وقت پوچھ لیں۔ میں جو وقت بتلاؤں اُسوقت بات کرلیں اور اکثر بعد مغرب کا وقت بتلایا کرتا ہوں۔

نمبر ۹۔ بعض مہمانوں کو میں خاص اجازت دیکر تنہائی کے وقت میں بٹھلا لیتا ہوں دوسرے حضرات اپنے کو اُنپر قیاس نہ کریں اور اسیطرح ایک کو کوئی خدمت پنکھا وغیرہ کی کرتا ہوا دیکھ کر دوسرے اُسکی تقلید نہ کریں جب تک خاص اجازت حاصل نہ کرلیں اسیطرح دوسری خدمت بھی بلا صریح اجازت نہ کریں جیسے جوتا اٹھانا یا لوٹا بھر کر رکھنا۔ وغیر ذالک۔

نمبر ۱۰۔ راستہ میں بھی کوئی صاحب میرے ساتھ نہ چلیں نہ گھر جاکر پکاریں۔

نوٹ

یہ سب قواعد اُن صاحبوں کے لئے ہیں جو محض عقیدت مندی کے ماتحت ہو کر آتے ہیں اور جن کو کوئی دوسرا تعلق بھی ہو اُن کے لئے یہ ضوابط نہیں۔ البتہ اگر کسی کو کسی خاص قاعدہ کا پابند کردوں اُس کو اُس کی پابندی لازم ہے۔

نوٹ

کسی وقت ضرورت سے کچھ ترمیم کردوں تو ترمیم ہی پر عمل ہوگا اسیطرح ذاتی ملازموں کے لئے دوسرے ضوابط ہیں جو اُن کو زبانی بتلا دیئے گئے ہیں فقط

اس نظام الاوقات کے اندر رمضان المبارک کے زمانہ میں بربناء ضرورت وقتیہ بعض تغیرات بھی فرمادئے جاتے ہیں جنکا اعلان خود اپنے قلم مبارک سے لکھ کر شعبان کی اخیر تاریخ میں آویزاں کرا دیا جاتا ہے جسکی نقل یہ ہے

دو ضروری اطلاعیں

(یہ دونوں اطلاعیں وہی ہیں جو گذشتہ رمضان میں کی گئیں تھیں۔)

اطلاع اوّل:۔ وقت تنگ ہے اور مشاغل زیادہ اسلئے رمضان گذرنے تک صبح کی مجلس موقوف کردیگئی۔ ایک دو منٹ کے لئے ضروری بات کی زبانی اجازت ہے۔

اطلاع دوم: - جن حضرات کو یہاں کے زمانہ قیام میں مکاتبت کی اجازت نہیں وہ تو کسی قسم کا پرچہ نہ لکھیں اور جنکو اجازت ہے وہ سہ دری والے لیٹر بکس میں نہ ڈالیں بلکہ ڈاک کے ذریعہ سے بھیجیں اور جواب ملنے کا ذریعہ یہ ہوگا کہ عصر کے بعد حافظ اعجاز کے پاس جا بیٹھیں انکے پاس ایک بکس رہیگا وہ اسکو کھول کر پرچہ والوں کا نام لیکر پکار پکار کر حوالہ کر دیں گے اور مناسب یہ ہے کہ ڈاک میں ڈالنے سے دوسرے روز جواب کا انتظار کریں اور شاذونادر بعض اوقات تیسرے روز ملنا بھی محتمل ہے فقط

کتبہ اشرف علی عفی عنہ۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

لیکن احقر نے حضرت والا کو بعض اہل خصوصیت مقیمین کے خطوط کے جوابات بجائے لیٹر بکس میں ڈلوانے کے مجلس شریف ہی میں دستی حوالہ فرماتے ہوئے بھی دیکھا ہے جس سے حضرت والا کا کمال اعتدال ظاہر ہوتا ہے ورنہ جو لوگ اصول کے پابند ہوتے ہیں انکی پابندیٔ اصول اکثر خشکی کی حد تک پہونچ جاتی ہے۔ اور وہ استثنا کرنا جانتے ہی نہیں حالانکہ جہاں پابندیٔ اصول فطرت سلیمہ کا مقتضا ہے وہاں مواقع خصوصیت وضرورت میں مستثنیات کا ہونا بھی فطرت سلیمہ ہی کا مقتضا ہے۔ چنانچہ حضرت والا کا کوئی بھی قاعدہ ایسا نہیں جسمیں مستثنیات نہ ہوں گو وہ صرف بقدر ضرورت ہی ہوتے ہیں کیونکہ مستثنیات کی کثرت توڑے اصولی ہی کی ایک فرد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت والا کے یہاں کا استثنار بھی بہت بااصول ہے یعنی صرف بعض احوال خاصہ میں اور صرف بقدر ضرورت اور صرف ایسے لوگ مستثنےٰ فرمائے جاتے ہیں جو خاص اہل تعلق ہیں یا اہل قرابت ہیں یا جو کسی خاص درجہ کا اعزاز وامتیاز رکھتے ہیں یا جو اہل ضرورت شدیدہ ہیں۔

(۳) اگر کوئی نیا طالب بذریعۂ تحریر حاضری خدمت کی اجازت چاہتا ہے تو سب سے پہلے اُس سے یہ سوال فرماتے ہیں کہ تمہارے آنے کی ایسی کونسی غایت وغرض ہے جو یہاں آنے پر موقوف ہے طالبین کیطرف سے اس سوال کے مختلف جوابات ملتے ہیں لیکن جب تک وہ ایسی غایات ظاہر کرتے رہتے ہیں جو یہاں آنے پر موقوف نہیں گو فی نفسہ مقصود بھی ہوں مثلاً اصلاح - دعا کرانا - تعویذ لینا وغیرہ۔ اُسوقت تک حضرت والا ان غایات پر برابر جرح فرماتے رہتے ہیں اور آنے کی اجازت نہیں مرحمت فرماتے۔

البتہ اگر کوئی یہ لکھتا ہے کہ حاضری سے مقصود محض ملاقات ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ بزمانۂ قیام نہ مخاطبت کرونگا نہ مکاتبت بس مجلس میں بالکل خموشی کے ساتھ بیٹھا رہا کرونگا. تو پھر حضرت والا بخوشی آنے کی اجازت مرحمت فرمادیتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ بس یہی ایک مقصود ایسا ہے جو بغیر یہاں آئے حاصل ہو ہی نہیں سکتا ورنہ اور سب مقاصد ایسے ہیں جنکے لئے یہاں آنا ضروری نہیں لہٰذا بس اسی ایک مقصود کے لئے یہاں آنا چاہیے۔ اور عدم مخاطبت ومکاتبت کی قید کی مصالح عنقریب نمبر ۴ میں مذکور ہونگی۔

غرض حضرت والا کسی کو اُسوقت تک آنے کی اجازت نہیں مرحمت فرماتے جب تک وہ صاف طور سے یہ نہیں لکھ دیتا کہ حاضری کا مقصود صرف ملاقات ہے اور اسکے ساتھ ہی یہ وعدہ بھی نہیں کر لیتا کہ وہاں قیام میں نہ مخاطبت کرونگا نہ مکاتبت اور جسکو محض اسپر قناعت نہو اسکو اختیار ہے نہ آئے۔

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی اجازت حاصل کرکے آنا چاہیگا اسکے لئے تو یہی شرط ہے کہ جب تک یہ سب معاملات طے نہ ہو جائیں نہ آئے۔ لیکن اگر کوئی بلا اجازت طلب کئے آجائے تو میرے یہاں کوئی بھی نہیں چوکی نہیں جو جاہے چلا آئے اور جب چاہے چلا آئے مگر یہاں آنے کے بعد بھی اس سے وہی سوال ہوگا اور قیام کی بھی وہی شرائط ہونگی اھ

چنانچہ بعض بلا اجازت آنے والوں سے جب یہی سوال ہوا تو اُنھوں نے بے تکے جوابات دیئے اور ایسی بے ڈھنگی اور بے اصول اور اذیت دہ باتیں کیں اور اتنی ناگواری بڑھی کہ ان کو دوسری ہی ریل گاڑی سے واپس کر دیا گیا یا وہ خود واپس چلے گئے اور مصلحت بھی یہی تھی کیونکہ بلا معاملہ صاف ہوئے قیام جانبین کے لئے موجب بے لطفی و تکدر ہوتا۔ واپسی کی نوبت تو خیر کم آتی ہے لیکن اکثر ایسے نادر دین سے جن سے اذیت دہ حرکات سرزد ہوتی ہیں طلب معافی پر یہ فرما دیتے ہیں کہ معاف کرنے کو تو میں نے معاف کر دیا لیکن یہ جو اذیت مجھکو ہوئی یہ کس مد میں رہی کیا یہ خالی ہی گئی جس غرض کے لئے یہاں آئے ہو یعنی قیام وہ تو جبھی پوری ہوگی جب اس اذیت کا کچھ تدارک کیا جائے گا جب وہ تدارک پوچھتا ہے تو اکثر خود اُسی سے تجویز کرایا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت والا پہلے تو خود تدارک تجویز فرما دیا کرتے تھے لیکن اب اکثر خود کوئی تدارک تجویز نہیں فرماتے تاکہ خواہ مخواہ حضرت والا پر سختی کا الزام نہ رکھا جائے۔ چنانچہ جب وہ خود یا اوروں سے مشورہ کرکے جسکی حضرت والا خود ہی اسکی سہولت کے لئے ہدایت فرما دیتے ہیں اپنے لئے کافی اور مناسب تدارک تجویز کر لیتے ہیں تو حضرت والا اُسی کو بلکہ اکثر اُسمیں بھی کچھ اپنی طرف سے تخفیف فرما کر منظور فرما لیتے ہیں اور اگر اُسکا تجویز کیا ہوا تدارک کافی اور مناسب نہیں ہوتا تو اس سے برابر جرح قدح فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ یا تو اسی کے ذہن میں مناسب تدارک آجاتا ہے یا خود حضرت والا مناسب تدارک تجویز فرما دیتے ہیں۔ تدارک اکثر یہی ہوتا ہے کہ کسی قریب کے مقام پر جاکر وہاں سے پھر حاضری کی اجازت طلب کیجائے اور بعض کے لئے صرف اسپر بھی اکتفا فرمایا گیا کہ لکھکر خانقاہ میں یہ اعلان آویزاں کر دیا جائے کہ مجھ سے فلاں اذیت دہ حرکت سرزد ہوئی اور بعض کے لئے یہ تجویز فرمایا گیا کہ سب مقیمین خانقاہ سے فرداً فرداً اپنی غلطی کا اظہار کیا جائے تاکہ نفس کو گرانی ہو اور آئندہ کیلئے اسکو تنبیہ ہو۔ اھ

حال ہی میں ایک صاحب نے اپنے لئے یہ تدارک تجویز کیا کہ سہارنپور جاکر وہ حاضری کی اجازت حاصل کریں جسکو منظور فرما لیا گیا لیکن اُسی وقت پھر اُنسے کوئی اذیت دہ حرکت سرزد ہوئی جب اسکی وجہ دریافت

فرمائی تو غلط تاویلات کرنے لگے جن سے حضرت والا کو بوجہ خلاف صدق و خلوص ہونے کے سخت نفرت ہے چونکہ یہ مرض شدید تھا اسکے ازالہ کے لئے شدید اور مزید تدارک کی ضرورت واقع ہوئی لہذا حضرت والا نے بجائے سہارنپور جانے کے دہلی جانا تجویز فرمایا۔ پھر بار بار افسوس فرماتے رہے کہ واللہ مجکو سخت قلق ہے اور خود اُن سے بھی زیادہ قلق ہے لیکن کیا کرتا۔ بدون اس تدارک کے اُنکی اصلاح ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ اھ

وہ چونکہ طالب صادق تھے اسلئے بخوشی دہلی جانا منظور کر لیا اور وہاں سے حاضری کی مکرر اجازت طلب کی اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا پھر حضرت والا نے بخوشی اجازت مرحمت فرما دی۔ لیکن اجازت نامہ پیش کرتے وقت یہ بے ڈھنگا پن کیا کہ پہلے تو خط جیب سے نکالا جسکو حضرت والا لینے کیلئے آمادہ ہوئے لیکن پھر اسکو فرش پر رکھ کر مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھا دئے جس سے حضرت والا کو سخت اذیت ہوئی اگر مصافحہ کرنا تھا تو پہلے مصافحہ کر لیتے پھر جیب سے خط نکالتے اور اگر خط نکالکر حضرت والا کو لینے کیلئے آمادہ کر دیا تھا تو خط ہی دیدیتے مصافحہ نہ کرتے یا بعد میں کرتے۔ اسپر حضرت والا نے اپنے پاس سے اُٹھا دیا۔

ایسے مواقع پر حضرت والا حاضرین سے فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میں لوگوں کی ان حرکتوں پر صبر کروں تو انکی اصلاح بھی نہو اور میرے قلب کے اندر اُن کی طرف سے تکدر بھی پیدا ہو جائے اور اب تو چونکہ میں اپنی اذیت کا اظہار کر دیتا ہوں اور بعض لوگ اذیت کا تدارک بھی کر دیتے ہیں اسلئے میری طبیعت صاف رہتی ہے۔

ایک بار ایک شخص مجلس خاص کے وقت آ بیٹھا اُس سے حضرت والا نے یہ فرمایا کہ یہ مجلس خاص کا وقت ہے بعد ظہر کے پاس بیٹھنا اسوقت جاؤ اسپر وہ چلا گیا۔ بعد کو حاضرین سے فرمایا کہ دیکھئے اگر میں مروت میں آکر اس سے کچھ نہ کہتا تو جب تک یہ بیٹھا رہتا مجکو سخت الجھن رہتی اور اسکی طرف سے قلب میں کدورت پیدا ہو جاتی اور اب جو میرے کہتے ہی چپکے سے چلا گیا میرے قلب میں اسکی قدر ہوئی اور اس سے محبت پیدا ہو گئی۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ کونسی صورت بہتر ہے۔ اھ

مذکورہ بالا تدارکات کے متعلق جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ بزرگان سلف نے تو اس سے بھی سخت سخت سزائیں تجویز فرمائی ہیں۔ چنانچہ طبقات شعرانی میں ایک بزرگ کے حالات میں لکھا ہے کہ انکی خدمت میں ایک طالب آئے اور یہ کہا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ اس احسان جتلانے پر اُنکے لئے یہ سزا تجویز فرمائی گئی کہ تین برس تک یہاں آنے کی اجازت نہیں۔ اسیطرح اُس کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک طالب مقیم تھے وہ ایک لاکھ درہم تو اپنے پاس سے اور ایک لاکھ قرض لیکر خرچ کر چکے تھے لیکن ہنوز ان کو کلام کرنے کی بھی اجازت نہیں ملی تھی۔

اسی قسم کی اور بہت سی حکایات طبقات شعرانی میں موجود ہیں جنکو حضرت والا نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ آجکل کے طالبین بھی کوئی طالبین ہیں کہ ذرا سی سیاست کا بھی تحمل نہیں۔ اور پھر حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر

پڑھ دیتے ہیں ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق اھ

(۴۴) جب حضرت والا نے دیکھا کہ حاضری خانقاہ کی شرائط کے متعلق طالبین بہت گڑبڑ کرتے ہیں اور طے ہونے میں بڑا وقت صرف ہو جاتا ہے تو خاص اپنے صرف سے حاضری کے متعلق ایک مکمل دستور العمل طبع فرمالیا جسکی نقل یہ ہے۔

دستور العمل طالبان تعلق مرکب از مراتب سبعہ

اوّلاً - یہاں کی ابتدائی آمد میں ہر حال میں بدون مخاطبت و مکاتبت کے سکوت محض کے ساتھ چندے مجالست و مصاحبت بغرض حصول بصیرت و مناسبت۔

ثانیاً - یہاں سے جا کر اگر تعلق رکھنا چاہیں اپنے مستقر سے اپنی اصلاح کے متعلق زیادت مناسبت کے لئے مراسلت و مکاتبت۔

ثالثاً - مکرر آمد میں اگر یہاں کے قیام میں صرف مکاتبت چاہیں تو قبل آمد بذریعہ خط مجھ سے تحقیقِ موافقت وضروری مناسبت واخذ اجازت مکاتبت۔

رابعاً - بعد حصول اجازت نامہ جسکو آنے کے وقت دکھلانا ضروری ہوگا یہاں کے قیام میں صرف مکاتبت بلا مخاطبت۔

خامساً - بعد مناسبت تامہ جو مکاتبت طویلہ سے حاصل ہوسکتی ہے میری اجازت کے بعد یہاں کے قیام میں مکاتبت ومخاطبت۔

اور یہ سب تفصیل بقاء تعلق کی صورت میں ہے

سادساً - اگر اختلاف مذاق کے سبب مناسبت سے مایوسی ہو جاوے تو پھر مصلحت کے لئے نہ کہ کدورت کے سبب تجویز مفارقت و مجانبت ومشورۂ رجوع بجانب محل مناسبت۔

سابعاً - لیکن اس حالت میں بھی اگر خواہش کریں تو طلب دعا ودریافت خیریت کے لئے خط بھیجنے کی اجازت علی المواظبت وبشرط عدم انقباض سکوت کے ساتھ اجازت مجالست ومصاحبت۔

خلاصہ

(۱) محض مجالست (۲) مستقر سے مراسلت (۳) بعد مناسبت ضروریہ واخذ اجازت مجالست مع مکاتبت بلا مخاطبت (۴) بعد مراسلت طویلہ ومناسبت تامہ واخذ اجازت مجالست مع مکاتبت و مخاطبت۔

و بصورت عدم حصول مناسبت

(۵) مشورہ رجوع بجانب محل مناسبت (۶) صرف برائے طلب دعا وخیریت اجازت مراسلت (۷) بشرط عدم انقباض اجازت مجالست بلا مکاتبت ومخاطبت فقط

کتبہ اشرف علی عفی عنہ

اس دستور العمل سے جانبین کو بہت سہولت ہوگئی۔ جب کوئی نیا طالب حاضری کی اجازت طلب کرتا ہے حضرت والا مطبوعہ دستور العمل ملفوف فرما دیتے ہیں۔ پھر اگر وہ عدم مخاطبت و عدم مکاتبت بزمانۂ قیام کی شرط کے ساتھ اجازت حاضری طلب کرتا ہے۔ اجازت مرحمت فرما دی جاتی ہے اور یہ بھی ہدایت تحریر فرما دی جاتی ہے کہ آتے ہی اس خط کو پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ آنے والا آتے ہی اس خط کو پیش کر دیتا ہے۔ اس کو بلا تامل قیام کی اجازت ملجاتی ہے اور کسی ردّ وکد کی نوبت نہیں آتی بشرطیکہ خلاف اصول کوئی حرکت سرزد نہو حضرت والا خود بھی فرمایا کرتے ہیں کہ نئے آنے والوں کے لئے بزمانۂ قیام عدم مخاطبت و عدم مکاتبت کی شرط اللہ تعالیٰ نے خوب میرے دل میں ڈالدی ورنہ عدم مناسبت مزاج اور عدم واقفیت طریق کی وجہ سے لوگ بے اصول باتیں اور بے تکے سوالات کر کر کے مجکو بڑی ایذائیں پہونچاتے اور بڑا وقت ضایع کرتے میرا بھی وہ اپنا بھی اب تو اللہ کا شکر ہے میں بھی اپنے کام میں اطمینان سے مشغول رہتا ہوں اور اُن لوگوں کو بھی نہایت یکسوئی اور سکون کے ساتھ میری باتیں سننے اور اطمینان سے اُن پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے ورنہ اگر قیل وقال کی اجازت ہوتی تو مجلس کیا ہوتی چوپال ہوتی بڑے پریشان ہوتے اور بڑا پریشان کرتے اور یہاں سے بالکل کورے جاتے۔ اب تو بکثرت اس مضمون کے خطوط آتے رہتے ہیں کہ خموشی کے ساتھ بیٹھنے سے بہت نفع حاصل ہوا۔ خموشی کے ساتھ بیٹھ کر سننے کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ایک صحابی سے فرمایش کی کہ قرآن سناؤ اُنھوں نے عرض کیا کہ آپ پر تو خود نازل ہوا ہے میں کیا سناؤں فرمایا کہ مجھے یہ محبوب ہے کہ جو کچھ مجھ پر نازل ہوا ہے اسکو میں دوسرے کی زبان سے سنوں۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ قرآن خود پڑھنے میں تو ثواب زیادہ ہے اور دوسرے سے سننے میں لطف اور اثر زیادہ ہے۔ اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہاں آنے والوں کے متعلق میرے جتنے معمولات ہیں اُن سب کا منشا تعلیم ادب ہے۔ یہ اصل ہے اور سب فروع جو کہ زمانہ اور مصالح اور ضرورتوں کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں اور اس اصل کی صریح تائید حدیث کان علی رؤسنا الطیر سے ہوتی ہے۔ بلکہ بوجہ اسکے کہ اس معمول کے منافع کھلے ہوئے ہیں اگر یہ تائید نہ بھی ہوتی تب بھی اسکے مستحسن اور قابل عمل ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا تھا جیسے کتب طب میں بڑے بڑے مجرب نسخے موجود ہیں اور وہ سب قابل استعمال سمجھے جاتے ہیں حالانکہ اُنمیں سے کسی کی بھی تائید حدیث سے نہیں ہوتی لیکن اس تائید سے اس معمول کی اور بھی تقویت ہو گئی۔ اور حُسن بڑھ گیا۔ اھ

حضرت والا اس عدم مخاطبت و مکاتبت زمانۂ قیام کی یہ مصالح بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ نئے آنیوالے پہلے خموشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے میرا طرز تربیت میری عادات میری خصوصیات مزاج دیکھیں اور میری باتیں سنیں اور اُنپر اطمینان سے غور کریں۔ پھر یہاں سے جاکر آزادی کے ساتھ رائے قائم کریں اگر میرا طریقہ اور مزاج پسند نہ آئے اور مجھ سے مناسبت پیدا ہونے کی توقع نہ ہو تو کسی دوسرے سے رجوع کریں اور اگر میری سب باتیں پسند ہوں تو پھر اصلاح کے متعلق مجھ سے خط و کتابت کریں۔ شروع میں اصلاح خاص کی نیت سے یہاں نہ آئیں بلکہ یہ دیکھنے اور سیکھنے کے لئے آئیں کہ آیا باہم مناسبت ہوگی یا نہوگی اور اگر ہوگی تو اپنی اصلاح کے متعلق خط و کتابت کرنے اور اپنے امراض نفس کے پیش کرنے کا صحیح اور نافع طریق کیا ہے۔

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کی یہ دونوں اغراض نہایت سُہولت کے ساتھ باحسن وجوہ حاصل ہو جاتی ہیں کیونکہ بوجہ اسکے کہ حضرت والا کی فطرت ہی میں بے تکلفی سادگی صفائی اور آزادی ہے حضرت والا اپنا مسلک اپنا طرز تربیت اپنی عادات خصوصیات مزاج غرض اپنا سارا کچا چٹھا تقریراً و عملاً قالاً و حالاً نہایت واضح طور پر بلا ادنیٰ خوف لومۃ لائم رات دن ظاہر فرماتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات بعض شرعی رخصتوں پر اسی قصد سے عمل فرماتے ہیں کہ آنے والے دیکھ لیں اور ضرورت سے زیادہ عابد و زاہد نہ سمجھیں مثلاً کبھی کبھی نوافل کا بیٹھ کر بھی ادا فرما لینا اکثر بچوں سے خوب ہنسنا بولنا اور مزاح فرمانا غصہ کی باتوں پر خوب کھل کر غصہ فرمانا اور دور دور دراز سے نہایت عقیدتمندانہ حاضر ہونے والوں کو بھی خلاف اصول امور پر بلا ادنےٰ پرواۓ زوال عقیدت نہایت آزادی کے ساتھ روک ٹوک فرمانا اسکی ایک غرض حضرت والا یہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ جتنے کسی کو میرے بارہ میں عمر بھر وسوسے آنے ہوں اور اشکالات پیدا ہونے ہوں وہ ایک دم سے

آجائیں اور ختم بھی ہوجائیں اور پھر عمر بھر کے لئے یکسوئی ہوجائے یا تو ہمیشہ کے لئے معتقد ہوکر یا ہمیشہ کے لئے غیر معتقد ہوکر۔ ورنہ اگر میں اپنے آپ کو بنائے ہوئے رکھتا تو عمر بھر بھی کسی کو یکسوئی نہوتی۔ جب کوئی بات اپنے خیال کے خلاف دیکھتے اپنے دل میں کہتے کہ یہ ایک اور بات نکلی۔ پھر کوئی بات دیکھتے پھر بھی کہتے کہ لو اب یہ ایک اور بات نکلی۔ غرض عمر بھر اطمینان نہ ہوتا۔ اب تو بُرا بھلا جیسا بھی میں ہوں سب کو سابقہ پڑتے ہی معلوم ہوجاتا ہے پھر چاہے کوئی رہے یا جائے اور مجھے بھی یکسوئی ہوجاتی ہے اور اس خیال کے لوگوں سے میرا شروع ہی میں پیچھا چھوٹ جاتا ہے جو بزرگی اسی کو سمجھتے ہیں کہ بالکل بےحس ہوجائے جیسے بُت کہ اگر اُن کے ساتھ تعظیم کا برتاؤ کیا جائے تب انھیں کوئی حس نہیں اور اگر اہانت کا برتاؤ کیا جائے تب انھیں کوئی حس نہیں دوسرے یہ کہ بزرگی کا دعوٰے کس نے کیا ہے اور بلانے کا اعلان کس نے دیا ہے۔ میں تو ایک طالب علم ہوں۔ اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے دین کی جو باتیں سنی ہیں وہ سُناتا رہتا ہوں اور انکی صحبت کی برکت سے دین کی جو حقیقت سمجھ میں آئی ہے اسکو ظاہر کرتا رہتا ہوں۔ اگر کسی کے جی کو لگے قبول کرے نہ لگے نہ قبول کرے۔ اختیار ہے۔ للّو تو مجھے آتی نہیں نہ میں اسکو مفید سمجھوں۔ گو بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رفتہ رفتہ اپنے طریق پر لانا چاہئے لیکن میں اس کے خلاف ہوں کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ جس نے اپنے ذہن میں جو معیار بزرگی کا صحیح یا غلط قرار دے رکھا ہے وہ اسیوقت تک اسکا معتقد ہے جب تک وہ اُس معیار کے مطابق اسکو سمجھے ہوئے ہے اور جہاں ذرا اُس معیار سے ہٹا ہوا پایا بس سارا اعتقاد جاتا رہا۔ معتقد فیہ تو اس خیال میں رہتا ہے کہ یہ شخص ہمارا معتقد ہے حالانکہ وہ درحقیقت اپنے ہی خیال کا معتقد ہوتا ہے۔

اسیطرح اگر کسی معتقد کا اعتقاد جاتا رہے تو معتقد فیہ کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اسکا معتقد تھا ہی نہیں بلکہ ایک خیالی شخص کا معتقد تھا تو ایسے خیالی معتقد کے کم ہوجانے کا افسوس ہی کیا۔ بلکہ خوش ہونا چاہئے کہ اچھا ہے قبل تعلق ہی پیچھا چھوٹ گیا ورنہ تعلق قائم ہوجانے کے بعد اگر قطع تعلق کی نوبت آتی اور ضرور آتی تو بہت ناگواری ہوتی اور جب تک تعلق رہتا بہت ستاتا اسی لئے میں شروع ہی سے ہر طالب کے ساتھ ایسا صاف معاملہ کرتا ہوں کہ اسکی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ شروع ہی میں فیصلہ ہوجائے ادھر یا اُدھر۔ نہ وہ دھوکہ میں رہے نہ میں۔ میرا تو بس یہ مذاق ہے ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو … دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ ردّ و قبول خلق کا مطلق خیال نہ ہونا حضرت والا کے اعلےٰ درجہ کے باکمال اور مخلص و صادق ہونیکی علامت ہے جس پر ایک تاجر نے اپنی اصطلاح میں خوب کہا کہ کیوں کسی کی خوشامد کریں کیا مال گیلا ہے اھ

حضرت والا کے اس طرز سے تو آنے والوں کو مناسبت وعدم مناسبت کا اندازہ بسہولت ہو جاتا ہے جو آنے کی پہلی غرض تھی اور دوسری غرض یعنی اپنی اصلاح کرانے کا صحیح طریق معلوم کرنا وہ اسطرح پوری ہوتی ہے کہ حضرت والا کی مجلس شریف میں زیادہ تر اسی کا تذکرہ رہتا ہے۔ نیز حضرت والا طالبین کے خاص خاص خطوط کے خاص خاص مضامین بھی مع جوابات کے حاضرین مجلس کو بلا اظہار نام سناتے رہتے ہیں اور انکی غلطیوں کی زبانی توضیح بھی فرماتے رہتے ہیں۔ جس سے حاضرین کو اپنی اصلاح کے متعلق خط وکتابت کرنے اور اپنے امراض نفس پیش کرنے کا سلیقہ آجاتا ہے۔ چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ پاس رہنے سے اصلاح نہیں ہوتی بلکہ مناسبت پیدا ہوتی ہے اور اپنے امراض کو پیش کرنے کا اور پھر جوابات کو سمجھ کر اُن پر عمل کرنے کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے۔ اھ

اب اس نمبر کو ایک طالب کے خط کی نقل پر ختم کیا جاتا ہے جو حسن اتفاق سے ابھی آیا ہے۔ یہ صاحب خموشی کے ساتھ کچھ دن مقیم خانقاہ رہ کر حال ہی میں واپس گئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ دوران قیام میں جو سکون اور اطمینان قلب حضرت والا کی صحبت بابرکت سے حاصل ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے خاصکر اپنے نفس کے عیبوں پر بصیرت کے ساتھ اطلاع ہوئی خاصکر بدگمانی کا مرض مجھ میں شدید ہے۔ حضرت والا اس کا علاج تجویز فرمائیں۔ اھ

دیکھئے یہ صاحب پہلی ہی بار کی حاضری میں بفضلہ تعالیٰ اچھی طرح راہ پر لگ گئے اور جو اصل مقصود اس تعلق سے ہے یعنی اصلاح اعمال اسمیں صحیح طریقہ پر مشغول ہو گئے اور حضرت والا نے بھی فوراً ہی باقاعدہ تعلیم شروع فرما دی ورنہ بہت سے طالبین تو اس مقصود میں اپنی بے اصولی اور بے راہی اور ناواقفی کی وجہ سے مہینوں کی خط وکتابت کے بعد بھی کامیاب نہیں ہو پاتے۔ یہ سب اُسی دستور العمل کی برکات ہیں جو حضرت والا نے طالبان تعلق کے لئے مقرر فرما رکھا ہے جس کی نقل اس نمبر کے شروع میں بعنوان "دستور العمل طالبان تعلق مرکب از مراتب سبعہ" ہدیۂ ناظرین کیجا چکی ہے۔

اب طالب مذکور کے اُس خط کا جسکی ابھی سطور بالا میں نقل پیش کیگئی ہے جو جواب باصواب حضرت والا نے ارقام فرمایا ہے وہ بھی تتمیم فائدہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ بوجہ اسکے کہ وہ حضرت والا کے ابتدائی طریق تعلیم کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ بھی نئے طالبین کے لئے سبق آموز ہوگا۔

طالب مذکور نے جو بدگمانی کا علاج پوچھا تھا اسکے متعلق یہ محققانہ استفسارات فرمائے۔ کہ وہ گمانی اختیار سے ہوتی ہے یا بلا اختیار اور صرف بدگمانی ہوتی ہے یا اسکے موافق عمل بھی ہوتا ہے اور کیا ہوتا ہے مع ایک دو مثال کے لکھو اھ

سُبحان اللہ حضرت والا کے استفسارات کیا ہوتے ہیں جوابات ہوتے ہیں جن سے نہ صرف جزئیات بلکہ کلیات طریق بھی بادنیٰ تامل مستنبط کئے جا سکتے ہیں۔

(۵) حضرت والا طالبین کا بالقصد مجتمع ہوکر آنا ناپسند فرماتے ہیں لیکن اگر اتفاق سے اجتماع ہو جائے تو اسکا مضائقہ نہیں۔ اس عدم اجتماع کی مصالح کے متعلق حسن العزیز جلد اول کا ملفوظ نمبر ۳۶ بلفظہ نقل کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے وہو ہذا۔

احقر کے چند احباب کا قصد حضرت کی خدمت میں بمقام تھانہ بھون حاضری کا ہوا حضرت اُس زمانہ میں کانپور تشریف لائے ہوئے تھے حضرت نے فرمایا کہ اگر محض ملاقات کے لئے آئیں تو جسطرح چاہیں چلے آئیں لیکن اگر کچھ اور ارادہ ہو (یعنی اصلاح کا) تو مجموعی طور پر نہ آئیں بلکہ ہر شخص تنہا آئے ورنہ نفع نہ ہوگا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کے ساتھ اسکے مناسب حال برتاؤ کرنا چاہیئے اور اگر سب ایک ساتھ آئے تو سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا پڑیگا۔ اور اگر کسی کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنا مناسب ہوا تو اُس کو اپنے ساتھیوں سے شرمندگی ہوگی۔ بس ہر شخص کا الگ الگ آنا ہی ٹھیک ہے یہ تو آخرت کا سفر ہے مُردے قبروں میں علٰحدہ ہی علٰحدہ جاتے ہیں۔ ایک صاحب نے عریضہ میں اپنے ہمراہ اپنے والد صاحب کو بھی لانے کا قصد ظاہر کیا تو تحریر فرمایا کہ آپ کے ساتھ تشریف لائے تو اُن کو مخدوم بنا کر رکھنا پڑیگا جس کے لئے میں تو بسر و چشم آمادہ ہوں لیکن اُن کو نفع نہ ہوگا۔ مذکورۂ بالا مصالح کی بناء پر حضرت کسی کا کسی کے ساتھ آنا پسند نہیں فرماتے۔" انتہیٰ بلفظہ

اسی کے متعلق ایک اور خاص واقعہ بھی یاد آیا۔

ایک طالب کو ایک بیجا حرکت پر ایک خلیفۂ مجاز کے سپرد فرما دیا گیا تھا جو مدّت تک اُنھیں خلیفۂ مجاز کے ہمراہ سالانہ حاضر خدمت ہوتے رہے پھر ایک بار تنہا حاضر ہوئے تو رخصت کے وقت فرمایا کہ میں آپ کے اِبکی بار کے آنے کا خاص اثر اپنے قلب میں پاتا ہوں کیونکہ اس مرتبہ آپ تنہا آئے اس سے قبل چونکہ آپ دوسرے کے تابع ہوکر آتے تھے اسلئے مجھکو کوئی خاص توجہ نہ ہوتی تھی۔ یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ تو ان کے ہمراہی ہیں۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ چونکہ حضرت والا کی طبع مبارک فطرۃً نہایت حساس اور سلیم ہے اسلئے جو بات جس درجہ کی ہوتی ہے اُسکا حضرت والا پر اسی درجہ کا اثر ہوتا ہے۔

اسپر ایک اور واقعہ یاد آیا۔ ایک صاحب نے ایک مریض کے لئے دعائے صحت کی درخواست کی، حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ تم اپنی طرف سے یہ درخواست کر رہے ہو یا مریض نے یہ درخواست کی ہے انھوں نے عرض کیا کہ مریض نے درخواست کی ہے اسپر انداز ناراضی فرمایا کہ پھر تم کو یہی کہنا چاہیئے تھا کہ مریض نے

درخواست کی ہے ۔ تمنے تو اسطرح کہا جیسے خود تم ہی اپنی طرف سے اُنکے لئے دعا کرا رہے ہو ۔ ان دونوں عنوانوں کے اثر میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ خود مریض کی درخواست سے قلب پر زیادہ اثر ہوتا ہے اور زیادہ توجہ کے ساتھ دعا نکلتی ہے ۔ ایسی باتوں کا بہت خیال رکھنا چاہیئے تم کو جذبات کی اتنی بھی حس نہیں اھ

(۶) اصول متعلقہ بیعت میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت والا محض بیعت کے لئے سفر کی نہ اجازت مرحمت فرماتے ہیں نہ بوجہ غیر ضروری ہونے کے محض اس غرض کے لئے کسی کا آنا پسند فرماتے ہیں کیونکہ بیعت بذریعۂ خط کے بھی ہو سکتی ہے ۔ اسیطرح محض دعا یا محض تعویذ کے لئے بھی کسی کا آنا پسند نہیں فرماتے کیونکہ یہ غرض بھی بذریعۂ خط کے بآسانی اور صرف چند پیسوں کے خرچ میں حاصل ہو سکتی ہے بلکہ تعویذ تو قصدًا ایسے لوگوں کو نہیں دیتے اور فرماتے ہیں کہ بذریعۂ خط کے گھر بیٹھکر منگوالینا تاکہ اسکی عام شہرت ہو جائے اور یہ سلسلہ آگے کو نہ چلنے پائے ۔ اور دوسرے لوگ اس غرض کے لئے سفر کر کے نہ آئیں اور بے ضرورت پریشانی اور خرچ سے بچ جائیں ۔

(۷) حضرت والا کے یہاں آنے والوں کے ۔۔۔ کوئی لنگر خانہ نہیں ہے ۔ بلکہ آنے والوں اور مقیمین خانقاہ کے لئے اُنکی درخواست پر بعض لوگ بطور خود بقیمت کھانے کا انتظام کر دیتے ہیں اسمیں نہایت سکون اور جانبین کو بڑی آزادی اور راحت رہتی ہے ورنہ اگر لنگر خانہ ہوتا تو بڑی چپقلش رہتی اور بہت سے تو محض روٹیوں ہی کے لئے پڑے رہتے صادق اور غیر صادق طالبین کا امتیاز ہی مشکل ہو جاتا ۔ چنانچہ ایک فہیم اہل علم طالب نے جب وہ تلاش پیر کے لئے نکلے تو منجملہ اور شرائط کے اپنے ذہن میں یہ بھی طے کر لیا تھا کہ ایسے پیر سے مرید ہونگا جسکے یہاں لنگر خانہ نہ ہوگا کیونکہ لنگر خانہ ہونے کی صورت میں تو اگر طالبین کا ہجوم ہوا تو وہ قابل اعتبار ہی کیا ہوگا روٹیوں کی بدولت ہوگا ۔

حضرت والا اسکی یہ مصلحت بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میرے یہاں لنگر خانہ ہوتا تو میری ہر وقت اسی پر نظر ہوتی کہ آنے والے کچھ دیں اور اب تو بفضلہ تعالیٰ کبھی اسکا وسوسہ بھی نہیں ہوتا بلکہ جو شخص میرے قیود و حدود خاصہ کے خلاف ہدیہ دیتا ہے میں نہایت استغناء کے ساتھ واپس کر دیتا ہوں (حدود و قیود ہدیہ آگے اصول متفرقہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ملاحظہ سے گذرینگے ۱۲ جامع)

اسکے متعلق حضرت والا سندھ کے ایک پیر صاحب کا واقعہ بھی نقل فرمایا کرتے ہیں کہ اسی لنگر خانہ کی بدولت وہ چھ ہزار کے مقروض ہو گئے تھے میرے پاس (یعنی حضرت والا کے پاس ۱۲ جامع) ایک صاحب کے نام سفارشنامہ لکھوانے آئے تھے کہ وہ چھ ہزار روپیہ قرض حسنہ دیدیں کہتے تھے کہ مرید آآ کر روٹیاں تو کھا گئے اور بہت سے تو مہینوں پڑے رہے لیکن کچھ دیا نہیں ۔ میں نے پوچھا کہ اب جو کسی سے قرض لینے کا قصد ہے تو قرض کہاں سے ادا کیجئے گا کہا مریدوں ہی سے وصول ہوگا اور پھر پاس کہاں سے آئے گا میں نے دل میں کہا کہ ماشاء اللہ اب

بھی آپ کو مریدوں سے ہی توقع ہے۔ اگر وہ ایسے ہی دینے والے ہوتے تو قرض ہی کیوں ہوتا۔ غرض یہ خرابیاں ہیں لنگر خانہ کی۔ پھر لنگر خانہ کے انتظام کا بکھیڑا کون اپنے سر لیتا میری طبیعت تو ایسی ہے کہ مجھے ہر وقت اسی کا شغل ہو جاتا اور ہر وقت کا ایک روگ لگ جاتا کیونکہ اول تو میں کسی پر اونٹے بار بھی نہیں ڈالتا دوسرے میں انتظامات کو دوسروں کے سپرد کر کے مطمئن ہو جانے کو ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے کافی نہیں سمجھتا۔ چنانچہ میرے اس خیال اور معمول کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ سے بھی ہو گئی جو کسی کتاب میں میری نظر سے گذرا تھا۔ آپ نے ایک بار بعض خاص خاص حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ چونکہ خلافت کے متعلق کام اب بہت بڑھ گئے ہیں اُن کا اکیلا کرنا مشکل ہے۔ اسلئے اگر میں صرف اہم اہم امور کی نگرانی تو اپنے ذمہ رکھوں اور بقیہ کو دوسرے معتمدین کے سپرد کر دوں تو کیا یہ سپردگی مجکو نگرانی سے بری الذمہ کرنے کے لئے کافی ہو جائے گی یا نہیں۔ اس پر سب نے بالاتفاق کہا کہ یہ کافی نہیں بلکہ کام سپرد کرنے کے بعد یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ آیا وہ کام اچھی طرح ہوا بھی یا نہیں۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ اس بارہ میں میرا بھی یہی فیصلہ ہے کہ جب تک کسی کام کو خود کر سکے اسوقت تک تو کرے اور جب اپنے قابو کا نہ رہے تو بجائے اسکے کہ دوسروں کے ذریعہ سے اسکو کرائے اسکو بالکل چھوڑ ہی دے کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ محض دوسروں کے اعتماد پر کام چھوڑ دینے سے وہ کام اکثر مکمل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایکبار ایک بزرگ کے استغناء کا میں نے یہ حال سُنا کہ وہ خود روپیہ پیسہ کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے بلکہ نقد اور غیر نقد سب ہدایا محض انکے سامنے رکھدیئے جاتے ہیں پھر ان کو خدام فوراً اُٹھا کر مناسب مواقع اور ضروریات میں صرف کر دیتے ہیں اور وہ بزرگ خود سارے انتظامات سے بالکل الگ تھلگ اور یکسو رہتے ہیں چونکہ مجھ میں بھی فطرۃً بہت آزاد مزاجی ہے اسلئے مجھے انکا یہ معمول بہت پسند آیا اور جی چاہا کہ میں بھی اسیطرح سب انتظامی امور سے علیحدگی اختیار کر لوں لیکن اللہ تعالیٰ نے فوراً میری اسطرح دستگیری فرمائی کہ اسی روز شام کے وقت اپنے ملازم کو گھر میں سے گیہوں دئیے گئے کہ جلال آباد جا کر مشین میں پسوا لائے وہ خلاف معمول جلدی سے آٹا لیکر چلا آیا میں نے اظہار تعجب کیا کہ بڑی جلدی پس گئے اُسنے کہا کہ رات ہونے والی تھی اور مجھے دو ڈھائی میل چلکر واپس آنا تھا اسلئے مشین والوں نے میری رعایت سے مجھکو پسا ہوا آٹا دیدیا اور اسکے بدلے میں پسائی کے پیسے اور گیہوں رکھ لئے میں نے کہا کہ یہ معاملہ تو ناجائز ہوا اگر یہ آٹا کھایا جائے گا تو سب کو سود کا گناہ ہوگا اسکو جاکر واپس کر دو اور اپنے ہی گیہوں کا آٹا پسوا کر لاؤ۔ اس واقعہ سے مجھے فوراً تنبیہ ہوا کہ انتظامات کو دوسروں کے سپرد کر دینے میں یہ خرابیاں ہیں۔ پھر میں نے دل میں کہا کہ بس جی وہی طرز ٹھیک ہے جو اپنے بزرگوں کا رہا ہے اسکو نہیں بدلنا چاہیئے اور جو معاملات اپنے متعلق ہیں ان میں خود بھی ضرور دخل دینا چاہیئے۔ اھ

اس استطرادی مضمون کے بعد پھر لنگر خانہ کے مضمون کی طرف عود کرتا ہوں۔ گو حضرت والا کے یہاں لنگر خانہ تو نہیں ہے لیکن جن مہمانوں کو کھانا کھلانا ہی مناسب اور مصلحت ہوتا ہے وہاں نہایت فراخ دلی کے ساتھ کھانا کھلاتے ہیں اور ملازمین کو حکم ہے کہ ریل گاڑیوں کے آنیکے بعد اگر پوچھیں کہ کوئی مہمان تو نہیں ہے۔ اکثر مہمانوں کو تو خانقاہ ہی میں کھانا بھیجدیا جاتا ہے اور بعض خاص مہمانوں کو دولت خانہ پر بلا کر اپنے ساتھ بھی کھانا کھلاتے ہیں لیکن اگر خود بھوک نہیں ہوتی تو خواہ مخواہ کا تکلف بھی نہیں فرماتے اُن کو کھانا کھلا دیتے ہیں اور خود عذر فرما دیتے ہیں اور بعض دفعہ کھاتے ہیں تو شریک نہیں ہوتے لیکن کھانا کھانے کے وقت مہمانوں کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر مختلف مرتبہ کے مہمان ہوتے ہیں تو ملازم کو تاکید فرما دیتے ہیں کہ ہر ایک کو الگ الگ کھانا دیا جائے تاکہ اگر کوئی مہمان کسی دوسرے مہمان کے ساتھ کھانا گوارا نہ کرے تو اسکو تنگی نہو۔ پھر اگر وہ خود ہی ساتھ کھائیں تو ان کو اختیار ہے۔

حضرت والا ہر ایک مہمان کے ساتھ اُسکے درجہ کے مطابق برتاؤ فرماتے ہیں۔ ایک بار حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ مہمان ہوئے تو ایک نکتہ چیں صاحب نے گن کر بتایا کہ بہتر برتنوں میں کھانا تھا حالانکہ صرف چار پانچ کھانے والے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ اتنا تکلف کیوں کیا۔ حضرت والا نے عرض کیا کہ اس تکلف کے باعث تو خود حضرت ہی ہیں۔ اگر جلد جلد تشریف لاویں تو پھر ایسا نہو چونکہ سالہا سال میں تو کبھی تشریف لانا ہوتا ہے اسلئے جی چاہتا ہی ہے کہ جو جو اچھی چیزیں ہو سکیں پیش کر دی جائیں ورنہ پھر موقع نہ ملے گا۔

اسی طرح ایک بہت بڑے درجہ کے نواب مہمان ہوئے تو اُنکے لئے بھی متعدد کھانے پکوائے گئے۔ اُن کے عذر تکلیف دہی پر فرمایا کہ بفضلہ تعالیٰ کوئی چیز باہر سے نہیں منگوانی پڑی یہاں تک کہ گوشت بھی گھر ہی کے مرغ کا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ اسکا ایک سبب یہ بھی ہے کہ میں آپ کو دکھاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے مجکو بفضلہ کھانے پینے کو کافی دے رکھا ہے تاکہ آپ کو مسرت بھی ہو اور میری طرف سے بیفکری بھی رہے کہ خدائے تعالیٰ نے سب سامان راحت کا عطا فرما رکھا ہے۔ حاجتمند نہیں اھ

تعطیلات کے مواقع پر دیوبند اور سہارنپور کے مدارس سے بڑی بڑی تعداد میں طلبہ آتے ہیں۔ اگر قرائن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کو کھانے کے لئے خرچ کی ضرورت ہے تو ہر ایک سے جُدا جُدا بذریعۂ ملازم پوچھ لیا جاتا ہے جو ضرورت ظاہر کرتا ہے اسکی نقد سے اعانت فرما دی جاتی ہے اور وہ کئی کئی دن تک مہمان رہتے ہیں۔

اسی طرح بعض دفعہ بہت بہت سے علماء کرام اور اراکین مدارس دینیہ بھی دینی امور کے مشورہ کے لئے تشریف لاتے ہیں اور حضرت والا کے مہمان رہتے ہیں۔

غرض مہمان داری کا کوئی معین ضابطہ نہیں ہے جس وقت جیسی ضرورت اور مصلحت دیکھی عمل فرمالیا چنانچہ ایکبار بہت سی مستورات کسی گاؤں سے بلا اطلاع اور بلا حصول اجازت مُرید ہونے کو چلی آئیں گھر میں کھانے کے انتظام کیلئے متفکر ہوئیں لیکن حضرت والا نے فرما دیا کہ کیوں فکر میں پڑیں جنس دیدو چولھا بتادو اور کہہ دو کہ آپ ہی پکائیں اور کھائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

غرض حضرت والا کے یہاں صرف بقدر ضرورت و مصلحت ہی مہمانداری ہوتی ہے۔ حضرت والا ضرورت سے زیادہ جھگڑا اپنے سر نہیں لیتے بلکہ جو خاص مہمان ہوتے ہیں انکی مہمانداری میں بھی اپنا معتد بہ حرج اوقات نہیں ہونے دیتے۔ کچھ دیر خصوصیت کے ساتھ متوجہ رہ کر اور راحت و آرام کے سب ضروری انتظامات کر کے اور اجازت لیکر پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ حضرت والا کے استاد مکرم حضرت مولانا محمود حسن صاحب رح کی تشریف آوری پر بھی یہی عمل فرمایا اور سب ضروری انتظامات فرمانے کے بعد جب تصنیف کا وقت آیا تو نہایت ادب کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے تصنیف کا کام کرنے کی اجازت حاصل کرلی گو پھر جلدی ہی تشریف لے آئے کیونکہ کام میں بوجہ غایت تعلق خاطر دل ہی نہ لگا لیکن بالکل ناغہ اُس روز بھی نہ کیا۔

جب کسی خاص مہمان کی آمد ہوتی ہے تو معمول سے زیادہ تعب برداشت فرماکر پہلے ہی ضروری کاموں سے فارغ ہو لیتے ہیں تاکہ انکی جانب متوجہ ہونے کے لئے کافی وقت مل سکے۔ بعض خاص مہمانوں سے بات چیت کرنے کے لئے جو ہر وزہ واپس جانے والے ہوتے ہیں اپنا قیلولہ بھی ناغہ فرما دیتے ہیں اور ڈاک کا کام بھی کچھ دیر کے لئے ملتوی فرما دیتے ہیں اور پھر اسکو خاص تعب برداشت فرماکر، روانگی ڈاک سے قبل پورا فرماتے ہیں۔ جہاں کوئی خاص مقتضی ہوتا ہے یا مصلحت دیکھتے ہیں وہاں کم قیام کرنے والوں کو پاس بیٹھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرماتے ہیں اور اسکی کوشش فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے انکے مناسب حال دین کی باتیں اُن کے کانوں میں پڑ جائیں۔ چنانچہ یہ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کم قیام کرنے والے جمع ہو جاتے ہیں تو بہت زیادہ وقت افادات میں صرف فرماتے ہیں اور بہت جوش و خروش اور سرگرمی کے ساتھ نہایت عجیب و غریب اور نافع حقائق و معارف دیر دیر تک (یہاں تک کہ بعض اوقات کھانے کا وقت بھی بہت مؤخر ہو جاتا ہے)۔ زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرماتے رہتے ہیں تاکہ آنے والوں کی تسلی بھی ہو جائے اور اشاعت طریق بھی خوب ہو جائے جس کے حضرت والا بہت ہی حریص ہیں بشرطیکہ سچے طالبین کا مجمع ہو اور یہ فن کا مسلم مسئلہ ہے کہ شیخ کو اشاعت طریق کا حریص ہونا چاہیئے۔ بحمد اللہ تعالیٰ حضرت والا تو حالاً و قالاً تحریراً و تقریراً اشاعت طریق کے ایسے حریص ہیں کہ بس رات دن اسی کی دُھن ہے اور یہی کام ہے۔

کم قیام کرنے والوں کی موجودگی میں علاوہ جلسہ کے بعد کی عام مجلس کے صبح بھی ضروری کاموں سے فارغ ہونیکے

بعد خاص مجلس منعقد فرماتے ہیں جسکی ایسے حضرات کو اطلاع کرادی جاتی ہے اور اطلاع دینے کی سہولت کے لئے اُن کو ہدایت فرمادی جاتی ہے کہ مجلس کے وقت کے قریب سب صاحب فلاں جگہ موجود رہا کریں تاکہ یکجائی اطلاع ہوسکے۔ اور فرداً فرداً ہر شخص کے پاس اطلاع کنندہ کو نہ جانا پڑے۔

غرض حضرت والا آنے والوں کی مصالح کی بیحد رعایت فرماتے ہیں لیکن اسی حد تک جس حد تک واقعی ضرورت ہوتی ہے اور اپنا معتد بہ حرج اوقات بھی نہیں ہوتا۔

بعض بہت ہی خاص اعزاز و امتیاز و خصوصیت والے مہمانوں کی آمد کے وقت حضرت والا اپنی جگہ سے اُٹھ کر معانقہ بھی فرماتے ہیں لیکن اکثر ایسے موقعوں پر حاضرین مجلس کو کھڑے ہونے سے یہ فرما کر روک دیتے ہیں کہ سب کی طرف سے میں ہی اٹھتا ہوں اور سب صاحب بیٹھے رہیں بالخصوص دنیوی اعزاز رکھنے والوں کیلئے اُٹھنے کے وقت تو اوروں کو اُٹھنے سے یہی کہہ کر ضرور منع فرما دیتے ہیں۔ بعض خاص اہل تعلق کے لئے حضرت والا کا یہاں تک جی چاہتا ہے کہ اسٹیشن پر اُن کے استقبال کے لئے پہونچیں لیکن محض اس خیال سے کہ اُن کو سخت شرمندگی ہوگی اپنی اس خواہش پر عمل نہیں فرماتے۔ اسی طرح چاہے جتنا عزیز مہمان ہو اور اسکے زیادہ قیام کو چاہے کتنا ہی دل چاہتا ہو لیکن قیام پر کبھی اصرار نہیں فرماتے بلکہ قصدِ روانگی سنتے ہی فوراً فرما دیتے ہیں جیسیں راحت ہو وہی کیا جائے گو بعض بے تکلف موقعوں پر مزاحاً یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ یہ آنا کیا ہوا پانی بھی نہ ہوا۔ اگر ریل کے وقت کے قریب اُنسے تغافل بھی ہوتا ہے تو عام دستور کے خلاف حضرت والا خود اطلاع فرما دیتے ہیں کہ جانے کا وقت آگیا ہے تاکہ ریل کے نکل جانے سے اُن کو اُن کے عزم کے خلاف رُکنا نہ پڑے اور افسوس نہ ہو۔

(۸) اگر کوئی ایسا طالب جس کو آمد و رفت کی عام اجازت حاصل ہے کسی موقع پر احتیاطاً حاضری کی خاص اجازت حاصل کرتا ہے تو اسکو اس شرط پر اجازت مرحمت فرمادی جاتی ہے کہ کوئی حرج نہو اور قرض نہ لینا پڑے اور کسی کی حق تلفی نہو۔

ایک خادمہ مسماۃ نے نہایت اشتیاق و آرزو کے ساتھ حاضری کی بذریعہ عریضہ اجازت چاہی تو تحریر فرمایا کہ اگر کبھی تمھارے شوہر اپنی خوشی سے ہمراہ لے آدیں بشرطیکہ قرض نہ کرنا پڑے اور کوئی حرج بھی کسی قسم کا نہو اور تم اُنپر تقاضا کرکے تنگ بھی نہ کرو اور پردہ میں اور نماز میں بھی سفر میں خلل نہ پڑے تو اجازت ہے۔ اھ

یہ جواب مکتوبات حسن العزیز جلد اول سے نقل کیا گیا ہے۔

غرض حضرت والا بدون ضروری قیود و شرائط کے حاضری کی اجازت نہیں مرحمت فرماتے۔

(۹) حضرت والا تاکید فرمایا کرتے ہیں کہ آنے والوں کی کسی بے عنوانی پر سوائے میرے حاضرین

خانقاہ میں سے کوئی دوسرا روک ٹوک نہ کرے نہ انکو بلا پوچھے کوئی مشورہ دے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ روک ٹوک کے لئے کیا میں اکیلا کچھ کم ہوں۔ میں ہی بہت کچھ روکتا ٹوکتا رہتا ہوں۔ اگر دوسرے بھی روکیں ٹوکیں تو بیچارہ آنے والا پریشان ہی ہو جائے پھر ہر ایک کا روکنا ٹوکنا گوارا بھی تو نہیں ہوتا۔ میرا روکنا ٹوکنا تو خیر اسلئے زیادہ ناگوار نہیں ہوتا کہ میرے ہی قصد سے یہاں آتے ہیں دوسروں کے روکنے ٹوکنے سے دلشکنی ہوگی جو مجھے ہرگز گوارا نہیں۔ پھر ہر شخص کو نصیحت کرنا آتا بھی نہیں نیز اسمیں بڑی خرابی یہ ہے کہ آنے والے دوسرے روکنے ٹوکنے والوں کو مقرب اور دخیل سمجھ کر اُن سے مرعوب و مغلوب ہونگے اور اپنی حاجات کا وسیلہ بنائیں گے اور اس طمع میں ہدایا وغیرہ سے انکی خدمت بھی کرینگے جس سے فریقین کے لئے سیکڑوں مفاسد کا باب مفتوح ہو جائیگا اور اسمیں خود میرے لئے بھی خرابی ہے کیونکہ اپنے بہت سے معین اور مددگار دیکھ کر میرا بھی دماغ خراب ہو جائیگا۔ اب تو الحمد للہ میں کسی کو اپنا معاون و مددگار نہیں سمجھتا اللہ کے سوا کسی پر میری نظر نہیں کہنے کی تو بات نہیں لیکن اسوقت ذکر آہی گیا تو کہتا ہوں کہ میں دنیا میں اپنے آپ کو بالکل اکیلا سمجھتا ہوں سوائے اللہ تعالیٰ کی اکیلی ذات کے کسی کو اپنا نہیں سمجھتا بس یہ سمجھتا ہوں کہ میں دنیا میں بالکل اکیلا ہوں اور ایک اکیلے شخص کے ساتھ ایک اکیلی ذات ہے اور کوئی نہیں۔ لوگوں کو تو اپنے خدام پر اور محبین پر نظر ہوتی ہے میری کسی پر بھی نظر نہیں۔ میں کسی کو اپنا محب اور معین و مددگار نہیں سمجھتا۔ یہ بھی ایک وجہ ہے میری خشکی کی کہ میں کسی کو اپنا محب بنانا یا رکھنا نہیں چاہتا۔ ہر شخص سے آزادی کے ساتھ جو مناسب سمجھتا ہوں برتاؤ کرتا ہوں۔ الحمد للہ یہ کبھی وسوسہ بھی نہیں ہوتا۔ کہ ایسا برتاؤ نہ کرو کہیں فلاں شخص ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دے۔ اور یہ میں دعوے سے نہیں کہتا بلکہ یہ کہتے ہوئے ڈر بھی لگتا ہے کہ خدا جانے اسمیں کتنی واقعیت ہے۔ اپنے نزدیک تو واقعیت کے خلاف نہیں کہہ رہا اگر کمی بیشی ہو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ جیسے مرنے کے وقت ہر شخص اکیلا ہی جائے گا میں مرنے سے پہلے ہی اپنے آپ کو بالکل اکیلا سمجھتا ہوں کسی کو اپنا ساتھی نہیں سمجھتا اھ

اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مبنیٰ اسکا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے میری اس وضع کو محض اپنے فضل و کرم سے نباہ رکھا ہے کیونکہ وہ عین وقت پر غیب سے میری ہر حاجت پوری فرما دیتے ہیں اور ایسے طریق سے میری راحت کا سامان مہیا فرما دیتے ہیں جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اسی لئے میرا یہ طرز آزادی واستغنا کا نبھ بھی رہا ہے ورنہ اگر احتیاج ہوتی تو سارا استغنا دھرا رہ جاتا اور ساری آزادی رکھی رہ جاتی۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ کسدرجہ رفیع حالت ہے جیسر اس نا اہل کا رائے زنی کرنا بھی آفتاب کو چراغ دکھانا ہے باوجود رات دن خدمت خلق اللہ میں مشغول و منہمک رہنے کے کیا انتہا ہے۔

شدت تعلق مع اللہ کی اور کیا ٹھکانا ہے غلبۂ فنار کا اور کیا حد ہے کمال عبدیت کی اور کیا شان ہے استغنار عن غیر اللہ کی ایسے ہی حضرت تو بے ہمہ و باہمہ اور جامع بین الاضداد اور موتوا قبل ان تموتوا کے مصداق ہوتے ہیں ؂

ایں سعادت بزور بازو نیست — تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء ۔

(۱۰) اس نمبر میں آداب ملاقات آداب کلام آداب مجلس وغیرہ کے متعلق بعض ایسے امور بطور نمونہ عرض کئے جاتے ہیں جنکی رعایت رکھنا بوجہ ان کے فطری اور طبعی اور غیر محتاج الی التعلیم ہونے کے حضرت والا واردین کے ذمہ سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے ان میں اخلال حضرت والا کو سخت موجب گرانی ہوتا ہے اور فرمایا کرتے ہیں کہ یہ تو ایسے عام اصول ہیں جنکا ہر شخص کو ہر شخص سے ملنے کے وقت لحاظ رکھنا ضروری ہے

ابتدائی ملاقات کے آداب

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی نئے شخص سے ملنے جائے تو اُسکے اوقات ملاقات وغیرہ کے متعلق وہاں کے مقیمین سے ضروری باتیں دریافت کرنیکے بعد ملاقات کرے ۔

دیگر

ابتدائی ملاقات کے لئے حضرت والا نے کوئی وقت مقرر نہیں فرما رکھا تاکہ آنے والوں کو انتظار نہ کرنا پڑے اصولاً پہونچنے کے بعد جلدی ہی ملاقات کر لینی چاہیئے ورنہ اجنبی شخص کو دیکھ کر حضرت والا تعارف کے منتظر رہتے ہیں ایک صاحب نے آکر ملاقات ہی نہ کی اور حضرت والا کو اُنھیں دیکھ دیکھ کر اُلجھن ہوتی رہی جب رخصت کے وقت اُنھوں نے مصافحہ کیا تو بہت اظہار ناراضی فرمایا اور آیندہ آنے کی اور خط و کتابت کی بالکل ممانعت فرما دی اُنھوں نے واسطہ کے ذریعہ سے معافی طلب کی تو اس شرط پر آنے کی اجازت دینے کا وعدہ فرمایا کہ اپنی اصلاح کا تعلق کسی خلیفہ مجاز سے رکھا جائے اور فرمایا کہ جب ایسی مُوٹی مُوٹی باتوں میں بھی غلطیاں کیجاتی ہیں تو کیونکر باہم مناسبت ہو سکتی ہے غرض آنے والوں کو پہونچنے کے بعد جلدی ہی ملاقات کر لینی چاہیئے لیکن سلام و مصافحہ کے وقت اسکا لحاظ کر لینا چاہیئے کہ حضرت والا باتوں میں مشغول نہ ہوں اور ہاتھ بھی مصافحہ کے لئے خالی ہوں آرام نہ فرما رہے ہوں وغیرہ وغیرہ غرض موقع و محل دیکھ کر ملنا بہر حال ضروری ہے اگر مشغول دیکھیں تو بیٹھ جانا چاہیئے انتظار میں کھڑا نہ رہنا چاہیئے کیونکہ یہ تقاضے کی صورت ہے جس سے قلب پر بار ہوتا ہے۔

دیگر

سلام و مصافحہ کے بعد فوراً اپنا پورا تعارف کرا دیا جائے اور اگر قبل حاضری حضرت والا سے خط و کتابت ہو چکی ہو تو سب سے اخیر کا خط بھی پیش کر دیا جائے گفتگو بیٹھ کر کی جائے اور صاف اور اتنی آواز سے کہ بہ آسانی سُنائی دے سکے بات پوری کہی جائے ادھوری بات کہہ کر اسکے متوقع نہ رہیں کہ جب حضرت والا مزید سوال کرینگے تب پوری بات کہینگے گو ابتدا میں حضرت والا خود ہی سوال فرماتے ہیں کہ جو کچھ کہنا ہو وہ کہہ دیجئے تاکہ اجنبی آنیوالے کی طبیعت کھلجائے لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ جب اپنا حال کہنے بیٹھیں تب بھی بار بار حضرت والا ہی کیطرف سے سوالات کے متوقع رہیں سوال کا فوراً جواب دیں منتظر رکھنے میں سخت ایذا ہوتی ہے اگر اسوقت کوئی جواب سمجھ میں نہ آئے تو یہی کہہ دیں کہ پھر سوچکر جواب دونگا۔ اکثر نو وارد دین باوجود بار بار مطالبۂ جواب کے کچھ جواب ہی نہیں دیتے سکوت محض کئے بیٹھے رہتے ہیں جس پر حضرت والا یہ فرما کر اُٹھا دیتے ہیں کہ جب میرے سوالات کا جواب ہی نہیں دیا جاتا تو پھر یہاں بیٹھنے ہی سے کیا فائدہ بلکہ بعض اوقات ایسے شخص کو جس سے زیادہ اذیت پہونچتی ہے مجلس میں بھی نہیں بیٹھنے دیتے کیونکہ ایسے شخص کے پاس بیٹھنے سے بھی اذیت ہوتی ہے بعض لوگ مجلس سے اُٹھائے جانے کے بعد دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو جاتے ہیں اسکی بھی اجازت نہیں دیتے کیونکہ یہ تو مجلس ہی میں بیٹھنا ہوا بلکہ یہ تو ایک طرح سے دھوکہ دینا ہے اور تجسس کی صورت ہے جو کہ منہی عنہ ہے۔

دیگر

یہ بات بھی خاص طور سے خیال رکھنے کے قابل ہے کہ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو بلا تاویل اور بلا تامل اسکا اقرار کر لینا چاہیئے اور اگر اسکا سبب دریافت فرمایا جائے جیسا کہ حضرت والا کا اکثر معمول ہے تو جو اصل سبب ہو اسکو ظاہر کر دیا جاوے اور سبب اسلئے دریافت فرمایا جاتا ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ آیا اپنی غلطی کی حقیقت بھی سمجھی ہے یا نہیں اگر کوئی اصل سبب نہیں ظاہر کرتا تو اس سے برابر استفسارات فرماتے رہتے ہیں اور جو عذرات غیر واقعیہ مثلاً ناواقفی حماقت کم فہمی وغیرہ وہ پیش کرتا رہتا ہے انکو بدلائل رد فرماتے رہتے ہیں اور وہ دلائل ایسے صاف اور معقول ہوتے ہیں کہ ان کو ماننا ہی پڑتا ہے اور چونکہ اکثر غلطیاں موٹی ہی موٹی ہوتی ہیں۔ لہذا بے فکری ہی کے سبب سے ہوتی ہیں اور بےفکری قلتِ ادب و عظمت کے سبب سے ہوتی ہے جسکی اکثر حضرت والا اسکا تب فرمایا کرتے ہیں اور حاکموں کی مثال دیا کرتے ہیں کہ وہاں یہ لوگ کیوں ایسی غلطیاں نہیں کرتے وجہ یہی ہے کہ دنیا کی طلب اور عظمت قلب میں ہے دین کی نہیں۔

دیگر

اگر کوئی خط یا پرچہ پیش کرنا ہو تو سامنے رکھ دیں اور کہہ بھی دیں کہ یہ پرچہ ملاحظہ ہو اسکو ہاتھ میں لئے رہیں کیونکہ اس میں تقاضا ہے کہ اگر ہاتھ کسی کام میں گھرے بھی ہوں تب بھی فوراً ہاتھوں کو خالی کر کے لو۔

دیگر

اگر پرچہ بھی پیش کرنا ہو اور مصافحہ بھی کرنا ہو تو پہلے مصافحہ کرلیں پھر پرچہ جیب سے نکالکر پیش کریں بعضوں نے پرچہ لئے ہوئے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو حضرت والا کو سخت اذیت ہوئی کیونکہ حضرت والا یہی نہ سمجھ سکے کہ آیا پرچہ پیش کرنا مقصود ہے یا مصافحہ کرنا اسی طرح بعض نے پہلے تو پرچہ جیب سے نکالا اور جب حضرت والا پرچہ لینے کے لئے آمادہ ہوئے تو انھوں نے جھٹ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دئے اس سے بھی سخت اذیت ہوئی۔

دیگر

آنے کی جو غرض ہو اسکو صاف صاف بیان کر دیا جائے اور اگر کسی اور سفر کے ضمن میں حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہوئی ہو تو اسکو بھی ظاہر کر دیا جائے بعض لوگ دور و دراز سے آنا ظاہر کرتے ہیں اور بہت ہی مختصر قیام کا ارادہ بتاتے ہیں تو حضرت والا کو کھٹک پیدا ہو جاتی ہے پھر استفسارات کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کسی قریب کے مقام تک تو آنا کسی اور کام سے ہوا تھا اور اس مقام سے جی چاہا کہ حضرت والا کی زیارت بھی کر آئیں ایسے مواقع پر حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میرے اوپر صرف اُتنے ہی سفر کا احسان رکھا جائے جتنا میرے لئے ہوا ہے نہ کہ اتنے لمبے سفر کا اور وہ بھی اتنے مختصر قیام کے لئے۔ غرض حضرت والا کو اس وقت تک قناعت نہیں ہوتی جب تک کوئی اپنا پورا تعارف نہیں کرا دیتا اور اپنا اصل مقصود صاف صاف نہیں ظاہر کر دیتا تاکہ اسی کے مطابق اسکے ساتھ معاملہ کیا جائے بعض بظاہر ذی وجاہت آنے والوں نے باوجود استفسارات اپنا پورا تعارف نہیں کرایا تو صاف فرما دیا کہ میری کوئی غرض نہیں ہے آپ ہی کی مصلحت سے تعارف حاصل کرنا چاہتا ہوں اگر آپ تعارف نہیں کراتے آپ کو اختیار ہے لیکن اس صورت میں اگر میری طرف سے بھی بعض ضابطہ کا برتاؤ ہو تو مجھکو بھی معذور سمجھا جائے چنانچہ ایک معمر اور رئیس اہل علم نے بھی یہی کیا کہ باوجود حضرت والا کے استفسارات کے اپنا کافی تعارف نہیں کرایا جس پر حضرت والا نے یہی فرما دیا جو ابھی مذکور ہوا اور گو حضرت والا کو بعد میں اوروں کے ذریعہ سے انکا تعارف ہو گیا لیکن ان کے ساتھ پھر بھی خصوصیت کا برتاؤ نہیں فرمایا نہ مجلس میں ممتاز جگہ بیٹھنے کے لئے فرمایا جیسا کہ ایسے حضرات کے لئے حضرت والا کا معمول ہے جب تقریباً ہفتہ عشرہ قیام کرنے کے بعد انھوں نے خود ہی بذریعہ تحریر اپنا پورا تعارف کرایا تب بعد اظہار

شکایت اُن کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ شروع فرما دیا اور مجلس میں بھی ممتاز جگہ بٹھانے لگے۔

غرض حضرت والا کی یہ ایک خاص امتیازی صفت ہے کہ ہر شے کو اپنی حد پر رکھتے ہیں اور جس حالت اور جس وقت کا جیسا مقتضا ہوتا ہے اسکے مطابق عمل فرماتے ہیں طبیعت کو مصلحت اور عقل پر غالب نہیں ہونے دیتے۔

دیگر

جن کو حضرت والا کی طرف سے کھانے کے لئے کہہ دیا گیا ہو اُن کو کھانے کے وقت خانقاہ ہی میں رہنا چاہیئے تاکہ تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔

دیگر

حضرت والا کو واردین و معیمین خانقاہ کا آپس میں تعلقات پیدا کرنا ہرگز پسند نہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ بس خانقاہ کا یہ رنگ ہو ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد   کسے را با کسے کارے نباشد

چنانچہ بفضلہ تعالےٰ وبتوجہات حضرت والا ماشاء اللہ یہی رنگ ہے البتہ جن میں پہلے ہی سے تعلقات قائم ہیں ان کو آپس میں بقدر ضرورت ملنے جلنے کی ممانعت نہیں لیکن کثرت سے ملنا جلنا اور فضول باتیں کرنا اور وقت ضائع کرنا ان کے لئے بھی پسند نہیں فرماتے چنانچہ ایک بار فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہاں ہر شخص اپنے اپنے کام میں لگا رہے بلکہ یہ جی چاہتا ہے کہ بلاضرورت کوئی کسی سے بات بھی نہ کرے۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے رسالہ الامر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللہ من الشروط کو اسی شرط پر ختم فرمایا ہے کہ لایترك الشیخ المریدین یجتمعون اصلا دونہ الا اذا جمعھم بحضرتہ ومتی ترکھم یجتمعون دونہ فقد اساء فی حقھم یعنی شیخ کو چاہیئے کہ مریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ ہونے دے اور جو شیخ ایسی مسالحت کرے وہ مریدین کے حق میں بُرا کرتا ہے اھ

نئے آنے والوں سے بالخصوص اُمراء سے میل جول پیدا کرنے کی مقیمین خانقاہ کو خاص طور سے ممانعت ہے بلکہ بعض کو اسپر زجر و توبیخ بھی فرمائی گئی اور بعض کو خطاب عام کے پیرایہ میں متوجہ کیا گیا چونکہ حضرت والا خود نہایت استغناء کے ساتھ رہتے ہیں اسلئے چاہتے ہیں کہ میرے اہل تعلق بھی نہایت استغناء کے ساتھ رہیں۔ لیکن خشونت اور بداخلاقی کی اجازت نہیں مقیمین خانقاہ کا خواہ مخواہ بطور معمول کے آپس میں ملکر کھانا کھانا یا بلا اخذ اجازت ایک دوسرے کی دعوت کرنا بھی خلاف قواعد خانقاہ ہے۔ اور اہل قصبہ سے تعلقات

پیدا کرنے کی تو سخت ممانعت ہے یہاں تک کہ اسی بناء پر ایک مقیم خانقاہ کو جو مثل بعض دیگر حضرات کے اپنے وطن کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے آئے تھے خانقاہ سے باہر جانے کی بالکل ہی ممانعت فرما دی گئی تھی۔ اور انھوں نے بھی اسکو ایسا نباہا کہ پھر وہ سالہا سال خانقاہ سے کبھی باہر نکلے ہی نہیں یہاں تک کہ اب بفضلہ تعالےٰ اُن کو مدینہ طیبہ ہجرت کر جانیکا موقع مل گیا اور وہیں مقیم ہیں۔

خدمت کے آداب

حضرت والا کسی سے اُسوقت تک خدمت لینا گوارا نہیں فرماتے جب تک اُس سے بالکل دل نہ کھل جائے بلکہ جن سے دل کھلا ہوا ہے انسے بھی بطور خود شاذ و نادر ہی اور کسی بہت ہی خفیف کام کی فرمایش کرتے ہیں۔ البتہ اگر وہ خود متبعت کرتے ہیں تو منع نہیں فرماتے لیکن مسلط ہو جانا انکا بھی گوارا نہیں۔ کبھی کبھار کا مضائقہ نہیں حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بعض کام خود ہی کرنے سے اچھا ہوتا ہے اور یہ بھی شکایت فرمایا کرتے ہیں کہ بعضوں کی خدمت تو خدمت کیا زحمت ہوتی ہے کیونکہ انکو خدمت کرنے کا سلیقہ ہی نہیں ہوتا مثلاً بعض نے استنجے کیلئے ایسا پانی دیدیا جو بہت تیز گرم تھا جسکی اُسوقت خبر ہوئی جب پانی ڈالنا شروع کر دیا گیا پھر چونکہ بدن تر ہو چکا تھا اسلئے باہر نکل کر پانی کو معتدل بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ غرض بڑی مشکل سے پھونک پھونک کر اسی پانی سے استنجا کرنا پڑا جس سے سخت تکلیف ہوئی اسی طرح بعضے وضو کے لئے زیادہ گرم یا بہت کم گرم پانی دیدیتے ہیں اسی لئے میں دو لوٹوں میں جدا جدا گرم اور ٹھنڈا پانی منگواتا ہوں تاکہ خود اپنے مزاج کے مطابق اسکو کرلوں اور گرم پانی کا لوٹا پورا بھرا ہوا منگواتا ہوں اور ٹھنڈے کا آدھا بھرا ہوا۔ تاکہ اسکو اپنی مرضی کے موافق کرنے میں سہولت رہے۔ بعضے لوگ سہ دری کا پنکھا جھلنے لگتے ہیں حالانکہ انکو جھلنے کا سلیقہ نہیں ہوتا چنانچہ اگر کوئی کھڑا ہو کر جانے لگتا ہے تو یہ حضرت جھلنا موقوف ہی نہیں کرتے اور اس بیچارہ کے سر میں زور سے چوٹ لگتی ہے۔ جن کو میں نے پنکھا جھلنے کی اجازت دے رکھی ہے ان کو یہ بھی بتلا رکھا ہے کہ جب کوئی کھڑا ہونے لگے تو فوراً رسی کو ہاتھ سے بالکل ہی چھوڑ دیتے تاکہ کوئی احتمال ہی چوٹ لگنے کا نہ رہے ورنہ اگر رسی کو تانے رہا تو اول تو یہ احتمال ہے کہ رسی ہاتھ سے چھوٹ جائے اور پنکھا سر میں جا لگے دوسرے یہ احتمال تو اکثر واقع ہوتا ہے کہ جانے والے کو اسکا ٹھیک اندازہ نہیں ہوتا کہ جھلنے والا پنکھے کو کتنا کھینچے گا اور کتنی دیر تک کھینچے رہے گا اسلئے اسکو چوٹ لگ جانے کا اندیشہ ہی لگا رہتا ہے اور بعض وقت چوٹ لگ بھی جاتی ہے اور کھینچے رہنے میں ایک صورت تقاضے کی بھی ہوتی ہے کہ جلدی سے نکلو ہم تمہارے جانے کے منتظر ہیں۔ اور رسی بالکل چھوڑ دینے کی صورت میں جانے والا اطمینان اور آزادی سے پنکھے کو بچا کر نکل سکتا ہے اسمیں کوئی احتمال ہی چوٹ لگنے کا نہیں۔ غرض

اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ پھر ہر شخص کی طبیعت اور مزاج اور عادت بھی جدا ہے واقفکار ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس طریق سے خدمت کرنے میں راحت پہونچے گی اور ہر شخص پر یہ اطمینان بھی نہیں کہ یہ خلوص ہی سے خدمت کریگا کیونکہ بعد کو اغراض نکلتی ہیں اور بعض سے خدمت لینا طبعاً گراں ہے مثلاً اہل علم سے سید سے اور بوڑھوں سے خدمت لیتے ہوئے مجکو بہت گرانی ہوتی ہے اھ

دیگر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ سب اپنے اپنے کام میں لگے رہیں خواہ مخواہ میری خدمت کے لئے مجھ پر مسلط نہ ہوں تاکہ وہ بھی آزاد رہیں اور میں بھی آزاد رہوں کیونکہ آزادی بڑی دولت ہے خلاصہ میرے مذاق کا حریت ہے کہ چاہے اہانت ہو چاہے تعظیم جس سے آزادی میں فرق آئے اپنی یا دوسرے کی اُس سے مجکو اذیت ہوتی ہے اور ہر مسلمان کا یہی مذاق ہونا چاہیئے کہ غیر اللہ سے بالکل آزاد رہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی عبدیت مخلوق کی عبدیت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتی ہے اھ

حضرت والا لوگوں سے خدمت نہ لینے کی یہ مصلحت بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ کسی پر لوگوں کو مقرب اور مخصوص ہونے کا گمان نہو۔ جس میں خود اسکے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی بڑی بڑی خرابیاں ہیں اور ایک یہ بھی خرابی ہے کہ بعض احوال میں ایسا شخص خدمت کرکے بس یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں نے حق ادا کر دیا اور اپنے کام میں مشغول نہیں ہوتا اھ

دیگر

اس جگہ حسن العزیز جلد اول سے بھی ملفوظ نمبر ۹۹ کا وہ حصہ جو اس مقام کے مناسب ہے نقل کیا جاتا ہے وھو ہذا۔ ایک دیہاتی نے بعد عشاء جب حضرت گھر تشریف لیجانے لگے۔ حضرت کا جوتا اُٹھا کر پہننے کے واسطے آگے بڑھ کر رکھدیا۔ حضرت کے استعمال میں دو جوڑے رہتے ہیں ایک مضبوط جوتا جو صبح کے وقت جنگل جانے کے لئے پہنا جاتا ہے اور ایک معمولی جوتا گھر کے استعمال کے لئے۔ ان صاحب نے وہ جوتہ رکھدیا جسکو شب کے وقت گھر جاتے ہوئے پہننا حضرت کا معمول نہ تھا۔ اسوجہ سے حضرت کو دوبارہ خود تکلیف کرنی پڑی اور خلجان ہوا وہ جدا۔ حضرت نے فرمایا کہ ارے بھائی جس شخص کو کسی کے معمولات کی خبر نہو اسکو خدمت نہیں کرنا چاہیئے۔ اب دیکھو اس تمہاری خدمت سے کسقدر زحمت ہوئی بھلا ایسی خدمت سے کیا فائدہ نکلا۔ اسی لئے مجھے اپنے کام خود ہی کرنے میں راحت رہتی ہے کیونکہ جو شخص معمولات سے باخبر نہو وہ خدمت کسطرح کر سکتا ہے۔ اسی شخص نے شب گذشتہ بھی جوتا لاکر رکھا تھا۔ اُسوقت چلتی ہوئی صرف یہ بات فرمائی تھی کہ ادھر ہو

آپ نے بڑا بھاری کام کیا دس بیس کوس سے اتنا بھاری اسباب لاد کرلے آتے ارے میاں یہ بھی بھلا کوئی خدمت ہوئی کوئی ایسا کام کیا ہوتا جس سے کچھ آرام تو پہونچتا جو تا کیا میں خود نہیں لاسکتا تھا دوسری شب کو پھر وہی کام کیا اور ایسے بے ڈھنگے پن سے جیسا اوپر مذکور ہوا - پھر راستہ بھر یہی فرماتے رہے کہ قلوب میں رسوم کچھ ایسی غالب ہوگئی ہیں کہ چھوٹتی ہی نہیں - بس انھوں نے یہ دیکھ لیا کہ سب لوگ جوتے اٹھا اٹھا کر رکھتے ہیں لاؤ ہم بھی یہی کریں محض رسم پرستی رہ گئی ہے - مجھے شرم بھی آتی ہے کہ ایک شخص محبت سے خدمت کرتا ہے اُسے کیا منع کروں لیکن کیا کروں میرا سخت حرج ہو جاتا ہے - اور مجھے اپنا ایک منٹ بھی ضایع ہونا سخت گراں گذرتا ہے - ہاں جسے سوائے مخدومیت کے اور کچھ نہ کرنا ہو وہ چاہے اسی قصہ میں رہے اب دیکھئے میں کتاب گھر لئے جا رہا ہوں رات کو بھی لکھوں گا - انکی خدمت سے اتنی پریشانی فضول ہوئی اور جھک جھک میں وقت ضایع ہوا وہ الگ اب آج ان کو سمجھایا یہ رخصت ہو جائیں گے کل کو دوسرے نئے صاحب تشریف لائینگے اب میں بس اسی قصہ کا ہو لیا کہ روز یہی سبق پڑھایا کروں اور بعضی بات عمل میں تو معمولی ہوتی ہے لیکن اسکو دوسرے کو سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے - جوتا رکھنے کی حرکت اس حقیر نے بھی کی تھی - فرمایا کہ بس جناب آپ پابندی کیجئے نہ میں اوروں کو مقید کرنا چاہتا ہوں نہ خود مقید ہونا چاہتا ہوں اللہ کے فضل سے بہت سے خدمت کرنیوالے ہیں آپ کی ضرورت نہیں - آپ جس کام کے لئے آئے ہیں اسی میں لگے رہئے مجھے راحت اسی سے ہوتی ہے بلکہ خدمت سے اُلٹی کلفت ہوتی ہے - اھ

اِن ارشادات کی بنا پر ایسے لوگوں کے لئے بھی جن سے دل کھلا ہوا ہے اسلم یہی ہے کہ قبل کسی خدمت کے لئے سبقت کرنے کے حضرت والا سے اجازت لے لیں جیسا کہ خود بھی فرمایا کرتے ہیں اور جن سے دل کھلا ہوا نہ ہو وہ تو کسی خدمت کا ارادہ ہی نہ کریں بلکہ اجازت بھی نہ لیں کیونکہ ایسوں کی خدمت سے سخت اذیت اور ناگواری ہوتی ہے - اور تاکید کے ساتھ روک دیتے ہیں - اور اگر کبھی مروت میں آکر اجازت بھی عطا فرما دیتے ہیں تو جب بعد کو تکلیفیں پہونچتی ہیں اُسوقت ممانعت کرنی پڑتی ہے -

جسوقت حضرت والا کسی خدمت سے روک دیں فوراً رک جانا چاہیئے ورنہ اصرار سے سخت ایذا ہوتی ہے اور اصرار ادب کے بھی خلاف ہے بعض نے جوتا لینے پر اصرار کیا تو فرمایا کہ اچھا لے لیجئے لیکن میں انھیں پہنوں ہی گا نہیں - ننگے پاؤں گھر جاؤں گا جب یہاں تک ارشاد فرمانے کی نوبت پہونچی تب وہ حضرت باز آئے اور ایک اسی بات کی کیا تخصیص ہے جسوقت جس بات کے لئے ارشاد فرمایا جاوے فوراً تعمیل کرنی چاہئے بار بار کہنے کا منتظر نہ رہنا چاہیئے کیونکہ حضرت والا کوئی بات محض تکلف سے نہیں فرماتے اور جو کچھ فرماتے ہیں خوب سوچ سمجھ کر فرماتے ہیں اور قطعی بات فرماتے ہیں جسمیں تغیر و تبدل کی گنجایش ہی نہیں ہوتی لہذا اصرار

بالکل عبث بلکہ مضر اور جانبین کے لئے موجب تکدر و تکدر ہوتا ہے ۔ لوگ عام عادت کے موافق تعمیل ارشاد بلا بار بار کہے اس امید میں نہیں کرتے کہ شاید رائے ڈھیلی ہو جائے پھر جب لتاڑ پڑتی ہے تب مانتے ہیں یہ بہت ایذا دہ خصلت ہے ۔

حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے اپنی ضروریات اتنی مختصر کر رکھی ہیں کہ ان کو میں خود ہی پورا کر لیتا ہوں کسی دوسرے کا محتاج نہیں چنانچہ آجکل فلاں فلاں سے میں نے کام لینا چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان سے ہمیشہ تکلیف پہونچتی تھی گو پہلے اُنسے بہت کام متعلق تھے اور ایک تو تنخواہ دار ملازم ہی ہے لیکن الحمد للہ مجھے کوئی تنگی پیش نہیں آئی حالانکہ کئی ماہ ہو گئے اُنسے کسی قسم کا کام نہیں لیا گیا یہ اسی کی برکت ہے کہ بوجہ آزاد مزاجی کے میری ضروریات ہی بفضلہ تعالیٰ بہت کم ہیں جنکو میں خود ہی پورا کر لیتا ہوں اھ

کسی کی طرف دیکھنے کے آداب

اکثر نوواردین حضرت والا کی نشست و برخاست کو اسطرح تکا کرتے ہیں کہ حضرت والا کو بھی اسکا علم ہو جاتا ہے جو نہایت نازیبا حرکت ہے کیونکہ اس سے دوسرے کی آزادی میں فرق آجاتا ہے اور قلب پر بڑا بار ہوتا ہے ایسے موقعوں پر حضرت والا اکثر اظہار ناراضی میں یہ فرمایا کرتے ہیں کہ کیا کوئی تماشا ہو رہا ہے جو اسطرح مجھے تک رہے ہو ۔

اگر دیکھنے ہی کا شوق ہو تو اسطرح کہ حضرت والا کو یہ محسوس نہو کہ فلاں شخص مجکو مسلسل تک رہا ہے یا اہتمام کے ساتھ دیکھ رہا ہے ۔

دیگر

اسیطرح بعضے لوگ جو پہلے سے صف میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں حضرت والا کے مسجد میں آنے کے وقت اس غرض سے کہ مصلیٰ پر جانے کے لئے جگہ دیدیں یا تو منہ موڑ موڑ کر حضرت والا کو دیکھنے لگتے ہیں یا کھڑے ہو جاتے ہیں یا ہٹنے لگتے ہیں اس سے بھی حضرت والا کو سخت اذیت و گرانی ہوتی ہے ۔ فرمایا کرتے ہیں کہ میرے آنے کی وجہ سے کوئی تغیر نہ ہونا چاہیئے جو جسطرح بیٹھا ہے بیٹھا رہا کرے ۔ یہ مجھے سخت گراں گذرتا ہے کہ میرے آتے ہی ایک ہلچل پیدا ہو جائے ۔ میرے لئے جگہ دینے کا کوئی اہتمام نہونا چاہئے ۔ میں خود جدھر سے چاہونگا آزادی کے ساتھ مصلے پر چلا جاؤں گا اگر جگہ نہو گی کندھے پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کر دوں گا اسوقت اپنے بدن کو قدرے جھکا کر تھوڑی سی جگہ نکلنے کے لئے دیدی جایا کرے اور یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہ تو انکو تکلیف سے بچانا ہوا اور ایک تکلیف اسمیں خود مجکو بھی ہوتی ہے کہ بعض اوقات میں کسی طرف جگہ دیکھ کر اس طرف سے نکلنا چاہتا

ہوں اور بیٹھنے والا اُسی طرف جھک کر دوسری طرف سے جگہ دینے لگتا ہے تو مجکو اپنا ارادہ بدلنا پڑتا ہے اور اس ارادہ بدلنے کے بعد بھی بعض اوقات کامیابی نہیں ہوتی کیونکہ وہ جگہ بھی اسی طرح گھر جاتی ہے۔ غرض سخت خلجان ہوتا ہے نکلنے کے موقع کو بس میری ہی رائے پر چھوڑ دیا جائے جسطرف سے میں مناسب سمجھوں گا آپ چلا جاؤں گا میں چاہتا ہوں کہ نہ مجکو تکلف ہو نہ میری وجہ سے کسی دوسرے کو تکلیف ہو نہ میرے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کیا جائے جس سے میری شان ظاہر ہو کیونکہ مجھے اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اسیطرح جب میں مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے آتا ہوں تو بعضے لوگ خواہ مخواہ میرے پیچھے پیچھے ہو لیتے ہیں اس سے بھی مجھے سخت اذیت ہوتی ہے اول تو شبہہ سا ہوتا ہے کہ گویا میرے ہی منتظر بیٹھے تھے اور مسجد میں کسی کا ایسا انتظار کرنا محض لغو حرکت ہے دوسرے اس صورت میں میں مقید بھی ہو جاتا ہوں کیونکہ اگر کسی ضرورت سے لوٹنا ہو تو یہ خیال کر کے کہ پیچھے پیچھے لوگ آرہے ہیں لوٹنے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ ان کو ہٹنا پڑیگا اور تکلیف ہوگی نیز مسجد میں اس حالت سے جانا کہ لوگ پیچھے پیچھے جا رہے ہیں برا معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک شان اور نمود کی سی صورت ہے۔ پھر بعضے اس سے یہ ناجائز فائدہ بھی اُٹھاتے ہیں کہ میرے پیچھے پیچھے آکر صف میں اس جگہ کھڑے رہ جاتے ہیں جو اکثر باوجود میری ممانعت کے میرے نکلنے کے لئے چھوڑ دی جاتی ہے حالانکہ انکو وہاں بوجہ اسکے کہ بعد کو آئے کھڑے ہونے کا کوئی استحقاق نہیں ہوتا اور چونکہ وہ جگہ بہت تنگ ہوتی ہے اسلئے جو وہاں پہلے سے موجود ہوتے ہیں انکو تنگی ہوتی ہے۔

اور بعضے مسجد کے اندر عین اُسوقت جب میں نماز پڑھانے کے لئے جاتا ہوا ہوتا ہوں مصافحہ کرنے لگتے ہیں جس سے میں محبوس ہو جاتا ہوں اور بعض دفعہ وقت بھی تنگ ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں تو ادھر جانا چاہتا ہوں جلدی اور اُدھر ان کو ایسے وقت سوجھتی ہے مصافحہ کی جس سے قلب میں سخت تنگی واقع ہوتی ہے اور بعضے نماز ہو چکنے کے بعد جب میں کچھ وظیفہ پڑھنے لگتا ہوں محض میرے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں جس سے وظیفہ میں یکسوئی نہیں رہتی ایک بار ایک صاحب نے وظیفہ میں آکر مصافحہ کرنا چاہا جب میں متوجہ نہوا تو آپ نے زور سے کہا مصافحہ میں نے بھی بلا متوجہ ہوئے اُسی انداز سے کہہ دیا وظیفہ۔

میں اسکی بڑی احتیاط رکھتا ہوں کہ کسی کے وظیفہ میں خلل انداز ہوں کیونکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی غیرت آتی ہے کہ جو بندہ اسکے ذکر میں مشغول ہو اُسکو دوسری طرف متوجہ کیا جائے۔ اور بعضے وظیفہ پڑھتے میں آکر میرے پیچھے بیٹھ جاتے ہیں ایک ایسے ہی شخص کا میں نے خوب علاج کیا وہ میرے پیچھے آکر بیٹھا تو میں اُٹھ کر اسکے پیچھے جا بیٹھا وہ اُٹھنے لگا تو میں نے ڈانٹا کہ خبردار جو اپنی جگہ سے ہٹے اب تو وہ بڑا گھبرایا اور بہت کسمسایا لیکن کیا کرتا مجبوراً بیٹھا رہا میں بھی خوب ترتیل کے ساتھ اپنا وظیفہ بہت دیر تک پڑھتا رہا جب

اطمینان سے اپنا وظیفہ پورا کر چکا اُسوقت میں نے اسکو اُٹھنے کی اجازت دی۔ پھر میں نے پوچھا کہ کچھ تکلیف بھی ہوئی اُسنے کہا اجی بڑی تکلیف ہوئی لیکن ڈر کے مارے بیٹھا رہا میں نے کہا کہ بس ایسے ہی کسی کے پیچھے بیٹھنے سے مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے اُسنے کہا کہ آپ تو بزرگ ہیں میں نے کہا کہ آپ بھی بزرگ ہیں کیونکہ مسلمان ہیں اور میں ہر مسلمان کو بزرگ سمجھتا ہوں خبردار جو پھر کبھی ایسی حرکت کی۔ اھ

حضرت والا اس قسم کی تنبیہات فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ یہ سب سخت ایذا دہ اور خلاف تہذیب حرکات ہیں' انکا صرف یہیں نہیں بلکہ ہر جگہ خیال رکھنا ضروری ہے اھ

سلام وپیام دیگراں

حضرت والا کو طالبین کا دوسروں کی طرف سے سلام وپیام خط ہدیہ وغیرہ لانا بھی پسندیدہ نہیں بالخصوص جنسے حضرت والا کو بے تکلفی نہو۔ بعضے تو اہل خصوصیت کے ہدایا اور خطوط وغیرہ لاکر ان کو ذریعۂ تقرب بناتے ہیں' اور خصوصیت کے برتاؤ کے متوقع رہتے ہیں اور بعضے صرف دوسروں ہی کے سلام وپیام پہونچانے میں رہتے ہیں اور اپنی فکر نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ بس ہمنے تعلق کا حق ادا کر دیا۔ جو طالبین پوری طرح اپنی اصلاح کے اہتمام میں مشغول ہوں وہ اگر کبھی کبھار کسی کا سلام پیام بھی پہونچادیں تو خیر اسکا مضائقہ نہیں۔ اھ

سفارش کرنا

طالبین کسی کا سفارشی خط بھی نہ لائیں نہ کسی سے سفارش کرائیں کیونکہ امور دین میں سفارش کا کیا کام جسکے ساتھ جیسا معاملہ کرنا مناسب ہوگا حضرت والا اسکے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے سفارش لانے کے تو یہ معنی ہیں کہ اثر ڈال کر اپنی مرضی کے موافق معاملہ کرانا چاہتے ہیں جسکا طالب کو نہ حق ہے نہ اس امر میں اسکی مرضی کا اتباع اسکے لئے نافع ہے۔ حضرت والا ایسی سفارشوں کا کوئی خاص اثر نہیں لیتے بلکہ اکثر ایسے سفارشیوں کو بے نیل مرام ہی واپس کر دیتے ہیں تاکہ اس حرکت کا نازیبا اور غیر نافع بلکہ مضر ہونا اُن کو اور اُن کے سفارش کرنے والوں کو معلوم ہو جائے اور آیندہ کے لئے سفارشوں کا سلسلہ بند ہو۔ چنانچہ ایک صاحب مدت تک ایک اور صاحب کے ذریعہ سے بیعت کی درخواست کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہوئے اور جب انھوں نے خود لکھا تو پہلے ہی خط میں بیعت فرمالیا۔

ہدیہ پیش کرنا

نوواردین بلکہ ایسے سب آنے والوں کو جنسے حضرت والا کا خوب اچھی طرح دل کھلا ہوا نہو عموماً حضرت والا کی خدمت میں کسی قسم کا ہدیہ نہ پیش کرنا چاہیئے اور اگر بہت ہی جی چاہے تو پہلے اجازت حاصل کرلیں پھر اگر حضرت والا شرائط ہدیہ موجود نہ ہونے کے عذر سے انکار فرمادیں تو اسکے بعد ہرگز اصرار نہ کریں۔ ہدیہ کے متعلق شرائط و آداب انشاء اللہ تعالیٰ آگے عنوان پنجم "اصول متفرقہ" میں آتے ہیں وہاں ملاحظہ ہوں۔

مجلس کے آداب

آجکل مجلس عام کا وقت ظہر کے بعد سے تا اذان عصر ہے جیسا کہ اعلان انضباط اوقات میں مذکور ہے جو نشستگاہ کے باہر دیوار پر آویزاں ہے اور جسکی نقل اپنے موقع پر اوپر کے کسی عنوان میں گذر چکی ہے دیگر اوقات میں بجز ابتدائی اور رخصتی ملاقات کے حضرت والا کی خدمت میں نہ جائیں۔ اگر صبح کی مجلس خاص ہو رہی ہو تو اسمیں بھی بلا خاص اجازت حاصل کئے نہ بیٹھیں۔ اور اگر ایسے وقت محض ابتدائی یا رخصتی ملاقات کرنی ہو تو ملاقات کرکے اور اپنا کافی تعارف کرا کے اور اپنی غرض صاف صاف بیان کرکے فوراً وہاں سے چلے آئیں۔ مجلس شریف میں جہاں حضرت والا بیٹھتے ہیں اسکی بائیں میں جو گوشہ ہے وہ صرف ان لوگوں کیلئے ہے جن کو کوئی بات کہنی ہوتی ہے یا صرف ملاقات کرنی ہوتی ہو۔ بعض لوگ اس جگہ مستقل طور پر بیٹھنے لگے تو تنبیہ فرمایا کہ یہ تو دیکھنا چاہیئے کہ اگر یہ مستقل طور پر بیٹھنے کی جگہ ہوتی تو خالی کیوں ہوتی لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے ہیں وہ یہاں کیوں نہ بیٹھتے ایسی باتوں کی طرف خیال نہ کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے اھ

غرض حضرت والا کی بائیں میں جو جگہ ہے وہاں مستقل طور پر نہ بیٹھیں بات کہہ کر یا ملاقات کرکے جہاں عام اہل مجلس کے بیٹھنے کی جگہ ہے وہاں جا بیٹھیں لیکن اسطرح کہ جو پہلے سے بیٹھے ہوئے ہوں ان کو تنگی ہو اور کسی کو اسکی جگہ سے اٹھایا یا ہٹایا نہ جائے اگر قریب جگہ ہو تو بلا ضرورت دور نہ بیٹھیں۔ بعضے باوجود قریب جگہ ہونے کے دور بیٹھے یا قریب کی جگہ خالی ہو جانے کے بعد بھی دور ہی بیٹھے رہے تو اس پر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ آپ تو اسطرح بیٹھے ہیں کہ آنے والے دیکھ کر خواہ مخواہ مرعوب ہوں کہ اففوہ بڑی پُر رعب مجلس ہے۔ کسی کو پاس بیٹھنے کی بھی ہمت نہیں تو کیا آپ مجھکو لوگوں کی نظر میں بھیڑیا بنانا چاہتے ہیں۔ اھ

اسی طرح بعضے بے ڈھنگے لوگ بہ وقت ملاقات بہت ہی قریب ہو کر بیٹھ گئے تو اسپر بھی تنبیہ فرمائی کہ اگر ادب کرینگے تو اتنا کہ جو تکلف اور تصنع کی حد تک پہونچ جائے گا اور بے تکلفی برتیں گے تو اتنی کہ جو

بیہودگی کی حد تک پہونچ جائیگی کچھ ایسا مذاق خراب ہوا ہی کہ اعتدال پر کوئی رہا ہی نہیں الا ماشاء اللہ۔ یا تو افراط ہے یا تفریط۔ حالانکہ حضرت حق جل شانہ کا ارشاد ہے وکذالک جعلناکم امتہ وسطا جسکی تفسیر و تائید ان روایات سے ہوتی ہے خیر الامور اوسطھا وخیر الاعمال اوسطھا کلاھما فی المقاصد الحسنتہ والاول فی کنوز الحقائق ایض وھما یصلحان للتائید وان لم یثبت سندھما) اور فطرت سلیمہ کا بھی یہی تقتضا ہے اھ

دیگر

دوران مجلس میں حضرت والا کی سہ دری کا مغربی حصہ اہل خصوصیت کے بیٹھنے کے لئے مخصوص ہے وہاں صرف ایسے صاحبوں کو بیٹھنا چاہیئے جن کو حضرت والا خود وہاں بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمائیں یا جن کو پہلے سے معلوم ہے کہ حضرت والا ان کو وہیں بٹھایا کرتے ہیں بلکہ مؤخر الذکر صاحبوں کو تو از خود وہیں بیٹھنا چاہیئے تکلف نہ کرنا چاہیئے کیونکہ جب حضرت والا کو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ عام جگہ پر بیٹھے ہیں تو حضرت والا کو خاص طور سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ وہاں کہاں جا بیٹھے یہاں آجایئے اگر جگہ بھی کم ہوتی ہے تو مزاحًا یہ فرما کر بلا لیتے ہیں کہ آیئے انشاء اللہ جگہ ہوجائے گی کیونکہ حضرت شیخ سعدی رح فرما گئے ہیں کہ دہ درویش در گلیمے بخسپند۔ اھ

دیگر

جسکو آدمی اپنے سے بڑا سمجھے اسکے سامنے نمایاں طور پر تسبیح لیکر بیٹھنا خلاف ادب ہے کیونکہ یہ ایک دعوے کی سی صورت ہے اسلئے حضرت والا کے مواجہ میں تسبیح لیکر نہ بیٹھیں یا تو رومال اوپر سے ڈالکر پڑھیں یا محض زبان سے پڑھتے رہیں اور جسوقت حضرت والا مجلس میں کچھ ارشاد فرما رہے ہوں اسوقت تو زبان سے بھی کوئی وظیفہ وغیرہ نہ پڑھیں بلکہ ہمہ تن گوش ہوکر حضرت والا کے ارشادات کو سننے لگیں لیکن جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا جاچکا ہے حضرت والا کی جانب ٹکٹکی باندھ کر مسلسل نہ دیکھتے رہیں نہ دوران ملفوظات میں نہ ویسے کیونکہ ایسا کرنے سے دوسرے کے قلب پر سخت بار ہوتا ہے اور وہ اپنی حرکات و سکنات میں آزاد نہیں رہتا اور یکسوئی نہیں رہتی کیونکہ ہر وقت یہی خیال لگا رہتا ہے کہ یہ شخص اہتمام کے ساتھ مسلسل مجھے کیوں تک رہا ہے

دیگر

مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنا خلاف آداب مجلس ہے اسکی حضرت والا ممانعت فرماتے رہتے ہیں اور فرما دیتے ہیں کہ اگر بات چیت کرنی ہو تو مجلس سے باہر جاکر کریں۔ اگر کسی سے کوئی بہت ہی ضروری اور مختصر بات مجلس ہی میں کہنے کی مجبوری ہو تو چپکے چپکے نہ کہیں بلکہ اسطرح کہیں کہ حضرت والا بھی سن لیں نہ تو سرگوشی کریں نہ بہت پکار کر کہیں متوسط آواز سے اور ذرا کھل کر کہیں۔

دیگر

حضرت والا عام ارشادات میں صرف اہل خصوصیت کو اپنا مخاطب بناتے ہیں۔ مخاطب کو چاہیئے کہ وہ خاص طور سے حضرت والا کی جانب متوجہ رہے اور جو قابل تحسین باتیں ہوں اُن پر بشرہ سے اور اگر موقع ہو تو زبان سے بھی اظہار بشاشت کرے کیونکہ حسب ارشاد حضرت والا یہ آداب تخاطب میں سے ہے۔ ورنہ بے حس و حرکت اور ساکت وصامت بیٹھے رہنے سے خطاب کرنے والے کو یہی پتہ نہیں چلتا کہ میرا مخاطب بات کو سمجھا بھی یا نہیں اور پھر مضامین کی آمد ہی بند ہو جاتی ہے۔ اھ

اسیطرح حسب ارشاد حضرت والا آداب مخاطبت میں سے یہ بھی ہے کہ سنی ہوئی بات کو بھی اسطرح سنے کہ جیسے پہلے سے سنی ہوئی نہیں ہے تاکہ بات کہنے والے کا دل افسردہ نہ ہو جائے اھ

دیگر

جن کو مخاطبت کی اجازت بھی ہو وہ بھی بلا ضرورت نہ بولیں زیادہ تر حضرت والا ہی کو کلام فرمانے دیں تاکہ سب حاضرین کو جو زیادہ تر اسی غرض سے مجلس شریف میں حاضر ہوتے ہیں حضرت والا کی زبان فیض ترجمان کے مضامین نافعہ سننے کا زیادہ سے زیادہ موقع نصیب ہو۔ دوسروں کے زیادہ بولنے سے اہل مجلس کو تنگ ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔ یہ فعل علاوہ خلاف آداب مجلس ہونے کے بقول شیخ سعدی علیہ الرحمۃ طریق محبت کے بھی خلاف ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

عجب است با وجودت کہ وجود من بماند	تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند

دیگر

حضرت والا کے دوران کلام میں دخل در معقولات نہ کریں نہ بے جوڑ سوالات کریں نہ اسوقت کوئی اشکال پیش کریں کہ ان سب باتوں سے کلام کا لطف برباد ہو جاتا ہے اور مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے۔ اگر کسی تقریر کے متعلق ضروری بات پوچھنی ہو تو ختم مضمون کے بعد سلیقہ کے ساتھ پوچھیں بشرطیکہ مخاطبت کی اجازت بھی پہلے سے حاصل ہو۔ اھ

دیگر

مجلس میں بیٹھے ہوئے پاؤں یا ہاتھ کو فضول نہ ہلائیں جیسے کہ بعضوں کی عادت ہوتی ہے بالخصوص انگریزی خوانوں کی۔ ایک بار احقر سے یہی حرکت سرزد ہوئی کہ بیٹھا ہوا پاؤں ہلا رہا تھا فوراً تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے اگر سب اسیطرح اپنے اپنے پاؤں ہلانے لگیں تو ساری مجلس میں ایک زلزلہ کی سی کیفیت

پیدا ہو جائے اس عادت کو بہت اہتمام کے ساتھ ترک کرنا چاہئیے کیونکہ علاوہ لغویت کے اسمیں آزاد خیال لوگوں کے ساتھ تشبیہ بھی ہے اھ

اسی طرح کسی پاس رکھی ہوئی چیز کو فضول بطور شغلہ کے خواہ مخواہ چھیڑیں نہیں جیسی کہ بعضوں کی عادت ہوتی ہے نہ نشستگاہ کی موجودات پر نظر دوڑائیں۔

یہ سب امور آداب مجلس کے خلاف ہیں انسے باہتمام خاص احتراز رکھیں۔

راستہ چلنے کے آداب

مصافحہ یا بات چیت راستہ چلتے میں نہ کریں اگر اتفاق سے سامنا ہو جائے تو صرف سلام کا مضائقہ نہیں۔

دیگر

راستہ چلتے پشت کی جانب سے کسی قسم کا تخاطب نہایت بدتہذیبی ہے چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح نے حضرت امام ابویوسف رح کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تم کو کوئی پشت کی طرف سے خطاب کرے تو اسکا جواب مت دو کیونکہ اسنے تمھاری بڑی اہانت کی اور تم کو اسنے گویا جانور سمجھا۔ جانوروں ہی کو پشت کی طرف سے خطاب کیا جاتا ہے۔

دیگر

حضرت والا کو راستہ چلتے وقت کسی کا خواہ مخواہ ساتھ ہو لینا پسند نہیں کیونکہ چلنے میں آزادی نہیں رہتی حضرت والا نے اس معمول کی تائید طبقات کبریٰ میں دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ اسمیں لکھا ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رح بھی راستہ میں اپنے ہمراہ کسی کو نہیں چلنے دیتے تھے اھ

اسمیں علاوہ آزادی نہ رہنے کے یہ بھی خرابی ہے کہ حضرت والا باقتضائے ہمراہی کے اچھا راستہ چھوڑ دیتے ہیں اور خود ناہموار راستہ پر ہو لیتے ہیں جسکی وجہ سے ویسے بھی تکلیف ہوتی ہے اور بعض اوقات تو پاؤں نالی میں چلا جاتا ہے یا ٹھوکر لگ جاتی ہے جس سے اذیت ہوتی ہے۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو پھر حضرت والا نے اپنے اس اقتضائے طبعی پر عمل کرنا بہ تکلف چھوڑ دیا مگر اول تو خلاف طبیعت عمل کرنے میں اذیت ہوتی ہے۔ دوسرے بعض اوقات ذہول ہو جاتا ہے۔

دیگر

حضرت والا کو راستہ میں کسی کا پیچھے چلنا بھی ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ بعض اوقات کسی وجہ سے رکنا ہو گیا تو پیچھے آنے والا ٹکرا جاتا ہے۔ حضرت والا کو یہ بھی گوارا نہیں کہ جو شخص راستہ چل رہا ہو وہ حضرت والا کی وجہ

سے رُک جائے یا اپنی رفتار سُست کر دے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنی چال چلتا رہے اور جب حضرت والا تک پہونچے تو ایک پہلو ہو کر آگے نکلا ہوا چلا جائے۔ اس بے تکلفی سے تو حضرت والا کو بہت راحت اور مسرت ہوتی ہے لیکن اگر کوئی بہت ہی مؤدب ہو اور وہ آگے نہ نکلنا چاہے تو زیادہ فصل سے پیچھے چلے تا کہ حضرت والا پیروں کی آہٹ نہ سنیں ورنہ اس علم سے کہ کوئی پیچھے پیچھے آرہا ہے حضرت والا کو سخت الجھن ہوتی ہے۔ غرض راستہ چلنے میں حضرت والا کے ساتھ نہ رہنا چاہیئے۔ البتہ اگر خود ہی ساتھ لے لیں یا باتیں فرمانے لگیں تو اور بات ہے۔ راستہ میں کسی کا ساتھ ہو لینا علاوہ مقید ہو جانے کی وجہ سے ناگوار ہونے کے اسلئے بھی ناگوار ہوتا ہے کہ انہماک مشاغل کثیرہ کے بعد تو کہیں تھوڑی دیر کے لئے فراغ کی نوبت آتی ہے اُس میں بھی لوگ آ کر مخل ہو جاتے ہیں چنانچہ ایسے مواقع پر مثلاً راستہ چل رہے ہوں یا وظیفہ پڑھ رہے ہوں اگر کوئی مخل ہوتا ہے تو خفا ہو کر فرمانے لگتے ہیں کہ آپ لوگوں کو خدا کا خوف نہیں آتا کہ کسی وقت چین ہی نہیں لینے دیتے وظیفہ تک بھی اطمینان سے نہیں پڑھنے دیتے۔ راستہ چلتے بھی آگھیرتے ہیں۔ اس ظلم و ستم کی بھی کوئی انتہا ہے۔ کیا ہر وقت آپ صاحبوں ہی کے کام میں رہوں اپنا کام کسی وقت کر دل ہی نہیں۔ اھ

نیز اکثر راستہ چلتے ہوئے بھی حضرت والا مسائل مشکلہ میں غور و فکر فرماتے رہتے ہیں اس لئے بھی کسی کا مخل ہونا ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ کا حل جب میں گھر جاتے ہوئے فلاں مکان کے قریب پہونچا اُسوقت اللہ تعالےٰ نے قلب میں ڈالا۔ فلاں بات جنگل میں فلاں موقع پر سمجھ میں آئی جب میں تلاوت کرتا ہوا چلا جارہا تھا۔ فلاں اشکال اُس وقت حل ہوا جب میں لین کے قریب تھا اسی وقت اسکو قلمبند کر لینے کے لئے لوٹا تا کہ ذہن سے نکل نہ جائے اور پھر دوبارہ جا کر تلاوت اور مشی کو پورا کیا اھ

بعض اوقات حضرت والا قریب مغرب تک کام کرنے کے بعد بھی گھر جاتے ہوئے راستہ میں کوئی اخبار یا مضمون پڑھتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں غرض دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ حضرت والا کا کوئی وقت کام سے خالی نہیں رہتا تو جو ہر وقت اسدرجہ مشغول رہتا ہو ظاہر ہے کہ اسکو کسی کا بیجا طور پر وقت بے وقت مخل ہونا کسدرجہ ناگوار ہوگا۔ لہذا اسکا سب لوگوں کو بہت خیال رکھنا چاہیئے کہ بے موقع اور بے وقت حضرت والا کو اپنی طرف مشغول نہ کریں اور اس میں انکا کوئی حرج بھی نہیں کیونکہ حضرت والا نے خود ہی لوگوں کی ضرورتوں پر نظر فرما کر بقدر ضرورت سب کے کاموں کے لئے اوقات مقرر فرما رکھے ہیں کسی کا کوئی کام اٹکا نہیں رہ سکتا ہاں اگر کوئی یوں چاہے کہ جس طرح میں حساب لگا کر آیا ہوں اُسی طرح اور اُسی وقت میرا کام کر دیں تو یہ تو محتاج الیہ کو اپنا تابع بنانا ہوا جسکا اسکو کسی قاعدہ سے بھی حق حاصل نہیں۔

رخصت ہونیکے آداب

ابتدائی ملاقات کی طرح رخصتی ملاقات کا بھی کوئی وقت مقرر نہیں لیکن جب رخصتی ملاقات کے لئے آئیں تو آتے ہی کہہ دینا چاہیئے کہ میں جارہا ہوں کیونکہ بعض اوقات محض سلام و مصافحہ کرنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ آمد کا مصافحہ ہے یا رخصت کا اور دونوں کے آثار و لوازم جدا جدا ہیں اشتباہ سے خلجان ہوتا ہے۔

دیگر

عین چلتے وقت تعویذ وغیرہ کی درخواست یا اور کوئی حاجت پیش نہ کریں بلکہ بہت پہلے سے پیش کریں تاکہ حضرت والا کو قلت وقت کی وجہ سے اسکے پورا کرنے میں تنگی پیش نہ آئے۔ بعضوں نے تنگ وقت میں کوئی درخواست کی تو اظہار ناپسندیدگی فرماکر اسکو رد فرمادیا اور فرمایا کہ اسکے تو یہ معنی ہوئے کہ جب آپ کا حکم ہو چاہے مجھے فرصت ہو یا نہ ہو فوراً مجھکو سب کام چھوڑکر تعمیل حکم کرنا چاہیئے جس سے کام لینا ہو کیا اس کو اس طرح مقید کرنا چاہیئے۔ اھ

بس اب احقر اس نمبر کو ختم کرتا ہے کیونکہ استیعاب مقصود نہیں نہ استیعاب ہوسکتا ہے اسلئے کہ ہر شعبۂ اخلاق کے متعلق سیکڑوں آداب ہیں جن کی حضرت والا رات دن علماً و عملاً حالاً و قالاً تعلیم فرماتے رہتے ہیں کہاں تک بیان کئے جاسکتے ہیں اور کہاں تک یاد آسکتے ہیں۔ جتنے عرض کئے گئے فہیم سلیم کو نمونہ کے لئے اتنے ہی کافی و وافی ہیں۔ انہیں سے انشاء اللہ تعالیٰ بشرط تدبر و تفکر و اہتمام و التزام بقیہ آداب ضروریہ کے بھی سمجھ لینے کی مناسبت پیدا ہوجائے گی کیونکہ اس قسم کے سب آداب طبعی اور فطری ہیں۔ تھوڑی سی تنبیہ بھی کافی ہے بقول مشہور " اگر در خانہ کس است یک حرف بس است ۔

بس اس نمبر کے ساتھ عنوان چہارم بھی ختم ہوا۔ الحمد للہ اب عنوان پنجم شروع کرتا ہوں

وباللہ التوفیق

عنوان پنجم

اصول متفرقہ

اس عنوان کے تحت میں مختلف امور کے متعلق حضرت والا کے چند متفرق اصول نیز جو بعض اصول متعلقہ عنوانات اسبق بعد میں یاد آئے اُن کو لکھکر اس مضمون پنج گنج اشرف کو انشاء اللہ تعالیٰ اختم کر دیا جائیگا اور اس کے ساتھ ہی اس باب ارشاد و افاضۂ باطنی کو بھی بند کر دیا جائیگا کیونکہ وہ بلا قصد بہت طویل ہو گیا گو باوجود طول کے بھی وہ ہنوز بالکل ناتمام اور تشنۂ تکمیل ہے اور ہمیشہ تشنۂ تکمیل ہی رہے گا چاہے جتنی خامہ فرسائی کی جائے بمصداق ؎

	نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں		بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی	

ہدیہ کے متعلق اصول

حضرت والا کے یہاں ہدیہ کے متعلق بہت سی شرائط اور بہت سی حدود و قیود اور بہت سے قواعد ضوابط ہیں جو سراسر مصلحت بلکہ شرعی و عقلی ضرورت پر مبنی ہیں اور سر بسر سنت سنیہ اور فطرت سلیمہ اور اصول صحیحہ کے مطابق ہیں اُن سب کا حاصل یہ ہے کہ جبتک ہدیہ دینے والے کے متعلق حضرت والا کو پورا اطمینان اور شرح صدر نہیں ہو جاتا کہ یہ بالکل صدق و خلوص سے ہدیہ دے رہا ہے اور یہ میرے متعلق کسی قسم کے دھوکہ میں نہیں ہے اور اس ہدیہ کے قبول کرنے میں کسی دینی یا دنیوی مصلحت میں خلل نہیں پڑتا نہ اس کی نہ میری خواہ وہ گرانی ہی کی درجہ میں ہو اس وقت تک ہدیہ قبول نہیں فرماتے اور جن پر ان امور کے متعلق پورا اطمینان ہو چکا ہے کہ وہ جو کچھ دینگے ان سب امور کی رعایت کر کے دینگے اُن کے لئے کوئی قواعد وضوابط نہیں۔ بلکہ مزاحاً فرمایا کرتے ہیں کہ ایسے لوگ تو اگر مجھے اپنا سارا گھر بھی بخشدیں تب بھی انکار نہیں ہے

ہدیہ کے متعلق احقر ہی کے قلمبند کئے ہوئے بعض پرانے ملفوظات حسن العزیز جلد اول میں حسن اتفاق سے ایسے نظر پڑے جن میں حضرت والا نے بضمن واقعات بہت سے آداب ہدیہ اور اپنے بہت سے اصول و شرائط متعلق ہدیہ مع اُن کی مصالح و حِکَم و تائیدات منصوصہ کے خود بیان فرمائے ہیں اُن میں سے بعض کا اس جگہ تیمناً نقل کر دینا انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کے لئے اس موضوع

کے متعلق کافی معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ ہوگا اور احقر مکرر لکھنے کے تعب سے بچ جائیگا جس کے لئے بوجہ قرب اختتام رخصت میرے پاس وقت بھی نہیں۔

نقل ملفوظات متعلق ہدیہ از حسن العزیز جلد اول

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ ۴۸)

ایک کاشتکار بستی ملحقہ تھانہ بھون مسمی ساوی کا کچھ گڑ ہدیہ لایا حضرت نے فرمایا کہ ساوی میں تو موروثی زمین کی بہت کثرت ہے اس نے کہا کہ یہ گڑ موروثی زمین کا نہیں ہے اور یہ بھی کہا کہ جو کھیت موروثی کا ہے اس میں ایکھ نہیں حضرت نے فرمایا کہ پیداوار تو سب ملی جلی ہوتی ہے اس نے کہا کہ نہیں علحدہ علحدہ ہے پھر بعد کو وہ شخص یہ کہنے لگا کہ میرے پاس موروثی کوئی کھیت نہیں حضرت نے فرمایا کہ ابھی ابھی تم خود اقرار کر چکے ہو کہ جو کھیت موروثی ہے اس میں ایکھ نہیں اب میں کیسے یقین کرلوں کہ کوئی کھیت موروثی کا نہیں اجی ہم ایسے متقی تو کہاں ہیں کہ دور تک کی تحقیق کریں لیکن اس طرح بھی آنکھیں نہیں بند کیجاتیں بھائی دیکھ کر تو مکھی نہیں نگلی جاتی پھر عام خطاب کے طور پر فرمایا کہ ایک تو یہ بات ہے کہ دل میں شبہ پڑ گیا دوسرے یہ کہ باوجود اس کے کہ ساوی بالکل تھانہ بھون سے ملا ہوا ہے لیکن وہاں کے لوگوں کو اسقدر اجنبیت دین سے ہے جیسے کوئی دیہات پانچسو کوس پر اہل علم سے ہو۔ کوئی بندہ خدا کا کبھی کوئی دین کی بات پوچھنے نہیں آتا ہاں اگر آتے ہیں تو کوئی دودھ دینے آتا ہے کوئی گڑ چاول لاتا ہے اور میں لیتا نہیں کیونکہ اس شخص سے کوئی چیز لینے میں نہایت ذلت معلوم ہوتی ہے جس کو خود کوئی نفع نہ پہونچا سکے ہاں جو دینی نفع حاصل کرتا ہے وہ اگر محبت سے کبھی کچھ دے تو کس کو انکار ہے کیونکہ آخر میری گذر ہی اسی پر ہے لیکن یہ شرط ہے کہ دینے میں بجز محبت کے اور کوئی نیت نہ ہو یہانتک کہ ثواب کی بھی نیت نہ ہونی چاہیے گو جب حق تعالیٰ کے تعلق کی وجہ سے دیا تو ثواب اس کو مل ہی گیا۔ دیکھئے اگر کوئی اپنے باپ یا لڑکے کو کچھ دے تو نیت ثواب کی نہیں ہوتی لیکن ثواب ملتا ہے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دے تو اس کو ثواب ملتا ہے حالانکہ بیوی کو کوئی ثواب کی نیت سے نہیں دیتا بلکہ اگر اس کو ثواب کی نیت کی خبر ہو جائے تو اس کو ناگوار ہو اور وہ انکار کردے کہ کیا میں خیرات خوری ہوں پھر فرمایا کہ ان لوگوں کی نیت بھی ہم لوگوں کے دینے میں وہی ہوتی ہے جو پیر شہید و ں کی قبروں پر چڑھاوا چڑھانے میں ہوتی ہے کہ اگر ان ملانوں کا حصہ اس میں ہو جاوے گا تو برکت ہو جاوے گی کھیت میں خوب ایکھ پیدا ہوگی غرض دینے میں نیت بھی خراب ہوتی ہے پھر حضرت نے

اس شخص سے فرمایا کہ بھائی اگر محبت سے کوئی چیز لائے تھے تو ڈھنگ سے لائے ہوتے اب تم دو برس تک برابر ملتے جلتے رہو اور دین کی باتیں پوچھتے پاچھتے رہو اور لاؤ کچھ نہیں گڑ دینے کے لئے نہ آؤ بلکہ گڑ لینے کے لئے آؤ یعنی دین کی باتیں سیکھنے جب تعلق بڑھ جائے تب کوئی چیز لانے کا بھی مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی پہلے پوچھ جاؤ کہ فلاں چیز لانا چاہتا ہوں کیونکہ اگر کسی وجہ سے نہ لینا ہوا تو قبل لانے ہی کے انکار کر دینے سے اتنا رنج نہیں ہوتا جتنا لائی ہوئی چیز کے انکار کر دینے سے ہوتا ہے اس کا ہمیشہ خیال رکھنا وہ شخص ایسی واضح گفتگو کے بعد بھی پھر اصرار کرنے لگا اس پر ترش رو ہو کر فرمایا کہ بھلا دیکھئے کہاں تک طبیعت میں تغیر نہ آوے آخر میں بھی بشر ہوں لوگ مجھ کو سخت کہتے ہیں اگر کوئی میرے پاس رہکر ان حرکتوں کو دیکھے تو امید ہے کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ سخت ہو جاوے جب حضرت نے خود انکار فرما دیا تو کہنے لگا کہ طالب علموں کو تقسیم کرا دو حضرت نے ناراضی کے لہجہ میں فرمایا کہ تم نے طالب علموں کی اچھی قدر کی گویا وہ ایسی گری پڑی چیز کے مستحق ہیں جو چیز یہاں سے مردود ہو گئی وہ اُن کے لائق ہوئی سو ہمارے یہاں کے طالب علم گو حاجتمند بھی ہیں لیکن بحمد اللہ وہ ایسے نہیں کہ ہر گری پڑی چیز پر رال ٹپکاتے پھریں کچھ دیر بعد اُس شخص نے پھر پوچھا کہ جی تو پھر کیا کہو ہو۔ غرض برابر ایسی ہی حرکتیں کرتا رہا جو پاس بیٹھنے والوں کو بھی ناگوار ہوتی تھیں آخر میں اُس نے ایک شخص سے اشارہ کیا کہ تم ہی کہدو یہ حرکت مزید بر آں تھی آخر میں معلوم ہوا کہ یہ گڑ زکوٰۃ عشر کا تھا یہ سب سے بڑھ کر ہوئی اس پر حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے لوگ مجھ کو خواہ مخواہ وہمی کہتے ہیں گو گذشتہ واقعات نہ یاد رہیں لیکن ان کا اثر تو قلب پر رہتا ہے اب دیکھئے اگر میں بلا پوچھے کچھے لے لیتا اور بعد کو معلوم ہوتا تو طبیعت کو کس قدر ناگوار ہوتا اور اس کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی وہ تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ قلب میں پیشتر ہی نفرت پیدا ہو گئی تھی ورنہ انھوں نے اپنی طرف سے کیا کسر رکھی تھی پھر یہ شعر فرمایا ؎

قتل این خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود	ورنہ ہیچ از دل بیرحم تو تقصیر نبود

بھلا ایسی صورت میں سوچنے سے کوئی کہاں تک احتمالات نکال سکتا ہے لیکن وہ تو خود حق تعالیٰ دستگیری فرماتے ہیں قلب میں بحمد اللہ بس ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی کہہ گیا ہو اُس شخص کی ناسمجھی کی بابت ارشاد فرمایا کہ جو دین کا پابند نہیں ہوتا اُس کی دنیا کی سمجھ بھی خراب ہو جاتی ہے اور جو شخص دیندار ہوتا ہے گو تجربہ دنیا کا نہ ہو لیکن دنیاوی امور میں بھی اُس کی سمجھ سلیم ہو جاتی ہے حلال روزی میں بھی یہی اثر ہے برخلاف اس کے حرام روزی سے فہم مسخ ہو جاتا ہے ایک صاحب نے عرض کیا کہ بوجہ دیہاتی اور کم سمجھ ہونے کے اس سے یہ حرکتیں سرزد ہوئیں فرمایا کہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوا

کہ ان کی خطا نہیں لیکن اگر کوئی بے عنوانی ناسمجھی ہی سے کرے لیکن دوسرے کو تو اس سے پریشانی اور تکلیف ہوتی ہی ہے اگر کوئی شخص بلا قصد شکار کے کسی کو چھرا مار دے تو وہ مجرم نہ سہی لیکن دوسرے کے چوٹ تو آخر لگے ہی گی اور اگر سب لوگ جاہلوں کی جہالت پر تحمل ہی کر لیا کریں تو اُن کی جہالت کی اصلاح کبھی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اس طرح سے تو اس کو اپنی جہالت کا علم ہی نہ ہوگا اور ہمیشہ بے تہذیب اور بے سلیقہ ہی رہے گا اب یہ شخص کبھی کسی کے ساتھ ایسی حرکت نہ کریگا اور گو طالب علموں کے واسطے لے لینے میں بعض قواعد سے گنجائش تھی لیکن مصلحت اصلاح نہ لینا ہی ضروری تھا کیونکہ پھر یہ شخص یہ سمجھتا کہ اجی ہم لے گئے تھے اور وہ لے ہی لیا گیا کبھی اس کو جائز ناجائز کی فکر بھی نہ ہوتی اب اس کو ہمیشہ کے لئے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ناجائز چیز ایسی بُری ہوتی ہے اور آیندہ اس کے متعلق احتیاط رکھنے کی فکر ہو گی قطعی بے پروائی اس باب میں اس کو اب نہ رہے گی اور جب کبھی کوئی چیز لانے کا قصد ہوگا تو بہت احتیاط مدنظر رکھکر لائے گا گویا ہمیشہ کے لئے کافی سبق ہو گیا ورنہ اگر اس کی حرکتوں پر تحمل کر لیا جاتا تو اس کی کچھ بھی اصلاح نہ ہوتی۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ ۹۳)

دیکم جمادی الاول ۱۳۳۳ھ پنجشنبہ) ایک صاحب جو عرصہ ہوا بیعت ہوئے تھے آئے اور نقد اور کپڑا بطور ہدیہ کے پیش کیا ان صاحب نے اس عرصہ میں نہ کبھی کوئی خط بھیجا تھا نہ کوئی دین کی بات پوچھی تھی خفگی کے ساتھ سب چیزیں پیش کردہ اٹھا کر واپس کر دیں اور تیز لہجہ میں فرمایا کہ بس اسی لئے پیر بنایا تھا کہ چڑھاوا چڑھاتے رہیں۔ آپ نے میری سخت ذلت کی گویا آپ نے مجھ کو ایسا سمجھا کہ اجی روپیہ اور چیتھڑے دیکھتے ہی پھسل جائیں گے تو آپ نے مجھ کو دوکاندار سمجھا سو گو میں متقی پرہیزگار تو نہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ دوکاندار بھی نہیں گو میری گذر اسی پر ہے لیکن الحمد للہ یہ میری کمائی بھی نہیں جس شخص کو مجھ سے دین کا کچھ بھی نفع نہ پہونچا ہو اُس سے کوئی چیز لینا سخت ذلت کی بات ہے یہ تو ایسا ہوا کہ گویا میں نے آپ کو اسی واسطے بیعت کیا تھا لوگوں نے پیری مریدی کا ناس کر رکھا ہے یہ سب خرابی ڈالی ہوئی ان پیرزادوں کی ہے انھوں نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ جو خالی ہاتھ جائے وہ خالی ہاتھ آئے بلا کچھ دیئے فیض حاصل ہو ہی نہیں سکتا اگر کچھ نہ ہو تو استنجا کے ڈھیلے ہی لیجاوے بس یہ تصوف کا اصل لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا رکھا ہے اسوقت یہ جو کچھ آپ لائے ہیں محض اس رسم کے پورا کرنے کے

واسطے لائے ہیں کہ سامنے جائیں تو خالی لٹھ ایسے کس طرح جا کھڑے ہوں اور بلا کچھ دئے وہاں روٹیاں توڑیں اس میں تو شیخی کر کری ہوتی ہے ورنہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ اتنے عرصہ میں آج ہی یہ کیوں محبت کا جوش اٹھا اس سے پہلے اگر کبھی خط وغیرہ نہیں بھیجا تھا تو کوئی ہدیہ ہی بھیجا ہوتا کیونکہ بہت سی چیزیں ڈاک کے ذریعہ سے بھیجی جاسکتی ہیں یہ نہ ہوا کہ کبھی آٹھ آنے پیسے ہی بھیجدیتے اس سے خدا نہ کرے میرا یہ مطلب نہیں کہ اب آپ ڈاک کے ذریعہ سے چیزیں بھیجا کریں کیونکہ بفضلہ تعالیٰ مجھ کو واپس کرنا بھی آتا ہے یہ یقینی ہے کہ اگر آپ ڈاک کے ذریعہ سے بھی کچھ بھیجتے تو بھی میں واپس ہی کرتا لیکن اس وقت یہ شکایت تو نہ ہوتی کہ بس منہ دیکھ کر ہی محبت کا جوش اٹھا ان صاحب نے قسم کھا کر محبت کا موجب تحریک ہونا ظاہر کیا تو فرمایا بس قسمیں نہ کھائیے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے اور قسم کھانے سے میرا منہ بند ہو جائیگا پھر خواہ آپ کی کیسے ہی لغو تقریر ہو میں اس میں کچھ نہ کہہ سکوں گا بلکہ میں یقین دلاتا ہوں کہ میں بلا قسم کے بھی تسلیم کر لوں گا اگر آپ میرے اس سوال کا کوئی معقول جواب دیدیں جس سے چار سننے والوں ہی کو تسلی ہو جاوے خواہ خود مجھ کو نہ ہو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ان چار آدمیوں کی اس کے تسلیم کرلینے میں تقلید کر لوں گا وہ سوال یہی ہے کہ اگر محبت کی وجہ سے آپ نے ہدیہ دیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ اس سے پہلے کبھی کیوں محبت نہ ہوئی ان صاحب نے یہ بھی عرض کیا کہ حضور نے جو ارشاد فرمایا تھا اُسپر میں عمل کرتا رہا ہوں فرمایا کہ کبھی آپ نے یہ بھی کیا ہے کہ طبیب سے منضج کا نسخہ پوچھ کر بس عمر بھر اُسی کو گھونٹا کئے ہوں اور مسہل کا نسخہ پوچھنے کی آپ نے ضرورت نہ سمجھی ہو اگر صرف ایک ہی مرتبہ کی تعلیم پر کار بند ہو کر پھر کچھ پوچھنا گچھنا نہ تھا تو اس کے لئے بیعت ہی کی کونسی ضرورت تھی ارشاد مرشد حضرت حاجی صاحب کی کتاب موجود ہے میری بھی کتابیں موجود ہیں بس انھیں میں سے دیکھ کر عمل کرنا شروع کر دیا ہوتا اور تعجب ہے آپ کو اتنے عرصے میں کبھی کسی مسئلہ کے پوچھنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئی بھلا ایسے مرید ہونے سے کیا فائدہ۔ اسی لئے میں نے عام طور سے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے اور اس قدر سختی پر بھی اگر میں نے کسی کو مرید کر لیا ہو تو یہ سمجھئے کہ اس کی طرف سے بہت ہی زیادہ اصرار ہوا ہوگا تب میں نے مرید کیا ہوگا لیکن اس پر بھی یہ کیفیت ہے۔ تیسرے دن جب یہ صاحب رخصت ہونے لگے تو انھوں نے معافی کی درخواست کی فرمایا کہ جی آپ نے کوئی ایسا قصور نہیں کیا جس کی معافی کی ضرورت ہو البتہ جس سبب سے میں نے آپ کا ہدیہ قبول نہیں کیا اس کا تدارک ہونا چاہئے یعنی اب آپ برابر خط وکتابت جاری رکھیں اور اگر آپ کی تسلی یوں نہیں ہوتی تو لیجئے میں کہے دیتا ہوں کہ میں نے معاف کر دیا پھر فرمایا بھلا آپ ہی انصاف سے کہئے کہ میری شکایت کیا بیجا ہے۔ خط وکتابت نہ کرنا دلیل کام نہ کرنے کی ہے۔ کیونکہ جو شخص کام کرتا ہے

ممکن نہیں کہ اس کو کچھ پوچھنا یا چھپنا نہ پڑے۔ پھر ان صاحب نے کم از کم کپڑوں کا جوڑا ہی قبول فرما لینے کی درخواست کی اور عرض کیا کہ محض محبت سے سلوا کر لایا تھا فرمایا کہ آپ کو محبت تو ہے لیکن کم فہمی کے ساتھ کم فہمی کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں باوجود ایک مرتبہ کے انکار کے پھر اصرار کرنا تو گویا مجھکو رائے دینا ہے میں آپ کی رائے کا اتباع کروں یا آپ کو میری رائے کا اتباع کرنا چاہیے گویا آپ شیخ بننا چاہتے ہیں آپ کو یہ سمجھنا کہ میرے انکار ہی میں مصلحت ہے شیخ کا حق ادا کرنا ہے اور اگر آپ نے یہ سمجھا کہ میں نے بدنفسی سے انکار کیا تھا تو آپ نے شیخ کا حق ادا نہیں کیا تو گویا آپ مجھ سے مصلحت فوت کرنے کی درخواست کرتے ہیں اب آپ کو عمر بھر کے لئے تنبیہ ہو گئی کیونکہ قاعدہ ہے کہ عملی تنبیہ کبھی نہیں بھولتی قولی تنبیہ کبھی یاد رہتی ہے کبھی نہیں یاد رہتی دوبارہ قبول کر کے یہ ساری مصلحتیں میں کیسے برباد کر دوں اپنی تو دنیا سنواروں اور دوسرے کا دین بگاڑوں یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا آپ کچھ سکتے ہیں کہ میں بلا مصلحت کس طرح لینے سے انکار کر سکتا تھا جبکہ میری گذر اسی پر ہے نہ میرے یہاں کوئی تجارت ہوتی ہے نہ کھیتی ہوتی ہے یہی میری آمدنی ہے کوئی بھی شخص ایسا دنیا میں ہے جس کو کوئی چیز آتی ہوئی بری معلوم ہوتی ہو اور اگر کسی کو اس کی روزی آتی ہوئی بری معلوم ہوتی ہو تو یہ اس کی سخت برائی ہے۔ اس قدر تقریر کے بعد بھی ان صاحب نے ذکر کیا کہ میں ایک جوڑی کھڑاؤں بنوا کر لایا ہوں اس پر فرمایا کہ یہ تو بچہ کا بہلانا ہوا کہ بھائی حلوا کھالے اگر حلوا نہیں کھاتا تو لے بھائی چاول کھالے اگر چاول نہیں تو دودھ ہی پی لے کیا آپ نے مجھے بچہ سمجھ لیا ہے یہ تو آپ میرے ساتھ ہنسی سی کر رہے ہیں کچھ سمجھ سے بھی تو کام لینا چاہیے خیر اب آپ مجھ سے خط و کتابت کرتے رہیں جب میرا دل آپ سے کھل جاویگا اور میں دیکھ لوں گا کہ ہاں اب آپ کام میں لگ گئے ہیں تب ہدیہ کا بھی مضائقہ نہیں لیکن اگر کبھی کوئی چیز بھیجنے کو جی چاہے تو یہ ضرور کیجئے گا کہ پہلے دریافت کر لیجئے گا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میرے معمول اور قاعدہ اور طبیعت کے خلاف نہ ہوا تو اجازت بھی دیدونگا یہ نہ سمجھئے کہ ہمیشہ انکار ہی کر دیا کروں گا ہاں اگر کوئی ہدیہ خلاف میرے معمول کے ہو گا تو انکار بھی کروں گا یہ صاحب متعدد چیزیں لائے تھے چنانچہ زیادہ مقدار میں گڑ بھی تھا جو رکھے رکھے پگھل گیا تھا جس کا ساتھ واپس لیجانا انھوں نے مشکل بتلایا حضرت نے فرمایا کہ اگر آپ کی مرضی ہو تو طالب علموں کو تقسیم کیا جا سکتا ہے انھوں نے بہت خوشی سے منظور کر لیا ان کے رخصت ہو جانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میری طبیعت کچھ ایسی ہے کہ متعدد چیزیں اگر کوئی شخص ہدیہ میں دے تو بہت بوجھ معلوم ہوتا ہے مثلاً دس روپے ایک ساتھ کوئی دے تو ان کا لینا گراں نہیں معلوم ہوتا اگر دس روپے کی متعدد چیزیں دے تو پھر ہر چیز کا الگ الگ بار

ہوتا ہے اور مجھے ایسے معاملات میں شبہ بہت ہوتا ہے متعدد چیزوں میں نیت یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کی بھی قدر ہو اس چیز کی بھی قدر ہو پھر فرمایا بس روپیہ سب سے بہتر ہدیہ ہے کیونکہ اس سے جتنی ضرورت کی چیزیں ہیں سب آسکتی ہیں جب میں حج سے واپس آیا تو ایک صاحب نے محبت سے ایک روپیہ کی مٹھائی منگا کر میری دعوت کرنی چاہی میں نے کہا کہ میاں مٹھائی میرے حصے میں بھلا کتنی آئے گی میری خوشی ہی کرنی ہے تو روپیہ ہی مجھے کیوں نہ دیدو انھوں نے بہت خوشی سے روپیہ دیدیا میں اپنے صرف میں لے آیا مٹھائی کا میں کیا کرتا ایک صاحب نے خط میں دریافت کیا کہ میں ایک جوتہ ہدیہ میں بھیجنے کی اجازت چاہتا ہوں میں نے لکھدیا کہ میرے پاس کئی جوڑے موجود ہیں پھر انھوں نے لکھا کہ جو چیز پسند ہو وہ بھیجدوں میں نے لکھ بھیجا مجھے دماغ کا کام بہت کرنا پڑتا ہے مجھے بادام لیکر بھیجدو چنانچہ انھوں نے بادام بھیجدیئے میں نے کھائے یہ بے تکلفی بہت اچھی بات ہے لیکن ایسی بے تکلفی زیادہ ملنے جلنے سے یا زیادہ خط و کتابت سے پیدا ہوتی ہے بلا اس کے طبیعت کھلتی نہیں اُن صاحب کا گڑ زیادہ مقدار میں تھا فرمایا کہ میں اس معاملے میں بہت بدگمان ہوں کیونکہ مجھے بہت تجربہ ہوچکا ہے زیادہ مقدار میں دینے والے بس یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا عمل کو پھر ضروری نہیں سمجھتے زیادہ مقدار میں اہتمام و تکلف بھی بہت کرنا پڑتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ سارا گھر ہی خالی کردے ہنسکر فرمایا کہ تھوڑا تھوڑا دینے میں پیر کی دنیا کا بھی نفع ہے کیونکہ تھوڑا تھوڑا کرکے بہت جمع ہوجاتا ہی سہ

چرا نستانی از ہر یک جوے سیم	کہ گرد آید ترا ہر روز گنجے

اگر لوگ بہت بہت دیں تو جن کے پاس کم ہے اُن کی ہمت بھی دینے کی نہ پڑے اس سے بہت نقصان ہے۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ ۹۹ ملخصاً)

اُن صاحب کا ذکر فرمایا جن کا ہدیہ رد فرمایا تھا کہ دیکھئے اُنھیں سے جھک جھک ہوئی سچ کہتا ہوں مجھے نہایت خوف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ یوں نہ فرمائیں کہ ارے نالائق ہم تو تجکو دلواتے ہیں اور تو واپس کر دیتا ہے نہایت خوف ہوا کرتا ہے حق تعالیٰ معاف فرمائیں پھر فرمایا کہ گو اُن کے ہدیہ میں غالب محبت ہی ہو لیکن کچھ آمیزش اس کی بھی ضرور تھی کہ وہاں روٹیاں کھائیں گے کچھ نہ دینا ذلت کی بات ہے اس لئے میں نے اب ان روٹیوں کے قصہ ہی کو موقوف کر دیا بس

ایک وقت کھانا کھلا دیتا ہوں وہ بھی جہاں مصلحت سمجھتا ہوں پھر کہہ دیتا ہوں کہ اپنا انتظام کر لیجئے تاکہ لوگوں کو یہ خیال بھی نہ ہو باستثناء خاص خاص موقعوں کے پھر فرمایا کہ جو اُن کے ساتھ ہیں وہ بھی مرید ہونے کیلئے آئے ہیں لیکن اب اُن کی ہمت نہ ہوگی کہ یہاں تو بڑی سختی ہوتی ہے سو گو مجھ سے کوئی مرید نہ ہو لیکن اتنا فائدہ تو ضرور ہوتا ہے کہ اُس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مرید ہونا ایسی معمولی بات نہیں ہے اب اگر کسی دوسری جگہ جائیگا تو اُس کے ذہن میں یہ ضرور رہے گا کہ بیعت کی کچھ شرائط بھی ہیں اور اگر اُس کو اتنی سمجھ نہ بھی ہوئی تو اور سننے والوں کو تو حقیقت طریق کی معلوم ہو ہی جائے گی میں لوگوں کو یہی دکھلانا چاہتا ہوں کہ اصل طریق کیا ہے بس کوئی میری سختی کو جھیل لے پھر دیکھے کہ میں عمر بھر کے لئے اُس کا خادم ہوں احقر نے عرض کیا کہ اخلاق کی ایسی مفصل تعلیم تو بہت مدت سے نہ ہوئی ہوگی فرمایا کہ جی ہاں میں تو کہا کرتا ہوں کہ علماء درسی کتابیں پڑھاتے ہیں اور میاں جی الف بے تے سو الف بے تے پڑھانا میرے سپرد ہوا ہے عرض کیا گیا کہ خدا کرے یہ طریقہ خوب رواج پکڑ جائے فرمایا کہ مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر اور دو ایک جگہ بھی اس کا اہتمام ہوتا تو اُمید ہوتی لیکن بعض اور حضرات اس قدر سختی کے خلاف ہیں فرماتے ہیں کہ اس طرح تو پھر کوئی بھی نہ آوے لیکن اپنی اپنی رائے ہے میرا خیال ہے کہ اگر سب جگہ یہی ہونے لگے تو پھر خوب لوگ آنے لگیں کیونکہ پھر آخر جائیں گے کہاں میری نظر ذکر و شغل کی طرف اسقدر نہیں ہے جتنی کہ اخلاق پر کیونکہ ان کا تعلق دوسروں سے ہے۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ۲۷۱ ملفوظ)

ردّ ہدیہ کے موجب اندیشہ ہونے کے تذکرہ میں فلاں مولانا صاحب نے عرض کیا کہ ایسی حالت میں ہدیہ لیلے بعد کو اس کی مکافات کر دے۔ فرمایا کہ جناب اس طرح کس کس کے ہدیہ کو یاد رکھے بالخصوص میری طبیعت میں تو اس قدر جلدی اور تقاضا ہے کہ اگر کسی کا ایک پیسہ بھی میرے پاس ہوتا ہے تو بس یہ تقاضا ہوتا ہے کہ جلدی اپنے پاس سے علیحدہ ہو ایک مرتبہ میں نے اپنے گھر کے لوگوں سے ایک روپیہ لیا تھا آدھی رات کو خیال آیا کہ دینا ہے بس چین نہ پڑا اُٹھ کر دیکھا کہ آیا جاگ رہی ہیں یا سو رہی ہیں چونکہ اُن کی بھی نیند کم ہے اُنھوں نے کہا کیا ہے میں نے کہا یہ روپیہ اپنا لیلو اُنھوں نے کہا یا اللہ ایسی کیا جلدی تھی میں نے کہا کہ میرے پاس سے لے لو ورنہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئے گی جب ان کو دیدیا تب نیند آئی ایسی بُری طبیعت ہے اسی طرح رات میں جب کوئی

مضمون ذہن میں آتا ہے تو اسی وقت چراغ جلا کر پرچہ لکھ کر سرہانے رکھ لیتا ہوں جب اطمینان ہوتا ہے اسی جلدی اور تقاضا کی بناء پر کبھی بطور ناز کے میں حق تعالیٰ سے دعا کیا کرتا ہوں کہ یا اللہ مجھے تو آپ بلا سزا ہی کے بخشد یجئے گا ورنہ سزا میں مجھے کیسے صبر ہو سکے گا کہ کب مغفرت ہوگی۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ ۳۵۹)

فرمایا کہ اہل علم کو اموال کے باب میں بہت احتیاط چاہیئے لینے میں بھی اور دینے میں بھی ایک صاحب نے جو موافقین میں سے ہیں خط شکایتی لکھا ہے کہ ہدیہ میں سختی نہ کرنا چاہیئے لینا چاہیئے اور مہمانوں میں خرچ کرنا چاہیئے۔ فلاں مولوی صاحب نے خوب کہا کہ احمق ہیں جو یہ مشورہ دیتے ہیں۔ یعنے خواہ مخواہ دو کام اپنے سر لیں۔ ایک تو لینے کا اور ایک اس کے خرچ کرنے کا اُن صاحب نے یہ بات بطور طعن کے لکھی تھی اس لئے کہ اُن کی مہمانی نہیں کی گئی تھی۔ پھر فرمایا کہ میرے یہاں لینے کے بھی شرائط ہیں کہ ایک معتدبہ مدت تک ملتے جُلتے رہنے سے دل خوب مل گئے ہوں اور بے تکلفی ہو گئی ہو ایک دفعہ میں ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ ہو مثلاً اگر پندرہ روپیہ ماہوار کا ملازم ہے تو ایک بار میں ۸؍ آٹھ آنہ سے زیادہ نہ دے۔ اور دو ہدیوں کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا فصل ہو۔ اور پابندی کے ساتھ نہ دے۔

اسی طرح میں خرچ بھی خواہ مخواہ نہیں کرتا۔ بلکہ قریب قریب سال بھر کا خرچ اپنے پاس جمع رکھتا ہوں مہمانوں میں بھی عرف کا پابند نہیں جس کے ساتھ جیسی خصوصیت ہوئی اُس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا گیا کسی کو گھر پر بلا کر کھلایا کسی کو پیسے بھیجدیے کہ بازار سے لیکر کھالیں۔ کسی کو کچھ بھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ شرائط کی بدولت سے آمدنی کم ہوگی۔ پھر اگر خرچ میں وسعت کی جاوے تو میری نیت خراب ہونے لگے اور شرائط کی پابندی نہ ہو سکے۔ ایک پیر صاحب میرے پاس آئے بس لنگر خانہ کی بدولت چھ ہزار کے مقروض ہو گئے تھے چاہتے تھے کہ کسی رئیس کو سفارش قرض دینے کی کردیجاوے میں نے پوچھا کہ یہ قرض خواہ مخواہ کیوں کر لیا کہا کہ یہی خیال تھا کہ جو لوگ کھا جاتے ہیں وہی دیں گے لیکن کسی نے کچھ نہیں دیا میں نے کہا کہ اب جو قرض لوگے اُس کو کہاں سے ادا کروگے کہا کہ مرید ہی دیں گے میں نے (دل میں) کہا اِناللہ اب بھی مریدوں ہی پر نظر ہے تو جناب یہ حالت ہو جاتی ہے خرچ بڑھانے میں۔ دین کی یہ خرابیاں ہیں اب الحمد للہ سال بھر کا خرچ ہمیشہ میرے پاس جمع

رہتا ہے اس سے اطمینان رہتا ہے حدیث شریف میں بھی ہے کہ حضور ازواج مطہرات کو سال بھر کا خرچ دیدیا کرتے تھے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ سال بھر کا خرچ ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ اب مجھے کسی بڑے سے بڑے ہدیہ کے واپس کر دینے میں وسوسہ بھی نہیں ہوتا جبکہ میرے شرائط کے موافق نہ ہو بس بیدھڑک خلاف شرائط ہدیہ کو واپس کر دیتا ہوں وسوسہ بھی نہیں آتا کیونکہ کیا سال بھر تک کچھ نہ آوے گا اِس سے بہت اطمینان رہتا ہے۔

ایک بار احقر نے کثرت مہمانان دیکھ کر کچھ ہدیہ پیش کیا تو فرمایا کہ یہ زیادتی ہے (پچھلے ہدیہ میں اور اس ہدیہ میں فصل کم تھا) لیکن اصرار پر رکھ لیا بعد کو بذریعہ ایک عزیز صاحبزادے کے واپس فرمادیا کہ اُس وقت مجھے واپس کرتے ہوئے شرم آئی تھی دلجوئی کے خیال سے یہ بھی کہلا بھیجا کہ اس کو واپس کرنا نہ سمجھیں بلکہ انشاء اللہ کسی اور موقع پر دیکھا جاویگا بعد کو بالمشافہ فرمایا کہ آپ نے مہمانوں کی وجہ سے دیا تھا لیکن میرے پاس آجکل بحمد اللہ فراغت ہے جس طرح کہ روپیہ کے آنے سے حظ ہوتا ہے اسی طرح اب مجھے معلوم ہوا کہ روپیہ کے زیادہ ہو جانے کی حالت میں خرچ کرنے میں بھی حظ ہوتا ہے۔

ایک منصف صاحب نے جنہوں نے تعلیم بذریعہ خط حاصل کی ہے لیکن حاضری خدمت کی نوبت نہیں آئی پندرہ روپیہ احقر کے پاس بھیجے کہ اُن کی جانب سے حضور میں بطور ہدیہ محض پیش کر دیے جاویں فرمایا کہ چونکہ ان سے ملاقات نہیں ہوئی اس لئے انکا مذاق نہیں معلوم محض کتابوں کو دیکھکر اعتقاد ہوا ہے کتابیں تو اشتہار ہیں اشتہاری عقیدت کا کیا اعتبار ہاں میرے پاس رہکر میرا طرز عمل دیکھ جاتے اور پھر بھی معتقد رہتے تو وہ دوسری بات تھی مجھے اجنبی شخص سے جس سے پوری بے تکلفی نہ ہو ہدیہ لیتے ہوئے شرم آتی ہے ممکن ہے وہ اپنے اعتقاد میں مجھے نہ معلوم کیا سمجھ رہے ہوں اور میں بعد ملاقات کچھ اور ثابت ہوں پھر اُن کو اِس ہدیہ کا بھی افسوس ہو چنانچہ ایک شخص نے ایک مسئلہ پوچھا اُس کا جواب اُن کے مذاق کے خلاف دیا گیا تو کہنے لگے کہ ہم نے اتنے دنوں خدمت کی اور پھر بھی موقع پر ہماری مدد نہ کی فرمایا انھیں وجوہات سے مجھے اس ہدیہ کے قبول کرنے میں جو کہ منصف صاحب نے بھیجا ہے انقباض ہوتا ہے استفسار پر فرمایا کہ یہ لکھدیجئے کہ اُس کے معمول کے خلاف ہے اس لئے عذر ہے لیکن یہ بھی لکھدیجئے کہ وہ کسی کے ہدیہ کو تحقیر کی وجہ سے ہرگز رد نہیں کرتا اُس کے قلب میں ہر مسلمان کی بہت قدر ہے بالخصوص جو طالب ہو اس کی تو نہایت قدر ہوتی ہے بُرا نہ مانیں جب بے تکلفی ہو جائے گی قبول کر لوں گا۔

دیگر

(ماخوذ از حسن العزیز جلد اول ملفوظ ۴۵۶ ملخصاً)

احقر کے گھر کے لوگوں نے حضرت والا کی دعوت کرنے کا مع متعلقین و چند اعزا و مہمانان کے ارادہ کیا حضرت نے منع فرما دیا اور احقر کو ہدایت فرمائی کہ آپ یہاں مقیمانہ زندگی نہ بسر کیجئے بلکہ مسافرانہ طور پر رہیے دعوتوں کو بالکل حذف کیجئے نہ میری نہ کسی کی اگر ایک پیسہ بھی کہیں سے بچ سکے تو بچایئے (احقر وضع تنخواہ طویل رخصت لیکر حاضر ہوا ہے اور توسیع کرانے کا بھی ارادہ ہے) احقر نے عرض کیا کہ کم از کم تنہا حضور کی دعوت کی تو اجازت ہونی چاہیے فرمایا کہ اس جلسے میں یہ اجازت لینی نہیں چاہیے تھی کیونکہ اس وقت دوسری قسم کا اثر ہے اگر جی چاہتا ہے پھر کسی موقع پر پوچھ لیتے اور تنہا میری دعوت میں اس کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے سے نوٹس دیا جاوے یا کوئی خاص اہتمام کیا جاوے اُس کی یہ بھی صورت ہو سکتی ہے کہ اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکی اور محبت سے کھلانے کو جی چاہا تو ایک پیالہ میں رکھ کر بھیج دی چاہے دو روٹیاں بھی اوپر سے رکھدیں کوئی خاص تکلف کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ دعوت ہی ہو اور خاص طور سے اہتمام کر کے کوئی نئی چیز بھی پکوائی جائے اور آپ سے یہ بھی کہنا ہے کہ فلاں وقت جو آپ کے یہاں سے کھانا آیا تھا وہ زیادہ تھا۔ ابھی ہم دو میاں بیوی ہیں باقی اور تو سب بھی جوڑا کنبہ ہے جس وقت چاہیں حذف کر دیں اگر کوئی چیز بھیجی جاوے تو بس صرف اسقدر کہ ہم دونوں ملکر کھالیں مع اُس کھانے کی رعایت کے جو خود ہمارے یہاں پکا ہو۔ یعنی بس وہ کھانا ایک شخص کے لائق ہو پھر ہم چاہے سب خود کھالیں چاہے تھوڑا تھوڑا سب کو تقسیم کر دیں آپ ایک شخص کے انداز سے زیادہ نہ بھیجیں۔

پھر فرمایا لوہاری میں ایک دوست نے میری دعوت کی بہت اصرار کر کے لیگئے میں سمجھا میں اکیلا ہونگا جا کر کھالوں گا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کی دعوت ہے میرے اوپر سخت بار ہوا اگر خیر میں چپ ہو رہا چلتے وقت اُنھوں نے ایک جوڑا اور دس روپئے پیش کئے میں نے کہا یہ جوڑا کیسا اُنھوں نے کہا کہ شادی میں آپ کے لئے بنایا ہے میں نے کہا کہ کیا میں نائی ہوں کہ شادی میں جوڑا لوں روپیوں کی بابتہ بھی کہا کہ میں ہرگز نہ لونگا۔ تم نے اتنا روپیہ کھانے میں برباد کر دیا مجھے وہ کھایا ہوا ہی برا معلوم ہوتا ہے۔ مجھے پہلے سے معلوم ہوتا تو میں دعوت بھی منظور نہ کرتا پھر فرمایا ہمیں تو وہ طرز دعوت کا پسند ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا

اُن کی دعوت ایک طالب علم نے کی ۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی اس شرط سے قبول ہے کہ صرف وہی کھانا ہو جو تمھارے لئے دوسرے کے گھر سے آتا ہے (اُن کا کھانا کہیں مقرر تھا) اُنھیں تو مولانا کو کھلانا منظور تھا اسلئے مجبوراً اُنھوں نے اس شرط کو منظور کر لیا جو کھانا اُن کے لئے آیا وہی مولانا کے سامنے لاکر رکھدیا مولانا نے کھالیا۔ پھر فرمایا کہ اس طرز سے دوسرے کا بھی فائدہ ہے کہ خرچ سے بچا اور انتظام کے جھنجھٹ سے بچا اور اپنا بھی فائدہ ہے کہ سستا پیر ہوگا تو بہت آدمی دعوت کیا کریں گے اور اگر مہنگا ہوا تو جب پچاس ساٹھ آدمیوں کے کھلانے کی توفیق ہو جب کہیں پیر صاحب کی دعوت کریں اسطرح تو جناب کہیں برسوں میں جاکر دعوت نصیب ہوا کرے، اور اگر سستا ہو تو دعوت کرنا مشکل ہی کیا ہے آج یہاں کل وہاں ذرا دعوت ہوا کرے تین سو ساٹھ دن دعوت ہی میں گذر جائیں ۔ میں کہتا ہوں جو سنت کے موافق طریقہ ہوگا اسمیں ہر طرح فائدہ ہی فائدہ ہے یہ طریقہ بالکل سنت ہے۔

حضور کی دعوت ایک صحابی نے کی تھی راستہ میں ایک آدمی باتیں کرتا ہوا ساتھ ہولیا جب میزبان کے دروازے پر پہونچے تو ٹھٹھک گئے اور میزبان سے دریافت فرمایا کہ بھائی ایک آدمی میرے ساتھ زائد ہے کہو تو آوے ورنہ لوٹ جاوے۔ میزبان نے بخوشی منظور کر لیا۔ اس پر لوگ آجکل قیاس فاسد کرتے ہیں میں اسکے متعلق تقریر کرتا ہوں وہ بہت غور کے قابل ہے ۔ لوگ کیا کرتے ہیں کہ دعوت میں اپنے ساتھ بے بلائے دو دو اور تین تین آدمی ساتھ لے جاتے ہیں اور اپنے تقویٰ کی حفاظت کیلئے میزبان سے پوچھ لیتے ہیں کہ بھائی ہمارے ساتھ دو اور ہیں یا تین اور ہیں اور تمسک کرتے ہیں اس حدیث سے حالانکہ یہ بالکل قیاس مع الفارق ہے جہاں یہ دیکھا کہ حضور نے اپنے ساتھی کے لئے پوچھ لیا تھا یہ بھی تو دیکھا ہوتا کہ پوچھنے سے پہلے حضور نے اُن میں مذاق کیا پیدا کر دیا تھا تم نے تو وہ مذاق اول پیدا کیا ہوتا وہ مذاق کیا تھا آزادی کا تھا۔

ایک نظیر اس امر کی کہ حضور نے صحابہ میں آزادی کا مذاق کس قدر پیدا کر دیا تھا بیان کرتا ہوں وہ اتنی بڑی نظیر ہے جس کے قریب قریب بھی آجکل نہیں ملسکتی مسلم میں ہے کہ ایک فارسی تھا شوربا نہایت اچھا پکاتا تھا ایک دن حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج شوربا میں نے بہت اچھا پکایا ہے چل کر نوش فرما آئیے۔ حضور نے ارشاد فرمایا، مگر اس شرط سے کہ عائشہ بھی شریک ہونگی" وہ کہتا ہے "نہیں حضرت عائشہؓ نہیں،، غور کیجئے حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ اُن کے لئے بھی کس آزادی کے ساتھ انکار کر دیا یہ مذاق کس کا پیدا کیا ہوا تھا حضور ہی کا۔ اسی مذاق کے بھروسہ پر حضور نے میزبان سے اپنے ساتھی کے لئے پوچھا تھا حضور کو پورا اطمینان تھا کہ اگر جی چاہے گا تو منظور کریگا نہیں تو صاف انکار کردے گا۔ آجکل بھلا یہ بات کہاں بس جو شخص ہم سے مغلوب ہو اور جسکی بابت

یہ یقین نہ ہو کہ اگر جی نہ چاہا تو کچھ لحاظ نہ کرے گا آزادی سے انکار کر دے گا اس سے اس طرح پوچھنا کب جائز ہے اور اگر ایسے پوچھنے پر وہ اجازت بھی دیدے تو وہ اجازت عندالشرع ہرگز معتبر نہیں نہ اسپر عمل جائز۔

ہاں تو وہ صحابی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نہیں حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ نہیں تو ہم بھی نہیں دعوت میں شرط لگانے کا اختیار ہے اور داعی کو بھی اختیار ہے کہ وہ اس شرط کو چاہے منظور کرے یا نہ کرے غرض دونوں کو اختیار ہے۔ وہ ایسے بزرگ اور آزاد تھے کہ نہیں تو نہ سہی اور چلدیے تھوڑی دور چلکر پھر لوٹے۔ محبت کا جوش ہوا حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت شوربا بہت اچھا پکا ہے چلکر نوش فرما لیجئے حضورؐ نے فرمایا کہ اس شرط سے کہ عائشہؓ بھی ہوں۔ کہنے لگے عائشہ تو نہیں حضورؐ نے فرمایا اچھا تو ہم بھی نہیں پھر لوٹ گئے تیسری بار پھر آئے اور پھر عرض کیا حضورؐ نے پھر وہی فرمایا کہ عائشہؓ بھی اب کی بار انھوں نے کہا کہ آپ کی یہی مرضی ہے تو اچھا عائشہؓ بھی۔

اس موقع پر ہمارے حضرت مولانا نے فرمایا کہ میری ایک رائے اس میں ہے وہ یہ کہ شوربا غالباً تھوڑا تھا انکا جی چاہتا تھا کہ حضورؐ تنہا پیٹ بھر کر کھالیں اگر حضرت عائشہؓ بھی ہوئیں تو حضورؐ کا پیٹ نہ بھریگا لیکن جب معلوم ہوا کہ حضورؐ کی یہی خوشی ہے اخیر میں راضی ہو گئے۔ انھوں نے سوچا کہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے میرا جی چاہتا تھا کہ حضورؐ پیٹ بھر کر کھادیں اب یہی بھوکا رہنا چاہتے ہیں تو یہی سہی۔ اُس وقت تک حجاب نازل نہیں ہوا تھا حضورؐ آگے آگے حضرت عائشہؓ پیچھے پیچھے تشریف لے گئیں حضورؐ قبل پوچھنے کے یہ مذاق پیدا فرما چکے تھے۔ کوئی مولانا صاحب یا شاہ صاحب جو اس حدیث سے تمسک کرنا چاہتے ہیں پہلے یہ مذاق تو پیدا کرلیں ورنہ قبل اس کے پوچھنا بھی حرام اور اگر میزبان اجازت بھی دیدے تو اس اجازت پر کسی زائد شخص کو لیجانا بھی حرام۔ آجکل تو بس اندھا دھند ہو رہا ہے کسی کے یہاں دعوت ہوئی تو اپنے ساتھ اوروں کو بھی لیگئے کسی نے اعتراض کیا تو کہدیا کہ صاحب اجازت تو لے لی ہے۔

کسی کو داعی کی طرف سے سفر کے لئے زادِ راہ دیا جاتا ہے تو جو کچھ خرچ کرنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے اکثر تو اس کا تذکرہ بھی نہیں کرتے حالانکہ اس کو واپس کرنا چاہیئے ورنہ خیانت ہے کیونکہ وہ اس کی ملک نہیں کیا جاتا بلکہ خرچ کرنے کے لئے بطور امانت کے دیا جاتا ہے اگر کسی نے بہت ہی ہمت کی تو یہ کیا کہ بھائی اتنا بچ گیا ہے اب جیسا حکم ہو بس اس کا جواب تو یہی ہے کہ آپ ہی خرچ کر لیجئے بڑی آفت برپا ہے واپس ہی کیوں نہ کر دیا جائے یہ ساری خرابی حُبِّ دنیا کی ہے سال لگی ۳۷

محبت لگ دل ریشہ میں گھس رہی ہے ذرا سا بہانہ چاہیئے اباحت کے لئے۔

پہلے تو یہ فتویٰ تھا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے جب تک کہ حرمت نہ ثابت ہو۔ اب تو وہ حالت ہوگئی ہے کہ یہ کہنا چاہیئے کہ اصل اشیاء میں حرمت ہے جب تک کہ اباحت ثابت نہ ہو یہ فتویٰ دینا چاہیئے تب کہیں جا کر لوگ حرام سے بچیں گے بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے۔ میں تو ہدیہ میں بھی یہاں تک سوچا ہوں کہ بہت زیادہ جوش محبت سے تو نہیں دیا گیا عام طور سے اخلاص کی کمی تو ہدیہ قبول کرنے کی مانع ہوتی ہی ہے میرے یہاں اخلاص کی زیادتی بھی منجملہ موانع کے ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت تو جوش محبت میں کچھ نہیں سوجھتا جب جوش ٹھنڈا ہوگا تب حساب کتاب کا ہوش آئے گا کہ دس تو بیوی کو دیدیے اس لئے اگر کسی کو پانچ کی گنجائش ہوئی تو یہ کرتا ہوں کہ ڈھائی ہی لیتا ہوں اس پر بھی بفضلہ خوب ملتا ہے جو قسمت کا ہے وہ کہیں جا ہی نہیں سکتا ہم لوگوں کا یقین ہی خراب ہو گیا ہے۔ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر واپس کردیں گے تو پھر کہاں ملے گا۔ میں کہتا ہوں قسمت کا پھر بھی ملکر رہتا ہے اور جو نہیں ملتا وہ قسمت کا تھا ہی نہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت دین کی حفاظت بلا اس کے نہیں ہو سکتی۔ ہماری طرف جو کچھ لوگوں کی توجہ ہے وہ سب دین کی بدولت ہے بس ہم کو اس دین کی عزت قائم رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر اس کی عزت نہ رہے پھر ہمیں کون پوچھتا ہے۔ قصبہ گڑھی میں ایک خاں صاحب تھے بڑے بوڑھے آدمی تھے بڑی شفقت فرماتے تھے وہ مجھ کو کچھ دیتے تو بہت خوشی کے ساتھ لے لیتا میں سمجھتا تھا کہ یہ تو باپ کے برابر ہیں مجھ کو اُن کا دینا ایسا ہی معلوم ہوتا تھا جیسے کہ اپنے بیٹے کو دے رہے ہوں اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بیٹوں نے بھی وہی برتاؤ کرنا چاہا میں نے صاف انکار کر دیا کہ اب میں نہیں لے سکتا کیونکہ تم تو میرے برابر کے بھائی ہو۔ میں تم سے اس وقت لوں جب تم کو بھی کچھ دوں وہ ماشاء اللہ نہایت خوش فہم و شایستہ ہیں انھوں نے کہا اچھا اب کی لے لو پھر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ عمر بھر نہ دینگے میں نے لے لیا اُس کے بعد انھوں نے پھر کبھی نہیں دیا۔ اب یہ کرتے ہیں کہ کبھو مچھلی پکا کر بھیجدی کبھی شکار کا گوشت بھیجدیا اُس میں کوئی ایسی بات نہیں مگر اللہ جانتا ہے شرم آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ میں بھی بوجہ اس کے کہ خاں صاحب میرے والد کے دوست تھے اپنے آپ کو خانصاحب کے لڑکے کے برابر سمجھتا تھا اور یہ بھی اُن کے لڑکے ہیں اگر علاقہ عقیدتمندی کا یا بیعت کا ہوتا تو وہ دوسری بات تھی اُن کا علاقہ تو محض اپنے باپ کی وجہ سے ہے اس لئے وہ تو بھائی کے درجہ میں ہو گئے اور حیثیت دوسری ہوگئی (پھر فرمایا) اب کیا میری آمدنی کم ہوگئی۔ میں نے دیکھا ہے جس روز میں نے

کوئی ہدیہ واپس کیا ایک دو زیادہ کرکے کہیں نہ کہیں سے خدا نے دلوا دیے۔ تو میرا دماغ اور بھی خراب ہوگیا ہے۔ جب کوئی ہدیہ واپس کرتا ہوں تو الحمد للہ اتنا وثوق ہوتا ہے کہ ضرور آوے گا اس لئے لوٹانا آسان ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اب تو یہ باتیں سختی معلوم ہوتی ہیں کچھ دن بعد جب لوگوں کو منافع نظر آوینگے تب قدر ہوگی اور اب بھی بہتوں کو نظر آنے لگے ہیں۔ اور حضرت میں نے احباب سے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ یہاں آویں تو دینے کی پابندی نہ کریں ورنہ جناب مہینوں بلکہ سالہا سال بھی توفیق ملاقات کی نہ ہو کیونکہ پہلے کچھ انتظام کر لو تب چلو۔ اب یہ ہے جب جی چاہے آؤ اور بے فکر ہو کر آؤ اور چاہے عمر بھر بھی کچھ نہ دو۔ لوگوں میں ایسی مشکل ہو رہی ہے کہ کھانا اور کھلانا۔ کھانے والے جاتے وقت حساب کرتے ہیں کہ چار دن میں اتنا کھایا ہوگا آٹھ آنے بڑھا کر دینا چاہیئے۔ ذلیل حالت ہے۔ میں نے قصہ ہی نہیں رکھا باستثنا بعض اہل خصوصیت کے عام طور سے کھانا کھلانے کو بھی ضروری نہیں سمجھتا ہم بھی بے فکر تم بھی بے فکر۔ یہ حساب کتاب بھٹیاروں کا سا کیسا۔ اس پر بھی لوگ دیتے ہیں گو شرم تو آتی ہے لیکن چونکہ خلوص ہوتا ہے لے لیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا خلوص دے جہاں خلوص ہوتا ہے وہاں فلوس خود بخود آجاتا ہے کمی تو خلوص کی ہے۔

عرض کیا گیا جی چاہتا ہے کہ حضور کا مجموعی طریقہ قلمبند ہو کر محفوظ ہو جاوے تو بہت نافع ہو آئندہ زمانہ کے لوگوں کے لئے بھی۔ فرمایا کہ جی میرا کیا طریقہ ہے دین کا طریقہ ہے میں نے ایجاد نہیں کیا الحمد للہ مجھے اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی دستور العمل سنت اور شریعت کے خلاف نہ ہو خدا تعالیٰ کی یہ بڑی رحمت ہے۔ ایک بات میں میرا خیال تھا کہ شاید سنت کے خلاف ہو وہ یہ کہ اگر بڑی رقم کا کوئی ہدیہ دیتا ہے تو گو دینے والے کی حیثیت سے زیادہ نہ ہو اور خلوص میں بھی کمی نہ ہو لیکن مجھ زیادہ معلوم ہوتا ہے اور طبیعت پر بوجھ سا ہوتا ہے اور واپسی کو جی چاہتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ میں یہ کھٹکا تھا کہ یہاں کیا عذر شرعی ہے لیکن باوجود عذر سمجھ میں نہ آنے کے چونکہ طبعی بات کی مخالفت مشکل ہوتی ہے اس لئے میں انکار کر دیتا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ محض طبعی معذوری ہے سنت میں اس کی اصل نہیں ہے۔ بہت دنوں مجھے یہ شبہ رہا۔ میں اپنے کو اس واپسی میں قاصر سمجھتا تھا گو واپس کر دیتا تھا لیکن الحمد للہ میرا وہ شبہ جاتا رہا جب سے کہ میں نے ایک حدیث دیکھی کہ حضور فرماتے ہیں کہ کوئی خوشبو پیش کرے تو واپس مت کرو اور خود ہی اس کی علت فرماتے ہیں کیونکہ بار اس کا کچھ زیادہ نہیں ہوتا اور فرحت کی چیز ہے پس عدم رد کی علت خفیف الحمل ہونے کو بتلایا میں نے کہا الحمد للہ اس حدیث سے

ثابت ہو گیا کہ بوجھ پڑنا طبیعت پر یہ بھی ایک عذر معقول و مشروع رد ہدیہ کا ہے۔ میں نے احتیاطاً اوروں سے بھی پوچھا کہ اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے یا نہیں کیونکہ مجھے خیال ہوا کہ کہیں میرے نفس نے یہ مطلب نہ تراشا ہو مگر وہ کہنے لگے کہ اجی صاف دلالت ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک دفعہ بھائی نے چاہا کہ میں کچھ ماہوار تمھارے لئے مقرر کر دوں سمجھدار آدمی ہیں بے تکلف لکھ دیا۔ میں نے لکھا کہ اس میں خرابی ہے اب تو میری نظر کسی خاص شخص پر نہیں اللہ پر ہے اور اگر مخلوق پر بھی ہے تو کسی مخلوق معین پر تو نہیں ہے اگر تم نے ماہوار مقرر کر دیا تو بریلی ہی میں دل پڑا رہے گا اول تو حساب لگانا پڑے گا کہ مارچ ختم بھی ہو گیا یا نہیں مئی ختم ہوئی یا نہیں جب پہلی تاریخ ہو گی تو یہ خیال ہو گا کہ آج تنخواہ وصول ہوئی ہو گی۔ آج روپیہ چلا ہو گا آج آرہا ہو گا نہ آیا تو لیجئے پریشانی کہ نہ معلوم کیا وجہ ہوئی یہ جھگڑا تو یہاں ہو گا۔ اب تو یہ ہے کہ آکودتا ہے مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کی شان تو نہ رہے گی کہ جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا ہمارے حق تعالیٰ دیتے ہیں دوسرے میں نے یہ لکھا کہ برا ماننے کی بات نہیں گو تمھاری تنخواہ ساڑھے چار سو روپیہ ہے لیکن ضرورتیں مختلف ہوا کرتی ہیں بعض دفعہ پانچسو کا خرچ پڑ جائے گا اس وقت تم کو گرانی ہو گی کیونکہ ظاہر ہے کہ ہر وقت جوش محبت کا نہیں رہتا۔ وہ بڑے سمجھدار آدمی ہیں انھوں نے لکھا کہ مجھے تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کی طرف لکھنے کے وقت مجھ کو توجہ نہ ہوئی آپ کے خط کو دیکھ کر آنکھیں کھلیں آپ کے خط کا ہر ہر حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ میں رجوع کرتا ہوں اور اپنی رائے کو واپس لیتا ہوں۔ بعد کو انھوں نے کہا کہ آخر اور لوگ بھی تو پیش کرتے ہیں اگر میرا جی چاہے تو مجھے خدمت سے کیوں محروم رکھا جاوے۔

میں نے کہا کہ کیا اور لوگ معین کرتے ہیں جیسا کہ تم کرنا چاہتے تھے۔ غیر معین طور پر کچھ پیش کر دو میں وعدہ کرتا ہوں کہ لے لونگا۔ پھر جب میں بریلی جاتا تھا کبھی ٹکٹ لے دیتے تھے۔ کبھی پچیس کبھی بیس روپیہ دیدیئے کبھی کچھ کپڑے بنوا دے اور کبھی کچھ بھی نہیں اور زیادہ وہی ہوتا تھا کہ کچھ بھی نہیں۔ بس وہ میرے مذاق کو سمجھ گئے اور اس کے موافق عمل کیا۔ محبت کی بات تو یہی ہے پھر میں ایسا کرتا کہ کبھی کبھی قصداً گنی بھائی کے پاس امانت رکھوا دیتا تاکہ انھیں اطمینان ہو جائے کہ ہاں اس کے پاس کافی سرمایہ موجود رہتا ہے۔ میرے گھر میں کہا کرتی ہیں مجھے اُن کی یہ بات بہت پسند آئی کہ ذرا سفر میں اچھی حیثیت سے جایا کرو کپڑے بھی اچھے ہوں جوتا بھی نیا ہو ایک وہ جوتا اور بھی ساتھ بندھا ہو میں نے کہا کیوں مجھے کسی کو دکھلانا تھوڑا ہی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ انما الاعمال بالنیات۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر لوگ تمھیں خستہ حالی میں دیکھیں گے تو انھیں فکر ہو گی کہ آجکل تنگی میں ہیں کچھ دینا چاہئے

اور اگر کپڑے بھی اچھے اور جوتا بھی نیا ہوگا تو سمجھیں گے کہ کسی چیز کی حاجت نہیں سب بے فکر رہیں گے مسلمانوں کو بے فکر کرنے کے لئے اچھی حیثیت بنا کر سفر کیا جاوے تو عبادت ہے ایسی لطیف بات کہی کہ وہ دیکھ کر خوش ہوں گے کہ آرام میں ہیں اور بے فکر رہیں گے جب سے میں یہ کرتا ہوں کہ دو چار جوڑے جو اچھے ہوئے وہی چھانٹ کر سفر میں لے جاتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اُس بندی خدا میں ذرا بھی حرص نہیں ورنہ نباہ مصیبت ہوتا حضرت ایسا ہوتا ہے کہ ہدیہ لینے میں اگر میں کبھی اپنے معمول کو بھول جاتا ہوں تو وہ ٹوکتی ہیں کہ تمہارے معمول کے خلاف ہے یہ کیوں لے لیا۔ یہ کبھی سفارش نہیں کی کہ فلاں ہدیہ لے لو یہ بارہا کہا کہ یہ تمہارے معمول کے خلاف ہے یہ کیوں لے لیا۔ پھر فرمایا کہ میں اس واسطے یہ سب باتیں سُنا رہا ہوں کہ اگر ان میں سے کسی کو کوئی بات پسند آوے تو تقلید کی جاوے کیونکہ علمی تعلیم سے اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا عملی تعلیم کا اثر ہوتا ہے۔ واقعات سے بہت اثر ہوتا ہے کہ بھائی ایسا ہو بھی رہا ہے۔

فلاں صاحب وکیل یہاں آئے تھے بہت اچھے آدمی ہیں دیندار آدمی ہیں۔ علیگڈھ کے پڑھے ہوئے ہیں وہاں ماسٹر بھی تھے۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ہیں۔ شیخ عبدالحق دہلوی کی اولاد میں سے ہیں مجھے تو نقل نہ کرنا چاہئے لیکن اگر نقل بھی کر دوں تو کونسا بڑا کمال ثابت ہو جائیگا کیونکہ میں چیز ہی کیا ہوں۔ انھوں نے ایک بات کہی کہ دو باتیں اس وقت تک گم تھیں ظاہر نہیں کیجاتی تھیں کتابوں میں بھی کہیں پتہ نہ تھا ایک تو فن سلوک کے اُصول۔ یہ کہیں نہیں سُنے جاتے تھے اس کو تربیت السالک (نام کتاب جس میں ذاکرین وشاغلین کے خطوط مع جوابات حضرت والا درج ہیں) نے بالکل صاف کر دیا۔ ایک معاشرت ومعاملات پر گفتگو کسی نے نہیں کی۔ انھوں نے اسکی وجہ بھی تراشی کہ اس لئے گفتگو کی ہمت نہیں ہوئی کہ لوگ کہیں گے کہ تم خود ہی کیا کر رہے ہو الحمد للہ ایک یہ جزو دین کا مخفی تھا اب ظاہر ہوا۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ ناظرین نے ملفوظات منقولۂ بالا سے بخوبی اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت والا ہدیہ قبول فرمانے میں کتنی احتیاط اور کس درجہ استغنا مشوب بالعبدیت سے کام لیتے ہیں اور اس کے متعلق حضرت والا کے جتنے بھی اُصول ہیں وہ کیسے معقول اور مؤیّد بالمنقول ہیں۔

علاوہ ان واقعات کے جو حُسن العزیز سے ابھی نقل کئے گئے ہدایا کے متعلق اور بھی بہت کثرت سے واقعات اس وقت یاد آتے چلے جا رہے ہیں جو نہایت سبق آموز ہیں لیکن بوجہ عدم گنجائش وقت اور بخوف تطویل اُن سب کو نظر انداز کر کے صرف دو چار دلچسپ اور مختصر واقعات کو

بیان کیا جاتا ہے۔

ایک صاحب نے جو غالباً فوجی ملازم تھے کچھ نقد اور کچھ غیر نقد ہدیہ پیش کیا چونکہ وہ بالکل اجنبی شخص تھے اس لئے حضرت والا نے حسب معمول ملاطفت کے ساتھ عذر فرما دیا کہ بدون کامل واقفیت اور بے تکلفی کی ملاقات کے کسی کا ہدیہ لینا میرے معمول کے خلاف ہے۔ انھوں نے اصرار کیا تو حضرت والا نے پھر نرمی سے سمجھایا کہ کسی کی طبیعت کے خلاف اصرار نہیں کیا کرتے لیکن وہ پھر بھی اصرار سے باز نہ آئے اور حضرت والا کا یہی معمول ہے کہ ابتداءً نہایت اخلاق اور نرمی سے پیش آتے ہیں لیکن جب دوسرے کی طرف سے ایذا شروع ہوتی ہے تو پھر اپنی ایذا کا اظہار تیز لہجہ میں فرمانے لگتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ جب لوگ بلا اس کے مانتے ہی نہیں تو پھر کیا کروں کسی طرح اپنا پیچھا بھی چھڑاؤں چنانچہ جب وہ صاحب اصرار سے باز ہی نہ آئے تو ایک بار پھر فرمایا کہ دیکھو اب مجھے غصہ آچلا ہے اب بھی اپنی چیزیں اٹھالو لیکن جیسا کہ بعد کو معلوم ہوگا وہ تو آئے ہی تھے یہ ٹھان کر کہ ہدیہ دیکر ہی ٹلوں گا چنانچہ اس کہنے پر بھی نہ ٹلے۔ تب تو حضرت والا بہت برافروختہ ہوئے اور ڈانٹ کر فرمایا کہ دور ہو نامعقول اٹھا اپنی چیزیں۔ پھر تو جلدی سے اپنی چیزیں اٹھا کر مسجد میں جا بیٹھے۔ غرض بڑی ہی مصیبت سے پیچھا چھوٹا۔

پھر دوسرے روز یا اسی روز احقر سے اپنا سب حال صاف صاف بیان کیا کیونکہ بیچارے سیدھے سادے فوجی آدمی تھے کہنے لگے کہ اجی بس اب اپنے یہاں کیا منہ لیکر جاؤں گا۔ بات یہ ہوئی کہ چلتے وقت مولانا کے ایک مرید سے اور مجھ سے اس ہدیہ ہی پر بحث ہوئی تھی وہ کہتے تھے کہ مولانا ہرگز نہ لیں گے اور میں کہتا تھا کہ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے ہدیہ بھی ایسی چیز ہے کہ کوئی نہ لے۔ میں دیکر ہی آؤنگا۔ انھوں نے کہا اگر تم نے وہاں اصرار کیا تو یاد رکھو کہ پٹو گے۔ چنانچہ واقعی انھیں کا کہنا صحیح نکلا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ جب روپیہ اور چیزیں دیکھیں گے بھلا ممکن ہے کہ نہ لیں کیونکہ ہم نے تو کسی پیر کو انکار کرتے دیکھا نہیں۔ اھ

لیجئے یہ وجہ تھی آپ کے اصرار کی پھر بھلا حضرت والا کا قلب مصفا ایسے ہدیہ کو کیسے قبول کر لیتا۔

دیگر

اسی طرح ایک واقعہ کار رئیس نے جو ایک بڑے عہدہ دار بھی تھے پچیس روپیہ پیش کئے تو حضرت والا نے ان میں سے صرف دس روپیہ لے لئے اور پندرہ واپس فرما دیئے اور فرمایا کہ بس

اتنے ہی کافی ہیں۔ پھر وہ تو چلے گئے لیکن اُن کے ساتھی رہ گئے انھوں نے حضرت والا سے اظہار تعجب کیا کہ آپ کو اُن کا ارادہ کیسے معلوم ہوگیا کیا کشف ہوگیا کیونکہ اول اُن کا ارادہ صرف دس ہی روپیہ دینے کا تھا لیکن کہنے لگے کہ دس تو پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس لئے پندرہ روپیہ اور ملاکر پچیس روپیہ پیش کئے صرف دس روپیہ پیش کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ نہیں جی مجھے کشف نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ ہی دستگیری فرماتے رہتے ہیں۔ دس روپیہ لینے کی تو ایک خاص وجہ تھی وہ یہ کہ گھر میں دس روپیہ کی لکڑیاں یکمشت لے لی گئی تھیں کیونکہ اچھی ملگئی تھیں لیکن چونکہ اتفاق سے اُسوقت دام نہ تھے دس روپیہ کا قرض ہوگیا تھا۔ چونکہ میرے قلب پر قرض کا بہت ہی بار ہوتا ہے اسلئے میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ میرا قرض ادا کرادیں جب وہ صاحب پچیس روپیہ دینے لگے تو میں نے خیال کیا کہ بالکل نہ لوں لیکن ڈر لگا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہیں ناشکری نہ ہوجائے اور اللہ میاں پھر نہ کہیں کہ مانگتا بھی ہے اور جب ہم دلواتے ہیں تو نخرے کرتا ہے لیتا نہیں اسلئے میں نے اُس میں سے دس روپیہ جو اللہ میاں سے مانگے تھے وہ تو لے لئے باقی واپس کر دیئے اھ

دیگر

حضرت والا ہدیہ کے متعلق ایک یہ دلچسپ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایک صاحب آئے تو میں نے اُن سے تعارف حاصل کرنے اور سفر کا مقصود معلوم کرنے کے لئے ضروری سوالات کرنا شروع کئے لیکن اُنھوں نے کسی سوال کا جواب ہی نہ دیا جس سے مجھے ناگواری پیدا ہونے لگی اُسپر اُن کے ساتھی نے یہ کہا کہ ان کو تو آپ سے اتنی محبت ہے کہ غائبانہ آپ کا نام سننے کی بھی تاب نہیں لاسکتے اور عرصہ سے خط و کتابت بھی کررہے ہیں۔ یہ سنکر میری ناگواری جاتی رہی اور میں نے اُن کو معذور سمجھ لیا۔ پھر اُنھوں نے بعد ظہر دس روپیہ ہدیہ دیئے۔ میں نے تعلق کی بنا پر لے لئے۔ بس روپیہ لینے تھے کہ اُن کی زبان کھل گئی اور ایسی کھلی کہ فضول فضول سوالات کرنے لگے جس سے مجھے ایذا ہونے لگی۔ میں نے سوچا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ یا تو ضروری سوالات کے جواب بھی نہ دے سکتے تھے یا اب ایسی زبان کھل گئی کہ خود ہی سوالات کرنے لگے اور وہ بھی بالکل غیر ضروری اور ایذا دہ بس فوراً سمجھ میں آگیا کہ روپیوں نے ان کی زبان کھول دی ہے بس روپیہ دیکر اپنے آپ کو سب قواعد سے مستثنٰی سمجھ لیا ہے اور سمجھنے لگے

ہیں کہ اتنا تو ہمیں حق حاصل ہو گیا ہے کہ بے تکلف جو چاہیں پوچھیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ ابھی میں آپکے سوالات کا جواب نہیں دیتا ذرا ٹھہر جائیے پہلے میں آپ کے وہ دس روپے واپس کردوں جنھوں نے آپ کی زبان کھول دی ہے پھر میں جو مناسب سمجھوں گا آزادی سے آپ کے سوالات کا جواب دونگا پھر میں نے اُسی وقت نکالکر اُن کے دس روپے واپس دیدیئے اور کہا کہ ہاں اب میں بھی آزاد ہوں اور آپ بھی آزاد ہیں جو کچھ چاہے پوچھئے لیکن جب روپے اُن کے پاس پہونچگئے تو وہ پھر خاموش ہوگئے اور کسی سوال کی جرات نہ ہوئی۔ میں خوش ہوا کہ میری تشخیص صحیح نکلی اھ

دیگر

حضرت والا ایک واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ اہل قصبہ میں سے ایک صاحب نے جو کبھی کبھی کوئی کھانے کی چیز ہمارے گھر بھیجدیا کرتے تھے مجھ سے اپنے کسی معاملے کے متعلق جسکے بارہ میں ایک اور شخص سے اُن کا مقدمہ چل رہا تھا مسئلہ پوچھا میں نے حسب قواعد فقہیہ اُس کا جواب لکھدیا وہ جواب اتفاق سے اُن کے خلاف تھا اور اُن کے فریق مخالف کے موافق۔ اس پر اُنھوں نے اوروں سے شکایت کی کہ دیکھو جی ہم ہمیشہ تو ان کی خدمت کرتے رہے اور وقت پر ہمارے خلاف فتوی لکھدیا۔ میں نے جو سنا تو مجھے نہایت ناگوار ہوا اور میں نے کہلا بھیجا کہ اگر آپنے مجھے کھلایا پلایا ہے تو میرے یہاں سے بھی آپ نے کچھ نہ کچھ ضرور کھایا پیا ہے کیونکہ اہل برادری میں تو باہم لینا دینا رہتا ہی ہے لیکن پھر بھی جو کچھ آپ نے مجھ کو دیا ہے اگر مجھے اُس کا حساب معلوم ہو جاوے تو میں اُس کی قیمت بھی دینے کے لئے تیار ہوں اھ

دیگر

حضرت والا ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کرتے ہیں کہ ایکبار حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح میرے یہاں مہمان تھے اور ایک اور صاحب بھی مہمان تھے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اُن صاحب نے جیب سے ایک روپیہ نکالکر میرے سامنے پھینکدیا مولانا کو بہت ناگوار ہوا اور اُن سے کچھ فرمانا چاہا۔ میں نے بہت ادب کے ساتھ روک دیا کہ جو کچھ کہنا ہوگا میں خود کہہ لونگا آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ پھر میں نے اُن کو خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا اور اظہار ناراضی کرکے اُن کا روپیہ واپس کر دیا کہ کیا میں بھٹیارہ ہوں اھ

حضرت والا ان واقعات کو نقل فرما کر فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے میں ہدیہ کے متعلق اتنی تنگی نہیں کیا کرتا تھا لیکن جب سے اس قسم کے تجربے ہوئے ہیں تب سے میں بہت زیادہ احتیاط کرنے لگا ہوں اھ

دیگر

جناب مولوی شفقت علی صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی وکیل سہارنپور نے احقر سے فرمایا کہ اُنھوں نے حضرت والا کی خدمت میں بزمانۂ طالب علمی جب کبھی ہدیہ پیش کیا تو یہ فرما کر واپس فرما دیا کہ ابھی تو تم طالب علمی ہی کر رہے ہو ابھی تو تمھارا مجھ پر حق ہے پھر فرمایا کہ اگر میں اس طرح ہدایا لینے لگوں تو سونے کی دیواریں کھڑی کر لوں اھ واقعی حضرت والا ہدایا قبول فرمانے میں وسعت فرماتے تو لاکھوں کی آمدنی ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے اندر مقناطیسی کشش رکھی ہے۔ اور شان محبوبیت عطا فرمائی ہے۔

دیگر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ہدیہ پیش کرنے والے کا ادب تو یہ ہے کہ دوسروں سے چھپا کر دے بلکہ دیکر خود بھی فوراً علحدہ ہو جائے اور ہدیہ لینے والے کا ادب یہ ہے کہ اُس کو دوسروں پر ظاہر کر دے۔ چنانچہ حضرت والا کو بعض ہدیوں کا بالخصوص بعض بڑی بڑی اور بعض بہت چھوٹی چھوٹی مقدار کے ہدیوں کا مجلس عام میں ذکر فرماتے خود احقر نے سُنا ہے چنانچہ ایک بار بہت مسرت کے ساتھ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مجھ کو اکنی دی اور کہا کہ اس میں سے ایک پیسہ لے لیجئے اور تین پیسے واپس دیدیجئے اُس نے کوئی حساب اپنی سہولت کے لئے لگا رکھا ہوگا۔ اُس کی اس بے تکلفی سے میرا بہت جی خوش ہوا اھ

دیگر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ ہدیہ اس طرح پیش کرے کہ جس کو ہدیہ دیا جا رہا ہے اُس کو کسی قسم کی مؤنت نہ اُٹھانی پڑے۔ اسی وجہ سے حضرت والا نے عموماً ریلوے پارسل کے ذریعہ سے کسی چیز کے بھیجنے کی ممانعت فرما رکھی ہے کیونکہ اس میں ریلوے اسٹیشن سے منگوانے میں بڑی دقت اٹھانی پڑتی تھی اور ملازموں کو بھی بہت تکلیف ہوتی تھی۔

ایک بار ریلوے پارسل کے ذریعہ سے کسی نے نہایت عمدہ خربوزے بھیجے۔ ریل کے بابو نے حضرت والا کے ملازم سے بطور رشوت کے کچھ پیسے مانگے۔ جب ملازم نے آکر اطلاع کی تو حضرت والا نے فرمایا کہ وہ ہدیہ ہی کیا ہوا جس میں مؤنت اور بار پڑے۔ لہذا ٹلٹی خربوزے بھیجنے والے کے پاس واپس فرمادی۔ بابو صاحب منتظر ہی رہے جب خربوزے بگڑنے لگے تو اس نے آدمی بھیجا کہ اچھا پیسے نہ دیجئے خربوزے منگوا لیجئے۔ لیکن اس سے کہدیا گیا کہ اب ہم نہیں منگواتے۔ پھر بابو خود لیکر آیا لیکن اس سے کہدیا گیا کہ ٹلٹی واپس کردی گئی ہے قاعدے کے مطابق جو کارروائی ہو وہ کرو چنانچہ خربوزے نیلام کردیئے گئے۔ پھر حضرت والا سے ایک راوی نے بیان کیا کہ کئی بابو تھے جو سب ہندو تھے وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ ہم نے چوری کی چیزیں بہت کھائی ہیں لیکن جیسے یہ خربوزے کھائے ویسے کبھی نہیں کھائے۔ گو بہت اچھے تھے لیکن یہ معلوم ہوتا تھا کہ گوہ کھا رہے ہیں ایسی چوری کبھی نہیں کی۔ حضرت والا نے یہ روایت سنکر فرمایا کہ نالائقوں نے ایک مسلمان کا دل دکھایا اسلئے مزا نہ آیا۔ پھر اس واقعہ کی شہرت ہوگئی۔ دوسرے موقع پر نئے بابو نے پیسے مانگے تو دوسرے بابو نے کہا کہ بھائی یہ پیسے نہیں دیا کرتے ان سے نہ مانگو بس پھر کبھی کسی نے کچھ نہیں مانگا لیکن حضرت والا ان کو بوجہ واسطہ ہونے کے خود ہی آئی ہوئی چیزوں میں سے کچھ بھیجدیا کرتے تھے پیسے کبھی نہیں دیئے۔

ملفوظات متعلقہ ہدایا ماخوذ از اشرف المعمولات ملخصاً

دہلی سے ایک شخص مسئلہ فرائض لیکر آیا اور کچھ نذرانہ دینا چاہا فرمایا کہ میں نہ لونگا۔ اور فرمایا کہ آجکل جو بزرگوں کو بصورت ہدایا دیا جاتا ہے اکثر اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو بغرض دنیا یعنی رشوت دوسرے بغرض ثواب اخروی یعنی صدقہ و خیرات تیسرے کسی امر دینی کی غرض سے (مثلاً استفتاء کا جواب) اس کی اجرت اور میں ان تینوں قسموں میں سے ایک قسم کا بھی ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ جو محبت سے دیا جائے وہ لے لیتا ہوں کیونکہ صدقہ لینا تو مجھے بوجہ غنی ہونے کے جائز نہیں اور اجرت امور دینیہ پر لینا بھی میں جائز نہیں سمجھتا اور رشوت تو سب ہی کے نزدیک حرام ہے۔ اور جو محض محبت سے ہو وہ ہدیہ ہوتا ہے اس کا قبول کرنا سنت ہے۔

دیگر

ایک صاحب نے آکر مصافحہ کے ساتھ ہی کچھ دینا چاہا۔ ارشاد فرمایا کہ یہ طریقہ پیرزادوں نے

انحصار کے خیال سے جاری کیا ہے یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔کہیں ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مصافحہ میں لوگ دیا کرتے ہوں۔یہ رسم قابل ترک ہے۔اس میں اپنا نفس بھی خراب ہوتا ہے۔ہر مصافحہ میں انتظار رہے گا کہ شاید کچھ وصول ہو جائے۔مصافحہ دین کا کام ہے۔اس کے ساتھ دنیا شامل کرنا ٹھیک نہیں۔

دیگر

ایک مرتبہ ایک شخص نے بذریعہ ریلوے پارسل مولانا مدظلہ کے پاس کچھ بھیجا بابو نے چار آنے رشوت کے مانگے اور رسید دینے سے انکار کر دیا ارشاد فرمایا کہ اب ہم کوئی پارسل ہی نہ لیا کریں گے سب واپس کر دیا کریں گے۔ہمارے پاس ہدیۃً آیا ہے بیعاً نہیں آیا کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے پاس سے اس قسم کے بیہودہ مصارف گوارا کریں ہمارے پاس بلا مؤنت جو کچھ آئے گا لے لینگے ورنہ واپس کر دیں گے۔اور مولوی فلاں صاحب سے فرمایا جو پرچۂ ہدایات لوگوں کی اطلاع کے لئے چھپنے والا ہے اُس میں لکھدیا جائے کہ کوئی شخص ریل پر ہمارے نام کوئی چیز نہ روانہ کرے۔ہمیں دقت ہوتی ہے اس کے بعد فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مولوی کھانے کمانے ہی کے لوگ ہیں آئی ہوئی چیز کبھی واپس نہ کریں گے۔ان کو ذلیل سمجھتے ہیں۔میرا بڑا مقصود یہ ہے کہ اہل علم کی ذلت نہ ہو چنانچہ اسی لئے میں نے ایسا کیا اس کے بعد جو پارسل آئے اُن کی بلٹی واپس کر دی کاتب ملفوظات لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ صاف بتلاتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ کے دل میں دنیا کی ذرا بھی قدر نہیں اور نظر بڑی دور پہونچتی ہے۔ باریک باریک مصالح پیش نظر رہتی ہیں جس کی طرف لوگوں کو التفات بھی نہیں ہوتا داہل اللہ کے پاس دنیا خود آتی ہے اور وہ دور کرتے ہیں)

دیگر

میرا قاعدہ ہے کہ آس پاس کے گانوں والوں کی جمعہ کی مہمانی موقوف ہے۔نیز ایسے لوگ جو جمعہ کو ہدیہ لاتے ہیں وہ بھی نہیں قبول کرتا۔اسی طرح نئے آدمی کا جس کی حالت معلوم نہ ہو ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ تجربہ سے ان کی مصلحتیں معلوم ہوئی ہیں۔اکثر لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے آتے تھے اور خواہ مخواہ میرے یہاں مہمان بن کر ٹھہرتے تھے۔اس میں ہمیشہ دقت ہوا کرتی تھی۔اس لئے یہ قاعدہ رکھا گیا۔ہاں جس کو مجھ سے ملنا مقصود ہو وہ جب چاہے آئے سر آنکھوں پر۔اور جب جمعہ کی مہمانی ایسے لوگوں کی موقوف کی گئی تو ہدیہ

قبول کرنا بھی موقوف کیا گیا کیونکہ یہ مناسب نہ تھا جس میں میرا نقصان تھا اُس کو تو موقوف کر دیا اور جس میں میرا فائدہ تھا اُس کو جاری رکھتا۔ اسلئے مہمانی کے ساتھ وہ بھی موقوف کیا گیا۔ بعض لوگ آکر پہلے ہدیہ پیش کرتے ہیں پھر کوئی اپنا کام بتلاتے ہیں یہ نہایت ناگوار معلوم ہوتا ہے جب کوئی کام لینا ہے مثلاً وعظ یا تعویذ وغیرہ بے تکلف لو اس کے ساتھ کچھ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کوئی دوکان خرید و فروخت کی تھوڑا ہی کھول رکھی ہے۔ جب کوئی ہدیہ دیکر کام کرانا چاہتا ہے تو میں کام تو کر دیتا ہوں لیکن ہدیہ واپس کر دیتا ہوں۔ اگر کوئی محض محبت سے ہدیہ دے تو اُسکے قبول کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔ یہ مبادلہ کی صورت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

دیگر

میں نے اپنا یہ معمول مقرر کر لیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اُس سے میں ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ اگر قرائن قویہ سے خلوص ثابت ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لیجانے کی وجہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی ہاتھ جاویگا تو وہاں سے بھی خالی ہاتھ آوے گا فقط

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اب ہدیہ کے متعلق مضمون کو ختم کیا جاتا ہے کیونکہ ناظرین کرام کو حضرت والا کے اصول و شرائط ہدیہ کافی مقدار میں معلوم ہو چکے ہیں اور اس امر میں حضرت والا کا جو مذاق ہے اُس کی کافی بصیرت حاصل ہو چکی ہے۔

تبرکات کے متعلق اصول

چونکہ حضرت والا پر بفضلہ تعالیٰ توحید اور تنزیہ باری تعالیٰ کا بہت غلبہ ہے اور ہر شے کو اُسکے درجہ پر رکھنا اور مقصود و غیر مقصود میں فرق کرنا حضرت والا کا امتیازی وصف ہے جو ایک مجدد اور مصلح اور حکیم الامۃ میں ہونا لازمی ہے اسلئے تبرکات کے باب میں بھی حضرت والا کا مذاق نہایت معتدل ہے اور وہ یہ ہے کہ اُن کی برکت کا انکار نہیں بلکہ بزرگوں کے تبرکات کی برکتوں کے واقعات اپنے بھی اور دوسروں کے بھی مشاہدہ کئے ہوئے اکثر نہایت معتقدانہ طور پر بیان فرماتے رہتے ہیں لیکن جو اصل دولت بزرگوں کے پاس ہے جس نے اُن حضرات کو اس قابل بنا دیا کہ اُس کی وجہ سے اُن کی چیزوں میں بھی برکت پیدا ہو گئی اُس دولت کی تحصیل کی جانب خود بھی ہمیشہ نظر رہتی ہے اور دوسروں کو بھی اُسی کی تحصیل کی ترغیب دیتے رہتے ہیں اور فرماتے رہتے ہیں کہ بزرگوں کے اصل تبرکات تو اُن حضرات کے اقوال و اعمال و احوال ہیں اُن سے برکت حاصل کرنی چاہیئے۔

چنانچہ جب حضرت والا کے پیر و مرشد اعلیٰ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ العزیز نے بنہایت شفقت و عنایت اپنا کتب خانہ حضرت والا کو عطا فرمانا چاہا تو اُسوقت بھی حضرت والا نے بنہایت ادب و نیاز عرض کردیا کہ حضرت کتابوں میں کیا رکھا ہے مجھے تو کچھ اپنے سینۂ مبارک سے عطا فرما دیجئے۔ اس پر حضرت حاجی صاحب رح بہت مسرور ہوئے اور جوش میں آکر فرمایا کہ ہاں جی ہاں سچ تو یہی ہے کتابوں میں کیا رکھا ہے اھ اس واقعہ کو نقل فرماکر حضرت والا یہ شعر بھی فرما دیا کرتے ہیں ؎

صد کتاب و صد ورق در نار کن	سینہ را از نور حق گلزار کن

غرض حضرت والا کو تبرکات کے متعلق شغف نہیں نہ اعتقاداً نہ عملاً جیسا کہ آجکل لوگوں نے اسمیں غلو کر رکھا ہے۔ بلکہ حفاظت عوام پر یہانتک نظر ہے کہ جب حضرت والا نے اپنے پٹے دار بال کٹوائے تو اُن کو خاص اہتمام کے ساتھ دفن کرا دیا تاکہ معتقدین کے ہاتھ میں نہ پڑنے پائیں اور وہ اُن کا کوئی ڈھونگ نہ بنا سکیں حجام کے پاس بھی نہیں رہنے دیئے تاکہ وہ اُن کو بیچنا شروع نہ کردے۔ چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ حضرت حاجی صاحب رح کے تبرکات بعض لوگ معتقدین کے ہاتھ بڑی بڑی قیمتوں پر بیچنے پر آمادہ تھے۔ اھ

ایک بار اس احقر جامع اوراق کی موجودگی میں بمقام میرٹھ ایک صاحب سلسلہ شیخ نے حضرت حاجی صاحب رح کے ایک خرقہ کو مجلس میں ایک ایک کے سامنے پیش کیا تاکہ اُس کو چوما جائے اور آنکھوں سے لگایا جائے تو حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ کو اُن کا یہ فعل اچھا نہیں معلوم ہوا۔ ایک ڈھونگ سا معلوم ہوا اھ یہ بھی فرمایا کہ میرے پاس تو جتنے حضرت حاجی صاحب رح کے تبرکات تھے میں نے ایسوں کو دیدیئے جن سے یہ توقع تھی کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ اُن کا ادب ملحوظ رکھیں گے۔ کیونکہ مجھے اُن کے ادب کی نگہداشت دشوار نظر آئی اور میں نے اپنے دل کو یہ کہکر سمجھا لیا کہ برکت کے لئے تو حضرت حاجی صاحب رح کی تعلیمات ہی کافی ہیں اگر اللہ تعالیٰ اُنھیں پر عمل کی توفیق بخشے تو اُن کے مقابلہ میں ان ظاہری تبرکات کی حاجت نہیں۔ چونکہ حضرت والا کے قلب میں بزرگوں کا بہت ہی زیادہ ادب اور اُن سے انتہا درجہ کی محبت ہے یہانتک کہ بارہا نہایت شدومد کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں کی شان میں ادنیٰ بے ادبی بھی موجب محرومی برکات باطنی ہے اس لئے باوجود عدم شغف کے بزرگوں کے تبرکات کا بھی بہت ادب فرماتے ہیں۔

چنانچہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ شیخ کے تبرک کو پہنکر پاخانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں تو فرمایا کہ جائز تو ہے مگر کچھ واجب بھی تو نہیں اور ہر جائز کام کا کرنا ضروری ہی کیا ہے۔ خود میری یہ حالت ہے

کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام زدجبۂ شریف جو جلال آباد میں ہے اور اپنے اکابر سے اُس کی تصدیق وجدانی سنی ہے جب تھانہ بھون میں آتا ہے تو اگرچہ اُس مکان کی طرف جہاں وہ رکھا جاتا ہے پاؤں کرنا جائز ہے مگر غلبۂ ادب کی وجہ سے غالب احوال میں اُس طرف پاؤں نہیں کر سکتا۔ اھ

جبۂ شریف کی زیارت بھی نہایت ذوق وشوق کے ساتھ کی اور اس طرح کہ اُس کے خدام سے یہ اجازت لے لی کہ مجھ کو بالکل تنہائی میں زیارت کا موقع دیدیا جائے چنانچہ وہ لوگ خود بھی ہٹ گئے اور حضرت والا نے بالکل تنہائی میں نہایت ذوق وشوق کے ساتھ مخلے بالطبع ہو کر خوب اطمینان سے زیارت کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ اُس وقت حضرت والا پر نہ معلوم کیا کیا کیفیات طاری ہوئی ہوں گی جن کی سوائے حضرت والا کے اور کسی کو خبر نہیں مصداق شعر ؎

	اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں		بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد	

چونکہ خدام جبۂ شریف کو حضرت والا کی خاص طور سے خاطر عزیز تھی اس لئے انھوں نے اس طرح تنہائی میں زیارت کرنے کی اجازت بھی دیدی ورنہ وہ لوگ تو ایک لحظہ کے لئے بھی جبہ شریف کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔

اسی طرح ایک بہت ہی صالح اُمی بزرگ تھے جن کا نام حاجی عبداللہ تھا وہ اول حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے پھر حضرت والا سے بھی بیعت ہو گئے تھے حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک بالکل معمولی کپڑے کا روئی دار عبا مجھکو ہدیۃً دیا تھا اُس کی خود میں نے یہ برکت محسوس کی جس کا بارہا تجربہ کیا کہ جبتک میں اُس کو پہنے رہتا معصیت کے وساوس بھی بالکل نہ آتے اھ

حضرت والا تبرکات کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں برکت کا تو معتقد ہوں لیکن جو آجکل لوگوں نے ان کے متعلق اعتقاد اور عمل میں غلو کر رکھا ہے اُس کو ناجائز سمجھتا ہوں اھ

تبرکات حاصل کرنے کا سہل طریق

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگوں سے تبرکات حاصل کرنے کا سہل طریق جس میں اُن کو کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا یہ ہے کہ اپنی کوئی چیز اُن کو عاریۃً دیکر یہ عرض کر دیا جائے کہ کچھ دیر اس کو استعمال فرما کر واپس فرما دیں۔ میں نے ایک رومی شیخ کو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح تبرک حاصل کرتے دیکھا تھا جو مجھکو بہت پسند آیا تھا اور گو تبرکات تو بزرگوں کے ہوتے ہیں میں گنہگار اس قابل کہاں کہ مجھ سے تبرکات حاصل کئے جائیں لیکن بعض اپنے حسن ظن اور محبت سے مانگتے ہیں تو اگر اُس وقت کوئی چیز نہ ہوئی تو میں اُن کو

بھی یہی ترکیب بتا دیتا ہوں اور یہ صورت ہے بھی بہت راحت کی کیونکہ اس میں مجھکو کوئی تردد نہیں کرنا پڑتا اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے بعض فہیم خدام ایسا ہی کرتے ہیں اور بعض کی درخواست پر حضرت والا اپنی خاص مستعمل اشیا بھی مرحمت فرما دیتے ہیں۔ نیز چونکہ نوزائیدہ بچوں کے کرتوں کیلئے اکثر حضرت والا سے کپڑا بطور تبرک مانگا جاتا ہے اس لئے حضرت والا اپنے کہنہ مستعمل کرتوں میں سے ایسے بچوں کے ناپ کے چند چھوٹے چھوٹے کرتے قطع کرا کر ایسے موقعوں کیلئے رکھ لیتے ہیں تاکہ وقت پر تردد نہ کرنا پڑے اور درخواست پر فوراً نکالکر دیا جا سکے۔

حضرت والا نے اپنے وصیت نامہ "الاستحضار للاحتضار" میں یہ وصیت فرمائی ہے کہ میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات کا سا معاملہ نہ کریں البتہ اگر کوئی محبت سے بطریق شرعی مالک بنکر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے مضائقہ نہیں اعلان اور دوسروں کو دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جاوے اھ سبحان اللہ کیا انتظام دین اور کیا اہتمام اصلاح اُمت اور کیا حفظ حدود ہے۔

بعض اصول متعلق عنوانات ماسبق جو بعد کو قابل اضافہ سمجھے گئے

(اصول متعلقہ عنوان دوم تعلیم و تربیت)

ایک طالب نے لکھا کہ فدوی اصلاح اعمال کی تعلیم کا خواستگار ہے۔ حضرت والا نے حسب معمول تحریر فرما دیا کہ اصلاح اعمال کی تفسیر لکھو۔

انھوں نے اس کی یہ تفسیر لکھی کہ بسا اوقات ارکان اسلام کی تعمیل میں کسل پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر بعض ارکان ہمت کر کے شروع بھی کرتا ہوں تو طمانیت اور دلجمعی بالکل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے جو سرور اور خوشی ہونی چاہیے اُس سے بالکل محروم ہوں۔ نیز تحصیل علوم شرعیہ اور اشتغال فنون دینیہ میں بسا اوقات ایسے موانع اور عوائق ظہور پذیر ہوتے ہیں جس سے طبیعت اور قلب کے اندر تنگی اور ضیق پیدا ہو جاتی ہے بس جناب سے یہی التجا ہے کہ متذکرہ بالا امراض کا تدارک اور علاج فرما کر اتباع شریعت کو ہمارے لئے سہل فرمائینگے ھ

اس کا حضرت والا نے یہ جواب ارقام فرمایا کہ جن چیزوں پر خط کھینچدیا ہے (یعنی کسل۔ طمانیت اور دلجمعی۔ سرور اور خوشی۔ موانع اور عوائق۔ تنگی اور ضیق۔ اور سہل فرمانا) ان کے حصول یا زوال کا اُس اصلاح سے کوئی تعلق نہیں جس اصلاح کی تعلیم میرا معمول ہے اھ

پھر حاضرین مجلس سے زبانی فرمایا کہ دیکھئے لوگ ان غیر اختیاری چیزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یوں چاہے خدا تعالیٰ یہ سب چیزیں عطا فرما دیں لیکن ان کا ذمہ کون لے سکتا ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ کوئی تعب ہی نہ اُٹھانا پڑے حالانکہ اس طریق میں تو لوہے کے چنے ہیں جو عمر بھر چبانے پڑتے ہیں اھ

دیگر

ایک وکیل صاحب نے اپنی طویل داستان لکھی جس میں ایک اَن پڑھ صاحب کشف سے جن کی حالت پہلے مجذوبانہ سی تھی اپنا مرید ہونا لکھا۔ لیکن پھر وہ دنیا کے قصوں میں پھنس گئے نیز فقہ کا علم حاصل کرنے سے مانع ہوئے جس کی وجہ سے اُن سے قطع تعلق کر لیا بیعت کے زمانے کی کچھ کیفیات بھی لکھی تھیں سماع وغیرہ میں کیفیات کا طاری ہونا بھی لکھا تھا۔ حضرت والا کی تصانیف سے بہت زیادہ مناسبت بھی لکھی تھی اور لکھا تھا کہ دو سال سے مرشد مذکور الصدر سے اپنا تعلق ترک کر دیا ہے اور خیال آپ کی طرف مائل ہو گیا ہے اور جناب کے خیالات اور مواعظ سے مجھکو خاص لگاؤ ہو گیا ہے براہ کرم مجھے مشورہ دیجئے کہ آیندہ میں کیا کروں اھ

غرض بڑی طویل داستان تھی حضرت والا نے اس کا عجیب عنوان سے جواب ارقام فرمایا تحریر فرمایا کہ کسی نے ایک کبڑے سے پوچھا تھا کہ تو اپنا اچھا ہونا چاہتا ہے یا دوسروں کا کبڑا ہونا اس نے کہا دوسروں کا کبڑا ہونا تاکہ جس طرح یہ لوگ مجھ پر ہنستے ہیں میں بھی ان پر ہنس لوں۔ بس یہی مثل میری ہے کہ میں ایک طالب علم آدمی ہوں اور صغریٰ کبریٰ میں مقید دوسروں کو بھی اسی رنگ پر لانا چاہتا ہوں اس سے میرے مشورہ کا حال تو معلوم ہو گیا اب آپ اپنے لئے مشورہ سوچ لیجئے اھ

بعض اصول متفرقہ ماخوذ از اشرف المعمولات ملخصاً جنکا طالبین کو بہت اہتمام کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہیے

(مناسب عنوان اول متعلق بیعت)

(۱) ایک شخص نے آکر درخواست بیعت کی۔ دریافت فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو اس نے بیان کیا کہ میں ایک بارات میں آیا تھا وہاں سے بہ ارادۂ بیعت یہاں آیا ہوں فرمایا کہ یہ کام ایسا نہیں کہ دوسرے کام کے ساتھ ہو یہ تو دلیل بے رغبتی کی ہے اس لئے اب میں بیعت نہ کروں گا۔ خاصکر

اسی لئے مکان سے آنا چاہئے اُس وقت گفتگو ہوگی اھ

(۲) ایذاءِ شیوخ بلا قصد بھی وبال سے خالی نہیں ہوتی۔ اسلئے افراط فی الشفقت مضر ہے کیونکہ جتنی شفقت ہوگی اتنی ہی اس کی بے تمیزیوں سے زیادہ ایذا ہوگی۔ اور بات بات میں رنج ہوگا۔ اب میں اسپر ایک دوسرے مسئلہ کی تفریع کرتا ہوں۔ جو چند روز سے میں نے تجویز کیا ہے جس میں میں مجبور ہوں مگر لوگ میری مجبوری کو ابتک نہیں سمجھے اس بیان سے یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ افراط فی الشفقت مضر ہے اور یہ مقدمہ پہلے سے معلوم ہے کہ مقدمۃ المکروہ مکروہٌ و مقدمۃ الواجب واجبٌ کہ جو چیز کسی بُری شئے کا سبب بنے وہ بھی بُری ہے اور جو ضروری شئے کا ذریعہ ہو وہ ضروری ہے تو چونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ افراط فی الشفقت مضر ہے اور مکروہ ہے اسلئے جو چیز افراط فی الشفقت کا سبب بنے وہ بھی واجب الترک ہوگی تو مجھے بیعت کرنے سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے اسلئے میں نے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے گو اسمیں ایک فتوے کی بات بھی ہے کہ بیعت کی جو اصل تھی آجکل اس سے تجاوز ہو گیا ہے بیعت کا خلاصہ ہے معاہدہ مرید بر اتباع و معاہدہ شیخ بر شفقت و اصلاح الیکن لوگوں نے اسکو اپنی حد سے بڑھایا ہے کہ جس سے عقیدہ اور عمل میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔

عقیدہ میں تو یہ کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لیکر بیعت نہ کیا جاوے صرف زبانی معاہدہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے اور ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے مگر وہ کبھی راضی نہیں ہوتا گویا بزرگی کوئی برق ہے جب تک پیر کے ہاتھ سے ہاتھ نہ ملایا جائے وہ برق نہیں دوڑتی اگر یہی بات ہے تو لازم آتا ہے کہ ہمارا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے۔ کیونکہ ایک زمانے میں بزرگوں نے اس طریقے سے بیعت کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ اس لئے کہ اُس زمانے میں بادشاہ رعایا سے اطاعت کی بیعت لیا کرتے تھے۔ تو اگر کسی دوسرے کو بیعت لیتے دیکھا جاتا تھا۔ اس پر بغاوت کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ بھی طالب سلطنت ہے تو بزرگوں نے اس خوف سے کہ کوئی بادشاہ سے چغلی نہ کھائے ہوئے اس طریقۂ بیعت کو ترک کر دیا تھا صرف زبانی معاہدہ پر اکتفا کرتے تھے اور تعلیم فرمایا کرتے تھے تو بتلائیے اگر بدون اس خاص طریقے کے بیعت نہیں ہو سکتی تو آپ کا سارا سلسلہ بیعت ہی منقطع ہوا جاتا ہے۔ اگر ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس سے انکار کیا جاتا ہے۔ اور زبانی معاہدہ اور تعلیم کو ناکافی خیال کیا جاتا ہے جو چیز موقوف علیہ نہ ہو اُس کو موقوف علیہ سمجھنا یہ غلو فی العقیدہ ہے یا نہیں۔ ضرور ہے اور اس کی اصلاح ہونی چاہئیے اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ اس طریقے کو اسی ہیئت سے جاری رکھا جائے۔ اور زبان سے سمجھا دیا جائے کہ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا ظاہری بیعت ہے۔ اصل بیعت کام کرنا ہے۔ دوسرا طریقہ ہے کہ اس ہیئت کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے حضرات پہلے طریقے پر عمل کریں۔ اور مجھے چونکہ اس ہیئت خاصہ سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے۔ اسلئے میں دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہوں اس طرح ۳۹

غلو فی العقیدہ کی بھی اصلاح ہو گئی اور ضرر کی بھی۔
(۳) میں بیعت کے وقت اس سے بھی منع کر دیتا ہوں کہ بھی کسی سے لڑنا جھگڑنا نہیں میں نے دیکھا ہے کہ جو کم عقل لوگ لڑتے بھڑتے ہیں وہ اپنے بزرگوں کو گالیاں کھلواتے ہیں کیونکہ دو ہی حالتیں ہیں یا تو وہ اپنے بزرگوں کی تعریف کرے گا تو یہ بھی مجھے پسند نہیں یہ استخوان فروشی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے بزرگوں کی تعریف کراتے پھریں جسے غرض ہوگی وہ خود آکے دیکھ لیگا تمھیں کیا ضرورت ترغیب دینے کی دوسری حالت یہ کہ وہ گالیاں دیگا۔ لوگ کیا کرتے ہیں کہ ایک مسئلہ کسی کے سامنے بیان کیا اس نے ابھی تک تو انھیں کو برا بھلا کہا تھا اس کے بعد انھوں نے یہ کہہ دیا کہ فلاں بزرگ فرماتے تھے۔ بس اب ان بزرگ پر گالیاں پڑنا شروع ہو گئیں۔ بھلا اس کی کیا ضرورت کہ ایک مخالف کے سامنے اپنے شیخ کا ذکر کرنا اور گالیاں کھلوانا اول تو آپ کو جوش ہی کیوں آیا اگر آیا تھا تو اپنی ہی طرف منسوب رہنے دیا ہوتا یہ بالکل نادانی ہے کہ جوش آپ کو ہو اور نام لیں شیخ کا تاکہ تبرا جو کچھ ہو وہ انھیں پر ہو۔

(مناسب عنوان دوم متعلق تعلیم و تربیت)

(۱) مجھے طریق میں اس کا بہت خیال رہتا ہے کہ ایسی مختصر بات بتلائی جائے جو سب باتوں کو حاوی ہو چنانچہ ایک دفعہ میں نے اخلاق رذیلہ کا علاج دو لفظوں میں تجویز کیا تھا تامل و تحمل کہ جو کام کرے سوچ کر کرے کہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور جلدی نہ کرے بلکہ تحمل سے کام کیا کرے اختصار کے ساتھ قافیہ کا بھی خبط ہے اس سے یاد میں سہولت ہوتی ہے اس لئے ایک دوست کا فیصلہ ہے کہ نیثر میں شاعر ہے۔
(۲) میری عادت نہیں کہ خود کسی معاملہ میں دخل دوں میرے اوپر غیرت کا غلبہ زیادہ ہے اسلئے خود کسی معاملہ میں دخل دینے کو جی نہیں چاہتا یہ خیال ہوتا ہے کہ میرا تو کام نہیں میں کیوں دخل دوں۔ کسی کو لاکھ دفعہ غرض پڑے اپنی اصلاح کا طریقہ دریافت کرے ورنہ میری جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ اپنے آپ تو کسی کو اپنی اصلاح کا قصد نہ ہو اور میں اس کے پیچھے پڑتا پھروں۔ اگر کسی وقت شفقت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں خود بھی نرمی سے کہدیتا ہوں۔
(۳) مولانا نے فرمایا کہ مجھکو بہ نسبت عقیدت کے محبت زیادہ پسند ہے کیونکہ عقیدت خیالی چیز ہے ذرا میں زائل ہو جاتی ہے اور محبت زائل نہیں ہوتی۔
(۴) ایک شخص سے کچھ باتیں دریافت فرمائیں اس نے سوالات کے جواب دینے میں محض تکلف کی راہ سے بلا کسی عذر کے سستی اور دیر کی اور بہت بہت دیر میں ایک ایک سوال کا جواب دیا پھر اس شخص نے

بعیت کی درخواست کی فرمایا کہ اول ادب اور تمیز حاصل کرنا چاہیئے اس کے بعد بعیت کی درخواست کرنا چاہیئے اور فرمایا کہ تم کو ابھی تمیز نہیں ہے کہ بلا وجہ تم نے ایک شخص کو دیر میں جواب دے کر انتظار کی تکلیف پہونچائی اور حرج کیا۔

(۵) کوئی ذکر و شغل کرتا ہو تو مجھے اُس وقت تک اس کی قدر نہیں ہوتی جبتک کہ اُس کے اعمال درست نہ ہوں۔ ذکر و شغل میں تو مزہ ہے اگر نہ کرے تو مر جائے عمل تو وہ ہے کہ جس میں کوفت ہو اور پھر بھی رضا حاصل کرنے کیلئے اُسے کرے اسی طرح چاہیئے کہ خود تنگی اُٹھائے اور دوسروں کے حقوق ادا کرے۔ ایک شاغل کے ذمہ قرض نکلا تھا اور انھوں نے اُس کے ادا میں بہت کوتاہی کی تھی ایسے موقع پر یہ کلمات فرمائے اور نکال دیا اور فرمایا قرض ادا کرنے کے بعد میرے یہاں آسکتے ہو جب تک قرض ادا نہ کرو یہاں مت رہو۔

(۶) فرمایا کہ جب معلوم ہو جائے کہ ایک شخص کو کسی عیب کی عادت ہے تو معاف کرنے کو جی نہیں چاہتا جب تک کہ اُس عیب کو نہ چھوڑ دے۔ اگر احیاناً کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو معافی کا مضائقہ نہیں۔ میں ایسے شخص کو اپنے یہاں ہرگز نہیں رکھنا چاہتا جو دوسروں کے حقوق تلف کرے۔

(۷) مجھ کو علم کے پڑھانے لکھانے کا اتنا زیادہ اہتمام نہیں ہے جس قدر تہذیب اخلاق و دیانت کا کیونکہ لکھنے پڑھنے کا اہتمام تو ہر جگہ ہوتا ہے لیکن اخلاق کی طرف کسی کو خیال بھی نہیں ہے۔ مثلاً میں اس پر زیادہ نظر نہیں کرتا کہ کس نے جماعت سے نماز پڑھی کس نے نہیں پڑھی کیونکہ اول تو عذر کا احتمال ہے دوسرے اس میں صرف فاعل کا حرج ہے کسی دوسرے کو اذیت نہیں۔ بخلاف اس کے کہ کسی سے کوئی حرکت خلاف تہذیب سرزد ہو۔ اس کا اس لئے اچھی طرح تدارک کیا جاتا ہے کہ اسمیں اوروں کو تکلیف ہوتی ہے۔

(۸) فرمایا کہ جو شخص مجھ سے بعیت کی درخواست کرتا ہے اول تو میں اُس کو کتابیں دیکھنے کو لکھ دیتا ہوں بالخصوص مواعظ کے مطالعہ کو تو میں اکثر لکھتا ہوں اور اس سے بہت نفع ہوتا ہے۔ اور اگر کسی شخص نے یہ لکھا کہ ہم نے کتابیں دیکھی ہیں تو میں لکھتا ہوں کہ کتابیں دیکھ کر اپنی حالت میں کیا تغیر کیا۔ اس سے وہ نفع ہوتا ہے کہ جو برسوں کے مجاہدہ میں بھی نہیں ہوتا۔ میں تو اول روز ہی کام میں لگا دیتا ہوں مگر لوگ قدر نہیں کرتے۔ اصل چیز فکر ہے۔ انسان جب فکر میں پڑتا ہے تو راستہ تلاش کرتا ہے بس میں اول ہی گفتگو یا خط و کتابت میں طالب کے سر پر بوجھ رکھدیتا ہوں اس کی وجہ سے اُسے فکر پیدا ہوتی ہے اس فکر کی وجہ سے راستہ خود بخود منکشف ہونے لگتا ہے۔

(مناسب عنوان سوم متعلق واردین)

(۱) فرمایا کہ افسوس ہے لوگوں کے اخلاق بکثرت خراب ہو گئے بعض لوگ آتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ خاص آپ سے ملنے کو آیا ہوں اور کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ حالانکہ اپنے کسی دنیوی کام کے لئے آتے ہیں۔ میں اپنا مہمان سمجھ کر مہمانوں کا سا برتاؤ کرتا ہوں بعد کو انکا قصد اسکے خلاف ظاہر ہوتا ہے تو سخت رنج ہوتا ہے۔ خرابی یہ ہے کہ صاف بات لوگ نہیں کہتے۔ اخلاق بگڑ گئے ہیں معاملات میں صفائی نہیں رہی اور ضرورت اظہار کی یہ ہے کہ مسئلہ ہے کہ مہمان کا اور حکم ہے اور ابن السبیل کا اور حکم ہے۔ مہمان کی مدارات تو ذمہ خاص شخص کے ہوتی ہے اور جو اپنے کام کے لئے آوے اور پھر راہ میں ٹھہر جائے وہ ابن السبیل ہے اُس کی مہمانی سب کے ذمہ ہے۔

(۲) میں نے خانقاہ میں قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ کسی سے دوستی بڑھاؤ نہ دشمنی پیدا کرو۔ نہ زیادہ مجلس آرائی کرو کیونکہ یہ مجلس آرائی فساد کی جڑ ہے۔

(۳) میری رائے اس باب (خلوت) میں یہاں تک ہے کہ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں سے ملنا خلوت سے ہر حال میں بہتر ہوگا مگر میں آجکل کبھی کبھی اپنے احباب کو ایک مشورہ دیا کرتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں کو بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہوتا ہے وہ آئے دن سفر ہی میں رہتے ہیں۔ آج ایک بزرگ کے پاس جا رہے ہیں کل دوسرے بزرگ کے پاس۔ میں ان کو منع کیا کرتا ہوں کہ بزرگوں سے بہت نہ ملا کرو۔ بس ایک کو اپنا بزرگ بنا لو اور پھر اُس کے پاس رہو اور اُس کے پاس بھی زیادہ آمد و رفت نہ کرو۔ بلکہ ایک دفعہ صحبت سارہ لو پھر اپنے گھر بیٹھو برس میں ایک دفعہ پھر مل لینا ہر مہینہ اس کے پاس بھی نہ جاؤ۔

(۴) میں تو کہتا ہوں کہ اپنے پیر کے پاس بھی کم جاؤ۔ زیادہ نہ لپٹو کیونکہ گاہے گاہے خاص اوقات میں اس کے پاس جاؤ گے تو اس کو ذکر میں مشغول دیکھو گے رزانت و متانت کی حالت میں پاؤ گے اس سے اعتقاد بڑھے گا۔ اور اگر ہر وقت لپٹے رہو گے تو کبھی ہنستے دیکھو گے کبھی موتتے ہوئے کبھی تھوکتے سنکتے دیکھو گے اس سے تمہیں اعتقاد کم ہوگا ہاں عقلا کو تو ان حالات کے مشاہدہ سے اعتقاد بڑھتا ہے کیونکہ وہ جانیں گے کہ شیخ فرشتہ نہیں بشر ہے مگر بشر ہو کر بے شر ہے تو بڑا کامل ہے۔ اور ناقص العقل کبھی شیخ میں اور اس کی بیوی میں لڑائی جھگڑا دیکھے گا۔ اس کا ان باتوں سے اعتقاد کم ہوگا اور اگر اعتقاد بھی کم نہ ہو تب بھی ہر وقت نہ لپٹو کیونکہ آخر شیخ کو بھی تو اپنے اوقات کی پابندی ضروری ہے۔ زیادہ

زیادہ لپٹنے سے اس کو کدورت ہوگی اور شیخ کو مکدر کرنا طالب کے لئے مضر ہے۔ اس کی رعایت بہت ضروری ہے کہ جس کے پاس جاؤ ایسے وقت میں جاؤ کہ اُس وقت تمھارے جانے سے اس کو کدورت نہ ہو۔

(۵) ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ مجھے کوئی ایسا تعویذ لکھدیجئے کہ میری قوم مجھے سردار بنالے۔ لیکن اس مطلب کو اس طرح ادا کیا کہ حضرت مولانا کی سمجھ میں نہیں آیا مولانا نے کئی مرتبہ اس سے پوچھا لیکن اُس نے ناتمام جواب دیا۔ آخر بہت دیر کے بعد اُس کا مطلب سمجھ میں آیا۔ مولانا نے حاضرین کو خطاب کرکے فرمایا کہ جو لوگ سال دو سال میں صرف ایک ہی دفعہ کسی کے پاس ہو آئیں۔ اُن کے اخلاق کی درستی کیا ہو سکتی ہے اور فرمایا کہ افسوس ہے آجکل بزرگوں نے بھی ان امور میں لوگوں کو روک ٹوک کرنا بالکل ترک کر دیا ہے کیونکہ دوسرے کی اصلاح میں اپنے کو کچھ نہ کچھ بد اخلاق بنانا پڑتا ہے۔ بدون اس کے اصلاح دوسرے کی نہیں ہوتی تو اکثر حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کیوں بُرے بنیں۔

(۶) فرمایا کہ ایک روز ایک صاحب معمر مجھ سے کھانے کے وقت ملنے آئے۔ میں اُس وقت گھر میں تھا وہ آکر دروازہ کے باہر بیٹھ گئے اور جو بچہ بھی گھر میں جاتا اُس سے اپنے آنے کی خبر کہلا کر بھیجتے۔ مگر میں برابر اپنے کام میں مشغول رہا۔ میرے گھر میں کہنے لگیں کہ یہ شخص کتنی دیر سے اطلاع کر رہا ہے آپ کو ہو آنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ مجھے صبح سے شام تک بہت سے آدمیوں سے معاملہ پڑتا ہے۔ میرے دل میں اس قدر رحم نہیں کہ اپنا کام چھوڑ کر محض ملنے کے لئے چلا جاؤں آخر ظہر کے قریب اپنے کام سے فارغ ہو کر میں باہر گیا تو وہ شخص کہنے لگے کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے میں نے کہا کہ میں آپ کی بات سنوں گا لیکن پہلے آپ یہ بتلائیے کہ آپ نے اپنی ضرورت کی رعایت کرکے مجھے بار بار اطلاع دے کر پریشان کیا۔ آپ نے یہ بھی سوچا کہ دوسرے کو بھی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ایسی ہی ضرورت تھی تو کیا میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے نہ آتا اُس وقت وہ ضروری بات آپ کہہ سکتے تھے ولو انھم صبروا حتیٰ تخرج الیھم لکان خیرًا لھم۔ یہ سن کر نہایت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ مولویوں کو ایسا نہ ہونا چاہئے۔ میں نے کہا جناب میں نے مولویت کا دعویٰ ہی کب کیا ہے کہنے لگے کہ میں بہت سے مولویوں کے پاس گیا کسی نے مجھ کو ایسا نہیں کہا میں نے کہا خیر آج تو آپکو فائدہ ہو گیا کہ آیندہ کبھی آپ کسی کے پاس جا کر ایسی حرکت نہ کرینگے۔ آخر وہ سخت ناراض ہو کر چلے گئے۔

(۷) فرمایا بعض لوگ ملکر جاتے وقت پچھلے پاؤں چلتے ہیں۔ یہ گراں گزرتا ہے کسی قدر ترچھا ہو جانا مضائقہ نہیں یہ طبعی بات ہے۔ زیادہ تعظیم و تکریم کرنے سے نفس خراب ہو جاتا ہے۔ فرعونیت آتی ہے۔ چنانچہ جب میں ترک ملازمت کرکے کانپور سے آیا۔ تو یہاں لوگوں کے تم کہنے سے بھی انقباض ہوتا تھا۔ کیونکہ

وہاں پندرہ برس تک ہر وقت آپ اور جناب سنتا رہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے لئے کھڑے ہونے کی بھی ممانعت کردی تھی مجلس میں ممتاز ہوکر بیٹھتے نہ تھے حتیٰ کہ نئے آنے والوں کو پوچھنا پڑتا تھا کہ من محمد فیکم (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۸) بوقت صبح ایک ذاکر شاغل نے مسجد کے لوٹے میں پانی اور مسواک لاکر بخیال وضو رکھدیا عمر دین موذن سے فرمایا کہ سب سے دریافت کرو۔ کہ کس نے یہ مسواک لوٹے میں لاکر رکھی ہے معلوم ہوا کہ فلاں شخص نے رکھی ہے۔ فرمایا کہ ان کو بلاؤ جب وہ آئے تو فرمایا کہ جب آداب خدمت سے واقف نہیں ہو تو کیوں خدمت کرتے ہو گو محبت اور میری راحت کے خیال سے کرتے ہو لیکن جس خدمت سے مجھے تکلیف پہونچے ایسی خدمت کرنے کا کیا فائدہ اور میری خدمت تو چند طلبہ جن سے دل کھلا ہوا ہے اور میرے معمولات سے واقف بھی ہیں وہ لوگ کرتے ہیں باقی جو لوگ یہاں رہ کر ذکر و شغل کرتے ہیں ان لوگوں سے خدمت لیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اور در صورت خلاف مرضی مجھ کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے خدمت کرنے سے بڑے آدمیوں کو منع کرتا ہوں یہ تو سب طبعی خرابی ہوئی۔ اور شرعی خرابی یہ ہوئی کہ مسجد کا لوٹا وقف ہے اور مال وقف میں سب برابر ہیں جب آپ نے پہلے سے بلاضرورت مسواک لاکر اس میں رکھدی تو وہ محبوس ہوگیا۔ اب اس سے کوئی کام نہیں لے سکتا اور یہ ناجائز ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدمت کرنے سے تقرب ہوگا اور مجھ کو اپنا معبود بنانا چاہتے ہیں۔ میں ہرگز ایسی خدمتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ جس کام کے لئے جو آوے اس میں لگا رہے اور جو خدمت چاہے مجھ سے لیوے تو مجھ کو اس میں راحت ہوتی ہے

(۹) ایک صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں ایک لفافہ پیش کیا کہ یہ فلاں شخص نے بھیجا ہے دیکھکر فرمایا کہ اس کو واپس کردو وہ خود کیوں نہیں بھیجتے۔ واسطہ کی کیا ضرورت ہے وہ لوگوں پر اپنا بوجھ کیوں ڈالتے ہیں اور ان صاحب سے کہا کہ آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ کو کسی کا سلام و پیام مجھ سے نہ کہا کیجئے آپ اپنا کام کرنے آئے ہیں یا لوگوں کے سفیر ہیں۔

(۱۰) ایک صاحب نووارد حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں سے اٹھ کر سب لوگوں کے پیچھے جا بیٹھے حضرت والا نے فرمایا کہ آپ وہاں کیوں جا بیٹھے۔ آپ میرے پاس آجائیے۔ ان صاحب نے کہا کہ وہاں جگہ تنگ ہے۔ اس پر حضرت والا نے ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ آج آپ ہی ایثار کریں۔ آپ پیچھے بیٹھ جائیے۔ اور اپنی جگہ خانصاحب کو دیدیجئے۔ آپ تو ہمیشہ کے رہنے والے ہیں۔ نوواردوں کی رعایت کیا کیجئے میں ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں۔ میں اکیلا کیا کروں۔ کوئی سنتا ہی نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ زاہدان خشک کا فتویٰ ہے کہ ایثار قربات میں جائز نہیں مگر محققین نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ بھی ایک قربت ہے اور

وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ رعایت ادب کی کرنا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اہل مکہ میں یہ بات بہت ہی اچھی ہے کہ وہ حج کے زمانہ میں مسافروں کی رعایت سے خود طواف کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی واجب شرعی نہیں ہے مگر جائز ہے۔ اس میں مسافروں کو بہت سہولت ہے۔

مناسب عنوان چہارم (یعنی خط و کتابت)

(۱) فرمایا کہ سوال اس طرح کرنا چاہئے کہ اس کی عبارت مختصر ہو اور معنی خیز ہو بعض لوگ خط میں سوال اس طرح لکھتے ہیں کہ جس شخص کو اس معاملہ کی حقیقت نہ معلوم ہو وہ اس عبارت سے کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوال کے اجزاء حل کرنے کی مکرر ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) فرمایا کہ دستی خط کی کچھ قدر میرے دل میں نہیں ہوتی اور سمجھتا ہوں کہ اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر اُن کو ضرورت ہوتی تو پیسہ خرچ کرکے ڈاک میں بھیجتے۔

(۳) فرمایا کہ مجھ کو آجکل کی نئی عبارت سے بیحد نفرت ہے عجیب رنگ کی عبارت ہوتی ہے مغالطات جھوٹی باتیں باطل کو حق کے پیرایہ میں دکھا دینا اس کا خاصہ ہے کسی بڑے مکار شخص نے ایجاد کی ہوگی۔

اب احقر اس عنوان پنجم اصول متفرقہ کو بھی جو پنج گنج اشرف کا آخیر عنوان ہے ختم کرتا ہے۔

حضرت والا کے جتنے اصول و ضوابط پنج گنج اشرف میں بیان کئے گئے ہیں اُن سے ناظرین کرام نے بخوبی اندازہ فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا کے یہاں ہر بات نہایت منظم ہے اور ہر چیز کا ایک نہایت معقول ضابطہ ہے اور جو اس کے خلاف عمل کرتا ہے اس پر ناخوشی کا اظہار فرمایا جاتا ہے لیکن حضرت والا تجسس ہرگز نہیں فرماتے البتہ جب خود کسی کی بے عنوانی ظاہر ہو جاتی ہے تو پھر تسامح بھی نہیں فرماتے سبحان اللہ یہی طریق شریعت کے مطابق بھی ہے۔

بے اصول لوگ اِن ضابطوں کو سختی سمجھتے ہیں حالانکہ تمام شریعت مقدسہ ضابطہ اور انتظام ہی کا مجموعہ ہے اور بزرگان سلف کا بھی یہی طریق رہا ہے۔

حضرت والا اپنے معمولات کی تائید میں بکثرت دلائل شرعیہ اور اقوال اکابر نقل فرمایا کرتے ہیں اور انتظام کی شرعی اور عقلی ضرورت پر بہت پُرزور تقریرات فرماتے رہتے ہیں جن میں سے بعض مختلف مواقع پر پیش بھی کی جا چکی ہیں اور بعض بطور نمونہ مختصراً یہاں بھی نقل کی جاتی ہیں۔

ماخوذ از اشرف المعمولات بحاصلہ

فرمایا کہ آجکل لوگوں کو دوسرے کی راحت وتکلیف کا ذرا خیال نہیں۔ اب اگر کوئی انتظام کرنے لگے تو اُسے قانون ساز کہتے ہیں۔ چنانچہ میرے یہاں اس قسم کی باتوں پر روک ٹوک اور انتظام بہت ہے جس پر عنایت فرماؤں نے مجھے بہت کچھ خطاب دے رکھے ہیں ایک صاحب نے تو میرے منھ پر کہا۔ کہ تمھارے مزاج میں تو انگریزوں کا سا انتظام ہے۔ افسوس گویا اسلام میں انتظام ہی نہیں بس اسلام تو اُن کے نزدیک بے انتظامی کا نام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ انگریزوں میں مسلمانوں کا سا انتظام ہے تو ایک درجہ میں صحیح ہو سکتا ہے۔ اھ

دیگر از اشرف المعمولات

ایک مرتبہ نماز عصر کے وقت مؤذن سے ایک معمار نے کہ وہ اُسوقت اپنی تعمیر کے کام میں مشغول تھا اذان کہنے کی اجازت چاہی مؤذن نے اُس کو اجازت دیدی تو اُس نے خلاف معمول باورچی خانے کی چھت پر کھڑے ہو کر کہ وہاں حضرت مولانا کی نشستگاہ تیار ہو رہی تھی اذان کہدی۔ جب وہ اذان کہہ چکا تو مولانا نے اُس سے بلا کر دریافت کیا کہ تم نے کس کی اجازت سے اذان کہی ہے اُس نے عرض کیا کہ مؤذن نے مجھے اجازت دیدی تھی۔ مولانا نے مؤذن کو بُلا کر تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تم نے بلا ضرورت کیوں اجازت دی۔ پھر فرمایا کہ بدانتظامی سے دوسروں کو بھی تکلیف پہونچتی ہے اور اپنے کو بھی۔ دیکھئے اسوقت اس واقعہ میں کتنی مصلحتیں فوت ہوئیں اس معمار نے اتنی دیر کام کا حرج کیا اور مؤذن کو اپنے کام سے بیفکری ہوئی اور اسکی عادت پڑنا ٹھیک نہیں اور اہل محلہ کو خواہی نخواہی وحشت ہوئی کہ وہ سمجھیں گے کہ اب چھت پر اذان ہوا کرے گی ہمارے گھروں کی بے پردگی ہوگی اور وہ غریب لوگ ہیں بوجہ لحاظ کے کچھ نہیں کہہ سکتے مگر اُن کو کلفت و پریشانی تو ہوئی۔ یہ تمام خرابی معمول بدلنے سے اور بے انتظامی سے ہوئی اور فرمایا کہ کیسا افسوس ہے کہ امور دنیا میں تو ہر شخص کے یہاں انتظام اور اہتمام ہے اور امور دین میں اس قدر بے اہتمامی اور بے انتظامی شائع ہوئی ہے کہ کچھ بھی انتظام نہیں رہا لوگ سمجھتے ہیں کہ دین میں انتظام نہیں ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے شمائل ترمذی میں مروی ہے کان لہ عتاد فی کل شئ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہر (ضروری) امر کا سامان تھا جس کا منشا ضابطہ کی رعایت والتزام ہے پس اس سے آپ کی انتظامی شان ثابت ہوگئی حتی کہ ایک روز ازواج مطہرات نے بستر مبارک کو دو تہ کرکے بچھا دیا تھا۔ اُس روز حضور دیر میں بیدار ہوئے

فرمایا کہ آج ضرور کوئی جدید بات ہوئی ہے آخر بستر کو ایک تہ کرایا پھر فرمایا حجرے میں نوافل پڑھ لینا تو خیر بغیر انتظام بھی ممکن ہے لیکن عظیم الشان سلطنت کا کام بغیر انتظام کیونکر ہو سکتا ہے۔ تو اگر دین میں انتظام بالکل نہیں تھا تو حضرات صحابہ کرام کو یہ عظیم الشان سلطنت کیا بے انتظامی ہی سے ملگئی تھی۔ حاشا وکلا دین میں تو یہانتک انتظام ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے تکبیر شروع کی تو آپ نے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ تکبیر اُس کا حق ہے جو اذان کہے اور یہ انتظام ہی ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قاضی انصار میں سے ہونا چاہئے اور مؤذن اہل حبشہ میں سے کیونکہ اہل حبشہ قوی ہوتے ہیں اور اس لئے اُن کی آواز بھی بلند ہوتی ہے۔

دیگر از اشرف المعمولات

فرمایا کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے تمام کاموں کو انتظام کے ساتھ کرے اس سے اپنے کو بھی راحت ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی۔

دیگر از یادداشت احقر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ یہ معمولات اور انتظامات میں نے اپنی مدت کے تجربوں کے بعد مقرر کئے ہیں اب اگر کسی کو ان سے اچھے معمولات اور انتظامات معلوم ہوں وہ مجھ کو بتائے میں بجان ودل قبول کرنے کو تیار رہوں بشرطیکہ میری سمجھ میں آجائیں ورنہ اُن میں جو خرابیاں مجھ کو نظر آئیں گی وہ ظاہر کرونگا اور جب اُس مشیر کی طرف سے اُن کا قابل اطمینان جواب ہو جائیگا تو واللہ میں اپنا تمام انتظام بدلنے پر تیار ہوں کیونکہ یہ کوئی شرعی مسئلہ تو ہے نہیں اپنی اور اپنے دوستوں کی سہولت کے لئے اور وہ بھی مدتوں کے تجربوں کے بعد اور الحمد للہ شریعت کے مطابق دستور العمل مقرر کیا ہے اگر اب انھیں باتوں کا خیال رکھکر کہ شریعت کے موافق بھی ہو اور جانبین کی سہولت اور راحت کی بھی پوری رعایت ہو کوئی دوسرا دستور العمل بنادو میں مان لونگا۔ لوگ معمولات میں تو بدلیل صلاح دیتے نہیں اور اُن کے نتائج میں اعتراض کرتے ہیں ۱ھ

دیگر از یادداشت احقر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اکثر قانون ومروت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور گو میرے قوانین وضوابط کو خلاف مروت سمجھا جاتا ہے۔ مگر ان کی قدر بعد میں معلوم ہوگی۔ لوگ تمنا کیا کریں گے بلکہ اب بھی جب مفاسد پیش آتے ہیں تب ان کی قدر ومنزلت معلوم ہو جاتی ہے اور میرا حوالہ دیا جاتا ہے اور مجھ کو یاد کیا جاتا ہے

بات یہ ہے کہ یہ قوانین میں نے سوچ سوچ کر نہیں گڑھے ہیں تجربوں نے ان قوانین کے پابند ہونے پر مجبور کیا ہے اور جس کو بھی اس قسم کے معاملات پیش آئیں گے اس کو ایسے ہی قوانین کی ضرورت پیش آئیگی بلکہ میں تو قانون بنانے میں بھی اہل معاملہ کی سہولت اور راحت کی بہت رعایت رکھتا ہوں دوسروں سے تو یہ رعایت بھی نہ ہو سکے گی۔ اھ

دیگر از یادداشت احقر

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بزرگان سلف میں تو یہاں تک انتظام کا اہتمام تھا کہ ایک بزرگ نے اپنا یہ معمول مقرر فرما رکھا تھا کہ جب کوئی نیا طالب آکر مہمان ہوتا تو اس کو روٹی اور سالن تناسب کے ساتھ بھیجتے یعنی جتنی روٹیاں ہوتی تھیں انھیں کے لحاظ سے سالن کی بھی مقدار ہوتی تھی اور پھر جو کھانا بچکر آتا اس کو دیکھتے کہ آیا روٹی اور سالن تناسب ہی سے بچکر آیا ہے یا کم زیادہ اگر ان دونوں چیزوں کی مقدار متناسب نہ ہوتی تو صاف فرما دیتے کہ بھائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اندر انتظام نہیں ہے اور ہماری طبیعت میں انتظام ہے لہذا ہمارا تمہارا نباہ نہ ہوگا کسی ایسے پیر کو ڈھونڈھو جس میں انتظام نہ ہو۔

اسی طرح دو شخص حضرت سلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئے وہ کہیں آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے وطن کی مسجد میں جو حوض ہے وہ یہاں کے حوض سے بہت بڑا ہے۔ یہ بات سلطان جی نے بھی سن لی فوراً طلب فرمایا اور پوچھا کہ کیا تم نے دونوں حوضوں کی پیمائش کر لی ہے عرض کیا پیمائش تو نہیں کی اندازے سے کہا ہے۔ فرمایا انداز کا کیا اعتبار بلا تحقیق بات کیوں کہی اچھا جاؤ ناپ کر آؤ۔ چنانچہ وہ ڈرتے ڈرتے گئے کہ کہیں ہماری بات غلط نہ نکلے لیکن خیر جب وہاں پہونچکر ناپا تو واقعی وہ حوض ایک بالشت بڑا ہی نکلا اسپر وہ بہت خوش ہوئے کہ ہماری بات غلط نہ نکلی اور جب حاضر ہوئے تو اپنے نزدیک سرخرو بنکر عرض کیا کہ حضرت ناپنے پر بھی وہی حوض بڑا نکلا فرمایا کہ تم نے تو کہا تھا کہ وہ حوض اس حوض سے بہت بڑا ہے کیا صرف ایک بالشت بڑے ہونے پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ بہت بڑا ہے معلوم ہوتا ہے تمہارے اندر احتیاط کا مادہ نہیں ہے لہذا ہمارے یہاں تمہارا کام نہیں اور کہیں جاؤ چنانچہ اُن کو بیعت میں قبول نہیں فرمایا۔ اھ

پھر حضرت والا نے فرمایا کہ وہ حضرات تو امتحان لیتے تھے میں تو امتحان بھی نہیں لیتا ہاں ایسا برتاؤ ضرور کرتا ہوں جس سے آنے والے کے جذبات اصلیہ سب ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اھ

اکابر سلف کی کتب میں بھی حضرت والا کے معمولات کی تائیدات بکثرت ملتی ہیں جن کو دیکھکر یا سنکر

حضرت والا کو بہت اطمینان اور سرور ہوتا ہے اور فرمایا کرتے ہیں کہ گو میں نے کتابیں دیکھ دیکھ کر اپنے معمولات مقرر نہیں کئے لیکن الحمدللہ بزرگوں کی برکت سے قلب میں وہی باتیں آتی ہیں جو سلف کا معمول تھیں۔ لوگ تو سلف کی تائید سے افسردہ ہوجاتے ہیں کہ ہم موجد نہ رہے اور مجھکو اس سے نہایت مسرت ہوتی ہے کہ الحمدللہ اب اپنی بات پر اطمینان ہوگیا اھ

حضرت والا طبقات کبریٰ سے بھی جسکا آجکل انتخاب فرمارہے ہیں اپنی تائیدات بکثرت نقل فرمایا کرتے ہیں۔

غرض حضرت والا کا یہ کوئی نیا طریق نہیں ہے بلکہ حضرت والا نے تو پُرانے ہی طریق کو جو مردہ ہوچکا تھا اور جس سے اتنی اجنبیت ہوگئی تھی کہ اس کو ایک بالکل نیا طریق سمجھا جانے لگا تھا ازسرِنو زندہ کیا ہے۔

اب آخر میں حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "الامر المحکم المربوط فیما یلزم اہل طریق اللہ من الشروط" سے حضرت والا کے معمولات کی چند تائیدات مع ترجمہ ملخصاً نقل کرکے تیغ گنج اشرف کو ختم کیا جاتا ہے۔ وھی ھذہٖ۔

(۱) ھوا معنی الشفقۃ والرحمۃ الا ان تنقذ اخاک من النار الی الجنۃ و تنقلہ من الجھل الی العلم ومن المذموم الی المحمود ومن النقص الی الکمال	اور شفقت و رحمت کے اس کے سوائے کوئی معنے نہیں کہ تم اپنے بھائی کو عذاب دوزخ سے نکالکر جنت کی طرف لے جاؤ اور جہل سے علم کی طرف اور مذمت سے حمد کی طرف اور نقصان سے کمال کی طرف منتقل کرو۔
(۲) فلابد من مؤدب وھو الاستاذ فان ھذا الطریق لما کان فی غایۃ الشرف والعزۃ حفت بہ الآفات والقواطع والامور المھلکۃ من کل جانب فلا یسلکہ الا شجاع مقدام یکون معہ دلیل علام وحینئذ تقع الفائدۃ فعلی الشیخ ان یوفی حق مرتبتہ و علی المرید ان یوفی حق طریقتہ علم ان مقام المشیخۃ لیس ھو الغایۃ فان الشیخ ایضا طالب من ربہ ما لیس عندہ لان اللہ یقول لنبیہ علیہ السلام	الغرض سالک کے لئے مؤدب کی سخت ضرورت ہے اور اس کا نام اصلاح میں اُستاد اور معلم اور شیخ ہے اس لئے کہ یہ طریق چونکہ شرف و عزت میں انتہائی درجہ رکھتا ہے اس لئے اُس پر ہر طرف سے آفات اور موانع اور ایسے امور کا ہجوم ہے جو انسان کو ہلاک کرنے والے ہیں اس لئے اس راستہ پر وہی چل سکتا ہے جو بہادر قوی الہمۃ اور پیش قدمی کرنیوالا اور اس کے ساتھ کوئی ماہر تجربہ کار رہبر بھی ہو اس وقت اس راستہ پر چلنے کا فائدہ ظاہر ہوسکتا ہے اسلئے شیخ کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنے مرتبہ (تادیب و تعلیم) کا حق پورا ادا کرے اور مرید کے ذمہ واجب ہے کہ طریق کا حق ادا کرے خوب سمجھ لیجئے کہ مقام شیخوخت (یعنی کسی کا پیر اور مصلح ہوجانا) یہ انتہائی مقصود نہیں کیونکہ شیخ بھی اپنے رب سے اس چیز کا طالب ہے جو اسکو حاصل نہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔

وقل رب زدنی علما فصفة الاستاذ ان یکون عارفا بالخواطر النفسیه والشیطانیة والملکیة والربانیة عارفا بالاصل الذی تنبعث منه هٰذه الخواطر عارفا بحرکاتها الظاهرة عارفا بما فیهما من العلل والامراض الصارفة عن صحة الوصول الی عین الحقیقة عارفا بالادویة واعیانها عارفا بالازمنة التی تحمل المرید فیها علی استعمالها عارفا بالامزجة عارفا بالعوائق والعلائق الخارجة مثل الوالدین والاولاد والاهل والسلطان عارفا بسیاساتهم ویخذ به المرید صاحب العلة من ایدیهم هذا کله اذا کان للمرید له رغبة فی طریق الله وان لم یکن له رغبة فلا ینفع	وقل رب زدنی علما (یعنی اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم زیادہ فرمادیجئے) اسلئے شیخ اور استاد کی یہ صفت ہونی چاہئے کہ وہ خواطر نفسانی و شیطانی اور ملکوتی و ربانی سے پورا واقف ہو نیز اس اصل کا پہچاننا بھی ضروری ہے جس سے یہ خطرات منبعث (یعنی پیدا) ہوئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان خطرات کے ظاہری حرکات سے (یعنی انبعاثات سے جن کا وجود محسوس ہے) اور اُن میں جو امراض و علل ہیں جو عین حقیقت کی طرف پہونچنے سے مانع ہیں پورا واقف ہو (خواطر نفسیہ و شیطانیہ میں تو بالذات بھی امراض و علل واقع ہو جاتے ہیں اور خواطر ملکیہ و ربانیہ میں بعض اوقات دوسرے عوارض سے بعض علل کی آمیزش ہو جاتی ہے تو شیخ کا ان سب سے واقف ہونا شرط ہے) اور ضروری ہے کہ امراض کی دواؤں اور انکی کیفیات و حقیقت سے بھی واقف ہو اور اُن اوقات سے بھی واقف ہو جن میں مرید کو ان دواؤں کے استعمال پر آمادہ کیا جائے نیز مریدوں کے اختلاف مزاج اور خارجی علائق و موانع کو مثلاً والدین اور اہل و عیال اور بادشاہ وغیرہ (تعلقات کی مانعیت) کو جانتا ہو اور اُنکی سیاست و تدبیر سے واقف ہو اور مریض مرید کو ان کے (یعنی ان علائق و موانع کے) پنجے سے نکالے اور یہ سب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مرید کو اللہ کے راستہ میں رغبت ہو اور اگر اُسی کو رغبت نہیں تو پھر کوئی نفع نہیں۔
(۳) ومن شرط الشیخ ان لا یترک المرید یبرح من منزله البتة الا باذنه لحاجة یوجبه فیها	شیخ کے لئے یہ شرط ہے کہ مرید کو آزاد نہ چھوڑے کہ جہاں چاہے جائے بلکہ جب گھر سے نکلے تو اجازت لیکر نکلے اور جس کام کے لئے جائے شیخ کی اجازت سے جائے۔
(۴) ومن شرطه ان یعاتب المرید علی کل هفوة تصدر منه ولا سبیل الی الصفح عنه فی زلة فان فعل فلم یوف حق المقام الذی هو فیه فهو امام غاش لرعیته غیر قائم لحرمة ربه فان النبی علیه السلام	شیخ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو ہر لغزش پر جو اُس سے صادر ہو تنبیہ و زجر و توبیخ کرے اور اُس میں عفو و مسامحت کو راہ نہ دے اور اگر عفو[عہ] سے کام لیا تو اُس نے اُس مقام (شیخوخت) کا حق ادا نہ کیا جس پر وہ قائم ہے بلکہ وہ ایک بادشاہ ہے جو اپنی رعیت سے خیانت کرتا ہے اور اپنے رب کی حرمت و عظمت پر قائم نہیں اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

عہ عفو سے مراد عدم مواخذہ ہے ۱۲

يقول من ابدى لنا صفحة اقمنا عليه الحد۔	من ابدى لنا صفحة اقمنا عليه الحد یعنی جو شخص ہمارے سامنے اپنا چہرہ ظاہر کریگا (مراد یہ ہے کہ جس کا جرم ظاہر ہو جائیگا) ہم اُسپر حد قائم کرینگے۔
(۵) الشيخ اذا لم يكن صاحب ذوق واخذ الطريق من الكتاب وافواه الرجال وقعد يربي به المريد طلبًا للمرتبة والرياسة فانه مهلك لمن تبعه لانه لا يعرف مورد الطالب ولا مصدره فلا بد ان يكون عند الشيخ دين الانبياء وتدبير الاطباء وسياسة الملوك و حينئذ يقال له استاذ و يجب على الشيخ ان لا يقبل مريدًا حتى يختبره۔	شیخ جبکہ صاحب ذوق نہ ہو اور طریق کو محض کتب تصوف دیکھکر یا لوگوں سے سن سنا کر حاصل کیا اور وجاہت و ریاست کے لئے مریدوں کی اصلاح و تربیت کرنے بیٹھ گیا تو وہ مرید کے لئے مہلک ہے اسلئے کہ وہ طالب سالک کے مصدر و مورد اور تغیر حالات کو نہیں سمجھتا اسلئے ضروری ہے کہ شیخ کو انبیاء علیہم السلام کا دین اور اطباء کی تدبیر اور بادشاہوں کی سیاست حاصل ہو اُسوقت اُس کو استاد کہا جا سکتا ہے اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی مرید کو بغیر امتحان و آزمائش کے قبول نہ کرے۔
(۶) ومن شرطه ان يحاسب المريد على انفاسه وحركاته ويضيق على قدر صدقه في اتباعه فانه طريق الشدة ليس للرخاء فيه مدخل لان الرخص انما هي للعامة	اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کے ہر سانس اور ہر حرکت کا محاسبہ کرے اور جتنا زیادہ اُس کو مطیع و متبع دیکھے اُس پر اس معاملہ میں تنگی کرے کیونکہ یہ راستہ ہی شدت کا ہے اس میں نرمی کو دخل نہیں کیونکہ رخصتیں تو عوام کے لئے ہیں۔
(۷) ومتى رأيت الشيخ ترك المريد يستدل عليه في المسائل بالادلة الشرعية او العقلية ولا يزجره ويجره عليها فقد خانه في التربية والاولى بالشيخ اذا رأى المريد يجنح الى استعمال عقله في النظريات ولا يرجع الى رأيه في ما يدله عليه فليطرده عنه لئلا يفسد عليه بقية اصحابه ولا يفلح هو في نفسه ويجب على الشيخ اذا علم حرمته قد ذهبت من قلب المريد ان يطرده عن منزله بسياسته فانه اكبر الاعداء ويحسبه الاشتغال بظواهر الشريعة وطريق	اور جب تم کسی شیخ کو دیکھو کہ وہ مرید کو آزاد چھوڑے ہوئے ہے اور مرید اُس کے مقابلہ (یعنی مخاطبہ) میں ادلہ شرعیہ یا عقلیہ سے استدلال کرتا ہے اور شیخ اُس کو زجر و توبیخ نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ وہ تربیت میں خیانت کر رہا ہے اور شیخ کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ جب وہ کسی مرید کو دیکھے کہ وہ نظریات میں اپنی عقل کا استعمال کرتا ہے اور شیخ نے جو کچھ اُس کو بتلایا ہے اُس میں شیخ کی رائے کی طرف رجوع نہیں کرتا تو چاہیئے کہ اُس کو اپنی مجلس (یا خانقاہ) سے نکال دے اس لئے کہ وہ دوسرے مریدوں کو بھی خراب کر دیگا اور خود کوئی فلاح نہ پائے گا۔ اور شیخ کے ذمہ واجب ہے کہ جب یہ سمجھے کہ کسی مرید کے قلب میں سے اُس کی حرمت اور بڑائی نکل گئی تو اس کو اپنی سیاست کے ذریعہ اپنے گھر سے نکال دے کیونکہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے اور

العبادة حسنة فی العموم۔	ایسے شخص کے لئے ظواہر شریعت اور عام طریق عبادت کا اشتغال واجب ہے۔
(۸) یجب علی الشیخ ان یکون لہ وقت مع ربہ ولا یتکل علی ما حصل لہ من الحضور مع الحق تعالیٰ	اور شیخ پر واجب ہے کہ اپنے لئے کوئی وقت خلوت مع اللہ کے لئے رکھے اور اس قوت حضور پر اعتماد نہ کرے جو اس کو حاصل ہو چکی ہے۔
(۹) ومن شرط الشیخ ان لا یترک مریدہ یجالس احدا سوی اخوتہ الذین معہ تحت حکمہ ولا یزور ولا یزار ولا یکلم احدا فی خیر ولا فی شر ولا یحدث بما ظہر علیہ من کرامۃ و ذا ھد مع اخوتہ ومتی ترکہ الشیخ یفعل شیئا من ھذہ الافعال فقد اساء فی حقہ	اور شیخ کی شرائط و آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو کسی کے پاس نہ بیٹھنے دے سوائے اُن برادران طریقت کے جو اس کے ساتھ اس کام میں اُسی شیخ کے زیر حکم جمع ہیں اور اس کو ہدایت کرے کہ نہ وہ کسی سے ملنے جائے اور نہ اس کے پاس کوئی ملنے کے لئے آئے اور کسی سے اچھا یا برا کلام نہ کرے اور جو کچھ اُس کو سال میں پیش آئے یا کرامت ظاہر ہو تو اپنے برادران طریقت میں بھی کسی سے بیان نہ کرے اور اگر شیخ مرید کو ان افعال میں سے کسی فعل کے کرنے پر آزاد چھوڑ دے تو اس کے حق میں برائی کرتا ہے۔
(۱۰) ومن شرطہ ان لا یجالس تلامیذہ الا مرۃ واحدۃ فی الیوم واللیلۃ	اور شیخ کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ اپنے مریدین کے ساتھ مجالست رات دن میں ایک مرتبہ سے زیادہ نہ کرے۔
(۱۱) ولا یترک الشیخ المریدین یجتمعون اصلا دونہ الا اذا جمعتہم بحضرتہ ومتی ترکہم یجتمعون دونہ فقد اساء فی حقہم	اور شیخ کو چاہئے کہ مریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ ہونے دے اور جو شیخ اس میں مسامحت کرے وہ مریدین کے حق میں برا کرتا ہے۔

الحمد للہ مجالس گنج اشرف ختم ہوا اور اب باب ہذا ارشاد و افاضۂ باطنی کو بھی ایک خاتمہ لکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دیا جائے گا۔

خاتمۃ الباب

حضرت والا کے ارشادات و افاضات جو باب ہذا ارشاد و افاضۂ باطنی میں بطور نمونہ ہدیۂ ناظرین کئے گئے ہیں ہرگز کسی تبصرہ کے محتاج نہیں کیونکہ وہ بمصداق قول مشہور ع مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ گوش حق نیوش رکھنے والوں کے سامنے آپ ہی اپنی شوکت و شان بہ بانگ دہل بیان کر رہے ہیں بالخصوص اس نااہل و ناآشنائے طریق کا جو صرف ایک ناقل محض کی حیثیت رکھتا ہے کیا منہ ہے کہ

اُن کے متعلق کوئی رائے زنی کر سکے لیکن اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ گو اس سیہ کار و بدکردار سہل انگار غفلت شعار کو حضرت والا سے باقاعدہ فیوض و برکات حاصل کرنے اور ارشادات و تعلیمات پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی لیکن اس سی سالہ تعلق خادمیت کے دوران میں حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے ایسے ایسے حقائق و معارف سننے میں آئے ہیں کہ الحمد للہ طریق بالکل صاف نظر آنے لگا ہے۔ چلنا نہ چلنا اور بات ہے اور حق روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے ماننا نہ ماننا امر دیگر ہے۔ اور اپنی اس سی سالہ مدت تعلق میں بفضلہ تعالیٰ و بتوجہات حضرت والا اس شعر کا بلا مبالغہ صحیح ہونا متحقق ہو گیا ہے ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

توفیق ہونا نہ ہونا دوسری چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ببرکت حضرت والا فہم سلیم اور توفیق عمل بھی عطا فرمائے اور مکائد نفس و شیطان سے بچائے اور ہر قسم کی گمراہی اور محرومی سے باز رکھ کر مقصود حقیقی تک پہونچائے آمین ثم آمین غرض احقر جو حضرت والا کے ملفوظات کا محض ناقل ہے بالکل اس شعر کا مصداق ہے ؎

ز سنج خار کشیدم نہ بوئے گل دیدم
ز عندلیب شنیدم کہ نو بہارے ہست

اللہ تعالیٰ ببرکت حضرت والا اس شنیدہ کو دیدہ بھی بنا دے اور اس بہار بے خزاں کا مشاہدہ بھی کرا دے وما ذالک علی اللہ بعزیز حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس کی کافی تحقیق و تدقیق نہ فرما دی ہو۔ بالخصوص تصوف کا تو کوئی ضروری جزو ایسا باقی نہیں رہا جو مخفی یا مبہم رہ گیا ہو اور جس کی پوری تحقیق تحریراً و تقریراً قالاً و حالاً حضرت والا نہ فرما چکے ہوں۔ غرض دین کے راستہ کو بحمد اللہ ایسا بے غبار اور واضح فرما دیا ہے کہ طالب حق کو کوئی وجہ خفا باقی نہیں رہی کیونکہ رسوم و بدعات نے جو حقائق پر پردہ ڈال رکھا تھا اس کو اٹھا کر حضرت والا نے دین کو اس کی اصلی صورت میں جلوہ گر فرما دیا ہے اور اصلاح اخلاق کا باب جو مدت سے مسدود پڑا ہوا تھا اس زمانہ کثیر الفتن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے مقدس ہاتھوں سے از سر نو مفتوح کرا دیا ہے رسوم و بدعات کے غلبہ نے عرصہ دراز سے شریعت و تصوف کے حقائق کو عموماً بالکل مستور اور مخلوط کر رکھا تھا اور لوگ زوائد میں مبتلا ہو کر مقاصد طریق سے کوسوں دور جا پڑے تھے۔ غرض عجیب خلط مبحث ہو رہا تھا اور تجدید دین کی سخت ضرورت واقع ہو چکی تھی کہ امت مرحومہ پر رحمت الٰہیہ متوجہ ہوئی اور حضرت حکیم الامت کے ذریعہ سے اس ضرورت کو پورا فرما دیا گیا فللّٰہ الحمد حمداً کثیراً۔

حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ اس خلط مبحث کو جو جملہ شعب دینیہ میں بالخصوص تصوف میں واقع ہو گیا تھا دور فرما کر دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر کے دکھا دیا ہے اور تمام ضروری حقائق دینیہ کو ایسا صاف

اور واضح فرمادیا ہے کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ صدیوں تک طالبان دین کو تلاش حق میں کوئی دقت نہ رہے گی۔
اس موقع پر ایک حقیقت شناس کا ایک قول یاد آتا ہے۔ ایک مجمع معتقدین میں اس کا سخت افسوس ظاہر کیا جارہا تھا کہ حضرت والا کی سی شان کا اب کوئی دوسرا نظر نہیں آتا اسپر اُنھوں نے کہا کہ ابھی ہمیں اس کی فکر ہی کیا ہے حضرت نے تو بفضلہ تعالےٰ ایک ایسی ہانڈی پکاکر سب کے سامنے رکھدی ہے کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ کم از کم دو صدی تک تو کسی کو کچھ فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں بس اُسی میں سے پکی پکائی نکالتے رہو اور کھاتے رہو اھ

یہ سن کر سب پر ایک خاص سکون کی کیفیت طاری ہوگئی اور افسردگی مبدل بہ انبساط ہوگئی۔

سبحان اللہ واقعی بالکل صحیح کہا کیونکہ حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ صدیوں کے لئے دین کے راستہ اور وصول الی اللہ کے طریق کو تمام جھاڑ جھنکار اور خس و خاشاک سے ایسا پاک فرمادیا ہے کہ سالکین کو قطع طریق میں کوئی دشواری ہی نہیں رہی نہایت سہولت کے ساتھ مقصود حقیقی تک رسائی ہوسکتی ہے اسپر آج ۱۶؍ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ ہی کا ایک واقعہ یاد آیا حضرت والا نے ایک طالب کی خط و کتابت کا یہ خلاصہ سنایا کہ پہلے اُنھوں نے آنے کی اجازت چاہی حضرت والا نے حسب معمول غایت پوچھی تو لکھا کہ فیض حاصل کرنے کے لئے آنا چاہتا ہوں حضرت والا نے مکرر استفسار فرمایا کہ اگر فیض حاصل نہ ہو۔ اھ اسپر انھوں نے لکھا کہ اگر فیض نہ بھی حاصل ہو تب بھی مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی مشیت حق پر راضی رہونگا اھ آج حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے کہ اچھا اب یہ لکھو کہ فیض کس کو سمجھتے ہو اھ پھر یہ خلاصہ سنا کر حضرت والا نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کوئی بات گول نہ رہے راستہ بالکل صاف ہوجائے نہ کوئی کنکر رہے نہ پتھر نہ نشیب رہے نہ فراز بالکل صاف اور ہموار ہوجائے ایسا کہ بس پھر آنکھ بند کئے چلا جائے کہیں کوئی رکاوٹ ہی نہ ہو بس یہی میرا جرم ہے جس پر میں بدنام ہوں۔ اور مجھ پر سختی کا الزام ہے اھ

حضرت والا نے بالخصوص نفس کے تو ایسے ایسے خفی مکائد کو ظاہر فرمایا ہے کہ جو بڑے بڑے اہل بصیرت سے بھی پوشیدہ تھے اور جن کی طرف عموماً التفات نہ ہونے کی وجہ سے اصلاح نفس کی تکمیل ہی سے محرومی رہتی تھی جس کا کہ بہت سے اہل بصیرت کو اقرار کرنا پڑا ہے اور اگر طریق سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والا بھی حضرت والا کے مضامین متعلقۂ اصلاح کو بغور و انصاف دیکھے گا تو اُس کو بھی یہی اقرار کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ناظرین کرام کو بھی باب ہٰذا کے مطالعہ سے اس کی فی الجملہ تصدیق ہوگئی ہوگی۔

اسپر بطور تفریع کے بے ساختہ ایک صاحب نسبت اہل علم کا رویائے صادقہ یاد آگیا جو ایک ہم سلسلہ شیخ کامل سے بیعت تھے اُنھوں نے اعلیٰحضرت حاجی صاحب رح کو خواب میں یہ فرماتے دیکھا کہ ہم کو

نسبت تو حاصل ہے لیکن اگر اپنے اخلاق کی اصلاح چاہتے ہو تو مولوی اشرف علی صاحب سے رجوع کرو۔اھ اسی قسم کی غیبی ہدایات حضرت والا سے رجوع کرنے کی بذریعہ رؤیا صادقہ بہت سے طالبین کو ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں جن سے رسالہ اصدق الرؤیا پُر ہے۔

امر اصلاح میں حضرت والا کی اس درجہ دقّتِ نظر کا راز یہ ہے کہ حضرت والا خود اپنے نفس کی ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں اور اس کے اتار چڑھاؤ کو بغور دیکھتے رہتے ہیں اس لئے حضرت والا کو نفوس کے اُتار چڑھاؤ اور انسانی جذبات کے مدّوجزر کا خوب اندازہ ہے۔چنانچہ فرمایا کرتے ہیں (جس کی تائید رات دن کے مشاہدہ سے بھی ہوتی رہتی ہے) کہ مجھ سے کسی کا اپنے نفس کی چوریاں پوشیدہ رکھنا بہت دشوار ہے کیونکہ مجھ کو نفس کے اتار چڑھاؤ کا خوب تجربہ ہے اور قلب کے تقلبات کا خوب اندازہ ہے اھ (بمصداق شعر غالب ؎

نکتہ چیں ہے غم دل اس سے چھپائے نہ بنے		کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے	

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول تو حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے خلقۃً غایت درجہ کا لطیف الطبع اور انتہا درجہ کا ذکی الحس پیدا فرمایا ہے چنانچہ دیکھنے والوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت والا لطافتِ طبع اور ذکاوتِ حس اور نزاکتِ مزاج میں اپنے زمانہ کے گویا حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ہیں پھر کثرت ذکر و فکر نے اس فطری لطافت کو اور بھی لطیف تر کر دیا ہے لہذا حضرت والا کو ہر اچھی بُری بات کا فوراً احساس ہونے لگتا ہے۔چنانچہ ایکبار بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ میری طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہو کہ مجھ پر اچھی بات کا بھی فوراً اثر ہوتا ہے اور اسی طرح بُری بات کا بھی لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہو کہ مجھ کو بُری باتوں سے طبعاً نفرت و وحشت ہے اسلئے اُن سے الگ ہی رہتا ہوں اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ اس کا سبب سلامت فطرت اور لطافت حس ہے۔ایسے سلیم الفطرت اور لطیف الحس حضرات کے لئے بُری باتوں سے نفرت و وحشت لازمی ہے کیونکہ ادنیٰ اتفاقی تلبس و تشبث بھی باعث تاثر و تصور اور تاثر و تصور موجب تالم و تکدر اور تالم و تکدر مورث توحش و تنفر اور توحش و تنفر سبب تحرز و تجنب ہو جاتا ہے۔

غرض چونکہ ایسی حساس طبیعت رکھنے والا بزرگ بوجہ اس عالم کے مجمع خیر و شر ہونے کے جس میں اچھی بُری سبھی قسم کی باتیں دیکھنے سننے میں آتی رہتی ہیں احساسات متنوعہ کا گنجینہ اور جذبات مختلفہ کا آئینہ ہوتا ہے اس لئے وہ جملہ دقائق و شوائب نفسانیہ اور جمیع تقلبات و تاثرات قلبیہ سے اچھی طرح واقف اور تشخیص و معالجۂ امراض نفسانیہ میں خوب ماہر ہوتا ہے اور لوگوں کے نفوس کی باریک سے باریک

چوریاں بھی بہ آسانی پکڑ سکتا ہے۔ اور یہی تفسیر ہے حضرت والا کے اس ارشاد بالا کی کہ مجھکو نفس کے اتار چڑھاؤ کا خوب تجربہ ہے اور قلب کے تقلبات کا خوب اندازہ ہے اھ اور اس ارشاد کی صدہا واقعات سے تصدیق ہوتی ہے چنانچہ ایک صاحب نے اپنے بیٹے کی بیوی کے انتقال پر جو خط لکھا اُس میں اس عنوان سے اپنے غم و اندوہ کا اظہار کیا کہ اُس کی صفات میں سترہ سالہ کا لفظ بھی لکھا حضرت والا کو فوراً احساس ہو گیا کہ ان الفاظ سے تو بوئے شہوت آتی ہے چنانچہ جب اُن سے اسپر مواخذہ کیا گیا تو وہ انکار نہ کر سکے۔

اسی طرح حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ جو طالب آتا ہے اکثر بفضلہ تعالیٰ اُس سے سابقہ پڑتے ہی مجکو اُس کے لب و لہجہ اور طرز و انداز ہی سے اُس کے نفس کی مجموعی حالت کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اُس کے ساتھ فلاں قسم کا برتاؤ مناسب ہوگا اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ واقعی یہ رات دن کا تجربہ ہے کہ جس کے ساتھ جس وقت جس طرح کا برتاؤ حضرت والا فرماتے ہیں آخر میں وہ اُسی برتاؤ کا اہل ثابت ہوتا ہے حالانکہ بعض اوقات دوسرے دیکھنے والوں کو بظاہر احوال تعجب بھی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ عرصہ ہوا ایک نوجوان لڑکا حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت عقیدت کے ساتھ مستدعی بیعت ہوا۔ حضرت والا نے اُس کے ساتھ التفات کا برتاؤ نہیں فرمایا بلکہ ضابطہ کا جواب دے کر ٹال دیا کہ اصلاح الرسوم دیکھ کر رائے قائم کرو۔ احقر نے ازراہ ہمدردی اپنے داموں سے اصلاح الرسوم خرید کر اُس کو دیدی۔ وہ اُس کو دیکھکر چلا گیا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے باپ سے خفا ہو کر بھاگ آیا تھا۔ اسپر حضرت والا دیر تک احقر کو متنبہ فرماتے رہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا جس شخص کے ساتھ جیسا برتاؤ ہو اُس میں کسی کو مزاحم نہیں ہونا چاہئے پھر دیر تک اسپر تقریر فرماتے رہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ جو کام لیتے ہیں اُس کو اُس کام کی سمجھ بھی عطا فرما دیتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد تربیت کا کام فرما رکھا ہے اسلئے اس کی پہچان بھی عطا فرما رکھی ہے کہ کس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے اور کون طالب ہے اور کون نہیں جو طالب نہیں ہوتا اُس کو قلب ہی قبول نہیں کرتا فوراً رد کر دیتا ہے۔ حالانکہ مجھ کو اُس کی حالت کا اُس وقت تفصیلی علم بھی نہیں ہوتا جیسے اگر کوئی شخص مکھی کھا جائے تو اگرچہ کھانے کے وقت کھانے والے کو مکھی کا علم بھی نہ ہو لیکن معدہ کو تو مکھی کی خوب پہچان ہے وہ اُس کو ہرگز قبول نہیں کرتا فوراً نکال باہر کرتا ہے اھ

یہ تو احساسات کے متعلق واقعات تھے جن سے احقر کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت والا احساسات متنوعہ کا گنجینہ ہیں اور جذبات کے تو حضرت والا ایسے نکتہ شناس ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا ماہر نفسیات بھی اتنا نہ ہوگا اس کے متعلق بھی ایک واقعہ اس وقت بے تکلف یاد آ گیا۔

ایک طالب نے جو افسر پولیس ہیں حال ہی میں اپنی بیوی کی شکایت لکھی کہ آئے دن مجھ سے لڑتی رہتی ہے کہ لڑکی کے بیاہ کے واسطے روپیہ لاؤ رشوت لو یا کچھ کرو اور لکھا کہ اہلیہ کے روز کے طعنوں اور لڑائی جھگڑے سے سخت پریشان ہوں اور خوف ہے کہ کوئی بُری راہ نہ اختیار کر بیٹھوں ایسی حالت میں دعا اور مشورہ کا محتاج ہوں اھ

اسپر حضرت والا نے بُری راہ (اشارہ ہے مفارقت کی طرف) اختیار کرنے کے متعلق تو یہ تحریر فرمایا کہ ایسا نہ کیجئے ممکن ہے کہ اُنکے نہ ہونے سے اس سے زیادہ تکلیف ہو اور مشورہ کے متعلق تحریر فرمایا کہ مشورہ تو اہل تجربہ دیتے ہیں میں خود اس شعر کا مصداق ہوں ؎

آنرا کہ عقل و ہمت و تدبیر و رائے نیست　　خوش گفت پردہ دار کہ کس در سرائے نیست

البتہ بجائے تجربہ کے جذبات رکھتا ہوں اُن جذبات کی بنا پر رائے دیتا ہوں کہ بی بی کو ایسے وقت شیطان کی مینا سمجھ کر نقال اور تماشا سمجھ لیا کیجئے غیظ نہ ہوگا اھ

اس سے احقر کے اس قول کی کہ حضرت والا جذبات مختلفہ کا آئینہ ہیں خود حضرت والا کے ارشاد سے تصدیق ہوتی ہے۔ جواب مذکور ان افسر صاحب پولیس کو بہت نافع ہوا چنانچہ اُنھوں نے حضرت والا کو لکھا کہ حضرت والا کے جواب سے بہت کچھ تسکین ہوئی۔ واقعی حضرت نے عورتوں کی بابت عجیب بات فرمائی کبھی ذہن اسطرف نہیں گیا کہ ان کو شیطان کی مینا سمجھوں۔ دراصل شیطان کی مینا ہیں۔ بہت سے عقدے غور کرنے سے حل ہوگئے اور بہت سی خلشیں دل سے دور ہوگئیں اور وہ غیظ جو ان کی باتوں پر آیا کرتا تھا اب حضرت والا کے اس فقرے کو ذہن نشین کرنے پر نہیں آتا۔ واللہ کیا بات فرمائی ہے۔ اس فقرے سے بہت ہی لطف آیا اور اب بجائے غیظ کے رحم آنے لگا اھ

حضرت والا نے اس پر تحریر فرمایا کہ الحمد للہ نفع ہوا۔ پھر احقر سے زبانی فرمایا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملوں سے بڑے بڑے نفع لوگوں کو پہونچ جاتے ہیں ورنہ محض الفاظ میں اتنا اثر کہاں کوئی اور تو انھیں الفاظ کو لکھ کر دیکھے اھ پھر یہ شعر پڑھا ؎

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ	قبول خاطر و حسن سخن خدا داد است

غرض چونکہ حضرت والا کو لطافت طبع اور ذکاوت جس کی بدولت ہر قسم کے تاثرات و احساسات کا بخوبی اندازہ ہے اس لئے حضرت والا کو بفضلہ تعالیٰ فطری طور پر تربیت باطنی کا ملکہ تامہ اور معالجہ امراض روحانیہ میں مہارت کاملہ حاصل ہے جیسا کہ مشاہد اور مسلم ہے اور جس کی تصدیق آج ایک دنیا حضرت والا کو بالکل بجا طور پر حکیم الامت کہہ کہہ کر رہی ہے بلکہ اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو ذوقاً یہ محسوس ہوگا کہ یہ جو اس درجہ کثرت کے ساتھ حقائق و معارف طریق اور نکات و دقائق اصلاح حضرت والا کی زبان فیض ترجمان اور قلم حقیقت رقم سے ظاہر ہوئے اور ظاہر ہو رہے ہیں وہ اکثر و بیشتر خود حضرت والا ہی کے احوال و تاثرات کی حکایات ہیں بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

بشنوید اے دوستاں ایں داستاں	خود حقیقت نقد حال ماست آں
نقد حال خویش را گر پے بریم	ہم زدنیا ہم زعقبیٰ برخوریم

اور اگر نظر کو ذرا اور عمیق کیا جائے تو یہ حقیقت بھی منکشف ہو جائے کہ در اصل حضرت والا ہر وقت اپنے ہی تخلیہ اور تحلیہ میں مشغول ہیں اور اس کے دوران میں جو خود اپنے اوپر احوال مختلفہ طاری ہوتے رہتے ہیں اور تجربہ حاصل ہوتے رہتے ہیں اُنھیں کے ذریعہ سے دوسروں کی بھی تربیت فرماتے رہتے ہیں۔

چنانچہ اکثر احوال رفیعہ اور طُرق اصلاح کی پُر زور تقریرات کے وقت صاحبان ذوق کو قریب قریب بداہۃً محسوس ہو جاتا ہے کہ یہ خود اپنے ہی احوال بیان فرمائے جا رہے ہیں اور بعض اوقات خود اس کی تصریح بھی فرما دیتے ہیں کیونکہ حضرت والا کی طبیعت میں فطری طور پر نہایت بے ساختگی اور سادگی ہے جہاں ضرورت یا مصلحت ہوتی ہے یا یوں ہی سلسلۂ کلام میں اپنے محاسن بھی اور اپنے نفس کی منازعت کے واقعات بھی بے تکلف بیان فرما دیا کرتے ہیں اور ایسے مواقع پر بعض اوقات یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ نہ مجھ میں تواضع ہے نہ تکبر۔ سچائی اور صفائی ہے۔ اور طبیعت میں بے ساختگی اور سادگی ہے جس کا سبب آزاد مزاجی ہے جو اُن مجذوب صاحب کی روحانی توجہ کا اثر ہے جن کی دعا سے میں پیدا ہوا ہوں۔ پھر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رح کی صحبت نے اُس میں اور بھی قوت پیدا کر دی کیونکہ مولانا کی ایسی سادہ طبیعت تھی کہ اپنے نقائص بھی اور اپنے کمالات بھی سب کے سامنے حتیٰ کہ اپنے شاگردوں اور مریدوں کے سامنے بھی بالکل صاف صاف اور بے تکلف بیان فرما دیا کرتے تھے اھ

حضرت والا نے بارہا فرمایا کہ گو میں متقی پرہیزگار تو نہیں لیکن الحمد للہ اپنی اصلاح سے غافل بھی نہیں ہمیشہ یہی اُدھیڑ بُن لگی رہتی ہے کہ فلاں حالت میں فلاں تغیر کرنا چاہئے فلاں نقص کی فلاں طریقہ سے اصلاح کرنی چاہئے۔ غرض مجھ کو اپنی کسی حالت پر قناعت نہیں اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت والا کا عمل در آمد بالکل حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش	تا دم آخر دمے فارغ مباش

چنانچہ آجکل بھی سہولت استحضار کے لئے خود ہی ایک شعر تصنیف فرما کر اور اُس کو جلی قلم سے ایک موٹی دفتی پر لکھوا کر اپنے ڈیسک پر رکھ چھوڑا ہے جس کی نقل یہ ہے۔

النظام للکلام

کثرت ذکر و قلت تبیاں	وقت ہیجان طبع کفِ لساں

جب احقر نے اُس وقتی کو بغرض نقل طلب کیا تو یہ فرما کر حوالہ فرمایا کہ جی ہاں فکریں تو سبھی کچھ ہیں لیکن توفیق کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی اھ

اسی طرح اُس زمانہ میں حسب وعظ کثرت سے فرمایا کرتے تھے ایک بار فرمایا کہ جب میں اپنے اندر کوئی امر اصلاح طلب پاتا ہوں تو اسکے متعلق ایک وعظ کہہ دیتا ہوں جس سے بہت نفع ہوتا ہے چنانچہ وعظ الغضب اسی غرض سے کہا گیا تھا اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے امراض نفس کے متعلق ایسے ایسے ہی چٹکلے دل میں ڈالدیتے ہیں جن سے بفضلہ بسہولت اصلاح ہو جاتی ہے اھ

اسیطرح اُسی وقتی کی پشت پر جسکا اوپر ذکر کیا گیا ایک اور مضمون بغرض یادداشت خوشخط لکھوا لیا ہے پہلے مضمون کا نام النظام للکلام تھا اور اس مضمون کا نام الکلام فی النظام ہے اُس دوسرے مضمون کو بھی نقل کیا جاتا ہے۔

الکلام فی النظام

(نمبر۱) غلط کار سے خود خطاب نہ کیا جاوے بلکہ کسی فہیم کے واسطہ سے گفتگو کیجاوے۔

(نمبر۲) بجائے خود بتلانے کے اُس سے ایسے سہل الماخذ استفسارات کئے جائیں جس سے اُسکو غلطی کا اقرار کرنا پڑے اور اگر وہ نہ سمجھے تو عدم مناسبت کی اطلاع کر کے بات ختم کر دی جاوے۔

(نمبر۳) اُس غلطی کا تدارک اُسی سے تجویز کرایا جاوے جب تک کافی تدارک تجویز نہ کرے۔

(نمبر۴) اگر گنجایش ہو اُسکے تجویز کردہ تدارک سے خفیف تدارک تجویز کر دیا جاوے

(نمبر۵) تدارک تجویز کردہ کی تنفیذ میں احتیاطاً قدرے توقف دنظرثانی کر لی جاوے اھ حضرت والا نے یہ یادداشت اپنے مضمون التبدیل من التعقیل الی التعدیل کے (جسکی نقل اپنے موقع پر گذر چکی ہے) خلاصہ کے طور پر بغرض سہولت اختصار تحریر فرما کر اپنے پاس رکھ لی ہے

حضرت والا کی نگرانی نفس کا ایک اور واقعہ یاد آیا۔ مکرمی جناب مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نے خود جامع اوراق سے بیان کیا کہ وہ ایک سفر میں حضرت والا کے ہمراہ تھے۔ نارنول سے الور اور الور سے دہلی اور دہلی سے پانی پت تشریف لیجانا تھا۔ نارنول میں جمعہ پڑا تو حضرت والا نے شب جمعہ کو تہجد کے وقت کپڑے بدلنے چاہے مولوی صاحب نے جنکی سپردگی میں حضرت والا کا بیگ تھا کپڑے نکالکر پیش کئے جن میں چکن کا کرتہ تھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ نہیں ململ کا کرتہ لائیے جب وہ ململ کا کرتہ لائے تو پھر فرمایا کہ اچھا وہ چکن ہی کا لے آیئے اسکو رکھ آیئے۔ جب وہ پھر چکن کا کرتہ لے آئے تو فرمایا کہ کچھ خبر بھی ہے یہ میں نے کیوں کیا۔ بات یہ ہے کہ جب

آپ چکن کا کرتہ لائے تو مجھے خیال ہوا کہ یہ تو قصبہ ہے یہاں ململ کا کرتہ پہن لینا کافی ہے۔ یہاں کے بعد دہلی جانا ہے وہاں چکن کا کرتہ پہننا مناسب ہوگا (اس مصلحت سے کہ امراء کی نظر میں ذلت نہو) میں نے اس خیال کی مخالفت کی ہے۔ اھ

خیر یہ تو ہو چکا۔ اسکے بعد الور قیام فرماتے ہوئے دہلی تشریف لیگئے۔ چونکہ اس درمیان میں کپڑے کافی میلے ہو چکے تھے اسلئے مولوی صاحب ممدوح نے الور سے دہلی کی طرف روانگی کے وقت بھی اور ریل میں بھی کپڑے بدلنے کے لئے عرض کیا لیکن ٹال دیا کہ بعد کو بدل لونگا یہاں تک کہ دہلی پہونچکر بھی نہ بدلے اور وہاں رہتے ہوئے بھی نہ بدلے حالانکہ کپڑے بہت زیادہ میلے ہو چکے تھے۔ جب دہلی سے پانی پت پہونچے تو پہونچتے ہی فوراً غسل فرما کر کپڑے بدلے کیونکہ بوجہ نفاست مزاج حضرت والا کو میلے کپڑوں سے بہت اذیت ہوتی ہے غرض اپنے اس خیال کا نہایت مبالغہ کے ساتھ تدارک فرمایا۔

سبحان اللہ یہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عین سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتح بیت المقدس کے موقع پر زرق برق لباس کو اُتار کر پھر اپنا معمولی لبادہ لباس پہن لینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے کرتہ کو اسکی ایک آستین قطع کر کے بدنما کر دینا روایتوں میں منقول ہے۔

ایک اور واقعہ یاد آیا کچھ عرصہ ہوا ایک صاحب نے کسی کے ترکہ سے پانچسو روپیہ بذریعہ بیمہ مصارف خیر کے لئے بھیجے چونکہ اس سے قبل اس رقم کے متعلق اجازت طلب نہیں کی گئی تھی اسلئے حضرت والا نے حسب معمول وہ بیمہ واپس فرما دیا پھر اُن صاحب کا بلا طلب اجازت معذرت نامہ آیا جس سے مفصل حال معلوم ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض ورثہ کی اجازت حاصل نہیں کیگئی گو زیادہ حصہ رقم کا ایسا ہی تھا جسکے متعلق ورثہ کی اجازت حاصل کی جا چکی تھی۔ حضرت والا نے کلی طور پر ممانعت لکھ بھیجی کہ چونکہ بعض ورثہ کی اجازت حاصل نہیں کی گئی اسلئے وہ رقم نہ بھیجی جائے۔ پھر بعد کو حضرت والا نے مجلس عام میں اس واقعہ کا ذکر فرما کر فرمایا کہ ممانعت کلی لکھتے وقت میرے نفس نے کہا کہ رقم کے اس حصہ کو تو بھیجنے کی اجازت دیدی جائے جسکے متعلق ورثہ کی اجازت لیجا چکی ہے اچھا ہے مساکین کا بھلا ہو جائے گا لیکن میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اچھا آپ اپنے استاد کو بھی پٹی پڑھانا چاہتے ہیں۔ اھ

حضرت والا نے جو اس موقع پر بیساختہ استاد کا لفظ فرمایا وہ بالکل مطابق واقع کے ہے کیونکہ حضرت والا نفس کے دھوکوں سے خوب واقف ہیں اور اسکی تاویلوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ رات دن کام یہی ہے کہ طالبین کے مکائد نفس پر اُن کو متنبہ فرماتے رہتے ہیں۔ اور نہ صرف طالبین کے نفوس کی بلکہ اپنے نفس کی بھی ہر وقت دیکھ بھال رکھتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا واقعات سے ناظرین کرام نے بخوبی اندازہ فرما لیا ہوگا۔ اور اسکا غایت درجہ اہتمام رکھتے ہیں کہ نفس کو اُبھرنے کا کوئی موقع ہی نہ دیا جائے اور اسکی ہر وقت نگرانی رکھتے ہیں کہ اسکے اندر شائبہ

بھی کسی تغیر کا نہ پیدا ہونے پائے۔ چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کبھی گھر میں سے کہیں گئی ہوئی ہوتی ہیں اور کوئی غیر محرم عزیز یا مہمان یا کام کاج کرنے والی عورت یا لڑکی گھر میں ہوتی ہے تو میں اس زمانہ میں گھر جانا ہی چھوڑ دیتا ہوں اور اگر کوئی ضروری بات کہنی سننی ہوتی ہے تو دہلیز ہی میں سے کھڑے کھڑے کہہ سن لیتا ہوں اندر نہیں جاتا۔ یہ میں اسلئے اوروں کو سنا رہا ہوں کہ سب کو اس معاملہ میں غایت درجہ احتیاط رکھنی چاہیئے کیونکہ اول تو نفس کا کچھ اعتبار نہیں۔ پھر خیالات کا بھی تو پاک صاف رکھنا ضروری ہے بلکہ نابالغ نامحرم لڑکیوں سے بھی احتیاط ہی چاہیئے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نابالغ لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا سبب تو شفقت ہی ہوتا ہے لیکن سر پر ہاتھ رکھنے کے تھوڑی دیر بعد نفس کی آمیزش ہونے لگتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو عموماً ایسے دقائق نفس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا اور وہ برابر شفقت ہی کے گمان میں رہتے ہیں اسکی احتیاط واجب ہے۔ اھ

اسی طرح حضرت والا نے ایک بار فرمایا کہ میں کسی امرد کو بھی اپنے پاس تنہائی میں نہیں آنے دیتا اور گو یہ بات اپنی ذات میں تو معمولی ہے لیکن جو شخص مجھ سے اعتقاد رکھتا ہو اسکے لئے یہ بہت بڑی بات ہے کہ جب یہ پیر ہو کر بھی اپنے نفس کی اتنی حفاظت کرتے ہیں تو ہمیں تو بہت ہی زیادہ حفاظت کرنی چاہیئے اھ

اس سب تقریر کا حاصل یہ ہے کہ حضرت والا اب تک بھی ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی اور دیکھ بھال ہی رکھتے ہیں۔ اور بوجہ دائمی مجاہدۂ نفس دائمی ترقی فرما رہے ہیں۔ اور یہ وہ ترقی ہے جو ہر وقت ہو رہی ہے اور جسکا کسی کو عام طور سے پتہ بھی نہیں چلتا اور یہی وہ اعمال باطنہ ہیں جن کے بارہ میں حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ وہ سالک کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتے ہیں اور دوسروں کو اسکا علم بھی نہیں ہوتا ایسے شخص کو قلندر کہتے ہیں۔ اسکو عبادات نافلہ کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا اپنے قلب کی نگہداشت کا اور اعمال قلبیہ کا۔ مثلاً جب کوئی واقعہ پیش آیا تو فوراً اس کے قلب نے اس واقعہ کے متعلق حق تعالے کے ساتھ کوئی معاملہ صبر و شکر، تفویض، عبدیت وغیرہ کا کیا۔ بس وہ ایک مستقل باطنی عمل ہو گیا اور اس درجہ کا ہوا کہ وہ اسکی بدولت کہیں کا کہیں پہونچ گیا اور چونکہ حوادث بکثرت پیش آتے ہی رہتے ہیں اور وہ ہر وقت اپنے قلب کی نگہداشت میں رہتا ہے اسلئے وہ ہر وقت باطنی ترقی کرتا رہتا ہے اور اس شخص سے بڑھ جاتا ہے جسکو عبادات نافلہ کا تو اہتمام بہت ہے لیکن قلب کی نگہداشت کا اہتمام نہیں۔ بمصداق ارشاد حضرت مولانا رومی رح ؎

سیر عابد ہر شبے یک روزہ راہ — سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ قطع نظر ترقی کے خود حاصل کردہ دولت باطنی کی بقاء کے لئے بھی اسکی ضرورت ہے کہ اپنے قلب کی ہر وقت نگہداشت رکھے جیسا کہ حضرت والا کا معمول ہے جسکی تائید حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے چنانچہ وہ اپنے رسالہ "الامر المحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللہ

عن الشروط" میں شیوخ کو بھی اپنے حالات کی ہمیشہ نگرانی رکھنے کی سخت تاکید فرماتے ہیں چنانچہ اس مضمون کے سلسلہ میں کہ شیخ پر بھی واجب ہے کہ اپنے لئے کوئی وقت خلوت مع اللہ کا رکھے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

فمتی لم یتفقد الشیخ حالہ فی کل یوم بالامر الذی حصل لہ بہ ھذا التمکین کان مخدوعًا بحیث ان تسترقہ العادۃ ویجرہ الطبع وبرید الخلوۃ ساعۃ فتفقد الانس ویجد الوحشۃ وکذالک فی توکلہ وادخارہ فی کل حال اکتسبہ النفس مما لم تفطر علیہ لانہ سریع الذھاب وقد راینا شیوخًا سقطوا نسأل اللہ لنا ولھم العافیۃ۔ قال اللہ تعالیٰ ان الانسان خلق ھلوعًا اذا مسہ الشر جزوعًا واذا مسہ الخیر منوعا فقد جمع فی ھذہ الآیۃ کل رذیلۃ فی النفس وابان فیھا ان الفضائل مکتسبۃ لھا لیست فی جبلتھا فالتحفظ واجب..

جسکا ترجمہ یہ ہے:-

پس جبکہ شیخ ہر روز اپنے حالات کی نگرانی اسی طریق سے نہ کرے جس سے اس کو یہ تمکین (یعنی دوام طاعت اور کثرت ذکر کی عادت) حاصل ہوئی ہو تو (عجب نہیں) کہ وہ دھوکہ میں پڑ جائے اور آہستہ آہستہ طبیعت اور عادت قدیمہ اسکو اپنی طرف کھینچ لے اور پھر وہ خلوت میں بھی رہنا چاہے تو انس حاصل نہ ہو بلکہ خلوت سے وحشت ہونے لگے اور یہی حال ہے اُن تمام حالات وکیفیات کا جو نفس کی طبیعت وجبلت کے موافق نہیں کہ ان حالات کے حصول پر اعتماد نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ بہت سریع الزوال ہوتے ہیں اور ہمنے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے درجہ سے گر گئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور اُن کو عافیت عطا فرمائے (آمین) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا واذا مسہ الخیر منوعا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفس کے تمام رذائل کو جمع فرما دیا ہے اور بیان فرما دیا ہے کہ جتنے فضائل نفس کو حاصل ہیں وہ اُسکے جبلی اور طبعی نہیں اس لئے ان کا تحفظ واجب ہے اھ

اسی طرح طبقات کبریٰ سے حضرت شیخ ابو مدین مغربی کا جو حضرت شیخ اکبر رح کے مشائخ میں سے ہیں، حضرت والا کا سنایا ہوا ایک ارشاد یاد آیا جو اس مقام کے مناسب ہے کیونکہ اس سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے اسکو بھی حضرت والا کے انتخاب طبقات کبریٰ سے بلفظہ نقل کیا جاتا ہے

عن الشیخ ابی مدین المغربی کان یقول کل فقیر لا یعرف زیادتہ ونقصہ فی کل نفس فلیس بفقیر اھ

جسکا ترجمہ یہ ہے:-

کہ جو درویش اپنی (باطنی) زیادتی اور کمی کو ہر دم نہ محسوس کرتا ہے وہ درویش نہیں اھ

الحمد للہ حضرت والا کی تو یہ کیفیت مستمرہ اور حالت دائمہ ہے جو ہمیشہ قولاً وفعلاً وحالاً ظاہر ہوتی رہتی ہے چنانچہ

علاوہ واقعات مذکورۂ بالا کے اس مقام پر بھی بے تکلف دو تین واقعات اور یاد آ گئے جو مختصراً عرض کئے جاتے ہیں۔

ایک بار احقر نے اپنی کوئی باطنی پریشانی عرض کی تو اسکے متعلق حضرت والا نے حسب معمول نہایت موثر عنوان سے فوراً میری پوری تسلی فرما دی پھر نہایت حسرت کے لہجہ میں فرمایا کہ آپ تو مجھ سے اپنا حال کہہ کر اپنی تسلی کر لیتے ہیں۔ اگر مجھکو کوئی پریشانی لاحق ہو تو میں اپنی تسلی کس سے کروں پھر فرمایا کہ ایسے موقعوں پر الحمد للہ اللہ تعالیٰ خود ہی میری دستگیری فرماتے ہیں اور غیب سے میری عقدہ کشائی فرما دیتے ہیں اھ

اسیطرح ایک بار کسی شیخ کے بارہ میں یہ سنکر کہ اپنے مریدین سے دو دو گھنٹہ ذکر جہر کراتے ہیں لیکن وہ لوگ خلاف شرع وضع قطع وغیرہ امور میں بالکل آزاد ہیں تو فرمایا کہ گھنٹہ دو گھنٹہ بلکہ چار گھنٹہ بھی محنت کر لینا کیا مشکل ہے میرے یہاں تو وہ آوے جسکو رات دن اپنے نفس پر آرے چلانے ہوں اھ

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کی خود بھی یہی حالت ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی نگرانی رکھتے ہیں اور اپنے منتسبین کو بھی اسی کی تاکید فرماتے رہتے ہیں جیسا کہ مشاہد ہے۔ چنانچہ ایک صاحب علم کو جو حسن پرستی میں مبتلا تھے اس سے اجتناب کی اس عنوان سے ممانعت فرمائی کہ چاہے جان نکل جائے لیکن نظر نہ ڈالی جائے انھوں نے لکھا تھا کہ مجھ میں اسقدر حسن پسندی ہے کہ معمولی اشیاء کو بھی نہایت قرینے اور خوش ترتیبی کے ساتھ رکھتا ہوں اسیطرح حسن صورت کی طرف بھی بیحد کشش ہوتی ہے اور حظ حاصل ہوتا ہے اسپر زبان عربی یہ فصیح و بلیغ جواب ارقام فرمایا کہ بعضہ خیر فاشکروا علیہا و بعضہ شر فاضربوا عنہا ای غضوا البصر حیث امر الشارع بالغض ولو بتکلف شدید یحتمل زھوق الروح فان اللہ تعالیٰ غیور وتشتد غیرتہ علی النظر الی ما نھی اللہ ان ینظر الیہ فالحذر الحذر ان یسخط المحبوب الاکبر۔ اھ

دیکھئے کس شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔

نیز یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ اس طریق میں تو عمر بھر لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں اور گویا جنم روگ لگ جاتا ہے اھ

غرض حضرت والا کے یہاں ظاہری ریاضات و مجاہدات تو بالکل نہیں ہیں لیکن باطنی مجاہدات میں ضرور مشغول رہنا پڑتا ہے مگر وہ بعد چندے نہایت لذت بخش ہونے لگتے ہیں۔ بقول احقر ؎

بڑی عشق میں ہیں بہاریں مگر ہاں   گھری خار زاروں سے پھلواریاں ہیں

جو گویا ترجمہ ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حفت الجنۃ بالمکارہ غرض حسب ارشاد حضرت والا باطنی مجاہدات اسکے مصداق ہو جاتے ہیں ع چندروزے جہد کن باقی بخند۔ چنانچہ ایک بار کالپی کے سفر میں ایک معزز انگریزی خواں اور بہت بڑے افسر پولیس جو احقر کے ہم سبق تھے اتفاق سے حضرت والا کے ہم سفر ہو گئے احقر ۴۲

بھی موجود تھا انہوں نے احقر کا حوالہ دیکر عرض کیا کہ انکی حالت دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہوئے ہمت نہیں پڑتی۔ حضرت والا نے فوراً فرمایا کہ اسکو نہ دیکھئے۔ گھڑی کو کُنجی دینے والا تو صرف ایک مرتبہ گھڑی کو کوک دیتا ہے پھر جو کچھ اس میں تغیرات ہوتے ہیں وہ تو بے تکلف اور خود بخود ہی ہوتے رہتے ہیں کہ پہلے ایک بجا پھر دو پھر تین۔ وغیرہ اھ

حضرت والا کا مطلب یہ تھا کہ اسوقت تو دشواری نظر آرہی ہے لیکن جب قلب میں تعلق مع اللہ پیدا ہو جاویگا تو پھر کوئی دشواری نہ رہیگی۔ قلب میں خود ہی اپنی اصلاح کا تقاضا پیدا ہوگا اور اسوقت اپنی حالت میں تغیرات ضروریہ کرنے کو خود ہی نہایت خوشی کے ساتھ جی چاہیگا یہ جو قبل از وقت دشواری نظر آرہی ہے وہ محض خیالی ہے اسکا کچھ اندیشہ نہ کیا جائے بقول احقر ؎

بس چلا چل قطع راہ عشق اگر منظور ہے — یہ نہ دیکھ اے ہم سفر نزدیک ہے یا دور ہے
مشکلیں عاشق کو ہیں بس قبل از دیوانگی — کچھ دنوں غم سہہ لیا پھر عمر بھر مسرور ہے

بلکہ پھر تو ایسا ہو جاتا ہے کہ اگر کبھی فکر باطنی اور نگرانی نفس میں کمی محسوس ہونے لگتی ہے تو سالک اس قسم کے نہ ہونے کے غم میں گھلنے لگتا ہے۔ بمصداق ارشاد حضرت عارف رومی رح ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود — گر ز باغ دل خلالے کم بود

غرض یہ باطنی مجاہدات جو حضرت والا کے یہاں کے سلوک میں ہیں بعد چندے وارد مدار زندگی اور غذائے روح ہو جاتے ہیں جن کے بغیر سالک کو چین ہی نہیں پڑتا اور جن کے فقدان کو وہ اپنی موت سمجھتا ہے اور فی الواقع حقیقت الامر بھی یہی ہے کیونکہ یہی مجاہدات باطنیہ تو اسباب و علامات حیات قلب اور موجب ترقیات باطنہ دائمہ ہیں ؎

غم گیا قلب کی حیات گئی — دل گیا ساری کائنات گئی
اگر ز کاوش مژگان او دلم خوں شد — خوشم کہ بر منم اسباب گریہ افزوں شد

مقصود بالبیان یہ ہے کہ درحقیقت حضرت والا کے یہاں کے سلوک میں جو سرتاسر قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہے جیسا کہ حضرت والا کے رسائل مسائل السلوک اور التشرف اور التکشف سے ظاہر ہے۔ بمصداق ارشاد نبوی ؐ الدین یسر ؑ کوئی دشواری نہیں اور ناظرین کرام نے بھی مضامین باب ہذا کے مطالعہ سے یہ اچھی طرح معلوم فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا نے طریق کو بحمد اللہ تعالیٰ بہت ہی سہل فرما دیا ہے اور گویا شاہی سڑک بنا دیا ہے جس پر ہر خاص و عام نہایت سہولت کے ساتھ اور بے کھٹکے چل سکتا ہے کیا عالم کیا عامی کیا فارغ کیا مشغول کیا تندرست کیا بیمار کیا قوی کیا ضعیف کیا امیر کیا غریب۔ چنانچہ اسکے متعلق ایک حقیقت شناس نے خوب ہی کہا کہ حضرت والا

کا سلوک تو شاہی سلوک ہے۔ واقعی یہی بات ہے کیونکہ حضرت والا نہ ریاضات کراتے ہیں نہ مجاہدات نہ ترک تعلقات کراتے ہیں نہ ترک لذات و مباحات۔ بلکہ یہ تاکید فرماتے ہیں کہ خوب راحت و آرام سے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور طبیعت میں نشاط رہے جو معین عبادات ہو۔ البتہ معصیت کے پاس نہ پھٹکو اور نفس کی ہر وقت نگرانی رکھو۔ اور ہمت سے کام لو اور بقدر تحمل و فرصت کچھ ذکر و شغل بھی کرتے رہو۔ بس انشاء اللہ تعالیٰ مقصود کا حصول یقینی ہے۔ نہ کم کھانے کی ضرورت نہ کم سونے کی ضرورت یہ دونوں مجاہدے آجکل متروک ہیں کیونکہ طبائع میں پہلے ہی سے ضعف غالب ہے۔ البتہ کم بولنا اور کم ملنا جلنا ضروری ہے لیکن نہ اتنا کم کہ جس سے قلب میں انقباض پیدا ہو جائے اھ۔ لیجئے یہ شاہی سلوک نہیں تو کیا ہے۔

چنانچہ خود حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ درویشی کے لئے کمبل اور گدڑی کی ضرورت نہیں بلکہ اگر اللہ تعالیٰ دے تو دوشالہ اور شاہی میں بھی درویشی حاصل ہو سکتی ہے بشرطیکہ طریقہ سے حاصل کیجائے اھ سبحان اللہ حضرت والا نے طریق کو اسقدر آسان فرمادیا ہے کہ کوئی دشواری ہی نہیں رہی گویا بقول احقر

اتنا کیا ہے آپنے آساں طریق کو		کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا	

البتہ اگر بے اصول چل کر اس طریق کو خود ہی دشوار کر لیا جائے تو یہ طریق کا نقص نہیں بلکہ چلنے والوں کا بے ڈھنگاپن ہے بقول احقر ؎

جو آسان سمجھو تو ہے عشق آساں		جو دشوار کر لو تو دشواریاں ہیں	

اسپر خود حضرت والا کا ایک تازہ ملفوظ عرض کیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ راستہ تو بالکل صاف اور ہموار ہے لیکن لوگ خود ہی اسکو اپنے سوء استعمال اور اوہام سے دشوار کر لیتے ہیں اور خود اپنے ہاتھوں پریشانیوں میں پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ علماء بھی غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں چنانچہ ایک مولوی صاحب جو بڑے عالم فاضل اور فہیم شخص ہیں وہ بھی اس پریشانی میں مبتلا تھے کہ اب تک تہجد کے وقت بلا الارم دار جگانے والی گھڑی کے آنکھ ہی نہیں کھلتی لکھا تھا کہ افسوس ابھی تک ان خارجی چیزوں کی احتیاج باقی ہے اب تک قلب میں اتنا بھی تقاضا پیدا نہیں ہوا کہ الارم کی حاجت نہ رہے اور خود بخود تہجد کے وقت آنکھ کھل جایا کرے۔ اھ

میں نے انکی تسلی کی کہ آخر کس کس خارجی چیز کی احتیاج سے بچوگے کیونکہ ایک الارم ہی کیا سینکڑوں خارجی چیزوں کی احتیاج ہے لباس کی احتیاج ہے مکان کی احتیاج ہے اور سینکڑوں ضروریات زندگی کی احتیاج ہے اور یہ سب خارجی چیزیں ہیں ان سب سے بچو۔ جب اتنی ساری خارجی چیزوں کی احتیاج سے نہیں بچ سکتے تو ایک الارم کی احتیاج بھی ہی کس فکر میں پڑے جب خود اللہ میاں ہی نے ہمیں اپنی نعمتوں کا محتاج بنایا ہے تو پھر ہم ان نعمتوں سے کیوں استغناء کی تمنا کریں۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اگر بغیر الارم کے آنکھ نہیں کھلتی تو اسکا افسوس ہی کیا ہے اللہ تعالیٰ نے الارم گھڑی دے ہی رکھی ہے اس سے کام لینا چاہیے مقصود تو جاگ اٹھنا ہے چاہے الارم سے ہو چاہے بلا الارم کے جب مقصود حاصل ہے تو پھر اسکا کیا غم کہ بلا الارم کے آنکھ کیوں نہیں کھلتی اھ

حضرت والا نے اس واقعہ کو نقل فرما کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُسنے صحیح صحیح باتیں ذہن میں ڈالدی ہیں جنکی وجہ سے لوگ ظلمت سے نکلکر نور میں تو پہونچ گئے ہیں اور راستہ بالکل صاف نظر آنے لگا ہے جیسے بجلی والے بجلی جلادیں تو ظلمت دفع ہوکر راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے۔ اسکے بعد اللہ میاں نے آنکھیں دی ہیں پاؤں دئے ہیں اُنسے کام لیا جائے تو بے کھٹکے راستہ قطع کر کے جہاں جانا ہے وہاں بسہولت پہونچ سکتا ہے اب اگر کوئی پاؤں ہی نہ اُٹھائے یا اُلٹے سیدھے قدم رکھتا ہوا اور ٹھوکریں کھاتا ہوا چلے یا آنکھیں بند کر کے چلے تو بجلی والوں کا کیا قصور۔ اللہ تعالےٰ نے جو قرآن شریف کی تعریف میں فرمایا ہے ھذا بصائر من ربکم و ھدی و رحمۃ۔ اسکے متعلق میرے ذہن میں یہ نکتہ آیا تھا کہ بصائر تو گویا آنکھیں ہیں اور ہدی راستہ اور رحمۃ منزل۔ اھ

ایک بار نہایت قوت اور وثوق کے ساتھ فرمایا کہ چاہے مجھے عمل کی توفیق نہو لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ طریق میں تو کوئی کسی قسم کا ذرہ برابر بھی شک و شبہ نہیں رہا اھ

غرض بعون اللہ تعالیٰ حضرت والا نے طریق کو بالکل ہی واضح اور آسان فرما دیا ہے اگر کوئی اُصول سے چلے تو انشاء اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک نہایت آسانی کے ساتھ رسائی ہو سکتی ہے۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سہولت استحضار کے لئے چند بہت ہی خاص خاص اصول جنکا پیش نظر رکھنا انشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا سے فیض حاصل کرنے میں بہت معین ہوگا مختصراً بطور خلاصہ باب ہذا ہدیہ ناظرین کر دئے جائیں اور تفصیل بقدر ضرورت مضامین باب ہذا سے معلوم ہو ہی چکی ہے۔ انھیں سے یہ اصول بھی مستنبط ہیں

بعض خاص خاص اصول مہمہ استفاضہ از حضرت والا

(۱) سب سے پہلے طالب کو حضرت والا کا رسالہ قصد السبیل ایک بار یا دو بار بغور ملاحظہ کرنا چاہیے۔ اس سے اجمالاً طریق کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور مقصود معلوم ہو جائیگا۔ اور اگر خود سمجھ میں نہ آئے تو کسی دوسرے فہیم آدمی سے سمجھ لیا جائے۔ اور اگر حضرت والا سے رجوع کرنے کے قبل حضرت والا کی دیگر تصانیف بھی دیکھ لی جائیں بالخصوص تعلیم الدین اصلاح الرسوم بہشتی زیور اور مطبوعہ مواعظ جتنے بھی میسر آسکیں تو طریق کی بقدر حاجت تفصیل بھی علم

ہو جائے اور اپنی اصلاح کے متعلق حضرت والا سے خط و کتابت کرنے میں بہت سہولت ہو جائے۔ ورنہ اکثر طالبین بوجہ ناواقفیت مبادی طریق بے اصول باتیں لکھتے ہیں جن پر حضرت والا کو بار بار استفسارات کرنے پڑتے ہیں اور تحصیل مقصود میں تاخیر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض کو حضرت والا نے آخر میں یہ تحریر فرما دیا کہ اول میرے سو وعظ دیکھو اسکے بعد لکھو جو لکھنا ہو۔

(۲) ابتداءً بیعت کی درخواست نہ کریں نہ بیعت کو ضروری سمجھیں کیونکہ اصل مقصود تعلیم طریق حاصل کرنا ہے لہذا پہلے اسی کی درخواست کریں جب باہم پوری مناسبت ہو جائے اسوقت بیعت کی درخواست کا بھی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر حضرت والا یہ فرمادیں کہ ابھی مناسبت پیدا نہیں ہوئی تو بے چون و چرا مان لیں کیونکہ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ اور ہرگز بیعت پر اصرار نہ کریں بلکہ تحصیل مناسبت کی سعی میں پہلے سے زیادہ توجہ کے ساتھ مشغول ہو جائیں کیونکہ یہ معلوم ہو ہی چکا ہے کہ جب تک حضرت والا کو طلب صادق کا پورا اطمینان نہیں ہو جاتا اور باہم پوری مناسبت کا احساس نہیں ہو جاتا حضرت والا بیعت نہیں فرماتے اور اسی وقت لطف بھی بیعت کا ہے اور اس سے پہلے بیعت کچھ مفید بھی تو نہیں بلکہ بعض وجوہ سے مضر ہے۔

حضرت والا کے اس اہم اصول پر بعض نادان مدعیان مشیخت نے یہ اعتراض کیا کہ یہ تو فن سلوک کے اس مسلم مسئلہ کے خلاف ہے کہ شیخ کو اشاعت طریق کا حریص ہونا چاہیئے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اشاعت طریق بیعت سے نہیں ہوتی ہے بلکہ تعلیم سے ہوتی ہے اور تعلیم طریق سے مجھے کب انکار ہے بلکہ میں تو کہہ سکتا ہوں کہ تعلیم طریق الحمد للہ میرے یہاں اتنی ہوتی ہے کہ اتنی کہیں بھی نہ ہوتی ہوگی کیونکہ میرے یہاں اسکے سوا اور کوئی چرچا ہی نہیں اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ واقعی اشاعت طریق کے تو حضرت والا اسقدر حریص ہیں کہ اتنا شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ بارہا فرمایا کہ میں جو کچھ طریق کی حقیقت سمجھے ہوئے ہوں بس جی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو سمجھا دوں اور جب لوگ نہیں سمجھتے تو سخت الجھن ہوتی ہے کہ کسطرح ان کے دل میں ڈالدوں اور یہ بھی لوگوں سے میرے الجھنے کی ایک وجہ ہے اھ

واقعی دیکھنے والے ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی صحیح مخاطب آجاتا ہے تو حضرت والا نہایت جوش وخروش کے ساتھ حقائق و معارف کی گرما گرم تقریریں دیر دیر تک اپنی مجلس شریف میں فرماتے رہتے ہیں اور افادات کے دریا بہا دیتے ہیں۔

(۳) حضرت والا سے استفاضہ کی بہترین صورت یہ ہے کہ پہلے اجازت لے کر کچھ عرصہ تک خاموشی کے ساتھ حضرت والا کی مجلس شریف میں بیٹھے رہیں اور ارشادات کو نہایت توجہ سے سنتے رہیں اور واقعات کو

بغور دیکھتے رہیں تاکہ طرق سے اور حضرت والا سے مناسبت پیدا ہو جائے اور اصلاح کرانے کا طریقہ معلوم ہو جائے پھر اپنے مستقر پر پہونچکر ایک ایک عیب لکھتے رہیں اور اپنی اصلاح کراتے رہیں۔ لیکن جب تک ایک عیب کی اصلاح میں رسوخ نہ ہو جائے دوسرا عیب نہ پیش کریں اور اسی دوران میں بعد چندے خواہ ذکر و شغل بھی پوچھ لیں لیکن بدون سلسلۂ اصلاح نفس کے شروع کئے صرف ذکر و شغل کے متعلق کوئی درخواست نہ کریں کیونکہ حضرت والا محض ذکر و شغل کی تعلیم کو حصول مقصود کے لئے ہرگز کافی نہیں سمجھتے اور ذکر و شغل کی درخواست کے ساتھ یہ بھی برابر اطلاع کرتے رہیں کہ اصلاح کے متعلق بھی خط و کتابت جاری کر رکھی ہے کیونکہ بدون اطلاع اتنے طالبین کے حالات کا یاد رکھنا بہت مشکل ہے۔

(۴) اپنے نفس کی ہر وقت نگرانی رکھیں اور عیوب نفس کی اصلاح کے لئے حضرت والا کے زرین اصول یعنی استحضار و ہمت سے برابر کام لیتے رہیں اور گو شروع میں قدرے تعب ہو لیکن تکرار مخالفت نفس سے بفضلہ انشاء اللہ تعالیٰ سہولت ہونے لگے گی۔

چنانچہ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ تکرار عمل ہی سے عمل میں سہولت بھی ہونے لگتی ہے لیکن سہولت کے منتظر نہ رہیں عمل ہر حال کرتے رہیں چاہے عمر بھر بھی سہولت نہ ہو۔

نیز حضرت والا کا ہمت کے متعلق یہ ارشاد بھی پیش نظر رکھیں کہ وہ ہمت ہی نہیں جسکے بعد کامیابی نہو وہ تو ہمت کی محض نیت ہے کیونکہ اختیاری کوتاہیوں سے بچنے کے لئے اگر پوری ہمت سے کام لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کامیابی نہو۔ اھ

حضرت والا اکثر یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ کم ہمتی سے کوئی کوتاہی ہو جاوے تو فوراً توبہ کرکے پھر ہمت سے کام لینے لگیں اور مایوس نہوں نہ اس غم میں پڑیں کہ کوتاہی کیوں ہوگئی۔ کوتاہی کا تدارک بھی عمل ہی سے ہو جائیگا اس موقع پر حضرت والا کے مکتوب تسہیل الطریق کے مضمون کا اعادہ بہت کار آمد ہوگا کیونکہ اسمیں طریق کا مکمل دستور العمل مذکور ہے وہ مضمون یہ ہے کہ غیر اختیاری کی فکر میں نہ پڑیں۔ اختیاری میں ہمت سے کام لیں۔ اگر کوتاہی ہو جاوے ماضی کا استغفار سے تدارک کرکے مستقبل میں پھر تجدید ہمت سے کام لینے لگیں اور استعمال ہمت کے ساتھ دعا کا بھی التزام رکھیں اور بہت لجاجت کے ساتھ۔ اھ

(۵) جب ذکر و شغل کی اجازت حاصل کر لیجائے تو ذکر کی مقدار بقدر تحمل و فرصت مقرر کریں جو نہ اتنی کم ہو کہ کچھ مشقت ہی نہو نہ اتنی زیادہ ہو کہ نبھ نہ سکے حتی الامکان اپنے معمولات ناغہ نہ ہونے دیں ناغہ سے بڑی ذریعہ ہو جاتی ہے۔ چلتے پھرتے اور فارغ اوقات میں بھی کوئی ذکر اپنا معمول رکھیں۔

حضرت والا نے ایک بار احقر سے فرمایا کہ اپنا اصل کام ذکر کو سمجھیں جب ضرورت ہو بول لیں اور پھر مشغول

ہوجائیں جیسے درزی کپڑا سیتا رہتا ہے اور ضرورت میں بول بھی لیتا ہے لیکن اسکی اصل توجہ کپڑا سینے ہی کیطرف رہتی ہے۔

قلت کلام کی ایک یہ تدبیر بھی حضرت والا نے احقر کو بتائی تھی کہ ابتداء بکلام نہ کریں الا بضرورت اگر دوسرا کوئی بات پوچھے تو بقدر ضرورت جواب دے کر پھر ذکر میں مشغول ہوجائیں۔ اسی طرح بلا ضرورت کسی کے پاس نہ جائیں۔ اھ

حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ بلا ضرورت لوگوں سے میل جول نہ بڑھائیں اگر ذکر و خلوت سے جی اکتا جائے تو بال بچوں میں یا ہم مشرب احباب میں کچھ دیر دل بہلالیں۔ جب نشاط پیدا ہوجائے پھر اپنے کام میں لگ جائیں۔ اھ حضرت والا مباحات کے انہماک اور بالکلیہ ترک دونوں کو باعتبار نتائج کے مضر بتلاتے ہیں۔

(۶) اور دوام لو کار نماز و تلاوت وغیرہ جو نیک عمل کرے اس نیت سے کرے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا ہو اور اسکی رضا حاصل ہو۔ خالی الذہن ہوکر محض بطور عادت کے نہ کرے اور جو کیفیت حضور حق کی اُس عمل سے پیدا ہو اسکو بعد فراغ بھی محفوظ رکھنے کا برابر خیال رکھے۔ دھن اور دھیان کی اس طریق میں سخت ضرورت ہے ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تادم آخر دمے فارغ مباش۔ اھ

(۷) جمیع مشوشات قلب سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔ جسمیں صحت کی حفاظت بھی داخل ہے کیونکہ جمعیت قلب اس طریق میں مدار نفع ہے

(۸) حضرت والا اس طریق میں خود رائی اور خود بینی کو سب سے بڑا مانع سمجھتے ہیں اور اس شعر کو اکثر فرمایا کرتے ہیں۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

اور فرمایا کرتے ہیں کہ کوئی اپنی رائے اور تجویز کو فنا کرکے تو دیکھے پھر اللہ تعالیٰ وہ دولتیں عطا فرماتے ہیں جو اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں۔ اسی میں اتباع شیخ بھی داخل ہے جسکی سخت ضرورت ہے۔ اپنی رائے سے کچھ نہ کرے۔ اور علاوہ ادب طریق کے شیخ کے اتباع میں ہر قسم کی سہولت اور راحت اور بے فکری بھی تو ہے۔ لہٰذا بہت جلد جلد اپنے حالات کی اطلاع اور شیخ کی تجویزات کی اتباع کا سلسلہ جاری رکھے اور شیخ جس امر کے متعلق جو تجویز کرے اسکو بے چون و چرا مان لے اور اسی کے مطابق کامل اعتماد کے ساتھ عمل میں مشغول رہے خواہ کتنا ہی نفس کو ناگوار ہو حضرت حافظ رح فرماتے ہیں۔

سعی ناکردہ دریں راہ بجائے نرسی ۔۔ مزد اگر می طلبی طاعت استاد ببر

بس اصل چیز کام میں مشغول رہنا ہے ثمرات جو اسکے مناسب استعداد ہوں گے وہ خود ہی مرتب ہوتے رہیں گے ۔ حضرت والا اس کے متعلق حضرت حافظ رحمہ کے یہ اشعار اکثر فرمایا کرتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن ۔۔ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند
در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست ۔۔ بر صراط مستقیم ایدل کسے گمراہ نیست

فنا کے متعلق حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ فنا اس طریق کا اول قدم ہے جیسا کہ ایک معنی کر آخر قدم بھی ہے ۔ اگر کسی کو یہ حاصل نہیں تو سمجھ لو کہ اسکو اس طریق کی ہوا بھی نہیں لگی ۔ اھ

احقر عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کے یہاں اس صفت کے پیدا کرنیکا سب سے زیادہ اہتمام ہے اگر اس اہتمام کی کامل موافقت کیجاوے اور گو نفس کو طبعًا کتنا ہی ناگوار ہو لیکن عقلاً گوارا کر لیا جائے تو فنا کی دولت جو بڑے بڑے سخت مجاہدات سے سالہا سال میں بھی بمشکل حاصل ہوتی ہے حضرت والا کے طریق اصلاح سے بفضلہ تعالیٰ بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے ۔

(۹) حضرت والا کے یہاں حقوق العباد کی نگہداشت کی سخت تاکید ہے ۔ بالخصوص وہ حقوق جنمیں کوتاہی کرنے سے کسی کو اذیت ہو ۔ لہذا اسکا بہت ہی خصوصیت کے ساتھ اہتمام رکھیں کہ اپنے کسی قول یا کسی فعل سے کسی کو کسی قسم کی ایذا نہ پہونچے ۔

(۱۰) اس اخیر نمبر میں اس طریق عمل کا ذکر کیا جاتا ہے جو ہر طالب اصلاح کو اپنے عیوب کی اصلاح کرانے کے لئے اختیار کرنا چاہیئے ۔ وہ حسب ارشاد حضرت والا یہ ہے کہ ایک کاغذ پر اپنی سب برائیاں لکھ لیں اور جو جو یاد آتی رہیں اس میں لکھتے رہیں اور ان کا علاج بھی استحضار اور استعمال اختیار و ہمت سے کرتے رہیں اور علاج سے جو بالکل زائل ہو جاویں انکا نام کاٹ دیں اور جو رہجائیں پوری یا ادھوری ان کو لکھا رہنے دیں پھر جب حضرت والا کی خدمت میں اپنی اصلاح کے متعلق خط لکھنے بیٹھیں تو ان برائیوں میں سے جو اپنے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہو پہلے اس کو لکھیں اور اگر تعیین میں تشویش ہو تو قرعہ ڈال لیں جس عیب کا نام نکل آوے وہی لکھ دیں اور اگر اسکا کچھ علاج کیا ہو تو اسکی بھی اطلاع کر دیں ۔ ایک عیب سے زیادہ ایک بار میں نہ لکھیں اور اس عیب کی چند مثالیں بھی لکھیں اور جب تک اس عیب کے علاج میں رسوخ نہ ہو جائے برابر اسی کے متعلق خطوط بھیجتے رہیں ۔ اور جب رسوخ ہو جائے اور حضرت والا بھی اس رسوخ کی تصدیق فرما دیں اور دوسرا عیب پیش کرنے کی اجازت عطا فرما دیں اسوقت دوسرا عیب پیش کریں بس اسیطرح اپنے سارے عیوب کی اصلاح کرائیں ۔

اب ان نمبروں کو ایک دعاء ماثور پر ختم کرتا ہوں جو حسن اتفاق سے مناجات مقبول پڑھتے وقت نظر سے گذری تو

اسی وقت بیساختہ یہ ذہن میں آیا کہ اس میں تو حضرت والا کے سلوک مسنون کا گویا خلاصہ اور حقیقی تصوف کے سارے مقامات عالیہ کے حصول کی دعا موجود ہے۔ جس سے حضرت والا کی تعلیمات و احوال کے مطابق کتاب و سنت ہونے کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔ اگر طالبین اس دعا کو سہولت استحضار نیز حصول برکت و توفیق عمل کے لئے کبھی کبھی پڑھ لیا کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ تسہیل طریق اور حصول مقصود میں بہت اعانت ہو وہ دعا ماثور یہ ہے

اللھم انی اسئلک توفیق اہل الھدیٰ واعمال اہل الیقین ومناصحۃ

یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے توفیق اہل ہدایت کی سی اور عمل اہل یقین کے سے اور اخلاص

اہل التوبۃ وعزم اہل الصبر وجد اہل الخشیۃ وطلب اہل الرغبۃ وعرفان

اہل توبہ کا سا اور ہمت اہل صبر کی سی اور کوشش اہل خوف کی سی اور طلب اہل شوق کی سی اور عرفان

اہل العلم حتی القاک

اہل علم کی سی یہاں تک کہ ملوں میں تجھ سے

بس اب احقر باب ہذا ارشاد و افاضۂ باطنی کو حضرت والا کے ایک ایسے ارشاد پر ختم کرتا ہے جس میں حضرت والا نے خود اپنے سلوک کی حقیقت نہایت واضح اور لطیف عنوان سے بیان فرمائی ہے اور جس کو شاید میں کسی موقع پر نقل بھی کر چکا ہوں۔

کسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہاں تو ملا پن ہے ہم نہیں جانتے کہ درویشی کیا چیز ہے۔ طالب علم ہیں صاحب علم بھی نہیں بس قرآن و حدیث پر عمل کرنا بتاتے ہیں پھر اسی میں جو کچھ کسی کو ملنا ہوتا ہے مل جاتا ہے اور ایسا ملتا ہے کہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر من امثالنا۔ یعنی جو ہم جیسوں میں سے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے قلب میں اسکا خطرہ تک گذرا اگر ظاہر میں کچھ نہیں نہ ہو حق ہے نہ حال قال ہے نہ وجد و کیف ہے نہ کشف و کرامت ہے۔ پھیکا پھاکا طرز ہے جیسے سمندر کی مچھلی کہ خود اسکے اندر نمک ہوتا ہے۔ اوپر سے نمک ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اسی کے اندر کا نمک پکنے کے بعد کھلتا ہے بس یہاں بھی اوپر کا نمک نہیں ہے مگر اندر ہے جو پکنے کے بعد کھلتا ہے۔ اھ

جامع اوراق عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حقیقی اور مسنون تصوف تو یہی ہے جو حضرت والا کے یہاں ہے، لیکن اسکے ثمرات مذکورہ کا ظہور جبھی ہوتا ہے جب طریقہ کے موافق رجوع کیا جائے اور باقاعدہ کام کیا جائے کیونکہ اس طریق میں حسب ارشاد حضرت والا کام ہی سے کامیابی ہوتی ہے۔

کار کن کار بگذر از گفتار		اندریں راہ کار باید کار	
قدم باید اندر طریقت نہ دم		کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم	

۴۳

اسلئے حضرت والا نے ملفوظ بالا میں سمندر کی مچھلی کی تمثیل میں یہ قید لگائی ہے کہ پکنے کے بعد اسکا نمک کھلتا ہے لہذا اسکا انتظار شرط ہے۔ اور اسی میں طالبین عموماً کوتاہی کرتے ہیں یا تو کام نہیں کرتے یا بیڈھنگے پن سے کام کرتے ہیں اگر حضرت والا کے ارشاد فرمودہ اصول کے مطابق کام کریں تو وہ خود ثمرات و برکات ارشاد فرمودہ کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کریں جیسا کہ بفضلہ تعالیٰ صدہا نے کر لیا ہے اور جسکو محرومی ہوتی ہے اپنے اسی بے ڈھنگے پن سے ہوتی ہے حسب ارشاد حضرت عارف شیرازی رح

ہر چہ ہست از قامت نا ساز بے اندام ماست ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

اصل تقریر حسب ارشاد حضرت عارف شیرازی رح یہ ہے کہ ؎

سعی ناکردہ دریں راہ بجائے نرسی مزد اگر می طلبی طاعت استاد ببر

اور حضرت والا نے جو اپنے ارشاد بالا میں یہ فرمایا کہ ایسا ملتا ہے کہ ہم جیسوں میں سے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کبھی کان نے سنا نہ کسی کے قلب میں اسکا خطرہ تک گذرا اسکا سبب ایک حقیقت شناس اہل علم کے قول کا حوالہ دیکر حضرت والا یہ فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلہ میں جو اسقدر جلد جلد وصول الی اللہ ہو جاتا ہے حالانکہ نہ یہاں کچھ زیادہ ریاضات ہیں نہ مجاہدات تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ میں وصول بطریق جذبہ ہوتا ہے بطریق سلوک نہیں ہوتا اور یہ جذب برکت ہے اتباع سنت کی کیونکہ اتباع سنت کا ثمرہ بوجہ تشبیہ بالمحبوب کے محبوبیت عنداللہ ہے اور محبوبیت کے لئے جذب لازم ہے اھ

ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شئ قدیر

شکر نعمت

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ محض اسکے فضل و کرم اور حضرت صاحب سوانح کی توجہات و دعوات کی برکت سے اشرف السوانح کا یہ اہم ترین باب ارشاد و افاضۂ باطنی بھی ختم ہوا جسکے لکھنے کے لئے احقر کو بوجہ عدم اہلیت قلم اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔

روزِ ہجران و شبِ فرقتِ یار آخر شد	زدم ایں فال و گذشت اختر و کار آخر شد
صبح امید کہ بد معتکف پردۂ غیب	گو برون آے کہ کار شب تار آخر شد
شکر ایزد کہ باقبال کلہ گوشۂ گل	نخوت باد دی و شوکت خار آخر شد
آں پریشانی شبہائے دراز و غم دل	ہمہ در سایۂ گیسوئے نگار آخر شد
ساقیا عمر دراز و قدحت پر مے باد	کہ بہ سعی تو ام اندوہ خمار آخر شد

گرچہ آشفتگی کار من از زلف تو بود ۔۔۔ حل ایں عقدہ ہم از روئے نگار آں شد

در شمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را
شکر کاں محنت بیحد و شمار آخر شد

جہاں تک ہو سکا اس نااہل و ناکارہ نے اپنی بساط کے موافق اس امر کی بیحد کوشش کی کہ اس باب میں حضرت والا کا مجموعی طریق ارشاد وافاضہ پوری طرح قلمبند ہو جائے اور بعون اللہ تعالیٰ وبجوہ حضرت والا کے ارشاد فرمودہ صدہا مسائل ضروریہ اور تحقیقات نادرہ معرض تحریر میں بھی آگئے لیکن جب میں حضرت والا کے طریق ارشاد وافاضہ کی اصل جلالت شان کو اپنے ذہن میں مستحضر کرتا ہوں تو واللہ اپنی یہ نقل اُسکے ظاہر کرنے کیلئے بالکل ہی ناکافی نظر آتی ہے اور رہ رہ کر یہ حسرت ہوتی ہے کہ افسوس کچھ بھی نہیں لکھا گیا کیونکہ بقول غالب ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے ۔۔۔ بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اور بقول احقر ؎

عیاں ہونا تھا یہ حال دل عیاں نہ ہوا ۔۔۔ زبان لاکھ چلائی مگر بیاں نہ ہوا

لیکن اگر احقر اس معیار کے مطابق جو احقر کے ذہن میں ہے حضرت والا کی شان ارشاد وافاضہ کو بیان کرنے پر قادر بھی ہو جاتا تب بھی جو اصل شان ہے وہ پھر بھی مخفی کی مخفی ہی رہتی کیونکہ حضرت والا کی کما حقہ معرفت اس نااہل کو تو کیا ہوتی کسی کو بھی نہیں ہوئی نہ میرے نزدیک ہو سکتی ہے کیونکہ اس پایہ کے حضرات کہیں صدیوں میں ایک دو ہوتے ہیں لہٰذا بقول ایک حقیقت شناس کے اسکی تمنا ہی فضول ہے کہ حضرت والا کا کوئی ایسا فیض یافتہ ہو جسمیں حضرت والا کی ساری صفات موجود ہوں ایسا جامع صفات تو یہاں نہ ہوگا بس یہی ہوگا کہ کسی میں حضرت والا کی کوئی صفت ہوگی کسی میں کوئی۔ اھ واقعی بالکل سچ کہا۔

حضرت والا کی کما حقہ معرفت کسی کو نہ ہونے پر خود حضرت والا ہی کا ایک تحریری ارشاد یاد آیا حضرت والا کے خواہرزادہ اور مجاز خاص جناب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب مدت فیوضہم نے بربنائے خصوصیت تعلق اپنے ایک عریضہ میں نہایت ہی اشتیاق کے ساتھ اور کسی حدیث شریف کا حوالہ دے کر حضرت والا سے یہ پوچھا کہ اپنے خدام یعنی منتسبین میں سب سے زیادہ محبوب آپ کو کون ہے اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر اس راز کو پوشیدہ رکھنے کے لئے حکم ہوگا تو عمر بھر کسی پر ظاہر نہ کرونگا اس پر حضرت والا نے بے تکلف تحریر فرمایا کہ میں کبھی بتلانے میں پس و پیش نہ کرتا اگر کوئی اسکا مصداق ہوتا برخوردار من سچ بات یہ ہے کہ اب تک ؎

هر کسے از ظن خود شد یار من ۔۔۔ وز درون من نجست اسرار من

پوری مناسبت کسی کو نہیں ہوئی اور اجنبیت کا مدار وہی ہے ممکن ہے اسکا منشا میری ہی کمی ہو چونکہ

حضرت والا کو بوجہ کسی کی ادنیٰ بھی دلشکنی گوارا نہیں اسلئے اپنے اس جواب کی اشاعت کی ممانعت فرمادی۔ لیکن جناب مولانا ظفر احمد صاحب نے مکرر بذریعہ عریضہ عرض کیا کہ یہ جواب تربیت السالک میں نقل ہوجانا سالکین کیلئے زیادہ نافع معلوم ہوتا ہے شاید کسی اللہ کے بندہ کو حضرت سے پوری مناسبت پیدا کرنے کا شوق پیدا ہوجائے اھ

اور یہ بھی لکھا کہ میری جو حالت اُس جواب کو دیکھ کر ہوئی واللہ میں کیا عرض کروں سچ فرمایا ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من ... وز درون من نجست اسرار من

واللہ مجھے حضرت کے اسرار معلوم ہوجانے کی بہت طلب ہے اور یہی اس سوال کا منشا ہے۔ اگر اس نالائق کے ضبط و تحمل سے زیادہ وہ اسرار نہ ہوں تو مذاکرے مجکو معلوم ہوجائیں اھ

اسکا حضرت والا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔

عزیزم۔ بہتر ہے نقل کرادیا جاوے۔ مجکو صرف یہ خیال لاحق ہوا تھا کہ احباب کی دلشکنی نہو۔ باقی جب اس سے اہم مصلحت نقل میں ہے موافقت کرتا ہوں۔ برخوردار من میرے اسرار ہی کیا ہوتے مولانا کا قول تو میں نے تبرکاً نقل کردیا ہے مراد میری یہ ہے کہ میرے مذاق سے پوری مناسبت کسی نے پیدا نہیں کی سو عزیز من یہ بات میرے کرنے کی نہیں خود اہل محبت کا فعل ہے۔ تتبع اور استحضار اور اتباع اسکا طریق ہے واللہ الموفق۔ اور اس مناسبت کے بعد خود بخود مجکو اظہار اسرار کا جوش ہوگا اگر کچھ اسرار ہونگے یا نئے پیدا ہوجائیں۔ اھ

غرض جب کسی کو حضرت والا کے اسرار کا کما حقہ علم ہی نہ ہوسکا تو کوئی لاکھ بیان کرے حضرت والا کی اصل شان بیان ہو ہی نہیں سکتی۔

ہے عقل و فہم سے بالا مقام حضرت والا ... کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

لہٰذا باوجود احقر کی کوشش بلیغ اور اس باب کے اتنے طویل ہوجانے کے بھی حضرت والا کی اصل شان ارشاد و افاضہ ظاہر نہوئی تھی نہوگی غرض احقر پر تو حضرت حافظ علیہ الرحمہ کا یہ شعر حرف بحرف صادق آرہا ہے ؎

گداخت جاں کہ شود کار دل تمام و نشد ... بسوختیم دریں آرزوئے خام و نشد

اور حضرت والا پر احقر کا یہ شعر ؎

وہ راز ہوں جو عیاں ہوکے بھی عیاں نہوا ... وہ نکتہ ہوں جو بیاں ہوکے بھی بیاں نہوا

اور دونوں کی مجموعی حالت پر حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں ... بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

تاہم یہ مجموعہ انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کرام کے سامنے حضرت والا کے طریق ارشاد و افاضہ کا اجمالی خاکہ تو ضرور ہی پیش کردیگا جس سے صاحبان فہم سلیم اور حضرات اہل ذوق انشاءاللہ تعالیٰ حضرت والا کی اصل شان

ارشاد و افاضہ کا بھی فی الجملہ اندازہ لگا سکیں گے ۔

حضرت والا کا اس زمانہ میں قطب ارشاد اور مرکز رشد و ہدایت ہونا اللہ تعالیٰ نے اس طرح بھی ظاہر فرما دیا ہے کہ اس زمانہ میں چونکہ کوئی اس نمایاں شان کا محقق شیخ نظر نہیں آتا ہر طالب صادق کی نظر حضرت والا ہی کی طرف جاتی ہے چنانچہ اکثر طالبین کے خطوط اسی مضمون کے آتے ہیں کہ سوائے حضور کے اور کوئی محقق شیخ ہی نظر نہیں آتا اسلئے اور کسی پر طبیعت ہی نہیں جمتی ۔

غرض حقیقت یہ ہے کہ حضرت والا نے بعون اللہ تعالیٰ تمام ضروری حقائق طریق کو روز روشن کی طرح واضح فرما کر خلق پر حجت تمام فرما دی ہے اور مدت سے خواص و عوام نے جو غلط فہمی سے تصوف کا غلط تخیل اپنے ذہنوں میں جما رکھا تھا اور غیر مقاصد کو مقاصد سمجھ رکھا تھا اسکو دور کر کے اصلی اور حقیقی تصوف کو روز روشن کی طرح جلوہ گر فرما دیا ہے فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء و متعنا اللہ بہ بطول البقاء ۵

خدا مجذوب کو رکھے سلامت اسنے چونکا یا		جسے منزل سمجھ رکھا تھا وہ اک خواب منزل تھا

اس مقطع کو کہتے وقت احقر کا روئے سخن فی الواقع حضرت والا ہی کی طرف تھا اور مجذوب سے مراد حضرت والا ہی تھے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو بایں فیوض و برکات روز افزوں مدت مدید تک امت مرحومہ پر بعافیت تمام سایہ گستر رکھے اور سب کو فیضیاب ہونے کی توفیق بخشے آمین ثم آمین ۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اس باب کے ختم ہوتے ہی اشرف السوانح حصہ اول جو زیر طبع ہے اسکے پانچ جزو جو اب تک طبع ہو چکے ہیں آج ہی بطور نمونہ موصول ہوئے اس حسن اقتران سے مسرت بر مسرت ہوئی اور بحمد اللہ مجذوب دیوانہ یعنی احقر انقر جامع اوراق ہذا اس شعر کا پورا پورا مصداق ہو گیا ۵

زگیسوئے گل مژدئہ طرف پیغام یار آمد	من آں دیوانہ ام کز ہر دو سوئے من بہار آمد

اب اس باب ارشاد و افاضۂ باطنی کے سب سے آخر میں یہ احقر انقر حضرت صاحب ارشادات و افاضات دامت برکاتہم کی جناب فیض مآب میں عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ دعائیہ اشعار پیش کر کے ۵

	مبادا خالیت شکر ز منقار کہ خوش نقشے نمودی از خط یار		الا اے طوطی گویائے اسرار سرت سبز و دلت خوش باد جاوید	

تیمناً و تبرکاً حضرت عارف رومی رحمہ کی مثنوی شریف کے خاتمہ مصنفۂ صاحبزادہ عارف ممدوح رحمہ یعنی حضرت مولانا المحقق بہاء الدین رحمہ کے ان اشعار پر جو حضرت والا کے کلام فیض التیام کے بالکل شایان شان ہیں اس باب کو فی الحال بند کئے دیتا ہے ۵

کم نشد نقد و بہ اخوانے رسید		شکر کایں نامہ بہ عنوانے رسید

نزو بانِ آسمانست ایں کلام	ہر کہ ازایں بر رود آید ببام
نے ببام چرخ کاں اخضر بود	بل ببامے کز فلک برتر بود

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

کتبہٗ احقر الزمن عزیز الحسن عفا عنہ اللہ ذو المنن وحفظہ عن جمیع الفتن ماظہر منہا وما بطن لاحدی وعشرین من ذی القعدۃ (سنہ ۱۳۵۴ھ) یوم السبت حال اقامتہ بالخانقاہ الامدادیۃ الاشرفیۃ بتھانہ بھون"

باب پانزدہم ۱۵

"خلفائے مجازین"

حسب معمول مشائخ حضرت والا اپنے بعض خاص خاص مسترشدین کو بعد تحقق اوصاف ضروریہ جن کا ذکر آگے نمبر ۲ میں آتا ہے اپنی طرف سے مجاز بعیت وتلقین طریق بھی فرما دیتے ہیں تاکہ سلسلۂ فیض جاری رہے۔

حضرت والا کے موجودہ خلفائے مجازین کے اسمائے گرامی فہرست خلفائے مجازین میں جو سوانح ہذا کے حصۂ سوم کے آخر میں منسلک ہے مذکور ہیں وہاں ملاحظہ فرمائے جائیں۔

حضرت والا نے بحیثیت ایک مجدد اور حکیم الامت ہونے کے اس امر میں بھی مثل دیگر امور دینیہ کے حسب ضرورت زمانہ بعض خاص خاص اصلاحیں فرمائی ہیں مثلاً

(۱) جن صاحبوں کو اپنا خلیفۂ مجاز بنایا جاتا ہے اُن کا پورا نام اور پتہ وقتاً فوقتاً اپنے پاس بطور یادداشت کے تحریر فرماتے رہتے ہیں پھر اُن کو تنبیہات وصیت کے تتمات میں جو وقتاً فوقتاً شایع ہوتے رہتے ہیں، شایع فرما دیا جاتا ہے تاکہ کوئی غیر مجاز اپنے کو اجازت یافتہ نہ قرار دے سکے اور لوگوں کو دھوکا نہ دیا جا سکے۔ چنانچہ بعض نے دھوکا دیا تو لوگوں نے اُنکے بارہ میں حضرت والا سے دریافت کیا۔ چونکہ حضرت والا کے پاس سب کے نام موجود تھے ہی۔ حضرت والا نے جزماً تحریر فرما دیا کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔ ورنہ اس مدعی اجازت کی تکذیب کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ حضرت والا اس اشاعت اسمائے مجازین کی بھی مصلحت بیان فرمایا

کرتے ہیں اور فرمایا کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں نہ اتنے جھوٹے ہوتے تھے نہ ایسے امور میں جھوٹ بولنے کی کسی کو جرأت ہوتی تھی اسلئے اُسوقت اتنی احتیاط کی ضرورت نہ تھی اب ضرورت ہے جس کی تصدیق واقعات سے بھی ہوتی ہے نیز اس اشاعت میں یہ بھی مصلحت ہے کہ طالبین کو حضرات اہل اجازت کا علم ہو جائے اور وہ اُنسے نفع حاصل کر سکیں۔

(۲) خلفائے مجازین میں سے جن بعض کے حالات نہیں معلوم ہونے یا مشتبہ حالات سُننے میں آتے ہیں حضرت والا احتیاطاً انکے نام فہرست سے خارج فرما دیتے ہیں لیکن انکو اہانت سے بچانے کے لئے اُنکے نام نہیں شایع فرماتے بلکہ اخراج کی صرف یہ صورت اختیار فرمائی جاتی ہے کہ آیندہ جو فہرست مجازین شایع ہوتی ہے اُس میں اُنکے نام نہیں دکھلائے جاتے بس صرف اُنہیں کے نام دکھلائے جاتے ہیں جن کی اجازت باقی رکھی جاتی ہے۔

یہ تو اختیاراً خارج فرمانے کی صورت کا طریق عمل ہوا۔ اور جن مجازین کی وفات ہو جاتی ہے ان کو اضطراراً خارج فرمانا پڑتا ہے ایسے اضطراری اخراج کے متعلق یہ صورت اختیار فرمائی جاتی ہے کہ جن جن کی وفات کا علم ہوتا رہتا ہے انکے نام یادداشت میں تحریر فرماتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً تتمات تنبیہات وصیت میں ان مرحومین کے اسماء گرامی شایع فرماتے رہتے ہیں اور انکی تعداد کو نیز ایسوں کی تعداد کو بھی جنکو بلا اظہار نام جیسا کہ اوپر لکھا گیا اختیاراً خارج فرمادیا ہو مجازین کی مجموعی تعداد میں سے منہا فرما کر یہ تحریر فرما دیتے ہیں کہ اب تک کل تعداد اتنی تھی جسمیں سے اتنی تعداد مستثنیٰ کرنے کے بعد اب اتنے باقی رہے۔ اھ

پھر نئے مجازین کا نمبر شمار اسی بقیہ تعداد کے بعد سے شروع فرماتے ہیں تاکہ مجازین موجودین کی باقی تعداد ہمیشہ بسہولت معلوم ہوتی رہے۔

اب اختیاراً اخارج فرمانے کی صورت کا ایک نمونہ ضمیمہ ثالثہ تتمہ سابعہ تنبیہات وصیت بابت ۱۳۳۹ھ کے مضمون اول سے نقل کیا جاتا ہے تحریر فرماتے ہیں کہ بعض کے حالات ہی نہیں معلوم ہوتے جس پر احقر نے تتمہ سابعہ کی اطلاع نمبر ۲ میں تنبیہ بھی کی ہے اور بعض کے حالات مشتبہ سننے میں آتے ہیں اس لئے احتیاطاً انتخاب کے بعد مجازین کی ایک مستقل فہرست تجویز کرتا ہوں۔ ان کے سوا اوروں کو فی الحال مجاز نہ سمجھا جاوے البتہ اگر کسی کا حال قابل اطمینان ثابت ہوگا اسکا نام از سر نو درج کیا جاویگا۔ اھ

دیکھئے حضرت والا نے اس اعلان میں خارج شدہ اصحاب کے نام نہیں ظاہر فرمائے تاکہ انکی دلشکنی اور اہانت نہ ہو بلکہ صرف ان اصحاب کے نام تحریر فرمادئے جو باقی رکھے گئے مزید برآں یہ رعایت فرمائی کہ مجاز نہ سمجھنے کے متعلق یہ تنبیہ بھی بڑھادی کہ بقیہ اوروں کو مجاز نہ سمجھنا انکی صلاحیت کی نفی نہیں۔ میرے علم صلاحیت

کی نفی ہے یعنی اُن کے قابل اجازت ہونیکی مجکو تحقیق نہیں ۔ اھ

البتہ حضرت والا نے اس کلیۂ مذکورہ کے خلاف ایک نہایت قوی مقتضی کے سبب ایک صاحب کو بذریعۂ خط فسخ اجازت اور فسخ بیعت کی اطلاع دیکر اس خط کی نقل تتمۂ تنبیہات وصیت میں بھی شایع فرمادی ۔ اسکے ساتھ ہی بخیال غایت تحفظ حدود یہ اطلاع عام بھی بڑھادی کہ مقصود اس سے صرف اُن لوگوں کو اطلاع دینا ہے جو محض میری بیعت و اجازت کی بنا پر اُنسے رجوع کرتے اور جن کے رجوع کی یہ بنار نہ ہو وہ میرے مخاطب نہیں ہر شخص کو اپنے دین کا اختیار ہے ۔ اھ

غرض حضرت والا کے یہاں ہر شے اپنی حد پر ہے کسی بات میں نہ افراط ہے نہ تفریط ۔ اور یہی صفت اعتدال نہایت دشوار اور کمیاب ہے ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۳) حضرت والا نے اپنے خلفائے مجازین کی فہرست کے متعلق لوگوں کو افراط و تفریط سے بچانے کے لئے تتمہ سابعہ تنبیہات وصیت کے ضمیمۂ عاشرہ کے مضمون اول میں جو النور بابتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ میں طبع ہوا ہے ایک نہایت مفید تحقیق بھی شایع فرمادی ہے جسمیں اس فہرست کے اندر کسی کو داخل کرنے یا اس سے خارج کرنے کی حقیقت اور بنار کو ظاہر فرمادیا ہے تاکہ نہ تو داخل شدہ اصحاب کے متعلق حُسن ظن میں غلو رہے نہ خارج شدہ اصحاب کیطرف سے سوء ظن پیدا ہو ۔

اول اُس تحقیق کو بلفظہ نقل کیا جاتا ہے ۔ پھر بقدر ضرورت اسکی شرح بھی کردی جائے گی تاکہ سمجھنے میں قدرے سہولت ہو جائے کیونکہ وہ باوجود مقصود پر من کل الوجوہ حاوی ہونے کے نہایت مختصر ہے گویا حضرت والا نے کوزہ کے اندر دریا بھر دیا ہے اور اگر وہ باوجود شرح کے بھی سمجھ میں نہ آئے تو پھر اسکو کسی عالم متبحر سے بالمشافہ سمجھ لیا جائے ۔ وہ تحقیق یہ ہے

انسداد سوء ظن و غلو در حُسن ظن

اس فہرست اجازت سے کسی کو اختیاراً خارج کرنے کی بنار انقطاع خبر کے سبب انتفار علم اہلیت ہے نہ کہ علم انتفار اہلیت اور کسی کو داخل کرنے کی بنار ظن غالب ان اوصاف کے درجۂ ضروریہ کا وقوع یعنے رسوخ تقوی و صلاح و مناسبت سالیۂ طریق و اہلیت اصلاح اور اوصاف مذکورہ کے درجۂ کاملہ کی توقع ہے جیسے علوم درسیہ کی بند کی بنار اسکی نظیر ہے ۔ اھ

اب اس عبارت کی شرح عرض کرتا ہوں ۔

اس عبارت کے تین جزو ہیں۔

جزو اول یہ عبارت۔

اس فہرست اجازت سے کسی کو اختیاراً خارج کرنے کی بناء انقطاع خبر کے سبب انتفاء علم اہلیت ہے نہ کہ علم انتفاء اہلیت اھ۔

اس جزو میں حضرت والا یہ فرماتے ہیں کہ میں جو فہرست مجازین میں سے بعض کو اختیاراً خارج کر دیتا ہوں (جسکی تفصیل مع اضطراراً خارج کرنے کی تفصیل کے ابھی نمبر۲ میں گذر چکی ہے) اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک معتد بہ مدت تک انکے متعلق کوئی خبر نہیں ملتی یا مشتبہ خبر ملتی ہے (جو خبر نہ ملنے ہی کے حکم میں ہے کیونکہ اجازت کے معاملہ میں تو اسی خبر کا اعتبار ہے جو قابل اطمینان ہو اور مشتبہ خبر تو گویا خبر ہی نہیں) اور حالات نہ معلوم ہونے کی وجہ سے یا مشتبہ حالات سننے کی وجہ سے انکی حالت کے متعلق اطمینان باقی نہیں رہتا تو وجہ اخراج کی یہ ہوتی ہے کہ اب انکے اہل ہونے کا علم باقی نہیں رہا یہ وجہ نہیں ہوتی کہ انکے نااہل ہونے کا علم ہو گیا

اس جزو میں حضرت والا نے خارج شدہ اصحاب کے متعلق سوء ظن پیدا ہونے کا پوری طرح انسداد فرما دیا جسکو سرخی میں اس لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے "انسداد سوء ظن"

جزو دوم یہ عبارت

اور کسی کو داخل کرنے کی بناء بظن غالب ان اوصاف کے درجۂ ضروریہ کا وقوع یعنی رسوخ تقویٰ وصلاح ومناسبت حالیۂ طریق واہلیت اصلاح اور اوصاف مذکورہ کے درجۂ کاملہ کی توقع ہے۔ اھ

اس جزو میں حضرت والا ان اوصاف کو ظاہر فرماتے ہیں جنکی بناء پر اجازت دیجاتی ہے اور وہ چند اوصاف ہیں۔

وصف اول یہ ہے کہ وہ متقی ہو اور وصف دوم یہ ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہو۔ اور وصف سوم یہ ہے کہ اسکو طریق سے مناسبت پیدا ہو چکی ہو لیکن محض علمی مناسبت نہیں بلکہ حالی۔ اور وصف چہارم یہ ہے کہ اسمیں دوسروں کی بھی اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو اور وصف پنجم یہ ہے کہ اوصاف مذکورہ میں اسکو بقدر ضرورت رسوخ بھی حاصل ہو گیا ہو اور وصف ششم یہ ہے کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گو فی الحال اسکو اوصاف مذکورہ میں رسوخ کا صرف درجۂ ضروریہ حاصل ہے لیکن وہ آئندہ ترقی کر کے اس رسوخ کا درجۂ کاملہ بھی حاصل کرے گا۔ تو یہ سب چھ اوصاف ہوئے۔ لیکن حضرت والا نے بظن غالب کی قید بڑھا کر یہ حقیقت بھی واضح فرما دی کہ ان سب اوصاف کے تحقق کا صرف ظن غالب ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا ہو سکتا ہے

اس جزو میں حضرت والا نے اجازت یافتگان کے متعلق حسن ظن میں غلو کرنے کا بھی پوری طرح انسداد فرما دیا جسکو سُرخی میں اس لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے "انسداد غلو در حُسن ظن" نیز بظن غالب کی قید سے اُن سب شبہات کا بھی بالکلیہ انسداد فرما دیا جو اُن اجازت یافتگان میں سے کسی کو فی الحال درجۂ کمال حاصل نہ ہونے یا عیاذاً باللہ کیسی حالت آئندہ تغیر ہو جانے پر اجازت دینے والے کی طرف سے پیدا ہو سکتے تھے۔

جزو سوم یہ عبارت۔

"جیسے علوم درسیہ کی سند کی بنا ر اسی کی نظیر ہے"۔ اھ

اس جزو میں حضرت والا نے ایک نظیر بیان فرما کر جزو دوم کی توضیح فرمائی ہے اور وہ ایسی واضح نظیر ہے کہ علمائے ظاہر کے نزدیک بھی مسلم اور بلا نکیر انکی معمول بہ ہے

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس اجازت کی نظیر بالکل ایسی ہے جیسے علوم درسیہ میں جو سند فراغ دیجاتی ہے اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ابھی اسی وقت اسکو ان علوم میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ محض اس ظن غالب پر سند دیدیجاتی ہے کہ اسکو ان علوم سے ایسی مناسبت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر وہ برابر درس و مطالعہ میں مشغول رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اسکو کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔ پھر اگر وہ اپنی غفلت اور نا قدردانی سے خود ہی اپنی اس مناسبت اور استعداد کو ضایع کرے۔ تو اسکا الزام سند دینے والوں پر ہرگز نہیں بلکہ خود اسی پر ہے،

اسیطرح جو کسی کو اجازت دیجاتی ہے اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ فی الحال ہی اسکو ان اوصاف میں کمال کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ محض اس ظن غالب پر اجازت دیجاتی ہے کہ اسکو فی الحال تو ان اوصاف کا درجۂ ضروریہ حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ برابر انکی تکمیل کی فکر اور کوشش میں رہا تو قوی امید ہے کہ رفتہ رفتہ اسکو آئندہ ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائیگا۔

بس اب احقر بعون اللہ تعالےٰ حضرت والا کے مضمون منقول بالا کی شرح سے فارغ ہوا۔ ناظرین کرام نے اس سے بخوبی اندازہ فرما لیا ہوگا کہ حضرت والا نے کتنے کثیر اور کیسے بے نظیر مضامین عالیہ کو کتنی مختصر اور مطلب خیز عبارت میں جسکو ایک گنجینۂ معانی کہنا زیبا ہے ادا فرما دیا ہے۔ سبحان اللہ کیا فصاحت و بلاغت ہے اور کیا لطافت و جازت کیا حقیقت نگاری ہے اور کیا انشاپردازی۔

(۴) حضرت والا کی خصوصیات میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ حال ہی میں حضرت والا نے علاوہ مجازین بیعت و تلقین کے بعض اصحاب کو مجازین تلقین بواسطہ صحبت بھی بنایا ہے۔ ایسے مجازین کے متعلق حضرت والا کا جو مضمون تنبیہات وصیت کے تتمۂ سابعہ کے ضمیمۂ حادیہ عشر مطبوعہ النور بابتہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ میں شایع ہوا ہے اسکا ضروری جزو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ وھو ہذا۔

الحاق (مضمون اول متعلق مجازین) تقریباً دو ماہ ہوئے کہ ایک روز قلب پر بیساختہ وارد ہوا کہ بعض ایسے احباب کو (جو تلقین کی کافی صلاحیت رکھتے ہیں گو اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہے) تلقین بلا بیعت کی اجازت دیدوں چنانچہ ذیل کے اصحاب کو اسکی اجازت دیگئی اور ایسے حضرات کا لقب مجاز صحبت تجویز کیا گیا یعنی مجاز بالصحبۃ یعنی جنکو صرف بواسطہ صحبت کے نفع پہونچانے کی اجازت دیگئی اور تمائز کے لئے جماعت سابقہ کا لقب مجاز بیعت یعنی مجاز بالبیعۃ قرار دیا گیا۔ اگر ان مجازین صحبت میں حالات منتظرہ رونما ہوگئے (جنکی تعیین اور فیصلہ بس صرف میں متفرد ہوں خود اہل معاملہ کو اسکا منتظر رہنا منافی اخلاص ہے) اُس حالت میں اُن کو مجازین بیعت میں داخل کر کے شایع کر دیا جائیگا۔ اب مجازین صحبت کی فہرست مستقلاً نقل کرتا ہوں آئندہ بھی دونوں کا سلسلہ متمائز رہے گا اھ (اسکے بعد فہرست مجازین صحبت ہے ۱۲)

سبحان اللہ اسمیں بھی کیسی کیسی دقیق مصلحتوں کی رعایت ہے مجازین کی مصلحتوں کی بھی اور اُنسے نفع اُٹھانے والوں کی مصلحتوں کی بھی کہ مثلاً جب ان مجازین میں تعلیم وتلقین کی کافی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے تو ان سے لوگوں کو کیوں نہ فائدہ اُٹھانے دیا جائے اور حالات خاصہ کے انتظار میں لوگوں کو اُنکے اُتنے فیض سے بھی کیوں محروم رکھا جائے جتنا وہ اپنی حالت موجودہ ہی میں پہونچانے کے اہل ہیں۔ لیکن ساتھ ہی مجازین کو بھی اپنی اصلاح اور تکمیل کی طرف سے بےفکر نہیں کیا گیا بلکہ ان کو اس امر کی اطلاع فرمادی کہ ابھی اُنکے اندر بعض حالات خاصہ پیدا ہونے کا انتظار ہے تاکہ وہ محض اس اجازت ہی پر اپنے کو مستغنی عن التکمیل نہ سمجھ لیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اپنی تکمیل کی فکر اور کوشش میں مشغول ہو جائیں چنانچہ احقر نے ایسے متعدد اصحاب اجازت کو اپنی تکمیل اور اصلاح کے متعلق پہلے سے کہیں زیادہ سرگرم اور فکر مند پایا نیز حضرت والا نے خود فرمایا کہ الحمدللہ میرا یہ خیال کہ اس قسم کی اجازت دیدینا خود اجازت یافتگان کے لئے بھی بہت نافع ہوگا بالکل صحیح نکلا کیونکہ ان میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جسپر اس اطلاع کے ملتے ہی گریہ طاری نہ ہوگیا ہو اور اپنی ناکارگی پیش نظر ہوکر خود اپنی فکر اصلاح نہ دامنگیر ہوگئی ہو جیسا کہ اُنکے اطلاع یابی کے بعد کے خطوط سے معلوم ہوا اھ اسپر حضرت والا کا ایک ملفوظ یاد آیا ایک بار فرمایا کہ بعض درجہ اصلاح کا موقوف ہی اسپر ہوتا ہے کہ اجازت دیدی جائے اھ

حضرت والا نے اپنے مضمون متعلق مجازین صحبت میں جو اوپر نقل کیا گیا ایک یہ لطیف رعایت بھی فرمائی ہے کہ حالات خاصۂ منتظرہ کی تعیین کو اور اُنکے رونما ہو جانے کے فیصلہ کو خود اپنے ہی تک محدود اور تنہا اپنے ہی متعلق اور اپنی ہی رائے پر رکھا ہے۔ اسمیں اہل معاملہ کا کوئی دخل نہیں رکھا۔ اسمیں یہ مصلحت ہے کہ ان کو اپنی ہر قسم کی اصلاح کی فکر رہے ورنہ تعیین کی صورت میں وہ بس اُن حالات خاصہ ہی کے حصول کی کوشش کر لیتے دیگر توجہ طلب امور کی طرف سے ان کو ایک گونہ بےپروائی سی ہو جاتی۔ نیز جب اپنے نزدیک وہ حالات

رونما ہو جاتے تو ان کو اسکا انتظار رہتا کہ بس اب اجازت بیعت بھی ہو جائے گی اور یہ اخلاص کے بالکل منافی تھا۔ اس سبب سے حضرت والا کا یہ مقصود ہے کہ لوگوں کو ان سے نفع بھی پہونچنا شروع ہو جائے اور خود انکو بھی اپنی کمی کا بلا تعیین علم ہو کر اپنی ہر قسم کی اصلاح اور تکمیل کی فکر دامنگیر ہو جائے اور بہمہ وجوہ اپنی اس تکمیل و اصلاح کی کوشش میں مشغول رہیں اور اس کوشش میں انکی نیت بھی درست رہے کہ اس سے مقصود تکمیل حالت ہو نہ کہ تحصیل اجازت۔

حضرت والا نے اس قسم کے مجازین صحبت میں سے بعض کو بعد میں مجاز بیعت بھی بنا دیا کیونکہ انکے لئے جن بعض حالات خاصہ کا حضرت والا کو انتظار تھا وہ بعد کو رونما ہو گئے اور اس طرح مجموعۂ شرائط اجازت بیعت کا اجتماع ہو گیا۔

(۵) جن اصحاب کو حضرت والا مجاز بناتے ہیں ان کو اس امر کی اطلاع انکے کسی خط میں تحریر فرما دیتے ہیں اور یہ بھی تحریر فرما دیتے ہیں کہ اسکی اطلاع اپنے خاص خاص احباب سے بھی کر دی جائے اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ اوروں کو بھی اطلاع ہو جائے تاکہ لوگ نفع اٹھا سکیں۔

اکثر اس عنوان سے اجازت عطا فرماتے ہیں "کہ بیساختہ یہ قلب میں آیا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیدی جائے لہٰذا توکلاً علی اللہ آپ کو اجازت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نفع کو عام اور تام فرمائے اگر کوئی رجوع کرے تو انکار نہ کریں"۔ اھ

(۶) حضرت والا کیفما اتفق طور پر کسی کو مجاز نہیں بناتے بلکہ جب کسی کے متعلق قرائن حالیہ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے تو پھر اسکے حالات کا خاص طور سے بغور تتبع فرمانے لگتے ہیں بلکہ اس تتبع حالات کے لئے بعض کا نام بھی پہلے سے بطور یادداشت کے لکھ کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور جب اسکی اہلیت کے متعلق اپنا ظاہری اطمینان بھی اور باطنی شرح صدر بھی ہو جاتا ہے اسوقت اجازت عطا فرما دیتے ہیں۔

بعضوں نے ترکیبیں کر کر کے اجازت حاصل کرنی چاہی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے چنانچہ ایک صاحب نے لکھا کہ اس نواح میں یہ دستور ہے کہ مرنے کے وقت توبہ کراتے ہیں اسکے لئے لوگ مجھ سے اصرار کرتے ہیں اگر اجازت ہو تو توبہ کرا دیا کروں۔ حضرت والا نے تحریر فرما دیا کہ صرف زبان سے توبہ کرا دیا کرو ہاتھ میں ہاتھ نہ لیا جائے تو یہ ویسے بھی ہو سکتی ہے۔ اھ

پھر زبانی فرمایا کہ اس سے انکی جو غرض تھی وہ حاصل نہ ہوئی کیونکہ عوام تو ہاتھ میں ہاتھ لینے ہی کو بیعت سمجھتے ہیں اگر کوئی زبانی توبہ کرا دے تو اسکو بیعت ہی نہیں سمجھتے۔ میں نے اسلئے ممانعت کر دی کہ پھر وہ پیر سمجھے جانے لگتے اور اس خاص موقع کے علاوہ وہ رفتہ رفتہ عام طور سے بھی مرید کرنے لگتے۔ اھ

اسیطرح احقر کو ایک ثقہ راوی سے معلوم ہوا کہ بعضوں نے حضرت والا کی خدمت میں تربیت السالک سے دوسرے طالبین کے حالات نقل کر کے بھیجے جن پر ان کو مجاز بنایا گیا تھا اور ان حالات کو از راہ فریب اپنے حالات ظاہر کر کے اسکے متوقع تھے کہ جواب میں اُنکے پاس بھی اجازت نامہ آجاوے گا لیکن حسب ارشاد حضرت والا اگر کوئی ایسا شخص جو دراصل شراب نہ پئے ہوئے ہو جھوم جھوم کر جھوٹ موٹ اپنا نشہ ظاہر کرنے لگے تو جو شرابی ہوگا وہ اسکو دیکھتے ہی تاڑ لے گا کہ یہ بن رہا ہے اسکو نشہ نہیں ہے جھوٹا ہے مکار ہے کیونکہ نشہ کے جھومنے میں تو کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے جو بغیر شراب پئے پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ وہ بھی اپنی اس فاسد غرض میں کامیاب نہ ہو سکے

اسی طرح تربیت السالک میں ایک طالب کا جو عرصہ سے مقیم خانقاہ تھے ایک خط ہے جس میں انھوں نے التکشف سے حضرت والا کی مختلف عبارتیں مع حوالہ صفحات نقل کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قبل تکمیل پیر سے بلا ضرورت شدیدہ علٰحدگی نہ چاہیئے۔ البتہ جب اسکو بلا واسطہ فیض ہونے لگے اور مرید کو مقام تمکین حاصل ہو جاوے جو بمنزلہ دانت نکلنے کے ہے اُسوقت ترک صحبت کا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ اس شخص کے لئے ہے جسکو تعلیم کی حاجت نہ رہی ہو صرف تقویت نسبت میں مشغول ہو ورنہ بدون قرب جسمانی کام نہیں چلتا الخ۔

ان عبارتوں کو نقل کر کے انھوں نے عرض کیا کہ احقر کو مکان سے آئے آج پانچ سال ہوئے۔ مکان سے والد صاحب اور دادا صاحب نے بہت تقاضا لکھ کر بھیجا ہے کہ جلد آؤ۔ یہ سب عبارتیں دیکھ کر بہت متفکر ہوں کہ میں کیا کروں حضور والا کوئی مشورہ دیں اھ

اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ میرے رسالہ کی عبارتیں نقل کرنا ناشی عن امراض النفس ہے کہ شاید میں جواب میں کہہ دوں کہ اب حاجت قرب جسمانی کی نہیں۔

اور اس کو ایک گونہ کمال کی شہادت قرار دیجاوے کیا یہ اصول میرے پیش نظر نہیں اپنی حالت لکھ کر مجھ سے مشورہ لینا کافی تھا وھذا من ادق مکائد النفس اھ

سبحان اللہ حضرت والا نے نفس کا کیسا دقیق کید معلوم فرمالیا۔ ایسے ہی حضرات کو تو جواسیس القلوب کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اہل علم نے ایک طویل خط میں بمقابلہ بدعتی پیروں کے اسکی ضرورت ظاہر کی کہ اپنے بزرگوں سے خود بیعت کی اجازت لے لی جائے اور زیادہ ہمت کے کام نہ ہو سکیں تو کم از کم لوگوں کو بدعات تو ترک دینے میں بدعتی پیروں کے مقابلہ میں کامیابی ہو جاوے اھ حضرت والا نے انکو یہ جواب ارقام فرمایا کہ آپ کا نفس بڑا عقلمند ہے اور میں گو عقلمند نہیں مگر عقلمندوں کو پہچانتا ہوں العاقل تکفیہ الاشارۃ اھ

غرض حضرت والا بہت دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر مجاز بناتے ہیں۔

(۷) حضرت والا کے یہاں اجازت بیعت وتلقین کے لئے اسکی بھی حاجت نہیں کہ وہ خود پہلے بیعت ہو چکا ہو چنانچہ کسی موقع پر ایک صاحب کا یہ واقعہ عرض بھی کیا جا چکا ہے کہ ان کو حضرت والا نے جیسا کہ اکثر معمول ہے ابتداء میں بیعت نہیں فرمایا لیکن وہ خانقاہ میں مقیم رہ کر حضرت والا سے برابر تعلیم طریق حاصل کرتے رہے پھر جب کچھ عرصہ کے بعد وہ واپس جانے لگے تو چونکہ وہ حضرت والا کے نزدیک مجاز بنا دیئے جانے کے قابل ہو گئے تھے حضرت والا نے ان کو بیعت لینے کی اجازت عطا فرمائی اسوقت انھوں نے عرض کیا کہ ابھی تو حضرت والا نے خود مجھی کو بیعت نہیں فرمایا اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ گو بیعت کی ضرورت تو اب بھی نہیں کیونکہ حقیقت اور غایت بیعت کی حاصل ہے لیکن اگر جی چاہتا ہے تو خیر کوئی مضائقہ بھی نہیں بلکہ امید برکت ہے چنانچہ حضرت والا نے ان کو مجاز بیعت تو پہلے بنایا اور بیعت بعد کو کیا۔

حضرت والا اس واقعہ کو نقل فرما کر یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں تو عملاً یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ نفع بیعت پر موقوف نہیں بلکہ تعلیم اور اسکے اتباع پر موقوف ہے۔ اصل چیز یہی ہے اھ

(۸) امر اجازت میں حضرت والا کی یہ بھی ایک خاص خصوصیت ہے کہ جو غیر اہل علم قابل اجازت ہوتے ہیں ان کو صرف عوام کے لئے اجازت عطا فرمائی جاتی ہے کیونکہ انسے اہل علم کی تسلی ہونا مستبعد ہے۔ اور اس امر کو ظاہر کرنے کے لئے فہرست اجازت یافتگان میں ایسے مجازین کے نام کے آگے لفظ للعوام اضافہ فرما دیا جاتا ہے۔ البتہ جن بعض غیر اہل علم سے بوجہ انکی خوش فہمی کے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ اہل علم کی بھی تسلی کر سکیں گے اور انسے اہل علم کو بھی رجوع کرتے ہوئے استنکاف نہ ہوگا ان کو اجازت عامہ ہی عطا فرمادی جاتی ہے اور فہرست میں بھی انکے نام کے آگے لفظ "للعوام" نہیں بڑھایا جاتا۔

(۹) حضرت والا اپنے یہاں کے ایسے طالبین کو جن سے ابتداءً مناسبت ہونیکی توقع نہیں ہوتی یا جو بیعت بلا تعلیم کی شرائط کو پورا کر کے صرف بیعت ہونا چاہتے ہیں بکثرت اپنے خلفاء مجازین کے سپرد فرماتے رہتے ہیں جسمیں علاوہ دیگر مصالح کے یہ بھی بڑی مصلحت ہے کہ مجازین کو بھی امر تربیت میں ملکۂ تامہ حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ان میں سے متعدد اصحاب ایسے ہیں جنسے مسلمانوں کو بڑا فیض پہونچ رہا ہے یہاں تک کہ انکی تعلیم و تربیت کی برکت سے متعدد طالبین بعد تکمیل انھیں کی طرف سے صاحب اجازت بھی ہو گئے ہیں۔ جب کسی طالب کی کوئی الجھی ہوئی حالت ہوتی ہے تو حضرت والا کے مجازین حضرت والا سے بھی مشورہ لیتے رہتے ہیں اور خود حضرت والا کو بھی اپنے سپرد کردہ طالبین کے اصلاحی خطوط کو مع اپنے مجازین کے جوابات کے ملاحظہ فرمانے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ اور بعض کی باقاعدہ تعلیمات پر اظہار مسرت بھی فرماتے رہتے ہیں کہ خدا کے فضل سے یہ لوگ بہت سے مشائخ وقت سے زیادہ نفع رساں ہیں اسیطرح بعض کی بے پروائی اور

تاخیر جواب وغیرہ کا حال معلوم ہوا تو طالبین کو اپنی طرف سے ان کے سپرد فرمانا چھوڑ دیا اور اسکی بارہا خاص اہتمام تاکید فرمائی کہ بہت توجہ اور شفقت کے ساتھ طالبین کی تربیت کرنی چاہیئے اور کم توجہی کی شکایت بھی فرمائی۔

غرض حضرت والا کے اس دستور العمل سے مجازین کو اسیطرح فائدہ پہونچ رہا ہے جس طرح کسی طبیب کے شاگرد کو اپنے اُستاد کے مطب میں بیٹھکر تجربہ حاصل کرنے یا اسکی نگرانی میں مطب کرنے سے فائدہ پہونچتا ہے نیز اس سے حضرت والا کو اپنا اطمینان بھی کرنا ہے کہ آیندہ سلسلہ چل سکے چنانچہ بارہا بسر اظہار مسرت فرمایا کہ الحمد للہ اب اپنے چند احباب ایسے ہو گئے ہیں جو بفضلہ تعالےٰ طریق کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ انکے ذریعہ سے آیندہ بھی اشاعت طریق کا سلسلہ جاری رہیگا۔

نیز جیسا کہ کسی موقع پر بہ تفصیل عرض کیا جا چکا ہے حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے سپرد دین کے جتنے کام ہیں وہ سب میرے بعد بھی بدستور چلتے رہیں اور کسی کو میرے نہ ہونے کا اس بنا پر افسوس نہو کہ فلاں دین کا کام اب کون کریگا۔ اس مصلحت سے بھی میں اپنی مختلف دینی خدمات کو، قتاً وقتاً دوسروں کے سپرد کر کرکے ادھر اُدھر منتقل کرتا رہتا ہوں۔ اھ

(۱۰) اب آخر میں حضرت والا کی ایک خاص تحقیق مجازین کے برتاؤ کے متعلق جو اُن کو اپنے شیخ کیساتھ بعد اجازت رکھنا چاہیئے عرض کیجاتی ہے گو غالباً وہ پہلے بھی کسی باب میں گذارش کیجا چکی ہے۔

فرمایا کہ گو بعد تکمیل کے شیخ کی تعلیم کی حاجت نہیں رہتی لیکن بقائے فیض کے لئے اُسکے ساتھ اعتقاد اور امتنان کا تعلق عمر بھر رکھنا ضروری ہے اھ

چنانچہ خود حضرت والا اب تک ہمیشہ اپنے پیر و مرشد ہی کا دم بھرتے رہتے ہیں اور اپنے سارے حقائق و معارف کو اعلیٰحضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی جوتیوں کا صدقہ بتایا کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسا فنا فی الشیخ بھی کوئی کم ہوگا جیسے حضرت والا ہیں جبھی تو حضرت والا سے بفضلہ تعالیٰ اسدرجہ فیض جاری ہو رہا ہے بمصداق ارشاد حضرت حافظ رحمہ اللہ ؎

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیر مغاں	خاک او گشتم و چندیں درجاتم دادند

اس تحقیق کے متعلق ایک ضروری عرض یہ ہے کہ شیخ کے ہوتے ہوئے اُس سے استغناء بعد تکمیل بھی نہیں چاہیئے کیونکہ گو مجاز ہو جانے کے بعد شیخ سے سلسلۂ استفادہ جاری رکھنا درجۂ ضرورت میں نہ رہے لیکن ترقیات کے لئے تو پھر بھی اسکی حاجت رہتی ہے بلکہ اکثر احوال میں یہ استفادہ درجۂ ضرورت ہی میں رہتا ہے کیونکہ جیسا نمبر ۳ میں بہ تفصیل معلوم ہو چکا ہے۔ بعد اجازت بھی کما حقہ تکمیل ضروری نہیں۔ لہذا شیخ حی (زندہ) سے

استغناء کسی حال میں نہیں چاہیے۔ چنانچہ حضرت والا کے جملہ مجازین برابر مسترشدانہ ہی استفادہ کرتے رہتے ہیں جس سے ان کو بے انتہا منافع حاصل ہوتے ہیں بلکہ بعد تجربہ ان کو اسکی سخت ضرورت بھی ثابت ہوتی ہے جسکی بہ کثرت شہادات احقر کے علم میں ہیں اور جنھوں نے اپنے کو مستقل سمجھ لیا ان کی حالت ہی متغیر ہوگئی۔

حضرت والا تو یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ اگر کسی کے سر پر کوئی بڑا نہ رہے تو سلامتی اسی میں ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں ہی کو بڑا سمجھنے لگے اور اُن سے ملا جلا رہے بلکہ امور دینیہ میں بوقت ضرورت اُن سے مشورہ بھی لیتا رہے۔ چنانچہ حضرت والا کا اسی پر عمل ہے۔

ناظرین کرام نے ان نمبروں کے ملاحظہ سے یہ بخوبی اندازہ فرمالیا ہوگا کہ امر اجازت میں بھی حضرت والا کے اصول کیسے پاکیزہ اور معقول ہیں۔

حضرت والا کے مجازین میں بفضلہ تعالیٰ بڑی بڑی مقدس ہستیاں اور بڑے بڑے صاحبان احوال رفیعہ و مقامات عالیہ اور اہل علم و صلاح و تقویٰ گذر چکے ہیں اور موجود ہیں جن میں سے بعض کی بصد ذوق و شوق شب و روز کی مشغولی ذکر و فکر پر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بالکل صادق آتا ہے ؎

ہر شب منم فتادہ بگرد سرائے تو ہر روز آہ و نالہ کنم از برائے تو

اور جس کے دیکھنے کا خود اس ناکارہ کو بھی بارہا اتفاق ہوا ہے بالخصوص رمضان المبارک کے زمانہ میں جبکہ کثرتِ ذاکرین و شاغلین سے جن میں مجازین بھی بکثرت ہوتے ہیں حضرت والا کی خانقاہ اقدس کے ان اشعار کی مصداق ہو جاتی ہے ؎

بیکے ساقی و میخواراں ہزار اند	دو چشم مست او مشغول کار اند
بمیخانہ بہار است و بہار است	کہ در وجد و طرب ہر میگسار است
خوشا ایں بادہ نوشانِ الٰہی	زہے رندی زہے شانِ الٰہی
مپرس از ذاکران نیم شبہا	کہ مشغول اند با دلہا و لبہا
چہ پرسی لطف وردِ صبحگاہی	کہ ایں نغمہ بہ است از مرغ و ماہی
پر از ذکر است گو ہر حجرہ تنگ است	چہ خوش ایں نغمہ بے عود و چنگ است
دل اینجا میکند اللہ اللہ	کہ ہر دم بشنود اللہ اللہ
چہ صحت بخش ہست اینجا فضائے	دل اینجا بے دوا یابد شفائے
ببیں اے خواجہ جاہ اشرف ما	بیا در خانقاہ اشرف ما

	بیا خود ترک کن گبر و منی را ز شرح فیض او قاصر زبان است بیا تا دیدہ گردد ایں شنیدہ نہ گویم غیر حق کایں امر دین است		چہ گویم جلوہ ہائے دیدنی را کہ گر شنیے بہ بحر بیکران است شنیدہ کے بود مانند دیدہ یقین کن این ہمہ عین الیقین ست	

کہ مجذوب ایں ہمہ شنیدہ گوید
قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

اشعار بالا میں حضرت والا کی خانقاہ کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ بالکل راست اور بے کم و کاست ہے۔

نیز رمضان المبارک ہی کے زمانہ میں یہ دیکھ کر کہ حضرت والا سے بتدی متوسط اور منتہی بھی قسم کے طالبین اپنے اپنے ظرف کے مطابق مستفیض ہو رہے ہیں احقر نے یہ شعر بھی کہے تھے ؎

	بہار آ رہی ہے مزے آ رہے ہیں محفل میں تیری سبکے ارماں نکل رہے ہیں		خم و جام و مینا بھرے جا رہے ہیں سالک اُبل رہے ہیں مجذوب اچھل رہے ہیں	

خانقاہ اشرفی ہی کے متعلق یہ اشعار بھی کہے ہیں ؎

رات دن ہے اک ہجوم طالبانِ دردِ دل خانقاہ اشرفی ہے لامکانِ دردِ دل		خانقاہ اشرفی ہے یا دکانِ دردِ دل ذرہ ذرہ ہے یہاں کا اک جہان دردِ دل	

لیکن یہ دردِ دل اور سب دردوں کا درماں ہے بقول احقر ؎

دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

اسی لئے جیسی راحت کی زندگی خانقاہ اشرفی میں گذرتی ہے ویسی شاید ہی کہیں اور گذرتی ہوگی بمصداق شعر احقر ؎

	یہ وہ جگہ ہے یکدہ غم کا گذر یہاں نہیں		گردش جام ہے یہاں گردش آسماں نہیں	

اس استطرادی مضمون کے بعد میں پھر اصل موضوع کی طرف عود کرتا ہوں۔

حضرت والا کے مجازین بفضلہ تعالیٰ قریب قریب ہر طبقہ میں اور ہندوستان کے ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں بلکہ بعض خلفاء دیگر ممالک میں بھی ہیں۔

علاوہ اُن بہت سے حضرات مجازین کے جو وفات فرما چکے اسوقت بھی کہ حسن اتفاق سے حضرت والا کا سن شریف بھی چوہتر (۷۴) سال کا ہے چوہتر (۷۴) ہی خلفاء موجود ہیں اُن میں سے بعض بعون اللہ تعالیٰ ۴۵

و برکت حضرت والا بہت سرگرمی کے ساتھ تعلیم و تربیت طالبین میں مشغول ہیں اور ان سے مسلمانوں کی بہت اصلاح ہو رہی ہے اور بندگانِ خدا کو بڑا فیض پہونچ رہا ہے اور انکو بفضلہ تعالیٰ مقبولیت بھی حاصل ہے۔

یہ تو باقاعدہ اجازت یافتہ حضرات ہیں لیکن جیسا کہ پہلے بھی کسی موقع پر عرض کیا جا چکا ہے حضرت والا نے تو اپنے خاص طریق اصلاح بطرز احتساب شرعی کی مصالح بیان کرنے کے ضمن میں ایک بار یہاں تک فرمایا کہ الحمدللہ اس صورت میں جتنے میرے احباب ہیں وہ اکثر ایسے تو ہیں جن پر اطمینان ہے ورنہ اگر بس وسعت کرتا تو ہر قسم کے لوگ بھر جاتے اور خلط بحث ہو جاتا۔ اب تو الحمدللہ فہم و اہتمام دین کے لحاظ سے میرے قریب قریب سب ہی احباب بفضلہ اس قابل ہیں کہ ان کو اجازت دیدی جائے لیکن چونکہ کچھ نہ کچھ وجاہت بھی اجازت کیلئے مصلحت ہے اسلئے پس و پیش ہے۔ حضرت والا نے اپنے بعض نا خواندہ یا برائے نام خواندہ گرشتی اور فہیم خدام کے متعلق بالتعیین بھی اپنا یہی خیال ظاہر فرمایا۔ اھ

واقعی حضرت والا کے اکثر منتسبین کی بفضلہ یہی شان ہے چنانچہ عرصہ ہوا فتحپور میں ایک سنار کے متعلق خود حقیر سے وہاں کے ایک غیر اہل علم و صلاح نے جو حضرت والا سے متعلق بھی نہیں ہیں کہا کہ جب سے یہ مرید ہوا ہے اسکو اس امر کی بڑی احتیاط ہو گئی ہے کہ امانی میں بھی ویسی ہی تیز دستی سے کام کرنا چاہیے جیسا کہ ٹھیکہ میں کیا جاتا ہے اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی ان صاحب نے کہا کہ مولانا کا یہ اثر تو ہمنے دیکھا کہ جسکو مولانا سے تعلق ہو جاتا ہے اسکو جائز ناجائز کی بہت فکر پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح الہ آباد کے ایک صاحب نے وہاں کے ایک نائی کا احقر سے ذکر کیا جس نے حضرت والا سے مرید ہونے کے بعد اپنا پیشہ محض اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ اسمیں اکثر مسلمانوں کی ڈاڑھی مونڈنی پڑتی تھی۔ اب وہ بجائے حجامت بنانے کے لوگوں کے یہاں تقریبات وغیرہ کے موقعوں پر دعوتوں کے کھانے پکایا کرتا ہے جسمیں وہ پہلے سے بہت زیادہ کما لیتا ہے اور ہمیشہ دعوتوں کے عمدہ قسم کے کھانے بھی اسکو نصیب ہوا کرتے ہیں اور بوجہ اپنی ہوشیاری دینداری اور دیانت داری کے بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر ایک طالب علم نے اسوقت تک تو مسجد میں بیٹھے ہوئے مسجد کے چراغ سے کتابوں کا مطالعہ کیا جبوقت تک مسجد میں چراغ جلانے کا معمول تھا اسکے بعد فوراً اسکو گل کرکے اپنا ذاتی چراغ جلا لیا۔ اسپر ایک دیکھنے والے عالم نے جو وہاں مدرس تھے اور اسکو پہچانتے بھی نہیں تھے اوروں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے اسکو مولانا تھانوی سے تعلق ہے چنانچہ تحقیق کے بعد یہ بات صحیح نکلی۔

اسی طرح حضرت والا کے ایک خادم کا قیام مدرسہ دیوبند میں ایک صاحب کے پاس ہوا تو جب لالٹین آئی تو اسکے متعلق انھوں نے یہ تحقیق کی کہ آیا یہ مدرسہ کی تو نہیں ہے اسپر بھی ایک بہت معمر اور اکابر کی زیارت

گئے ہوئے اور صحبت پائے ہوئے بزرگ نے پوچھا کہ کیا تم کو مولانا تھانوی سے تعلق ہے۔
غرض حضرت والا کے اکثر منتسبین بفضلہ تعالیٰ فہم دین اور اہتمام تقویٰ کے لحاظ سے قابل اجازت ہیں جنکو دیکھ دیکھ کر دوسروں کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ بلکہ حسب ارشاد حضرت والا چونکہ بہت سے طالبین غائبانہ اصلاحی خط وکتابت جاری رکھتے ہیں اسلئے جب وہ آتے ہیں تو ان میں سے بعض تو پہلی ہی ملاقات میں اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کو مجاز بنا دیا جائے لیکن احتیاطاً توقف فرمایا جاتا ہے
ان سب واقعات وحالات سے حضرت والا کے فیض کا عام اور تام ہونا ظاہر وباہر ہے حسب ارشاد حضرت عارف رومی رح ؎

گر نبودے نالۂ نے را ثمر — نے جہاں را پر نکردے از شکر

اور حضرت والا کے اس فیض عام وتام پر یہ شعر بھی بالکل صادق آتا ہے ؎

عالم از نرگس تو بے مے وہینا سرشار — چشم بد دور عجب ساغر بے گل زدہ

اسی لئے احقر نے حضرت والا کی شان میں یہ اشعار عرض کئے ہیں ؎

چناں سوزِ نہان او عیاں شد — کزا نفاسش جہاں آتش بجاں شد
ہزاراں اندازد شعلہ بدامن — بگشت از شعلے صد شمع روشن
دلش از عشق دائم زندہ بادا — بعالم فیض او پائندہ بادا

وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء - اللهم زد فزد - اللہ تعالیٰ اس فیض کو ہمیشہ اسیطرح جاری رکھے ؎

میکشوں کے سر پہ یارب پیر میخانہ رہے — دور میں ساغر رہے گردش میں پیمانہ رہے

الحمد للہ ثم الحمد للہ باب ہذا بھی جو در اصل اب سابق یعنی باب ارشاد وافاضۂ باطنی ہی کا تتمہ ہے ختم ہوا۔ اب ان دونوں ابواب کے مجموعہ کو اشرف السوانح کا حصہ دوم قرار دیا جاتا ہے اور اسکے آخر میں احقر اپنے چند مناسب مقام اشعار حضرت والا کی شان ارشاد وافاضہ کے متعلق ناظرین کرام کی تفریح طبع کے لئے پیش کرتا ہے ؎

کہاں ہوئے زمیں پر تیرے مستانے نہیں ساقی — چھکا ڈالے ہیں لاکھوں آفریں صد آفریں ساقی
جہاں میں آج تجھ سا کوئی دریا دل نہیں ساقی — لئے گلرنگ سے سیراب ہے روئے زمیں ساقی
ترے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دیں ساقی — ہوا علم الیقیں عین الیقیں حق الیقیں ساقی
ٹلوں گا میں نہ ہرگز لاکھ ہو تو خشمگیں ساقی — کہ جو ہے سب سے بہتر ہے ملتی ہے یہیں ساقی

مٹا دیتا ہے تو دم میں غمِ دنیا و دیں ساقی
اگر ملتی رہے تھوڑی سی دُردِ تہ نشیں ساقی
خدارا اک نگاہِ مست وقتِ واپسیں ساقی
یہاں آنے کو ہے اِک زاہد مسجد نشیں ساقی
سمجھتا ہوں میں رازِ حُسن تیرا اے حسیں ساقی
تری محفل میں کیا انوار ہیں اے مہ جبیں ساقی
یہیں سے پاؤں گا ہر نعمتِ دنیا و دیں ساقی
یہ کس بھٹی کی دی تو نے شرابِ آتشیں ساقی
جو زیب حلقۂ رنداں ہے تو اے مہ جبیں ساقی
عجب ہے تیرے میخانہ کا اے پیرِ مغاں عالم
جو تر دامن ہے تیرا پاک داماں سے بہتر ہے
رہے ہشیار پی کر خم کے خم بھی تیرے متوالے
زبردستی لگا دی منہ سے بوتل آج ساقی نے
پلائے گا بلا اندازہ جب خود پی کے نکلے گا
نہ چھیڑ اے محتسب میں ہوں مئے وحدت کا متوالا
تری ان بخششوں پر یا الٰہی جان و دل صدقے
کہاں سے مجھکو پہونچایا کہاں پیرِ مغاں تو نے
نظر میں جانچ لیتا ہے کہ کس کا ظرف کتنا ہے
ریا[ع] گریہ ہم رندوں کو اے صوفی نہیں کرتا
سلامت تیرا میخانہ سلامت تیرے مستانے
وہی باتیں تو مجذوب اپنی بڑ میں بھی سناتا ہے

یہاں جس کو نہیں تسکیں کہیں تسکین نہیں ساقی
تو پھر بس منّ و سلویٰ ہے مجھے نانِ جویں ساقی
دمِ رخصت تو خوش ہو جائے یہ جانِ حزیں ساقی
بنا دے آج میخانہ کو ہاں خلدِ بریں ساقی
یہ ہے اک عکسِ نورِ قلب کا نورِ جبیں ساقی
اتر آیا زمیں پر آج کیا عرشِ بریں ساقی
کہیں کیوں جاؤں تیرے میکدے میں کیا نہیں ساقی
کہ پیتے ہی رگوں میں بجلیاں سی بھر گئیں ساقی
تو وہ عالم ہے اب جیسے ہو خاتم میں نگیں ساقی
کہیں ساغر کہیں میکش کہیں مینا کہیں ساقی
گریباں چاک ہے اشکوں سے تر ہے آستیں ساقی
ترے اندازِ مے بخشی پہ ہے صد آفریں ساقی
میں کہتا ہی رہا ہاں ہاں نہیں ساقی نہیں ساقی
کریں میکش نہ غم ہرگز جو ہے خلوت نشیں ساقی
میں وہ میخوار ہوں جس کے ہیں ختم المرسلیں ساقی
کہ مجھ سے بدتریں کو بہتریں مے بہتریں ساقی
مرا میخانہ اب لاہوت ہے روح الامیں ساقی
دکھائے کوئی ایسا نکتہ رس اور دور بیں ساقی
مگر رکھتا ہے لب خنداں دلِ اندوہگیں ساقی
رہے گا زنگ عالم میں یہی تا یومِ دیں ساقی
ذرا سنبھلے ہوئے لفظوں میں جو تو نے کہیں ساقی

الٰہی خیر ہو مجذوب میخانہ میں آیا ہے
قدح کش لاابالی جام نازک نازنیں ساقی

ع نسبت چشتیہ ۱۲

دیگر

(حیات مجذوب)

فہمید کید نفس کے قابل بنا دیا
مجذوب کو بھی آپ نے عاقل بنا دیا

مجذوب نارسیدہ کو واصل بنا دیا
ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنا دیا

نقش بتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق
آنکھوں کو آنکھیں دلکو مرے دل بنا دیا

عشق بتاں ہوا ہے مبدّل بحبّ حق
وجہِ فنا کو زیست کا حاصل بنا دیا

کیا ناخدا ہیں آپ بھی اس بحرِ عشق کے
گرداب ہولناک کو ساحل بنا دیا

فیضِ نظر سے نفس کی کایا پلٹ ہوئی
جو تھے رذائل اُن کو فضائل بنا دیا

غفلت میں دل پڑا تھا کہ ناگاہ آپ نے
آگاہ حق سے غیر سے غافل بنا دیا

مشغول اب نگہ میں ہوا دل بیادِ حق
غافل کو دم میں ذاکر و شاغل بنا دیا

مردودِ بارگاہ ہوا باریاب پھر
مہجور نامراد کو واصل بنا دیا

اُس روسیہ کو آپ نے جو ننگِ بزم تھا
پرتو سے اپنے رونقِ محفل بنا دیا

اُس قلبِ ناسزا کو جو ننگِ وجود تھا
ایسا نوازا ناز کے قابل بنا دیا

ایسے کو جو پڑا تھا مذلت کے قعر میں
اتنا اُبھارا صدر ا فاضل بنا دیا

میرے دلِ سیاہ کو انوارِ قلب سے
خورشیدِ پُر ضیا کا مماثل بنا دیا

پھر سہل کر دیا مرے سرکار آپ نے
میں نے جس امرِ سہل کو مشکل بنا دیا

چسکا لگا کے یادِ خدا کا حضور نے
بیزارِ کاروبار و مشاغل بنا دیا

دلدادہ کر دیا مجھے خلوت کا آپ نے
اس بزمِ بے ثبات سے بددل بنا دیا

دینی امور میں تو کیا مجکو مستعد
اور دنیوی امور میں کاہل بنا دیا

مشکل تھا دین سہل تھی دنیا اب آپ نے
مشکل کو سہل سہل کو مشکل بنا دیا

ہمت بڑھا کے بارِ امانت کا آپ نے
مجھ جیسے ناتواں کو بھی حامل بنا دیا

مجھ پا شکستہ کو بھی سہارے نے آپ کے
آمادہ پھر قطعِ منازل بنا دیا

کر کر کے وار نفس پہ تیغِ نگاہ کے
قاتل کو میرے آپ نے بسمل بنا دیا

مغلوب نفس تھا مگر اب نفس کُش ہوں میں
بسمل کو گویا آپ نے قاتل بنا دیا

انوار ذکر رہتے ہیں گھیرے ہوئے مجھے
خلوت کو میری آپ نے محفل بنا دیا

میں کیا کہوں کہ کیا تو تھا اور اب حضوؐر نے
کیا مجکو میرے مرشد کامل بنا دیا

بخشی حیات قلب وہ عیسیٰ نفس ہیں آپ
مردہ کو زندہ کہنے کے قابل بنا دیا

ہاں کیوں نہو وہ ذات مقدس ہی آپ کی
رندوں کو جس نے صوفی کامل بنا دیا

کر کر کے سہل وہ وہ دقائق بیاں کئے
نافہم جاہلوں کو بھی عاقل بنا دیا

صحبت سے اپنی فلسفی و منطقی کو بھی
قرآن اور حدیث کا عامل بنا دیا

آزاد تھے جو ملت و مذہب کے اُن کو بھی
وابستۂ چہار سلاسل بنا دیا

ہم جیسے ہرزہ گو بھی تو اب ذاکروں میں ہیں
زاغوں کو ہمنوائے عنادل بنا دیا

غاصب جو تھے وہ صاحب جود و سخا ہوئے
اور ظالموں کو آپ نے عادل بنا دیا

اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو
کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا

وہ وہ نتائج اخذ کئے ہیں کہ آپ نے
ادنےٰ امور کو بھی مسائل بنا دیا

قائل زباں سے ہوں کہ نہوں لیکن آپنے
دل سے تو منکروں کو بھی قائل بنا دیا

آہن کو سوز دل سے کیا موم آپ نے
ناآشنائے درد کو بسمل بنا دیا

دیکھا نہ کوئی مصلح اخلاق آپ سا
دیووں کو بھی فرشتہ شمائل بنا دیا

دنیا کو راہ راست دکھائی حضور نے
جب کج رووں نے پیرو باطل بنا دیا

کیا طرفہ ہے طریق ہدایت حضور کا
گم کردہ رہ کو رہبر منزل بنا دیا

کر دیجئے بس اب مجھے اپنے سے بیخبر
اس اپنے علم نے مجھے جاہل بنا دیا

مجذوب در سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپکا سائل بنا دیا

دیگر

ترا ذکر وردِ زباں ہو رہا ہے
یہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے

فدا تجھپہ ہر نکتہ داں ہو رہا ہے
وہ ناداں ہے جو بدگماں ہو رہا ہے

عیاں حال دل بے بیاں ہو رہا ہے
کہ عاشق سراپا زباں ہو رہا ہے

چڑھی ہے کچھ ایسی کہ تیور تو دیکھو
جواں آج پیر مغاں ہو رہا ہے

دمکتا ہے چہرہ چمکتی ہیں آنکھیں — بڑھاپے میں بھی جان جاں ہو رہا ہے
نکلتی ہیں ہر موئے تن سے شعاعیں — یہ کس مہ کا جلوہ عیاں ہو رہا ہے
ٹپکتی ہے ہر ہر بنِ مو سے مستی — سراپا مئے ارغواں ہو رہا ہے
پلا دی ہے باتوں ہی باتوں میں اتنی — کہ آنکھوں سے دریا رواں ہو رہا ہے
نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی — نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہے
میں مجذوب ہوں میری باتیں ہیں سچی — عبث معترض بدگماں ہو رہا ہے
جبھی کچھ میں کہتا ہوں جب دیکھتا ہوں — کہ دل بھی مرا ہمزباں ہو رہا ہے

الحمد للہ ختم ہوئی

اگر ہے یہ مجذوب کی بڑ تو پھر کیوں
مرا ہمزباں اک جہاں ہو رہا ہے

اشرف السوانح حصہ دوم

فہرست مضامین اشرف السوانح حصہ دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱	باب چہاردہم ارشاد وافاضۂ باطنی	۲۰۰	(عنوان دوم) تسہیل الطریق	۳۰۲	(عنوان پنجم) تبرکات حاصل کرنیکا سہل طریقہ
۳	حالات وواقعات متعلق ارشاد وافاضہ	۲۲۰	(عنوان سوم) اصول متعلقہ خط وکتابت	۳۰۳	اصول متعلقہ عنوان دوم تعلیم وتربیت
۸۶	متفرق واقعات وملفوظات	۲۴۲	(عنوان چہارم) اصول متعلقہ واردین	۳۰۴	(مناسب عنوان اول) متعلق بیعت
۱۰۹	نظم ملقب بہ تمکین بعد التلوین	۲۶۱	" ابتدائی ملاقات کے آداب	۳۰۶	(مناسب عنوان دوم) متعلق تعلیم وتربیت
۱۲۰	تنبیہ ضروری	۲۶۵	" خدمت کے آداب	۳۰۸	(مناسب عنوان سوم) متعلق واردین
۱۲۲	صد پند اشرف	۲۶۸	" کسی کی طرف دیکھنے کے آداب	۳۱۱	(مناسب عنوان چہارم یعنی خط وکتابت
۱۵۷	صد قند اشرف	۲۷۰	" سلام وپیام دیگراں	۳۱۸	خاتمۃ الباب
۱۶۳	بعض خاص خاص طرق تربیت	"	سفارش کرانا	۳۲۴	النظام للکلام
۱۶۵	پنج گنج اشرف	۲۷۱	ہدیہ پیش کرنا	۳۲۵	الکلام فی النظام
"	(عنوان اول) اصول متعلقہ بیعت	"	مجلس کے آداب	۳۳۲	بعض خاص خاص اصول بہمہ استفاضہ
۱۶۹	" شرائط بیعت بلا تعلیم	۲۷۴	راستہ چلنے کے آداب	۳۳۸	شکر نعمت
۱۷۰	" شرائط تعلیم بلا بیعت	۲۷۶	رخصت ہونیکے آداب	۳۴۲	باب پانزدہم خلفاے مجازین
۱۸۲	" حقیقت طریقت	۲۷۷	(عنوان پنجم) اصول متفرقہ	۳۴۴	انسداد سوء ظن وغلو در حسن ظن
۱۸۳	" حقوق طریقت	"	" ہدیہ کے متعلق اصول	۳۵۵	نظم
۱۸۷	(عنوان دوم) اصول متعلقہ تعلیم وتربیت	۳۰۰	" تبرکات کے متعلق اصول		

مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

جس کا مقصد حضرت حکیم الامّتہ نور اللہ مرقدہٗ کی اُن نایاب تالیفات کو دوبارہ شائع کرنا ہے جو ایک مرتبہ شائع ہو کر نایاب ہو گئیں

بہت کم حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی مجددانہ اور اصلاحی تصانیف جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے اور امت کی اصلاح کے لئے اس پُر فتن زمانہ میں اُن کا مطالعہ نہایت ضروری ہے لیکن اس وقت ان تصانیف کی کثیر تعداد ایسی نایاب ہے کہ نئی اُمت اُن کے نام اور فوائد سے بھی ناآشنا ہوگئی، نہ تاجروں کو ان کی دوبارہ طباعت کی طرف توجہ ہے۔

لہٰذا یہ ادارہ ایسی نایاب کتب کی اشاعت کو نہایت ضروری سمجھ کر قسط وار طباعت کے لئے کمربستہ ہو گیا لیکن اتنی بڑی تعداد کی طباعت و اشاعت تنہا کسی معمولی ایک ادارہ کے بس کا کام نہیں تاوقتیکہ پوری امت اپنے تعاون سے اس کا ہاتھ نہ بٹائے۔

اُمّت کو اس کے ساتھ تعاون کیوں کرنا چاہیئے؟

اس لئے کہ یہ تصانیف ایک مجدد وقت کے قلم سے نکلے ہوئے اصلاحِ اُمت کے لئے مفید نسخے ہیں آج جن دینی، اخلاقی، معاشرتی کمزوریوں میں امت مبتلا ہے یہ ان کی نشان دہی کر کے صحیح علاج اور نسخۂ شفا بتلاتی ہے۔

اشاعت میں تعاون کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟

(۱) جن حضرات کو ان تصانیف کی ضرورت اور فوائد معلوم ہیں وہ ناآشنا اُمت سے ان کا تعارف کرائیں، زبانی بھی اور کتابیں سُنا کر بھی اور عاریۃً مطالعہ کے لئے دے کر بھی۔

(۲) اس ادارہ کے خود بھی ممبر بنیں اور دوسروں کو بھی ممبر بنائیں جس کا قاعدہ ادارہ سے معلوم کیجئے۔

(۳) جن کے پاس یہ کتابیں نہیں ہیں اُن کو خریداری کی ترغیب دی جائے اگر وہ ابھی خریدنے اور روپیہ خرچ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں یا نادار ہوں تو بہ نیت تبلیغ کتابیں خرید کر ان کو عاریۃً دیتے رہیں یا مالک بنا دیں یا خود پڑھ کر سُنائیں۔

(۴) اگر بطور خود اس تقسیم کی خدمت کو انجام نہ دے سکیں تو ادارہ کو تبلیغی مد سے رقوم روانہ کر کے اس کے ذریعے سے اہلِ ضرورت تک پہنچانے کی ہدایت کریں۔ یقیناً جو حضرات ان کی طباعت اور اشاعت میں حصہ لیں گے مصنف کے ساتھ تبلیغِ دین کے ثواب سے سرفراز ہوں گے۔

مطبوعہ:۔ شیروانی آفسٹ پرنٹرز۔ دہلی ۶

مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

جس کا مقصد حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کی اُن نایاب تالیفات کو دوبارہ شائع کرنا ہے جو ایک مرتبہ شائع ہو کر نایاب ہو گئیں

بہت کم حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی مجددانہ اور اصلاحی تصانیف جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے اور امت کی اصلاح کے لئے اس پُر فتن زمانہ میں اُن کا مطالعہ نہایت ضروری ہے لیکن اس وقت ان تصانیف کی کثیر تعداد ایسی نایاب ہے کہ نئی اُمت اُن کے نام اور فوائد سے بھی ناآشنا ہو گئی ہے نہ تاجر ہوں کو ان کی دوبارہ طباعت کی طرف توجہ ہے۔

لہٰذا یہ ادارہ ایسی نایاب کتب کی اِشاعت کو نہایت ضروری سمجھ کر قسط وار طباعت کے لئے کمربستہ ہو گیا لیکن اتنی بڑی تعداد کی طباعت و اشاعت تنہا کسی معمولی ایک اِدارہ کے بس کا کام نہیں تاوقتیکہ پوری اُمت اپنے تعاون سے اس کا ہاتھ نہ بٹائے۔

اُمت کو اس کے ساتھ تعاون کیوں کرنا چاہیئے؟

اس لئے کہ یہ تصانیف ایک مجدد وقت کے قلم سے نکلے ہوئے اصلاحِ اُمت کے لئے مفید نسخے ہیں آج جو دینی، اخلاقی، معاشرتی کمزوریوں میں اُمت مبتلا ہے یہ ان کی نشان دہی کر کے صحیح علاج اور نسخۂ شفا بتلاتی ہے۔

اِشاعت میں تعاون کی کیا کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟

(۱) جو حضرات کہ ان تصانیف کی ضرورت اور فوائد معلوم ہیں وہ ناآشنا اُمت سے ان کا تعارف کرائیں، زبانی بھی اور کتابیں سنا کر بھی اور عاریۃً مطالعہ کے لئے دے کر بھی۔

(۲) اس ادارہ کے خود بھی ممبر بنیں اور دوسروں کو بھی ممبر بنائیں جس کا قاعدہ ادارہ سے معلوم کیجیے۔

(۳) جن کے پاس یہ کتابیں نہیں ہیں اُن کو خریداری کی ترغیب دی جائے اگر وہ ابھی خریدنے اور روپیہ خرچ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں یا نادار ہوں تو بہ نیت تبلیغ کتابیں خرید کر ان کو عاریۃً دیتے رہیں یا مالک بنا دیں یا خود پڑھ کر سنائیں۔

(۴) اگر بطور خود اس تقسیم کی خدمت کو انجام نہ دے سکیں تو ادارہ کو تبلیغی مد سے رقم روانہ کر کے اس کے ذریعے سے اہلِ ضرورت تک پہنچانے کی ہدایت کریں۔ یقیناً جو حضرات ان کی طباعت اور اشاعت میں حصہ لیں گے مصنف کے ساتھ تبلیغِ دین کے ثواب سے سرفراز ہوں گے۔